ہر مسلمان کی رہنمائی کے لیے تیار کی گئی آسان اور بنیادی کتاب

آسان فقہی مسائل
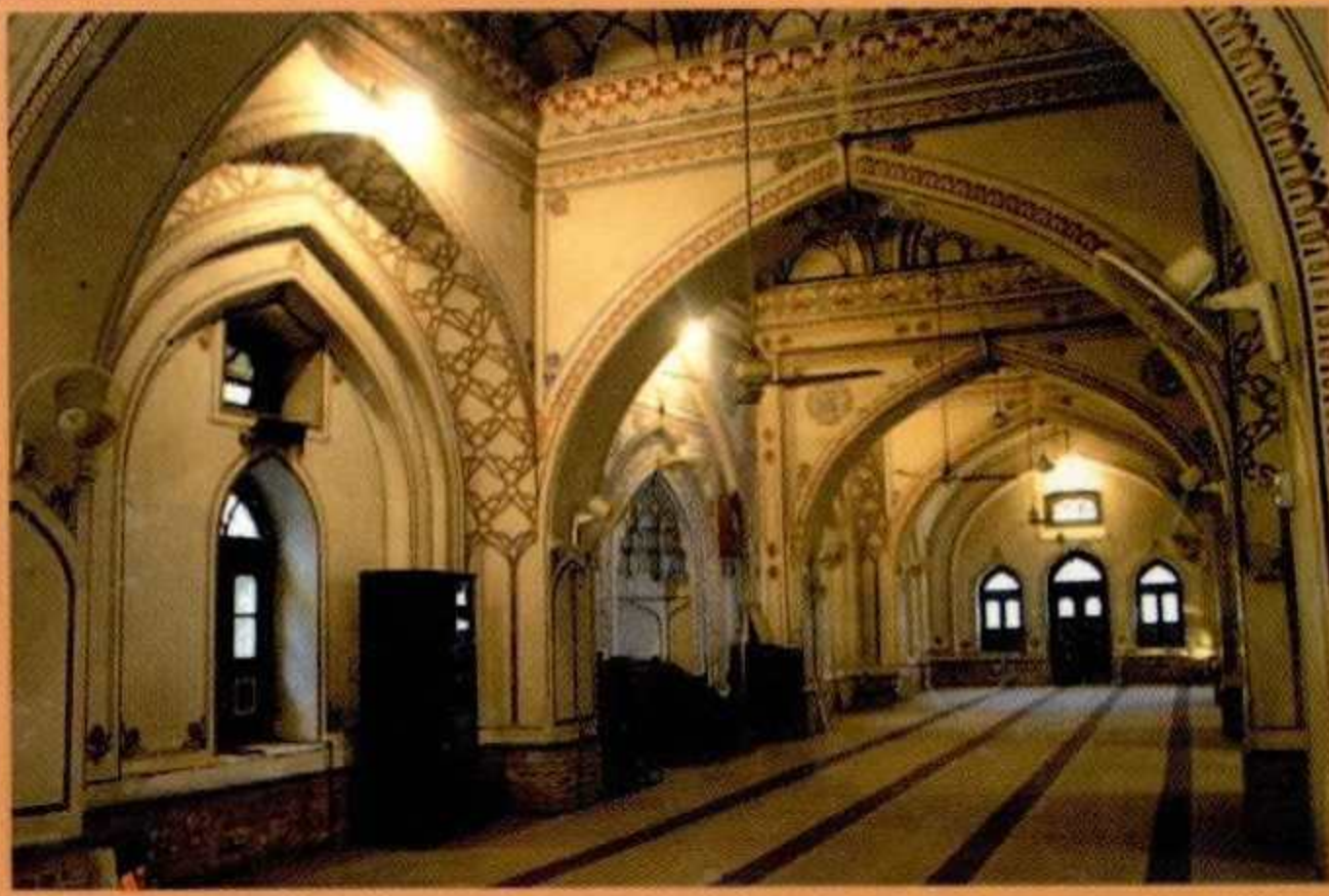
- جس میں ایمانیات اور نماز ..... روزہ، زکوۃ اور تجارت وغیرہ دینی ضروریات کے اکثر پیش آنے والے مسائل کو عام فہم اور آسان انداز میں بیان کیا گیا ہے۔
- علاماتِ قیامت کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

جامع و مرتب
مولانا عمر فاروق صاحب
استاذ الحدیث مدرسہ عائشہ للبنات کراچی

تخریج و نظر ثانی
بشارت الٰہی صاحب
فاضل و متخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ بیت العلم
اردو بازار، کراچی

ہر مسلمان کی رہنمائی کے لئے تیار کی گئی آسان اور بنیادی کتاب

- جس میں ایمانیات یعنی عقائد کو آسان انداز میں بیان کیا گیا ہے۔
- وضو، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور تجارت وغیرہ دینی ضروریات کے اکثر پیش آنے والے مسائل کو عام فہم اور آسان انداز میں بیان کیا گیا ہے۔
- علاماتِ قیامت کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

جامع و مرتب

عمر فاروق صاحب

اُستاذ الحدیث مدرسہ عائشہ البنات کراچی

تخریج و نظر ثانی

بشارت الٰہی صاحب

فاضل و متخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

ادارۃ السعید

دکان نمبر 1، فدا منزل، گوالی لین نمبر 3، نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔

فون: 32726509-21-92 موبائل: 2583199-322-92

11010210

ناشر

سعید احمد ویلفیئر ٹرسٹ

کتاب کا نام:............... آسان فقہی مسائل

تاریخ اشاعت:............... صفر ۱۴۳۱ھ بمطابق فروری ۲۰۱۰ء

بشکریہ:............... بیت العلم ٹرسٹ

اسٹاکسٹ

ادارۃ السعید

فدا منزل نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔

فون:092-021-32726509 موبائل:0322-2583199

ویب سائٹ:www.mbi.com.pk

ملنے کے دیگر پتے

☆ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور۔ فون:0423-7224228

☆ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور۔ فون:0423-7228196

☆ مکتبہ امدادیہ، ٹی۔ بی روڈ، ملتان۔ فون:061-4544965

☆ کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راولپنڈی۔ فون:051-5771798

☆ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔ فون:081-662263

☆ کتاب مرکز، فیریئر روڈ، سکھر۔ فون:071-5625850

☆ بیت القرآن، نزد ڈاکٹر ہارون والی گلی، چھوٹی گھٹی، حیدرآباد۔ فون:022-3640875

نوٹ: یہ کتاب اب آپ مکتبہ سعید سے بذریعہ VP بھی منگوا سکتے ہیں۔

برائے سیلز و مارکیٹنگ:0322-2583199

آسان فقہی مسائل

ضروری گزارش

اَلسَّلَامُ عَلیکُمْ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ برکَاتُہٗ

حضرات علماء کرام اور معزز قارئین کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ گزارش ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ.......... ہم نے اس کتاب میں تصحیح وتخریج کی پوری کوشش کی ہے، تاکہ ہر بات مستند اور باحوالہ ہو، پھر بھی اگر کہیں مضمون یا حوالہ جات میں کمی بیشی یا اَغلاط وغیرہ نظر آئیں تو ازراہِ کرم ہمیں ضرور مطلع فرمائیں، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں وہ غلطی دور کی جائے۔ مزید اس کتاب کے متعلق کوئی اصلاحی تجویز ہو تو ہم نے آخر میں خط دیا ہے وہ ضرور بھیجیں۔

اس کتاب کی تصحیح اور کتابت پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ.......... کافی محنت ہوئی ہے، اُمید ہے قدردان لوگ مسلمانوں کے لئے کی گئی اس محنت کو دیکھ کر خوش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے رہیں گے۔

جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْرًا

آپ کی قیمتی آراء کے منتظر

احباب بیت العلم ٹرسٹ

منفرد علمی اور دینی تحفہ

''آسان فقہی مسائل''

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ.

◎ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ تحفے میں بہترین چیز پیش کرے۔

◎ کیا آپ جانتے ہیں کہ ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی طرف سے سب سے بہترین چیز کیا ہے؟

❶ یاد رکھیے! ایک مسلمان کے لئے سب سے بہترین تحفہ ''دینی علوم سے واقفیت ہے'' اپنے دوستوں اور عزیزوں کو یہ کتاب ہدیے میں پیش کرکے ہم ''تَهَادَوْا تَحَابُّوْا''[1] والی حدیث پر عمل کر سکتے ہیں جس کا معنی ہے کہ:

''تم ایک دوسرے کو ہدیہ لیا دیا کرو آپس میں محبت بڑھے گی۔''

❷ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر آپ محسوس کریں کہ یہ آپ کے گھر والوں ...... رشتہ داروں ...... دفتر کے ساتھیوں ...... کاروباری حلقوں ...... اور معاشرے کے دیگر افراد بشمول اسکول، کالج اور مدارس کے طلبہ کے لئے مفید ہے تو آپ کا انہیں یہ کتاب تحفے میں پیش کرنا آخرت میں سرمایہ کاری اور سماجی ذمہ داری کی ادائیگی کا حصہ ہوگا۔

❸ نیکی کے پھیلانے، علمِ دین اور کتابوں کی اشاعت کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔

لہٰذا اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔ محلے کی مسجد، لائبریری، کلینک، محلے کے اسکول اور مدرسے کی لائبریری تک پہنچا کر معاشرے کی

---

[1] موطّا امام مالك، كتاب الجامع، باب ماجاء في المهاجرة: ٧٠٦، ٧٠٧

اصلاح میں معاون و مددگار بنئے۔

❹ کتاب کو ہدیے میں دے کر آپ علمی دوست بن سکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بنا سکتے ہیں، اس لئے کہ کتاب جہاں کہیں بھی رکھی جاتی ہے وہ لوگوں کو پڑھنے کی طرف دعوت دیتی ہے اور جب لوگ دینی، معاشرتی اور اخلاقی احکام و ہدایات سے باخبر ہوں گے توان شاء اللہ تعالیٰ باعمل بھی ہوں گے۔

❺ اگر اللہ تعالیٰ نے گنجائش عطا کی ہو تو کم از کم دس کتابوں کو لے کر والدین اور اساتذہ کرام کے ایصالِ ثواب کے لئے وقف کر دیں، یا رشتہ داروں، دوستوں کو خوشی کے مواقع پر پیش کر کے دین اور دنیا کے فوائد اپنایئے۔

کتاب دے دینا ہمارا کام ہے، مطالعہ کی توفیق اور پھر ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، ہم اپنا کام پورا کرنے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرما کر مطلوبہ نتائج بھی ظاہر فرمائیں گے۔

درجِ ذیل سطور میں پہلے اپنا نام و پتہ پھر جنہیں ہدیہ دے رہے ہیں ان کا نام و پتہ لکھیں۔

ہدیۂ مبارکہ

From | مِنْ

....

....

To | اِلیٰ

....

....

فہرستِ مضامین

عرض ناشر

الحمد للہ ادارہ سے مردوں کے ۳۰۰ سو فقہی مسائل کتاب شائع ہوئی اسی طرح درسی بہشتی زیور تمارین کے ساتھ شائع ہوئی لوگوں کو فائدہ ہوا اب تمنا یہ تھی کہ ہماری مساجد میں مکاتب قرآنیہ قائم ہوں کہ بچوں کو حفظ و ناظرے کے ساتھ دو گھنٹے ایمانیات، عبادات، احادیث، تجوید، سیرت اور اخلاق و آداب وغیرہ مضامین کی بنیادی ایسی تعلیم و تربیت دی جائے جو ان کو صحیح مسلمان بنائے، مدارس میں عالم بننے والے طلبہ معاشرے کے تین فیصد ہوا کرتے ہیں، باقی دو فیصد تک کس طرح دین پہنچے۔

الحمد للہ اس کے لیے تربیتی نصاب تیار ہوئی یہ نصاب چار حصوں پر مشتمل ہے دو حصے تو الحمد للہ! منظرِ عام پر آ گئے ہیں اور باقی دو حصے عن قریب طباعت کے زیور سے آراستہ ہونے والے ہیں۔ جو بچے حافظ یا ناظرہ کرنے آتے ہیں ان کو بچپن ہی میں ناظرہ قرآن اور نورانی قاعدہ کے ساتھ ساتھ تربیتی نصاب کے ۴ صفحے پڑھا لیے جائیں، الحمد للہ اس کے لیے کئی جگہوں پر کتاب شروع ہوگئی۔

اب یہ فکر تھی کہ جو بڑی عمر تک پہنچ گئے ہیں ان کے لیے کوئی ایسی کتاب تیار کی جائے جو مساجد میں روزانہ امام صاحب مطالعہ کر کے سنا دیا کریں۔ ہندوستان سے ایک کتاب ''پانچ منٹ کا مدرسہ'' شائع ہوئی اس کو مکتبہ دارالہدیٰ والے مولوی زبیر عبدالرشید وغیرہ کوشش کر رہے ہیں کہ اس کی تخریج کر کے اس کو شائع کریں۔ اسی دوران ہمارے درجۂ اولی سے لے کر دورۂ حدیث تک کے ساتھی مولانا عمر فاروق صاحب جو فی الحال مدرسہ عائشہ صدیقہ للبنات اور مدرسہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں، انہوں نے زیرِ نظر کتاب ''آسان فقہی مسائل'' کے نام سے مرتب فرمائی۔ ہمارے حصے میں یہ سعادت مقدر آئی کہ اس کے شائع کرنے کا ذریعہ بنے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اور تمام دینی کتابوں کو قبول فرمائے، آمین۔

محمد حنیف عبدالمجید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اللہ رب العزت نے انسانوں کی زندگی کا مقصد بندگی قرار دیا ہے اور اس کو دنیا وآخرت کی کام یابی کا مدار ٹھہرایا ہے، اللہ رب العزت نے قرآن مجید اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے ذریعے بندگی کرنے کے طریقے بتا دیے ہیں اور فقہائے امت نے قرآن مجید اور احادیث میں بیان کردہ اصولوں کے تحت عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، حدود وتعزیرات اور آداب سے متعلق تمام جزئیات کو بیان کر دیا ہے، تاکہ لوگ اپنی زندگی کے ہر لمحے کو اللہ رب العزت کی مرضی کے مطابق گزار کر دنیا وآخرت کی سعادت حاصل کرسکیں۔

اس پرفتن دور کی مصروف زندگی کے سبب عوام کے لیے اپنے ہر ہر مسئلے کو علما کی خدمت میں پیش کرکے اس کا حل چاہنا، ایک مشکل کام بن گیا ہے، عوام کی اس پریشانی کو مدنظر رکھتے ہوئے معتبر وجید علمائے کرام ومفتیان عظام کے مختلف اردو فتاویٰ وکتب سے عام زندگی میں پیش آنے والے ضروری اور اہم مسائل کو عام فہم انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ عوام اسے پڑھ کر، سمجھ کر، اپنی زندگی اللہ رب العزت کے احکامات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کے مطابق گزار سکیں اور یوں دنیا وآخرت کی کام یابی سے ہم کنار ہوسکیں۔

استفادہ کرنے والے حضرات سے چند گزارشات:

1. اس کتاب میں مشہور اور کثرت سے پیش آنے والے مسائل کو جمع کیا گیا ہے،

ان کے علاوہ پیش آنے والے مسائل میں معتمد مفتیانِ کرام سے رہنمائی حاصل کی جائے۔

۲ یہ مسائل فقہ حنفی کے مطابق ہیں۔

۳ مسائل مردوں سے متعلق ہیں، البتہ چند مسائل کسی مناسبت سے عورتوں کے بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

۴ جن کتب اور فتاویٰ سے مسائل لیے گئے ہیں، ان کے مراجع بھی ذکر کر دیے گئے ہیں، البتہ بعض وہ مسائل بدیہی ہیں یا علما سے براہِ راست پوچھے گئے ہیں، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

۵ کسی بھی مسئلے میں کوئی اشکال ہو یا کسی عبارت کا مفہوم واضح نہ ہو تو علما کی طرف رجوع کر لیا جائے۔

۶ یہ کوئی مستقل تصنیف نہیں، بل کہ مختلف کتب و فتاویٰ سے مسائل جمع کر کے ترتیب دیے گئے ہیں، ترتیب دینے میں آسان عام فہم انداز اختیار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۷ جہاں ایک مسئلے سے متعلق ایک سے زیادہ قول ذکر کیے گئے ہیں، وہاں ان تمام قولوں پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

۸ ان مسائل کو درساً پڑھانے والے علما کی خدمت میں درخواست ہے کہ جن مسائل کی عملی مشق کرائی جا سکتی ہو تو بہتر یہ ہے کہ ان کی عملی مشق کرائی جائے، مثلاً: وضو، تیمم، موزوں پر مسح، نماز وغیرہ۔

۹ بعض مقامات پر ایک ہی مسئلے کی مختلف صورتوں کو مختلف کتابوں سے نقل کیا گیا ہے۔

۱۰ بہتر یہ ہے کہ یہ مسائل کسی مستند عالم سے درساً پڑھ لیے جائیں۔

۱۱ کچھ مسائل میں دلائل کو بھی ذکر کیا گیا ہے جہاں بعض مسائل کا سمجھنا دلیل پر

موقوف ہو۔

⓬ فقہی اصطلاحات کے استعمال سے ممکنہ حد تک بچنے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ عوام پر اصطلاحات سمجھنے کا بار نہ پڑے۔

⓭ اغلاط پر متنبہ کرنے والے اور مفید مشورے دینے والے حضرات اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثواب کے مستحق گے "اِنْ شَاءَ اللّٰہُ"۔

مساجد کے ائمہ حضرات سے عاجزانہ گزارش:

(الف) مساجد کے ائمہ کرام کسی نماز کے بعد پانچ منٹ اس کتاب کو درساً پڑھا لیا کریں، امید ہے کہ بہت فائدہ ہوگا۔ الحمد للّٰہ ہماری عوام میں اب کافی طلب ہے اور بہت سے مسائل محض ناواقفیت کی وجہ سے غلط کر لیے جاتے ہیں، اگر ان کی واقفیت ہوگئی تو عبادت، معاشرت اور معاملات صحیح طرح ادا ہوں گے۔

(ب) اسی طرح ائمہ حضرات جون جولائی یا کسی بھی ماہ حسبِ موقع وموسم اسکول و کالج کے نوجوانوں کی جو چھٹیاں ہوتی ہیں ان چھٹیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو یہ کتاب درساً پڑھائیں تو امہات العقائد اور بنیادی ضروری دین جو یہ مسلمان کی ضرورت ہے وہ اس کو نوجوانی ہی میں مل جائے۔

مہتممین مدارس اور اسکولوں کے پرنسپل حضرات سے گزارش:

مدرسہ میں اسکول میں غیر تدریسی عملہ چوکی دار، خادمین، اصحاب مطبخ، دفتری عملہ اور مدرسہ اسکول کے پڑوسی احباب اور بچوں کے والد پانچ منٹ روزانہ اس کتاب سے پڑھا لیا جائے تو ان لوگوں کو بھی بنیادی ضروری عقائد و مسائل سے واقفیت ہو جائے اور باخبر ہوں گے توان شاء اللّٰہ تعالیٰ باعمل بھی ہوں گے۔ ہمارا کام کانوں تک پہنچانا ہے ہدایت دینا اللہ کا کام ہے۔

جنہوں نے بھی جس قسم کی بھی اس کتاب کی تیاری میں معاونت کی ہے، اللہ

تعالیٰ انہیں دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے، خصوصاً مولانا بشارت الٰہی صاحب اور مولانا خلیل الرحمن صاحب (فاضلان جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی) کو کہ ان دونوں نے تصحیح وتخریج میں معاونت فرمائی۔ آمین

تمام قارئین سے حسنِ قبول، حسنِ توفیق اور حسنِ خاتمہ کی استدعا ہے۔

خادم

مدرسہ عائشہ صدیقہ للبنات

گلستان جوہر کراچی

اسلامی عقائد

ایمان کا بیان

''ایمان'' عربی زبان میں کسی کی بات کو کسی کے اعتماد پر یقینی طور سے مان لینے کو کہتے ہیں اور شریعت میں رسول کی خبر کو محض رسول کے اعتماد پر مشاہدہ کیے بغیر یقینی طور سے مان لینے کو کہتے ہیں۔

ایمان کی مفصل تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اس بات پر کہ اچھی بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے پر ایمان لانا۔[1]

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق عقائد

1. اللہ تعالیٰ ایک ہے، وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے۔
2. اس میں تمام اچھی صفات کامل طور پر موجود ہیں، جو نہ کبھی بدلیں گی، نہ ہی ختم ہوں گی۔
3. کوئی چیز اس کی طرح نہیں، وہ سب سے نرالا ہے، وہ مخلوق جیسے ہاتھ پاؤں، ناک، کان اور شکل وصورت سے پاک ہے، اس کی ذات کی باریکی کو کوئی نہیں جان سکتا۔ ہم اللہ تعالیٰ کو اس کی صفات کمالیہ سے پہچانتے ہیں، مثلاً یہ کہ اللہ

---

[1] فتح الباري، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم ...: ٦٤/١، عمدة القاري، كتاب الإيمان، باب الإيمان وقول النبي صلى الله عليه وسلم: ١٧٢/١ تا ١٧٥، منتخب أحاديث، إيمان ص: ١٧

خالق ہے، رازق ہے، رحمٰن ہے وغیرہ۔

۴ وہ خود بخود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

۵ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

۶ نہ وہ سوتا ہے، نہ اونگھتا ہے، نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ ہی اس کو کسی نے جنا، نہ اس کی کوئی بیوی ہے، نہ کسی سے اس کا رشتہ ناتا ہے، وہ ہر عیب سے پاک ہے۔

۷ اس کو ہر چیز پر قدرت ہے، دنیا کی تمام باتیں اس کے اختیار اور ارادے سے ہوتی ہیں، وہ کسی کام میں مجبور نہیں، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، کوئی اس کو روک ٹوک کرنے والا نہیں۔ کوئی چیز اس کے ذمے ضروری نہیں، وہ جو کچھ مہربانی کرے اس کا فضل ہے، ہر چیز پر اسی کا تصرف اور قبضہ ہے، زبردست قوت و طاقت کا مالک ہے، اس نے ہی سب کو سنبھالا ہوا ہے، وہی سب کو فنا کرے گا۔

۸ کوئی چھوٹی بڑی چیز اس کے علم سے باہر نہیں، ہر چیز کو اس کے وجود سے پہلے اور اس کے ختم ہو جانے کے بعد بھی جانتا ہے، وہ دل کے خیالات سے بھی باخبر ہے۔

۹ وہی چیزوں کا اور حالات کا خالق اور مالک ہے، ہر قسم کے حالات اسی کی طرف سے آتے ہیں، زندگی موت، عزت ذلت، نفع نقصان، کام یابی ناکامی، راحت مشقت، خوشی غمی، ہنسنا رونا، تن درستی بیماری، امن خوف، تنگ دستی تونگری، حفاظت ہلاکت غرض یہ کہ ہر قسم کے حالات جو کسی بھی مخلوق پر آتے ہیں، وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتے ہیں، ان حالات کے آنے میں، ملک و مال اور اسباب کا کوئی دخل نہیں۔

۱۰ وہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے، وہ ہلکی سے ہلکی آواز کو سنتا اور چھوٹی سے چھوٹی چیز کو

دیکھتا ہے، اس کے سننے اور دیکھنے میں نزدیک دور، اندھیرے اجالے کا کوئی فرق نہیں، اندھیری رات میں کالی چیونٹی کے چلنے اور اس کے پاؤں کی حرکت کو بخوبی جانتا اور دیکھتا ہے۔

⓫ وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، وہی اپنے بندوں کو سب آفتوں سے بچاتا ہے، وہی عزت والا ہے، گناہوں کا بخشنے والا ہے، بہت دینے والا ہے، روزی پہنچانے والا ہے، جس کے لیے چاہتا ہے، روزی تنگ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے، زیادہ کر دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے پست کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بلند کر دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے، انصاف والا ہے، دعا کا قبول کرنے والا ہے۔

⓬ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔[1]

فرشتوں سے متعلق عقائد

❶ فرشتے معصوم ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں نور سے پیدا کیا ہے، وہ بغض، حسد، غضب، تکبر، حرص، ظلم وغیرہ سب سے پاک ہیں۔

❷ وہ بے شمار ہیں، ان کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

❸ بعض فرشتوں کے دو پر ہیں، بعض کے تین، بعض کے چار اور بعض فرشتوں کے چار سے بھی زیادہ پر ہیں۔

❹ وہ نہ انسانوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں، نہ سوتے ہیں اور نہ انسانوں کی طرح مرد وعورت ہیں، وہ کبھی انسانی شکل میں بھی ظاہر ہوتے ہیں، چناں چہ قرآنِ کریم میں حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور حضرت مریم علیہم السلام کے قصے میں مذکور ہے کہ فرشتے انسانی شکل میں ان کے پاس آئے تھے۔[2]

---

[1] شرح العقیدۃ الطحاویۃ: ص ۸۰، المھند علی المفند: ص: ۵۴ مآخذہ بھشتی زیور، عقیدوں کا بیان: ۵۰ تا ۵۲

[2] ھود: ۶۹

۵ بعض فرشتوں کا درجہ بعض سے زیادہ ہے، لیکن ان کے مرتبے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔

۶ چار فرشتے زیادہ مشہور ہیں:

حضرت جبرئیل علیہ السلام۔

حضرت میکائیل علیہ السلام۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام۔

حضرت عزرائیل (ملک الموت) علیہ السلام۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب فرشتوں سے زیادہ ہے، بڑی قوت والے ہیں، یہ انبیا علیہم السلام کے پاس وحی لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے بندوں کی ضروریات پوری کرنا بھی ان ہی کے سپرد ہے۔

حضرت میکائیل علیہ السلام

حضرت میکائیل علیہ السلام مخلوقات کو روزی پہنچانے اور بارش وغیرہ کے انتظامات پر مقرر ہیں۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام

حضرت اسرافیل علیہ السلام قیامت کے دن صور پھونکیں گے۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام

حضرت عزرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے روح قبض کرتے ہیں۔

ان کے علاوہ چند مشہور فرشتے یہ ہیں:

۱ ''کِراماً کاتِبین'' یہ چار فرشتے ہیں، دو دن میں اور دو رات میں، ہر ایک

انسان کے ساتھ رہتے ہیں، ایک دائیں کندھے پر جو نیکی لکھتا ہے اور دوسرا بائیں کندھے پر جو برائی لکھتا ہے۔

۲ ''حَفَظَه'' وہ فرشتے جو انسان کو مصیبتوں سے بچانے پر مقرر ہیں۔

۳ ''منکر نکیر'' وہ فرشتے جو انسان کے مر جانے کے بعد قبر میں اس سے سوال کرنے پر مقرر ہیں۔

۴ کچھ فرشتوں کو حکم ہے کہ دنیا میں چلیں پھریں اور ایسی مجلسوں میں حاضر ہوا کریں جہاں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جا رہا ہو، دین کی تعلیم ہو رہی ہو، قرآنِ مجید کی تلاوت ہو رہی ہو، درود پڑھا جا رہا ہو اور جتنے لوگ وہاں حاضر ہوں، ان سب کی حاضری کی گواہی اللہ تعالیٰ کے سامنے دیں۔

ان فرشتوں کی صبح و شام تبدیلی ہوتی رہتی ہے، صبح کی نماز کے وقت رات والے فرشتے آسمانوں پر چلے جاتے ہیں اور دن میں کام کرنے والے آ جاتے ہیں، عصر کی نماز کے بعد دن والے فرشتے چلے جاتے ہیں اور رات میں کام کرنے والے آ جاتے ہیں۔

۵ کچھ فرشتے جنت کے انتظام پر مقرر ہیں، جو جنت کے داروغہ ''رضوان'' کے ماتحت ہیں۔

۶ کچھ فرشتے دوزخ کے انتظام پر مقرر ہیں، جو دوزخ کے داروغہ ''مالک'' کے ماتحت ہیں۔

۷ کچھ فرشتے اللہ تعالیٰ کا عرش اٹھائے ہوئے ہیں۔

۸ کچھ فرشتے محض اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، ان میں سے بعض قیام میں، بعض رکوع میں اور بعض سجدے میں رہتے ہیں۔

۹ اس کے علاوہ آسمان اور زمین کے بہت سے کام ان کے سپرد کیے ہوئے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لاتے ہیں اور اپنے سپرد شدہ کاموں کی انجام دہی

میں کبھی نافرمانی نہیں کرتے۔

شیاطین و جنات

اللہ تعالیٰ نے کچھ مخلوقات آگ سے پیدا کی ہیں اور ان کو ہماری نظروں سے پوشیدہ کیا ہے ان کو ''جن'' کہتے ہیں، ان میں نیک و بد سب طرح کے ہوتے ہیں، ان کی اولاد بھی ہوتی ہے، ان میں سب سے زیادہ مشہور شیطان ہے جو لوگوں کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے اور ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

کتابوں سے متعلق عقائد

کتابوں سے مراد وہ صحیفے اور کتابیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں پر نازل فرمائی ہیں، ان میں سے چار کتابیں مشہور ہیں:

❶ توراۃ: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔
❷ انجیل: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔
❸ زبور: حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔
❹ قرآنِ مجید: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

قرآنِ مجید

❶ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام بھی ہے۔
❷ پہلے پورا قرآنِ مجید ایک ہی مرتبہ لوحِ محفوظ سے پہلے آسمان پر نازل کیا گیا، پھر وقتاً فوقتاً ضرورتوں کے لحاظ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے تیئیس (۲۳) سال کے عرصے میں دنیا میں نازل ہوا۔
❸ جس ترتیب سے قرآنِ مجید اب موجود ہے، اس ترتیب سے نازل نہیں ہوا، لیکن یہ موجودہ ترتیب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہے اور آپ کے ارشاد اور حکم کے موافق قائم ہوئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ

ترتیب حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوئی اور یہ وہی ترتیب ہے جس ترتیب سے قرآنِ کریم لوحِ محفوظ میں موجود ہے۔

❹ قرآنِ مجید آخری کتاب ہے، اب اس کے بعد کوئی آسمانی کتاب نہیں آئے گی، اس کتاب کی کسی ادنیٰ بات کے انکار کرنے سے بھی آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

❺ قرآنِ مجید کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے، اس کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

❻ قرآنِ کریم کی نظیر قیامت تک کوئی نہیں بنا سکتا۔

❼ قرآنِ کریم قیامت تک کے انسانوں کے لیے راہِ ہدایت اور ضابطۂ حیات ہے۔

❽ قرآنِ کریم میں بہت سے احکام اجمالاً یا تفصیلاً بیان کیے گئے ہیں، پھر ان کی تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے فرمائی ہے اور قرآنِ کریم کے علاوہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق احکام بتائے ہیں، ان سب کو ماننا اور ان سب پر عمل کرنا لازم ہے۔

چند آسمانی صحیفے:

❶ ان چار بڑی کتابوں کے علاوہ کچھ صحیفے (چھوٹی کتابیں) حضرت آدم اور کچھ حضرت شیث اور کچھ حضرت ابراہیم اور کچھ حضرت موسیٰ علیہم السلام پر نازل ہوئے، یہ سب کتابیں اور صحیفے اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں۔

❷ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید اتار کر اس سے پہلے کی تمام کتابوں پر عمل کرنا منسوخ کر دیا۔

کتب سابقہ سے متعلق عقیدہ

❶ قرآنِ مجید سے یہ بات ثابت ہے کہ موجودہ توراۃ، زبور اور انجیل وہ اصلی

کتابیں نہیں رہیں، بل کہ ان میں یہود ونصاریٰ نے حروف اور الفاظ بدل دیے ہیں۔

❷ ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ یہ موجودہ توراۃ، زبور اور انجیل اصلی آسمانی کتابیں نہیں رہیں، بل کہ ان ناموں کی اصلی کتابیں انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں۔
اگر کوئی شخص توراۃ، زبور، انجیل کو اللہ تعالیٰ کی کتابیں نہ مانے تو وہ شخص کافر ہے۔

انبیا کرام علیہم السلام سے متعلق عقائد

انبیا علیہم السلام کے بھیجنے کا مقصد

رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں تک اپنے احکام پہنچانے کے لیے کچھ منتخب انسانوں کو بھیجا ہے، انہیں ''رسول اور نبی'' کہتے ہیں۔

''رسول'' اس پیغمبر کو کہتے ہیں جس پر کوئی کتاب یا صحیفہ نازل ہوا ہو اور اسے نئی شریعت دی گئی ہو اور ''نبی'' ہر پیغمبر کو کہتے ہیں، خواہ اسے نئی شریعت اور کتاب دی گئی ہو یا نہ دی گئی ہو، وہ پہلی شریعت اور کسی رسول کا اتباع کرنے والا ہو۔[1]

انبیا علیہم السلام کی تعداد

بعض روایتوں میں نبیوں اور رسولوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار، بعض میں ایک لاکھ چونتیس ہزار اور بعض میں دو لاکھ چوبیس ہزار آئی ہے، یہ تعداد حتمی نہیں ہے، اس لیے اس طرح ایمان لانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول بھیجے ہیں، ہم

---

[1] کشف الباری، باب کیف کان بدء الوحی: ۱/۲۲۷

ان سب کو برحق رسول و نبی مانتے ہیں۔ ان میں تین سو تیرہ رسول ہیں۔[1]

حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری رسول ہیں۔[2]

رسالت ونبوت

رسالت ونبوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے، اس میں آدمی کی کوشش اور عبادت کو دخل نہیں ہے، اسی لیے کوئی ولی خواہ اپنی محنت سے کتنا ہی بڑا مرتبہ حاصل کرلے، لیکن کسی نبی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔[3]

انبیا علیہم السلام کی صفات

تمام انبیا علیہم السلام انسان تھے اور مرد تھے، نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد صغیرہ کبیرہ گناہوں سے پاک اور معصوم تھے، کامل عقل والے تھے، ایسی بیماریوں سے پاک تھے جن کی وجہ سے لوگ ان کو حقیر سمجھیں، ان سے نفرت کریں، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام کو نہ مانیں، مثلاً: جذام، برص وغیرہ۔[4]

سب انبیا علیہم السلام آزاد اور اچھے نسب والے تھے، ان کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور ان کی مخالفت اللہ تعالیٰ کی مخالفت ہے، دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی نبی نہ آیا ہو۔

انبیا علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کے پیغام پورے پورے پہنچا دیے، ان میں کمی بیشی نہیں کی، نہ کسی پیغام کو چھپایا، پیغمبروں میں سے بعض کا مرتبہ بعض سے بڑا ہے،

---

[1] البداية والنهاية: ۲/۱۲۰، مجمع الزوائد، كتاب الانبياء: ۸/۲۷۵

[2] الطبقات الكبرىٰ، ذكر تسمية الانبياء ...... : ۱/۳۳

[3] ردالمحتار، مطلب فى عدد الانبياء والرسل ...... : ۱/۵۲۷

[4] مآخذه شرح الفقه الاكبر، للإمام السمرقندى: ۱۳۲، ۱۳۳

سب میں زیادہ مرتبہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق عقائد

1. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی دوسرا نیا شخص نبوت سے سرفراز ہو کر نہیں آئے گا اور جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے، نبوت و رسالت کا منصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ختم ہوگیا، قیامت تک جتنے انسان اور جن ہوں گے، سب کے لیے آپ ہی پیغمبر ہیں۔
2. آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تمام مخلوق بل کہ اپنی جان سے بھی زیادہ ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنا ہر امتی پر فرض ہے۔[2]
3. آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجنا مستحب اور نہایت عظیم عبادت ہے۔
4. آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں حیاتِ برزخی کے ساتھ، لیکن یہ حیاتِ برزخی عام مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ قوی ہے، اس میں روح کا رشتہ جسد کے ساتھ اتنا زیادہ قوی رہتا ہے کہ اسے حیاتِ دُنیویہ کے ساتھ بہت قرب ہے اور اس کی بنا پر مطلقاً حیات کا اطلاق کیا جاتا ہے، اسی لیے انبیا علیہم السلام کی نہ میراث تقسیم ہوتی ہے اور نہ ان کی ازواجِ مطہرات سے بعد میں کوئی نکاح کر سکتا ہے۔ تاہم اس زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکلّف نہیں ہیں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس دنیا میں موت بھی آئی ہے، یہ ہی عقیدہ تمام انبیائے کرام اور شہدا کے بارے میں رکھنا چاہیے۔[3]

---

[1] تفسیر ابن کثیر، الاسراء، ۹۵، تفسیر طبری، الحج: ۷۵، مرقاۃ، باب الکبائر، الفصل الاول: ۱/۱۲۷

[2] عمدۃ الفقہ، کتاب الإیمان، حصہ اول: ص ۲۵

[3] مأخذہ فتاوی عثمانی، کتاب الإیمان والعقائد: ۱/۶۰

❺ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقات سے زیادہ علوم عطا ہوئے تھے، مخلوق میں سے کوئی بھی ان علوم تک نہیں پہنچ سکتا۔

❻ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاندان قریش میں سے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: ''محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔''

چار پشت تک ہر مسلمان کو یہ نسب نامہ زبانی یاد رکھنا چاہیے۔

❼ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی چالیس سال کی عمر میں نازل ہوئی، وحی نازل ہونے کے بعد تیرہ سال مکہ معظمہ میں اور دس سال مدینہ منورہ میں تبلیغِ اسلام فرماتے رہے، تریسٹھ (۶۳) سال دو دن کی عمر میں ۱۱ھ بروز پیر وصال فرمایا۔

❽ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بہت زیادہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآنِ مجید ہے جو قیامت تک رہے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ معراج ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر بلایا اور جنت و دوزخ کی سیر کرائی اور وہ مقامِ قرب عطا فرمایا جو نہ کبھی کسی کو حاصل ہوا اور نہ آئندہ کسی کو حاصل ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ شق القمر ہے، ایک مرتبہ کفارِ مکہ کے مطالبے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے اور سب حاضرین نے دو ٹکڑے دیکھ لیے کہ ایک ٹکڑا مشرق میں اور دوسرا مغرب میں چلا گیا اور بالکل اندھیرا ہوگیا، پھر دونوں ٹکڑے وہیں سے طلوع ہوکر دوبارہ مل گئے اور چاند جیسا تھا، ویسا ہی ہوگیا۔

معجزہ

کسی نبی یا رسول کے ہاتھوں نبوت کے برحق ہونے اور ان کی سچائی کو ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھوں ایسی نئی نئی اور مشکل باتیں ظاہر کیں جو اور لوگ نہیں کر سکتے، ایسی باتوں کو معجزہ کہتے ہیں۔[1]

اللہ تعالیٰ نے جس پیغمبر کو بھی دنیا میں بھیجا اس کو معجزے بھی دیے تاکہ لوگوں کے سامنے ان کا پیغمبر ہونا، واضح طور پر ثابت ہو جائے۔

چند مشہور معجزے یہ ہیں:

1. حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا سانپ بن جانا۔
2. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مُردوں کو زندہ کرنا۔
3. حضرت داود علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہے کا نرم ہو جانا۔
4. حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا ٹھنڈا ہو جانا۔
5. حضرت صالح علیہ السلام کے لیے حاملہ اونٹنی کا پہاڑ میں سے پیدا ہونا۔
6. حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جنات اور ہواؤں کا تابع دار ہونا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

جس شخص نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایمان پر اس کی وفات ہوئی، وہ صحابی ہے۔[2]

مقامِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان

---

[1] ردالمحتار، فصل فی ثبوت النسب، مطلب فی ثبوت کرامات الاولیاء: ۵۵۱/۳

[2] الاصابة فی تمییز الصحابة، الفصل الاول فی تعریف الصحابی: ۷/۱

ایک مقدس واسطہ ہونے کی وجہ سے ایک خاص مقام رکھتے ہیں، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ان کی تعریف فرمائی ہے اور فرمایا: ''ہم نے ان کے دلوں میں ایمان کی محبت اور کفر وفسق کی نفرت ڈال دی ہے،[1] ان کے لیے مغفرت اور ان سے ہمیشہ کی رضامندی کا اعلان فرمایا ہے[2] اور ان کے لیے ہمیشہ کی کامیابی اور آخرت میں ان سے مختلف انعامات کا وعدہ فرمایا ہے۔''[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بہت بڑی چیز ہے، اس امت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا رتبہ سب سے بڑا ہے، ایک لمحہ کے لیے بھی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہوگئی، بعد والوں میں بڑے سے بڑا بھی اس کے برابر نہیں ہوسکتا، جس طرح کوئی صحابی نبی کے درجے پر نہیں پہنچ سکتا اسی طرح کوئی ولی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درجے پر بھی نہیں پہنچ سکتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مرتبے آپس میں کم زیادہ ہیں۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، یہ ہی چاروں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد، دین کا کام سنبھالنے اور جو انتظامات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، انہیں قائم رکھنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہوئے ہیں۔

سب سے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کی مدتِ خلافت دو سال تین ماہ نو دن ہے۔

دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کی مدتِ خلافت دس سال چھ مہینے پانچ دن کم بارہ سال ہے۔

---

[1] الحجرات: ۸ [2] البینۃ: ۸ [3] الحجرات: ۲۹

تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کی مدتِ خلافت بارہ سال ہے۔

چوتھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کی مدتِ خلافت پانچ سال تین ماہ دو دن ہے۔ ان چاروں کو "خلفائے راشدین" کہتے ہیں۔ خلفائے راشدین کے بعد ان چھ صحابہ کا مرتبہ ہے جن کو چاروں خلفائے راشدین سمیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی، ان کو "عشرہ مبشرہ" کہتے ہیں، ان چھ کے نام یہ ہیں:

حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

عشرہ مبشرہ کے بعد اہلِ بدر کا درجہ ہے، اہلِ بدر کے بعد اہلِ احد کا مرتبہ ہے۔ اہلِ احد کے بعد اہلِ بیعت رضوان کا درجہ ہے، ان کے بعد مہاجرین و انصار کا، ان کے بعد باقی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا درجہ ہے۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خصوصاً مہاجرین و انصار سے بدگمانی رکھنا، ان کو برا کہنا، قرآنِ مجید کی صریح مخالفت اور شریعتِ الٰہیہ کی کھلی ہوئی بغاوت ہے۔[2]

فَائِدَة: "مہاجرین" ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کہتے ہیں: جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنے وطن کو چھوڑ دیا، ان کی مجموعی تعداد ایک سو چودہ تھی اور "انصار" ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کہتے ہیں: جو مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مہاجرین کو اپنے شہر میں جگہ دی اور ہر طرح کی مدد کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس چچاؤں میں سے صرف حضرت حمزہ اور

---

[1] مرقاة المفاتیح، كتاب المناقب - باب مناقب الصحابة: ۱۰/۳۵۵

[2] شرح العقائد: ۱۱۶

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایمان لائے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ پھوپھیوں میں سے صرف حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسلام قبول کیا۔

ضرورت شرعی اور نیک نیت کے بغیر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے باہمی جھگڑوں کا بیان کرنا حرام ہے، جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں باہم کوئی جھگڑا ہوا ہو، وہاں ہمیں دونوں فریق سے حسنِ ظن رکھنا اور دونوں کا ادب کرنا لازم ہے۔

فَائِدَہ: حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان بعض مواقع پر اجتہادی اختلافات بھی ہوئے ہیں اور ان اختلافات کے نتیجے میں جنگِ جمل اور جنگِ صفین کی نوبت آئی، جنگ جمل میں ایک طرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسری طرف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے، جنگِ صفین حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان پیش آئی۔ جنگ جمل غلط فہمی کی حیلہ سازی کی وجہ سے پیش آئی، جب کہ جنگِ صفین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجتہادی خطا کے سبب غلط فہمی میں واقع ہوئی، دونوں جنگوں میں حصہ لینے والے حضرات اکابر صحابہ میں سے تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت اور اہلیتِ خلافت کے قائل تھے، البتہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ اختلاف کا سبب بن گیا۔

یہ سب حضرات چاہتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لیں، جب کہ حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منشا یہ تھا کہ ابھی قصاص کے مسئلے کو نہ اٹھایا جائے، جب حالات سازگار ہوں گے تو قصاص کے سلسلے میں پیش رفت کی جائے گی، یہ اختلاف چوں کہ اجتہادی تھا، نہ کہ ذاتی۔[1]

---

[1] مرقاۃ المفاتیح، المناقب والفضائل، باب مناقب الصحابۃ: ۱۰/۳۵۵

چناں چہ اہلِ سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ اس اختلاف میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے، جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجتہادی خطا ہوئی اور اجتہادی خطا پر عقلاً وشرعاً مواخذہ نہیں ہوسکتا۔[1]

لہٰذا اس خطا پر ان کو برا کہنا جائز نہیں، کیوں کہ وہ بھی صحابی ہیں اور تمام صحابہ کے لیے اللہ رب العزت نے مغفرت اور اپنی رضا کا اعلان کردیا ہے۔[2]

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعداد

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعداد غزوۂ بدر میں تین سو تیرہ تھی[3] اور حدیبیہ میں پندرہ سو،[4] فتح مکہ میں دس ہزار،[5] حنین میں بارہ ہزار،[6] حجۃ الوداع یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج میں ایک لاکھ چوبیس ہزار،[7] غزوۂ تبوک میں تیس ہزار[8] اور بوقتِ وفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار اور جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کتبِ حدیث میں روایات منقول ہیں، ان کی تعداد ساڑھے سات ہزار ہے۔

ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات گیارہ تھیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ان دونوں کی وفات

---

[1] فتاوی حقانیہ، کتاب العقائد، مشاجرات صحابہ: ۳٤٤/۱

[2] الإصابة في تمييز الصحابة، الفصل الثالث في بيان حال الصحابة: ۹/۱تا ۱۲

[3] الطبقات الكبرى، غزوة بدر: ۳٥۹/۱

[4] البداية والنهاية، غزوة الحديبية: ۱۳۱/٤

[5] الطبقات الكبرىٰ، غزوة رسول الله صلى الله عليه وسلم عام الفتح: ٤٤۰/۱

[6] البداية والنهاية، غزوة هوازن يوم حنين: ۲٤۳/٤

[7] مدارج النبوت، حجة الوداع: ٥٦۷/۲

[8] الطبقات الكبرىٰ، غزوة رسول الله صلى الله عليه وسلم تبوك: ٤٦۲/۱

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہوگئی تھی، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت امّ حبیبہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت امّ سلمہ، حضرت صفیہ، حضرت سودہ، حضرت میمونہ اور حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برگزیدہ اور تمام ایمان والوں کی مائیں ہیں اور سارے جہان کی ایمان والی عورتوں سے افضل ہیں، ان میں بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رتبہ زیادہ ہے۔[1]

صاحب زادیاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیاں چار تھیں:

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کا نکاح حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔

حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ان دونوں کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوا، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ان کا نکاح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوا۔

یہ چاروں صاحب زادیاں بڑی برگزیدہ اور صاحبِ فضائل تھیں، ان چاروں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رتبہ سب سے زیادہ ہے، وہ اپنی ماؤں کے سوا تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔[2]

اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ

مسلمان جب خوب عبادت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکموں پر پوری طرح چلتا

---

[1] سیر الصحابہ، ازواج مطہرات: ٦/٢٠ تا ٩٠

[2] سیر الصحابہ، بنات طاہرات: ٦/٩٥ تا ١٠١

ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو محبوب رکھتے ہیں، ایسے شخص کو "ولی" کہتے ہیں۔

ولی خواہ کتنا ہی بڑا ہو جائے، نبی کے برابر نہیں ہوسکتا، وہ اللہ تعالیٰ کا کیسا ہی پیارا ہو جائے، مگر جب تک اس کے ہوش وحواس درست ہیں، شریعت کا پابند رہنا فرض ہے، نماز روزہ اور کوئی فرض عبادت معاف نہیں ہوتی اور جو گناہ کی باتیں ہیں، وہ اس کے لیے درست نہیں ہو جاتیں، جو شخص شریعت کے خلاف عمل کرے وہ اللہ تعالیٰ کا دوست یا ولی نہیں ہوسکتا۔[1]

کرامت

ولی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ بعض ایسی باتیں ظاہر کرتا ہے جو اور لوگوں سے نہیں ہوسکتیں، ایسی باتوں کو "کرامت" کہتے ہیں۔

کشفِ اولیا

اولیا کو راز کی بعض باتیں سوتے یا جاگتے میں معلوم ہو جاتی ہیں، ان میں جو شریعت کے مطابق ہو وہ قبول ہے اور جو مطابق نہ ہو وہ قبول نہیں۔[2]

تقدیر کا بیان

قضا وقدر حق ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے، ایمان بالقدر کے معنی یہ ہیں کہ اس بات کا یقین اور اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے ہی خیر اور شر کو، ایمان اور کفر کو، ہدایت اور ضلالت کو، اطاعت اور معصیت کو اور جس سے بھی جو فعل صادر ہو رہا ہے اور جس کو جو کچھ اور جتنا کچھ مل رہا ہے اور جو جو

---

[1] شرح الفقه الاکبر، للملا علی القاری رحمه الله: ۷۹

[2] شرح عقائد نسفی: ص ۱۰۵، رد المحتار، باب العدة مطلب فی ثبوت کرامات: ۳/۵۵۱

حالات پیش آ رہے ہیں ان سب کو مقدر فرما دیا ہے اور ان کو لکھ دیا ہے۔

اب عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب اس کے ارادے اور مشیت سے ہو رہا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کو پہلے ہی سے پورے طور پر اس کا علم تھا۔

جب انسان کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ایک قسم کی طاقت ملتی ہے۔ انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اس طاقت کو چاہے نیک کام میں لگائے یا برے کام میں، نیک کام میں لگانے کی وجہ سے ثواب ملتا ہے اور برے کام میں لگانے کی وجہ سے سزا ہوتی ہے۔ جس کام کے کرنے کی انسان میں طاقت نہیں اللہ تعالیٰ نے بھی اس کام کے کرنے کا حکم نہیں دیا، خیر و شر، ہدایت و گم راہی کا پیدا کرنا برا نہیں، بل کہ مصلحت کے مطابق ہے، تاکہ نیک و بد کا امتحان لیا جائے اور حسبِ حال جزا و سزا دی جائے، البتہ گم راہی کا کرنا برا ہے اور کرنا نہ کرنا انسان کا عمل ہے اور اسی پر اس کو سزا ملے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقدیر کے معاملے میں بحث و مباحثہ کرنے سے نہایت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس مسئلے میں بحث نہ کریں۔[1]

قیامت اور علاماتِ قیامت

قیامت کا دن

جب دنیا میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والا نہ رہے گا اور لوگ کھلے عام بکثرت جانوروں کی طرح اپنی شہوتیں پوری کرنے لگیں گے اور ظلم و زیادتی عام ہو جائے گی تو ایک دن اچانک دس محرم کو جو جمعے کا دن بھی ہوگا، ایک فرشتہ جس کا نام

[1] صحیح مسلم، کتاب القدر: ۳۳۲/۲ تا ۳۳۸، تفسیر الکبیر: ۲۴/۹، فتاویٰ حقانیہ، کتاب العقائد، مسئلہ تقدیر کے بارے میں: ۲۸۸/۱

اسرافیل ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے صور پھونکے گا جس کے سبب تمام زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب فنا ہو جائے گا اور چالیس سال بعد یہی فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوبارہ صور پھونکے گا جس کے سبب تمام مردے زندہ ہو جائیں گے۔ ایک مرتبہ تمام عالم کے فنا ہو جانے اور پھر دوبارہ زندہ ہو کر کھڑے ہو جانے کا نام قیامت ہے، قرآن و حدیث میں اس آنے والے حادثے کا خوب بیان ہوا ہے، اس پر ایمان لانا فرض ہے۔

قیامت کب قائم ہوگی، اس کا متعین وقت اللہ رب العزت کے سوا کوئی نہیں جانتا، البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی کچھ نشانیاں بیان فرمائی ہیں، ان نشانیوں کو دیکھ کر قیامت کا قریب آ جانا معلوم ہو سکتا ہے۔

ان علامات کی تین قسمیں ہیں:

❶ علاماتِ بعیدہ (دور کی علامتیں)

❷ علاماتِ متوسطہ جن کو علاماتِ صغریٰ (چھوٹی علامتیں) بھی کہا جاتا ہے۔

❸ علاماتِ قریبہ جن کو علاماتِ کبریٰ (بڑی علامتیں) بھی کہا جاتا ہے۔

علاماتِ بعیدہ وہ ہیں جن کا ظہور کافی پہلے ہو چکا ہے، ان کو بعیدہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے اور قیامت کے درمیان نسبتاً زیادہ فاصلہ ہے، مثلاً: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، شق القمر کا واقعہ۔

ان ہی علامات میں سے ایک علامت فتنۂ تاتار ہے، جس کی پیشگی خبر صحیح احادیث میں دی گئی ہے، یہ فتنہ ۶۵۶ھ میں اپنے عروج پر پہنچا، جب کہ تاتاریوں کے ہاتھوں سقوطِ بغداد کا عبرت ناک حادثہ پیش آیا، انہوں نے بنی عباس کے آخری خلیفہ معتصم کو قتل کر ڈالا اور عالم اسلام کے بیش تر ممالک ان کی زد میں آ کر زیر و زبر ہو گئے، ان کی صفات احادیث میں یہ بیان کی گئی ہیں کہ ان کی آنکھیں چھوٹی، چہرے سرخ اور ناکیں چھوٹی اور چپٹی ہوں گی، ان کے چہرے (گولائی اور موٹائی

میں) ایسی ڈھال کی مانند ہوں گے جس پر تہ بہ تہ چمڑا چڑھا دیا گیا ہو، وہ بالوں کا لباس پہنتے ہوں گے، یہ ساری صفات تاتاریوں پر صادق آئیں، جو ترکستان سے قہرِ الٰہی بن کر عالمِ اسلام پر ٹوٹ پڑے تھے۔[1]

علاماتِ صغریٰ

ایسی بہت سی علامات ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ (یعنی وصال) فرمانے سے حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ظاہر ہونے تک ہوں گی، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱ حقیقی علم کا اٹھ جانا، جہل بڑھ جانا۔
۲ زنا اور شراب نوشی کا زیادہ ہونا۔
۳ عورتوں کا زیادہ ہونا، مَردوں کا کم ہونا۔
۴ جھوٹوں کا زیادہ ہونا۔
۵ بڑے بڑے کام نااہل لوگوں کے سپرد کیا جانا۔
۶ دنیا کی مصیبتوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کا موت کی آرزو کرنا۔
۷ مالِ غنیمت کو اپنی مِلک سمجھنا۔
۸ امانت کو مالِ غنیمت سمجھ کر دبالینا۔
۹ زکاۃ کو جرمانہ سمجھنا۔
۱۰ علمِ دین دنیا کے لیے پڑھنا۔
۱۱ شوہر کا اپنی بیوی کی بات ماننا اور ماں کی نافرمانی کرنا۔
۱۲ دوست کو قریب، باپ کو دور کرنا۔
۱۳ مسجدوں میں شور مچانا۔

---

[1] ماخذہ ابوداود، کتاب الملاحم، باب فی قتال الترک: ۲/۲۳۵، بہشتی زیور مدلل مکمل، ساتواں حصہ: ۵۷۵

⑭ فاسق لوگوں کا سربراہ ہونا۔

⑮ برے آدمی کا اس کے شر سے بچنے کے لیے اکرام کیا جانا۔

⑯ کھلم کھلا باجے گانا، ناچ رنگ کی زیادتی ہو جانا۔

⑰ بعد والے لوگوں کا پہلے لوگوں پر لعنت کرنا۔

⑱ فتنوں کا اس طرح مسلسل آنا جس طرح دھاگہ ٹوٹنے سے تسبیح کے دانے گرتے ہیں۔

⑲ وقت میں بے برکتی ہونا، یہاں تک کہ سال کا مہینے کے برابر، مہینے کا ہفتے کے برابر، ہفتے کا دن کے برابر اور دن کا ایسا ہو جانا جیسے کوئی چیز آگ لگتے ہی بھڑک کر فوراً ختم ہو جائے۔

⑳ ملک عرب میں کھیتیوں، باغوں اور نہروں کا ہونا، نہرِ فرات کا سونے کے پہاڑوں والے خزانے کھول دینا (نہرِ فرات عراق میں ہے)

㉑ نہایت سرخ رنگ کی آندھی کا چلنا۔

㉒ زمین کا دھنسنا۔

㉓ آسمان سے پتھروں کا برسنا۔

㉔ چہروں کا بدل جانا۔

㉕ ملاقات کے وقت بجائے سلام کے گالی گلوچ بکنا۔

㉖ جھوٹ کو ہنر سمجھنا۔

㉗ فاسقوں کا علم سیکھنا۔

㉘ شرم وحیا کا جاتا رہنا۔

㉙ مسلمانوں پر کفار کا چاروں طرف سے ہجوم کرنا۔

㉚ ظلم کا اس قدر بڑھ جانا کہ جس سے پناہ لینا مشکل ہو۔

㉛ باطل مذاہب، جھوٹی حدیثوں اور بدعتوں کا فروغ پانا۔

۳۲ عیسائیوں کی حکومت کا خیبر تک پہنچ جانا۔[1]

فتنوں سے بچنے کے لیے نبوی تعلیمات کا خلاصہ

1. صبر کرنا۔
2. گناہوں سے توبہ کرنا۔
3. اپنی اصلاح کی فکر کرنا۔
4. فتنوں سے یک سو ہوکر عبادت میں لگنا کہ اس زمانے میں عبادت کا ثواب زیادہ ہے۔
5. جب اہلِ حق اور اہلِ باطل کی پہچان مشکل ہو تو تمام فرقوں سے علیحدگی اختیار کرنا۔
6. فتنوں سے بچنے کی پوری کوشش کرنا، مثلاً: گھر سے بلاضرورت قدم باہر نہ نکالنا۔[2]

علاماتِ کبریٰ

یعنی وہ علامات جو حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ظاہر ہونے سے صور پھونکے جانے تک ہوں گی۔ ذیل میں ان کو بترتیب زمانہ بیان کیا جاتا ہے:

علاماتِ قیامت بترتیب زمانہ

قیامت سے پہلے ایسے بڑے بڑے واقعات ظاہر ہوں گے کہ لوگ ایک دوسرے سے پوچھا کریں گے کہ کیا ان کے بارے میں تمہارے نبی نے کچھ فرمایا

---

[1] حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ ''علاماتِ قیامت'' کا بھی مطالعہ کریں کہ مزید تفصیلات کے لیے یہ رسالہ بہت مفید ہے۔ اسی طرح ''درسی بہشتی زیور'' میں بھی تفصیل موجود ہے، اس کا بھی مطالعہ کریں۔ (ماخذھم جامع الترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی اشراط الساعۃ: ۴۴/۲

[2] ماخذہ ابوداود، کتاب الفتن، باب النھی عن السعی فی الفتنۃ: ۲۲۸/۲ تا ۲۳۰

ہے؟

تیس بڑے بڑے کذاب (جھوٹے) ظاہر ہوں گے (بعض کذاب ظاہر ہو چکے) سب سے بڑے کذاب کا نام دجال ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں دوبارہ آنے تک اس امت میں ایک جماعت حق کے لیے برسرِ پیکار رہے گی جو اپنے مخالفین کی پرواہ نہ کرے گی، بل کہ دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں ڈٹی رہے گی۔[1]

حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے کے مطابق یہ ضروری نہیں کہ یہ پوری جماعت کسی خاص طبقے یا خاص علاقے سے تعلق رکھتی ہو، بل کہ ہوسکتا ہے کہ یہ جماعت مسلمانوں کے تمام یا اکثر طبقات میں منتشر اور متفرق طور پر موجود ہو، یعنی اس جماعت کے کچھ افراد مثلاً: محدثین میں پائے جاتے ہوں، کچھ فقہا میں، کچھ مبلغین میں، کچھ مجاہدین میں وغیرہ وغیرہ۔

امام مہدی

اس جماعت کے آخری امیر امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے جو نیک سیرت ہوں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد میں سے ہوں گے، آپ ہی کے زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا، آپ کا قد و قامت قدرے لمبا، بدن چست، رنگ کھلا ہوا اور چہرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے مشابہ ہوگا، نیز آپ کے اخلاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری مشابہت رکھتے ہوں گے، آپ کا نام محمد والد کا نام عبداللہ، والدہ کا نام آمنہ ہوگا، زبان میں قدرے لکنت ہوگی، جس کی وجہ سے تنگ دل ہوکر کبھی کبھی ران پر ہاتھ مارتے ہوں گے، آپ کا علم خداداد ہوگا۔

جب لوگ آپ کو تلاش کریں گے تاکہ آپ انہیں دشمن کے پنجے سے نجات

---

[1] ماخذہ ابوداود، کتاب الفتن، ذکر الفتن ودلائلها: ۲/۲۲۸

دلائیں، اس وقت آپ مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوں گے، مگر اس بات کے ڈر سے کہ لوگ مجھ جیسے کم زور کو امیر نہ بنادیں، آپ مکہ معظمہ چلے جائیں گے۔

اس زمانے کے اولیائے کرام آپ کو تلاش کریں گے، بعض لوگ مہدیت کے جھوٹے دعوے کریں گے، جب آپ رکن اور مقامِ ابراہیم کے درمیان خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوں گے، لوگوں کی ایک جماعت آپ کو پہچان لے گی اور آپ کے ہاتھ پر باوجود آپ کے نہ چاہتے ہوئے، بیعت کرلے گی۔ اس واقعے کی علامت یہ ہوگی کہ گزشتہ ماہِ رمضان میں چاند اور سورج کو گرہن لگ چکا ہوگا۔[1]

مسلمانوں کا لشکر جو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ جماعت پر مشتمل ہوگا، ہند کا جہاد کرے گا اور فتح یاب ہوکر اس کے حکم رانوں کو زنجیروں میں جکڑ لائے گا۔

(ہند سے مراد موجودہ ہندوستان، سری لنکا، بنگلہ دیش، نیپال اور پاکستان میں صوبۂ پنجاب کے بعض علاقے ہیں، بعض مورخین کے بیان کے مطابق ہند کا اطلاق ان ملکوں کے علاوہ اور بھی بعض ممالک پر ہوتا ہے)

جب یہ لشکر واپس ہوگا تو شام میں عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو پائے گا۔

خروجِ دجال سے پہلے کے واقعات

رومی ''اعماق'' یا ''دابق'' کے مقام تک پہنچ جائیں گے، ان سے جہاد کے لیے مدینہ سے مسلمانوں کا ایک لشکر روانہ ہوگا، جو اس زمانے کے بہترین لوگوں میں سے ہوگا۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوں گے تو رومی اپنے قیدی واپس مانگیں گے اور کہیں گے کہ ہمارے جو آدمی قید کیے گئے ہیں اور اب مسلمان ہو چکے ہیں، انہیں اور ہمیں تنہا چھوڑ دو، ہم ان سے جنگ کریں گے، مسلمان کہیں گے کہ نہیں، واللہ! ہم ہرگز اپنے بھائیوں کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے، اس پر جنگ ہوگی، جنگ میں

---

[1] ابوداود، کتاب المهدی: ۲/۲۳۲

ایک تہائی مسلمان فرار ہو جائیں گے جن کو توبہ کی توفیق ہی نہ ہوگی، کیوں کہ وہ کفر پر مریں گے، ایک تہائی شہید ہو جائیں گے جو بہترین شہید ہوں گے اور باقی ایک تہائی مسلمان فتح یاب ہوں گے جو آئندہ ہر قسم کے فتنے سے محفوظ و مامون ہو جائیں گے، پھر یہ لوگ قسطنطنیہ فتح کریں گے۔[1]

جب وہ غنیمت تقسیم کرنے میں مشغول ہوں گے تو خروج دجال کی جھوٹی خبر مشہور ہو جائے گی جسے سنتے ہی یہ لشکر وہاں سے روانہ ہو جائے گا۔

فَائِدَہ: روم سے مراد وہ علاقہ ہے جس کے مشرق میں ترکی اور روس، جنوب میں قدیم شام اور مصر اور مغرب میں بحر متوسط، اسپین اور پرتگال ہے، اس کے علاوہ دنیا کے وہ حصے جہاں اس علاقے کے لوگ آباد ہیں، مثلاً: امریکہ، آسٹریلیا وغیرہ وہ بھی مراد ہیں۔

''اعماق'' ایک مقام کا نام ہے جو ''دابق'' کے قریب حلب وانطاکیہ کے درمیان واقع ہے، دابق ایک بستی کا نام ہے جو حلب کے قریب عزاز کے علاقے میں بتائی گئی ہے، دابق اور حلب کے درمیان چار فرسخ کا فاصلہ ہے، ایک فرسخ تین میل کے برابر ہوتا ہے۔

مدینہ سے مراد مدینہ منورہ بھی ہوسکتا ہے اور شام کا مشہور شہر ''حلب'' بھی ہوسکتا ہے اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ ''بیت المقدس'' مراد ہے۔

''قسطنطنیہ'' ترکی کا مشہور شہر ہے، جسے آج کل استنبول کہا جاتا ہے۔

خروجِ دجال

جب یہ لوگ شام پہنچیں گے تو دجال واقعی نکل آئے گا، اس سے پہلے تین بار ایسا واقعہ پیش آچکا ہوگا کہ لوگ گھبرا اٹھیں گے، خروج دجال کے وقت اچھے لوگ کم ہوں گے، باہمی عداوتیں پھیلی ہوئی ہوں گی، دین میں کمزوری آچکی ہوگی اور علم

[1] مأخذہ صحیح مسلم، کتاب الفتن، اشراط الساعۃ: ۲/۳۹۱

رخصت ہو رہا ہوگا، عرب اس زمانے میں (تعداد یا قوت کے اعتبار سے) کم ہوں گے، دجال کے اکثر پیرو کار عورتیں اور یہودی ہوں گے۔

یہودیوں کی تعداد ستر ہزار ہوگی، وہ ایسی تلواروں سے مسلح ہوں گے جن میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے ہوں گے اور ان پر ''ساج'' کا لباس ہوگا۔ دجال شام اور عراق کے درمیان نکلے گا۔

فَائِدَہ: عرب کا اطلاق یمن، موجودہ سعودی عرب بشمول خلیجی ممالک پر ہوتا ہے، اردن، فلسطین، شام، لبنان اور شمالی افریقہ کے ممالک میں بھی عرب نسل کے افراد آباد ہیں۔ عراق سے مراد موجودہ عراق اور اس کے قریبی علاقے ہیں۔

''ساج'' بیش قیمت دبیز کپڑے کو کہتے ہیں۔

دجال کا حلیہ

دجال جوان ہوگا اور عبدالعزیٰ بن قطن کے مشابہ ہوگا (عبدالعزیٰ بن قطن قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص تھا جو زمانۂ جاہلیت میں مر گیا تھا) رنگ گندمی اور بال پیچ دار ہوں گے، دونوں آنکھیں عیب دار ہوں گی، بائیں آنکھ سے کانا ہوگا، آنکھ میں موٹی پھلی ہوگی، پیشانی پر کافر اس طرح لکھا ہوگا ''ک ف ر''، جسے ہر مؤمن پڑھ سکے گا، خواہ لکھنا جانتا ہو یا نہ ہو جانتا ہو۔ وہ ایک گدھے پر سواری کرے گا جس کے دونوں کانوں کے درمیان ستر ہاتھ کا فاصلہ ہوگا۔[1]

دجال کی رفتار بادل اور ہوا کی طرح تیز ہوگی، تیزی سے پوری دنیا میں پھر جائے گا، جیسے زمین اس کے لیے لپیٹ دی گئی ہو اور ہر طرف فساد پھیلائے گا، مگر مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ اور بیت المقدس میں داخل نہ ہو سکے گا، اس زمانے میں مدینہ طیبہ کے سات دروازے ہوں گے (سات دروازوں سے بظاہر سات راستے مراد ہیں) مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے ہر راستے پر فرشتوں کا پہرہ ہوگا جو دجال کو اندر گھسنے

[1] مأخذه مشكاة، كتاب الفتن، باب العلامات ... ٢/٤٧٧

نہ دیں گے۔

وہ مدینہ طیبہ کے باہر سرخ ٹیلے کے پاس کھاری زمین کے ختم پر اور خندق کے درمیان ٹھہرے گا، بیرون مدینہ پر اس کا غلبہ ہو جائے گا۔ اس وقت مدینہ طیبہ میں تین زلزلے آئیں گے جو ہر منافق مرد وعورت کو مدینہ سے نکال پھینکیں گے، یہ سب منافقین دجال سے جاملیں گے، عورتیں دجال کی پیروی سب سے پہلے کریں گی، غرض مدینہ طیبہ ان سے بالکل پاک ہو جائے گا، اس لیے اس دن کو "یومِ نجات" کہا جائے گا، جب لوگ اسے پریشان کریں گے تو وہ غصے کی حالت میں واپس ہوگا۔[1]

فتنۂ دجال

فتنۂ دجال اتنا سخت ہوگا کہ تاریخِ انسانی میں اس سے بڑا فتنہ کبھی ہوا، نہ آئندہ ہوگا، اسی لیے تمام انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو اس سے خبردار کرتے رہے، مگر اس کی جتنی تفصیلات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائیں، اتنی کسی اور نبی نے نہیں بتائیں، وہ پہلے نبوت کا اور اس کے بعد خدائی کا دعویٰ کرے گا، اس کے ساتھ غذا کا بہت بڑا ذخیرہ ہوگا، زمین کے پوشیدہ خزانوں کو حکم دے گا تو وہ باہر نکل کر اس کے پیچھے ہو جائیں گے، مادرزاد اندھے اور برص کے مریض کو تن درست کر دے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ شیاطین کو بھیجیں گے جو لوگوں سے باتیں کریں گے، چناں چہ دجال کسی دیہاتی سے کہے گا: "اگر میں تیرے ماں باپ کو زندہ کر دوں تو کیا تو مجھے اپنا رب مان لے گا؟"

دیہاتی وعدہ کرلے گا: "مان لوں گا" تو اس دیہاتی کے سامنے دو شیطان اس کے ماں باپ کی صورت میں آکر کہیں گے: "بیٹا! تو اس کی اطاعت کر، یہ تیرا رب

[1] مأخذہ صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال: ۱۰۵۵/۲، جامع الترمذی ابواب الفتن، باب ماجاء فی ان الدجال ۴۹/۲

ہے۔''

دجال کے ساتھ دو فرشتے دو نبیوں کے ہم شکل ہوں گے، جو لوگوں کی آزمائش کے لیے اس کو اس طرح جھٹلائیں گے کہ سننے والوں کو ایسا معلوم ہو کہ گویا وہ اس کی تصدیق کر رہے ہیں جو شخص دجال کی تصدیق کرے گا، کافر ہو جائے گا اور اس کے پچھلے تمام نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے اور جو اس کو جھٹلائے گا اس کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔

اس کا ایک بڑا فتنہ یہ ہوگا کہ جو لوگ اس کی بات مان لیں گے، ان کی زمینوں میں دجال کے کہنے پر بادلوں سے بارش ہوتی نظر آئے گی اور اسی کے کہنے پر ان کی زمین نباتات اگائے گی، ان کے مویشی خوب فربہ (موٹے) ہو جائیں گے اور مویشیوں کے تھن دودھ سے بھر جائیں گے اور جو لوگ اس کی بات نہ مانیں گے، ان میں قحط پڑے گا اور ان کے سارے مویشی ہلاک ہو جائیں گے۔

غرض اس کی پیروی کرنے والوں کے سوا سب لوگ اس وقت مشقت میں ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی بھی اسے قتل کرنے پر قادر نہ ہوگا۔

نہروں اور وادیوں کی صورت میں اس کے ساتھ ایک جنت ہوگی اور ایک آگ، لیکن حقیقت میں جنت آگ ہوگی اور آگ جنت، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس کی جنت کو باطنی طور سے آگ بنا دے گا اور آگ کو باطنی طور پر جنت بنا دے گا، جو شخص اس کی آگ میں گرے گا اس کا اجر و ثواب یقینی اور گناہ معاف ہو جائیں گے اور جو شخص دجال پر ''سورۂ کہف'' کی ابتدائی دس آیات پڑھ دے گا، وہ اس کے فتنے سے محفوظ رہے گا، حتیٰ کہ اگر دجال اسے اپنی آگ میں بھی ڈال دے تو وہ اس پر ٹھنڈی ہو جائے گی، دجال تلوار یا آرے سے ایک مؤمن نوجوان کے دو ٹکڑے کر کے الگ الگ ڈال دے گا، پھر اس کو آواز دے گا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ زندہ ہو جائے گا، دجال اس سے پوچھے گا: ''بتا تیرا رب کون ہے؟''

وہ کہے گا: ''میرا رب اللہ ہے اور تو اللہ تعالیٰ کا دشمن دجال ہے، مجھے آج پہلے سے زیادہ تیرے دجال ہونے کا یقین ہے۔''

دجال کو اس شخص کے علاوہ کسی اور کے مارنے اور زندہ کرنے پر قدرت نہ دی جائے گی، اس کا فتنہ چالیس روز رہے گا، جن میں سے پہلا دن ایک سال کے برابر، دوسرا دن ایک ماہ کے برابر اور تیسرا دن ایک ہفتے کے برابر ہوگا، باقی دن حسبِ معمول ہوں گے۔[۱]

اس زمانے میں مسلمانوں کے تین شہر ہوں گے، ان میں سے ایک تو دو سمندروں کے ملنے کی جگہ پر ہوگا (بظاہر اس سے مراد بحر روم اور بحر فارس ہیں) دوسرا ''حیرہ'' عراق کے مقام پر اور تیسرا شام میں۔

وہ مشرق کے لوگوں کو شکست دے گا اور اس شہر میں سب سے پہلے آئے گا جو دو سمندروں کے ملنے کی جگہ پر ہے۔

فَائِدَہ: ''حیرہ'' عراق کا وہ علاقہ ہے جس کے قریب ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں شہر کوفہ آباد ہوا، یہ کوفہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

شام سے اصل ملک شام مراد ہے جو طول (لمبائی) میں دریائے فرات (عراق) سے العریش تک (جہاں سے مصر شروع ہوتا ہے) اور عرض (چوڑائی) میں جزیرہ نمائے عرب سے بحر روم تک پھیلا ہوا تھا۔ اردن، فلسطین، لبنان، موجودہ سوریہ، دمشق، بیت المقدس، طرابلس، انطا کیہ سب اسی کے حصے تھے۔

شہر کے لوگ تین گروہوں میں بٹ جائیں گے، ایک گروہ وہیں رہ جائے گا کہ دیکھیں دجال کون ہے اور کیا کرتا ہے، یہ گروہ دجال کی پیروی کرے گا اور ایک دیہات میں چلا جائے گا، ایک گروہ اپنے قریب والے شہر میں منتقل ہو جائے گا، (بظاہر اس سے مراد ساحل فرات کی طرف نکل جائے گا جو دجال سے جنگ کرے

---

[۱] مشکاۃ، الفتن، باب العلامات: ۲/ ۴۷۷

گا)، پھر دجال اس سے قریب والے شہر میں آئے گا، اس میں بھی لوگوں کے اسی طرح تین گروہ ہو جائیں گے اور تیسرا گروہ اس قریب والے شہر میں منتقل جائے گا جو شام کے مغربی حصے میں ہوگا، یہاں تک کہ مؤمنین اردن اور بیت المقدس میں جمع ہو جائیں گے اور دجال شام میں فلسطین کے ایک شہر تک پہنچ جائے گا جو "بابِ لُد" پر واقع ہوگا اور مسلمان افیق نامی گھاٹی کی طرف سمٹ جائیں گے (یہ دو میل لمبی گھاٹی اردن میں واقع ہے) یہاں سے وہ اپنے مویشی چرنے کے لیے بھیجیں گے جو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ بالآخر مسلمان بیت المقدس کے ایک پہاڑ پر محصور ہو جائیں گے جس کا نام "جبل الدخان" ہے اور دجال پہاڑ کے دامن میں پڑاؤ ڈال کر مسلمانوں کی جماعت کا محاصرہ کرلے گا، یہ محاصرہ سخت ہوگا جس کے باعث مسلمان سخت مشقت اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جائیں گے حتیٰ کہ بعض لوگ اپنی کمان کی تانت جلا کر کھائیں گے۔

دجال آخری بار اردن کے علاقے میں افیق نامی گھاٹی پر نمودار ہوگا، اس وقت جو بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہوگا، وہ وادیٔ اردن میں موجود ہوگا، وہ ایک تہائی مسلمانوں کو قتل کر دے گا اور تہائی کو شکست دے کر بھگا دے گا اور صرف ایک تہائی مسلمان باقی بچیں گے، جب محاصرہ لمبا ہوگا تو مسلمانوں کے امیر امام مہدی ان سے کہیں گے کہ اب کس کا انتظار ہے؟

اس سرکش سے جنگ کرو، تاکہ شہادت یا فتح میں سے ایک چیز تم کو حاصل ہو جائے، چناں چہ سب لوگ پختہ عہد کرلیں گے کہ صبح ہوتے ہی نمازِ فجر کے بعد دجال سے جنگ کریں گے۔[1]

نزولِ عیسیٰ علیہ السلام

وہ رات سخت تاریک ہوگی اور لوگ جنگ کی تیاری کر رہے ہوں گے، صبح کی

[1] مأخذه جامع الترمذي، ابواب الفتن، باب ماجاء في فتنة الدجال: ۴۸/۲

تاریکی میں اچانک کسی کی آواز سنائے دے گی کہ تمہارا فریاد رس آ پہنچا، لوگ تعجب سے کہیں گے کہ یہ تو کسی شکم سیر کی آواز ہے، غرض نمازِ فجر کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو جائیں گے، نزول کے وقت وہ اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کاندھوں پر رکھے ہوئے ہوں گے۔[1]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ

آپ مشہور صحابی حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم شکل ہوں گے، قد و قامت درمیانہ، رنگ سرخ و سفید اور بال شانوں تک پھیلے ہوئے سیدھے صاف اور چمک دار ہوں گے، جیسے غسل کے بعد ہوتے ہیں، سر جھکائیں گے تو اس سے پانی کے قطرے موتیوں کی طرح ٹپکیں گے اور جب سر اٹھائیں گے تو اس سے ایسے قطرے گریں گے جو چاندی کے دانوں کی طرح چمک دار اور موتیوں کی طرح سفید ہوں گے، جسم پر ایک زرہ اور ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑے ہوں گے۔

جس جماعت میں آپ کا نزول ہوگا وہ اس زمانے کے صالح ترین آٹھ سو مرد اور چار سو عورتوں پر مشتمل ہوگی، ان کے پوچھنے پر آپ اپنا تعارف کرائیں گے اور دجال سے جہاد کے بارے میں ان کے جذبات و خیالات معلوم فرمائیں گے، اس وقت مسلمانوں کے امیر امام مہدی ہوں گے، جن کا ظہور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہو چکا ہوگا۔

مقامِ نزول، وقتِ نزول اور امام مہدی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دمشق کی مشرقی سمت میں سفید منارے کے پاس یا بیت المقدس میں حضرت امام مہدی کے پاس ہوگا، اس وقت حضرت امام مہدی نمازِ فجر پڑھانے کے لیے آگے بڑھ چکے ہوں گے اور نماز کی اقامت ہو چکی

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الفتن ...... ذکر الدجال: ۲/۴۰۰

ہوگی، امام مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو امامت کے لیے بلائیں گے، مگر وہ انکار کریں گے اور فرمائیں گے: ''یہ اس امت کا اعزاز ہے کہ اس کے بعض لوگ بعض کے امیر ہیں'' جب امام مہدی پیچھے ہٹنے لگیں گے تو آپ ان کی پشت پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے: ''تم ہی نماز پڑھاؤ، کیوں کہ اس نماز کی اقامت تمہارے لیے ہو چکی ہے۔''

چناں چہ اس وقت کی نماز امام مہدی ہی پڑھائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان کے پیچھے پڑھیں گے۔[1]

دجال سے جنگ

غرض نمازِ فجر سے فارغ ہوکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام (مسجد کا) دروازہ کھلوائیں گے جس کے پیچھے دجال ہوگا اور اس کے ساتھ ستر ہزار مسلح یہودی ہوں گے، آپ ہاتھ کے اشارے سے فرمائیں گے: ''میرے اور دجال کے درمیان سے ہٹ جاؤ'' دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی اس طرح گھلنے لگے گا، جیسے پانی میں نمک گھلتا ہے یا جیسے رانگ اور چربی پگھلتی ہے، اس وقت جس کافر پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی ہوا پہنچے گی مر جائے گا اور جہاں تک آپ کی نظر جائے گی وہیں تک سانس پہنچے گا، مسلمان پہاڑ سے اتر کر دجال کے لشکر پر ٹوٹ پڑیں گے اور یہودیوں پر ایسا رعب چھا جائے گا کہ اچھا خاصا قد و قامت والا یہودی تلوار تک نہ اٹھا سکے گا، غرض جنگ ہوگی اور دجال بھاگ کھڑا ہوگا۔

قتلِ دجال اور مسلمانوں کی فتح

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کا تعاقب کریں گے اور فرمائیں گے: ''میری ایک

---

[1] مأخذه صحيح مسلم، كتاب الفتن ..... باب ذكر الدجال: ۲/۴۰۰، مأخذه ابن ماجه، الفتن، باب فتنة الدجال ..... الرقم: ۴۰۷۷

ضرب تیرے لیے مقدر ہو چکی ہے جس سے تو بچ نہیں سکتا۔'' اس وقت آپ کے پاس دو نرم تلواریں اور ایک نیزہ ہوگا جس سے آپ دجال کو ''بابِ لد'' پر قتل کریں گے، پاس ہی افیق نامی گھاٹی ہوگی، نیزہ اس کے سینے کے بیچوں بیچ لگے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کا خون جو آپ کے نیزہ پر لگ گیا ہوگا مسلمانوں کو دکھائیں گے، بالآخر دجال کے ساتھی یہودیوں کو شکست ہو جائے گی اور ان کو مسلمان چن چن کر قتل کریں گے، کسی یہودی کو کوئی چیز پناہ نہ دے گی، حتیٰ کہ درخت اور پتھر بول اٹھیں گے: ''یہ ہمارے پیچھے کافر یہودی چھپا ہوا ہے، آ کر اسے قتل کر دو۔'' باقی ماندہ تمام اہلِ کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسلمان خنزیر کو قتل کریں گے، تاکہ نصاریٰ کی تردید ہو جائے جو خنزیر حلال سمجھ کر کھاتے ہیں اور صلیب توڑ دیں گے، یعنی نصرانیت کو مٹائیں گے۔[1]

حضرت امام مہدی کی وفات

اس کے بعد امام مہدی سات یا آٹھ سال یا نو سال مسلمانوں کے خلیفہ رہ کر انچاس (۴۹) سال کی عمر میں وصال فرمائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے جنازے کی نماز پڑھا کر دفن فرمائیں گے، اس کے بعد تمام چھوٹے بڑے انتظامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آ جائیں گے، آپ کی خدمت میں دور دراز کے لوگ جو دجال کے دھوکہ فریب سے بچے رہے ہوں گے، حاضر ہوں گے اور آپ ان کو جنت میں عظیم درجات کی خوش خبری دے کر دلاسا و تسلی دیں گے، پھر لوگ اپنے اپنے وطن واپس ہو جائیں گے، مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کی خدمت و صحبت میں رہے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقام ''فج الروحاء'' میں تشریف لے جائیں گے، وہاں

[1] مآخذہ صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعۃ: ۲/ ۳۹۶

سے حج یا عمرہ یا دونوا کریں گے (فج الروحاء مدینہ طیبہ اور بدر کے درمیان ایک مقام ہے جو مدینہ طیبہ سے چھ میل پر واقع ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر جا کر سلام عرض کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سلام کا جواب دیں گے۔

یاجوج ماجوج

لوگ امن وچین کی زندگی بسر کر رہے ہوں گے کہ یاجوج ماجوج کی دیوار ٹوٹ جائے گی جو کہ ذوالقرنین بادشاہ نے تعمیر کی تھی، یاجوج ماجوج نکل پڑیں گے اور اتنی بڑی تعداد میں ہوں گے کہ وہ ہر بلندی سے اتریں گے اور تیز رفتاری کے باعث پھسلتے ہوئے معلوم ہوں گے۔

(یاجوج ماجوج انسانوں ہی کے دو بڑے بڑے وحشی قبیلوں کے نام ہیں)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو کوہِ طور کی طرف جمع کر لیں، کیوں کہ یاجوج ماجوج کا مقابلہ کسی کے بس کا نہ ہوگا، وہ شہروں کو روند ڈالیں گے، زمین میں جہاں پہنچیں گے تباہی مچا دیں گے اور جس پانی پر گزریں گے اسے پی کر ختم کر دیں گے، ان کی ابتدائی جماعت جب ''بحیرۂ طبریہ'' پر گزرے گی تو اس کا پورا پانی پی جائے گی اور جب ان کی آخری جماعت وہاں سے گزرے گی تو اسے دیکھ کر کہے گی یہاں کبھی پانی کا اثر تھا، بالآخر یاجوج ماجوج کہیں گے کہ اہلِ زمین پر تو ہم غلبہ پا چکے، آؤ اب آسمان والوں سے جنگ کریں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اس وقت محصور ہوں گے، غذا کی سخت قلت کے باعث لوگوں کو ایک بیل کا سر سو دینار سے بہتر معلوم ہوگا، یعنی مال کی اتنی اہمیت نہیں ہوگی جتنی غذا کی ہوگی۔

فَائِدَہ: کوہِ طور مصر کے قریب مدین کے پاس ہے۔

یاجوج ماجوج کی ہلاکت

لوگوں کی شکایت پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام یاجوج ماجوج کے لیے بددعا فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں اور کانوں میں ایک کیڑا اور حلق میں ایک پھوڑا نکال دیں گے جس سے سب کے جسم پھٹ جائیں گے اور وہ سب دفعتاً (اچانک) ہلاک ہو جائیں گے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کوہِ طور سے زمین پر اتریں گے، مگر پوری زمین یاجوج ماجوج کی لاشوں کی چکناہٹ اور بدبو سے بھری ہوگی جس سے مسلمانوں کو تکلیف ہوگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی دعا کریں گے، اللہ تعالیٰ ایک ہوا اور لمبی گردنوں والے بڑے بڑے پرندے بھیج دے گا جو ان کی لاشیں اٹھا کر سمندر میں اور جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا پھینک دیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ایسی بارش برسائے گا جو زمین کو دھو کر آئینہ کی طرح صاف کردے گی اور زمین اپنی اصلی حالت پر ثمرات و برکات سے بھر جائے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکات

دنیا میں آپ کا نزول اور آپ کا رہنا، امامِ عادل اور حاکمِ منصف کی حیثیت سے ہوگا، اس امت میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہوں گے، چناں چہ آپ قرآن و حدیث اور اسلامی شریعت پر خود بھی عمل کریں گے اور لوگوں کو بھی اس پر چلائیں گے اور نمازوں میں لوگوں کی امامت کریں گے۔

آپ کا نزول اس امت کے آخری دور میں ہوگا، نزول کے بعد دنیا میں چالیس (۴۰) سال قیام کریں گے، اسلام کے دورِ اول کے بعد یہ اس امت کا بہترین دور ہوگا، آپ کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سے محفوظ رکھیں گے اور جو لوگ اپنا دین بچانے کے لیے آپ سے جاملیں گے، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوں گے، اس زمانے میں اسلام کے سوا دنیا کے تمام ادیان و

مذاہب مٹ جائیں گے اور دنیا میں کوئی کافر باقی نہ رہے گا۔

اس لیے جہاد موقوف ہو جائے گا اور نہ ہی خراج وصول کیا جائے گا اور نہ ہی جزیہ۔ مال و زر لوگوں میں اتنا عام کر دیں گے کہ مال کو کوئی قبول نہ کرے گا، زکاۃ و صدقات کا لینا ختم ہو جائے گا، کیوں کہ سب مال دار ہوں گے، زکاۃ لینے والا کوئی نہ ہوگا، لوگ ایسے دین دار ہو جائیں گے کہ ان کے نزدیک ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا، سات سال تک کسی بھی دو کے درمیان عداوت نہ پائے جائے گی، سب کے دلوں سے بخل، کینہ، بغض و حسد نکل جائے گا، چالیس (۴۰) سال تک نہ کوئی مرے گا، نہ بیمار ہوگا، ہر زہریلے جانور کا زہر نکال لیا جائے گا، سانپ اور بچھو بھی کسی کو ایذا نہ دیں گے، بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے، یہاں تک کہ بچہ اگر سانپ کے منہ میں بھی ہاتھ دے گا تو وہ اسے نقصان نہ پہنچائے گا۔

درندے بھی کسی کو کچھ نہ کہیں گے، آدمی شیر کے پاس سے گزرے گا تو شیر نقصان نہ پہنچائے گا، حتیٰ کہ کوئی لڑکی شیر کے دانت کھول کر دیکھے گی تو وہ اسے کچھ نہ کہے گا، اونٹ شیروں کے ساتھ، چیتے گایوں کے ساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چریں گے، بھیڑیا بکریوں کے ساتھ ایسا رہے گا جیسے کتا ریوڑ کی حفاظت کے لیے رہتا ہے۔

زمین کی پیداواری صلاحیت اتنی بڑھ جائے گی کہ بیج ٹھوس پتھر میں بھی بویا جائے گا تو اگ آئے گا، ہل چلائے بغیر بھی ایک ''مد'' سے سات سو مد گندم پیدا ہوگا، ایک انار اتنا بڑا ہوگا کہ اسے ایک جماعت کھائے گی اور اس کے چھلکے کے نیچے لوگ سایہ حاصل کریں گے، دودھ میں اتنی برکت ہوگی کہ دودھ دینے والی ایک اونٹنی لوگوں کی بہت بڑی جماعت کو، ایک گائے پورے قبیلے کو اور ایک بکری پوری برادری کو کافی ہوگی، غرض نزولِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد زندگی بڑی خوش گوار ہوگی۔[1]

[1] مآخذہ، صحیح مسلم، کتاب الفتن ...... باب ذکر الدجال: ۲/۴۰۰ تا ۴۰۳

فَائِدَة: مُد ایک پیمانہ ہے جو عہدِ رسالت میں رائج تھا، ہمارے وزن کے حساب سے اس کا وزن تیرہ چھٹانک تین ماشہ اور تین تولہ ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نکاح اور اولاد

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد دنیا میں نکاح فرمائیں گے اور آپ کی اولاد بھی ہوگی، نکاح کے بعد دنیا میں آپ کا قیام انیس (۱۹) سال ہوگا اور کل مدتِ قیام چالیس (۴۰) سال ہوگی۔

آپ کی وفات اور جانشین

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو جائے گی اور مسلمان نمازِ جنازہ پڑھ کر آپ کو دفن کریں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفن کیا جائے گا، لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وصیت کے مطابق قبیلہ بنی تمیم کے ایک شخص کو جس کا نام ''مُقعد'' ہوگا خلیفہ مقرر کریں گے، پھر مُقعد کا بھی انتقال ہو جائے گا۔

متفرق علاماتِ قیامت

آپ کے بعد اگر کسی کی گھوڑی بچہ دے گی تو قیامت تک اس پر سواری کی نوبت نہیں آئے گی (ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ دوسری قسم کی سواریوں کا رواج ہوگا یا یہ مراد ہو کہ جہاد کے لیے سواری نہ ہوگی، کیوں کہ جہاد قیامت تک منقطع رہے گا)

زمین میں دھنس جانے کے تین واقعات ہوں گے، ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک جزیرہ عرب میں، جن میں منکرینِ تقدیر ہلاک ہو جائیں گے۔

دھواں

ایک خاص دھواں ظاہر ہوگا جو لوگوں پر چھا جائے گا، اس سے مؤمنین کو تو زکام

سا محسوس ہوگا، مگر کفار کے سر ایسے ہو جائیں گے جیسے انہیں آگ پر بھون دیا گیا ہو۔

آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا

قیامت کی ایک علامت یہ ہوگی کہ ایک روز آفتاب مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا، جسے دیکھتے ہی سب کافر ایمان لے آئیں گے، مگر اس وقت ان کا ایمان لانا قبول نہ کیا جائے گا اور گناہ گار مسلمانوں کی توبہ بھی اس وقت قبول نہ ہوگی۔

دابۃ الارض (زمین کا جانور)

دوسرے روز لوگوں میں اسی بات کا چرچا ہو رہا ہوگا کہ صفا پہاڑ زلزلے سے پھٹ جائے گا جس میں سے ایک عجیب شکل کا جانور برآمد ہوگا۔ اس جانور کے نکلنے کی افواہ اس سے پہلے دو مرتبہ یمن اور نجد میں مشہور ہو چکی ہوگی، بلحاظِ شکل یہ حسب ذیل سات جانوروں سے مشابہت رکھتا ہوگا:

1. چہرے میں آدمی سے۔
2. پاؤں میں اونٹ سے۔
3. گردن میں گھوڑے سے۔
4. دُم میں بیل سے۔
5. سرین میں ہرن سے۔
6. سینگوں میں بارہ سینگے سے۔
7. ہاتھوں میں بندر سے۔

یہ لوگوں سے صاف اور سلیس زبان میں باتیں کرے گا، اس کے ایک ہاتھ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور دوسرے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی، تمام شہروں میں ایسی تیزی کے ساتھ دوڑا کرے گا کہ کوئی انسان اس کا پیچھا نہ

کر سکے گا اور کوئی بھاگنے والا اس سے بچ نہ سکے گا، ہر شخص پر نشان لگا تا جائے گا، اگر وہ صاحبِ ایمان ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے اس کی پیشانی پر ایک نورانی خط کھینچ دے گا جس کی وجہ سے اس کا تمام چہرہ منور ہو جائے گا، اگر وہ صاحب ایمان نہیں ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی سے اس کی ناک یا گردن پر سیاہ مہر لگائے گا جس کی وجہ سے اس کا تمام چہرہ بے رونق ہو جائے گا، یہاں تک کہ اگر ایک دسترخوان پر چند آدمی جمع ہو جائیں گے تو ہر ایک کے کفر و ایمان میں بخوبی امتیاز ہو سکے گا۔ اس جانور کا نام "دابۃ الارض" ہے، جو اس کام سے فارغ ہو کر غائب ہو جائے گا۔

آفتاب کے مغرب سے طلوع اور "دابۃ الارض" کے ظاہر ہونے سے صور پھونکے جانے تک ایک سو بیس (۱۲۰) سال کا عرصہ ہوگا۔

حبشیوں کا غلبہ اور خانہ کعبہ کو ڈھانا

اس کے بعد حبشہ کے کافروں کا غلبہ ہوگا اور زمین پر ان کی سلطنت ہوگی، وہ خانۂ کعبہ کو ایک ایک اینٹ کر کے توڑ دیں گے۔

یمن کی آگ

یمن میں عدن کے علاقے سے ایک آگ زمین کی گہرائی سے نکلے گی جو لوگوں کو محشر (شام) کی طرف ہانک کر لے جائے گی اور مؤمنین کو ملک شام میں جمع کر دے گی۔[1]

"مُقعد" کی موت کے بعد تیس سال گزرنے نہ پائیں گے کہ قرآنِ کریم لوگوں کے سینوں اور قرآن کریم کے نسخوں سے اٹھا لیا جائے گا، پہاڑ اپنے مرکزوں سے ہٹ جائیں گے، اس کے بعد روحوں کو قبض کیا جائے گا، یعنی قیامت آ جائے

[1] مأخذہ ابو داود، کتاب الملاحم، باب امارات الساعۃ: ۲۳۶/۲

گی۔[1]

مؤمنین کی موت اور قیامت

ایک خوش گوار ہوا آئے گی جو تمام مؤمنین کی روحیں قبض کر لے گی، کوئی مؤمن دنیا میں باقی نہ رہے گا، صرف بدترین لوگ رہیں گے جو گدھوں کی طرح کھلم کھلا زنا کیا کریں گے، پہاڑ دھن دیے جائیں گے، زمین چمڑے کی طرح پھیلا کر سیدھی کر دی جائے گی، اس کے بعد قیامت کا حال پورے دنوں کی اس گابھن اونٹنی کی طرح ہوگا جس کے مالک ہر وقت اس انتظار میں ہوں کہ دن رات میں نہ معلوم کب بچہ جن دے، بالآخر ان ہی بدترین لوگوں پر قیامت آ جائے گی۔

صور کا پھونکا جانا

جب دنیا میں کوئی ''اللہ اللہ'' کہنے والا باقی نہ رہے گا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے صور پھونکا جائے گا، صور بگل کی طرح ایک چیز ہے، حضرت اسرافیل علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ حکم فرمائیں گے اس کو منہ سے بجائیں گے[2] لوگ اس وقت عیش و آرام میں ہوں گے، کوئی کسی کام میں، کوئی کسی میں مصروف ہوگا کہ صبح ہی لوگوں کے کان میں ایک باریک آواز آئے گی، لوگ حیران و پریشان ہوں گے کہ یہ کیسی آواز ہے، آہستہ آہستہ وہ آواز بلند ہوتی جائے گی، یہاں تک کہ کڑک دار ہو جائے گی، اس کی آواز کی شدت سے ہر چیز فنا ہو جائے گی اور لوگوں پر ایک بے ہوشی طاری ہو جائے گی، پھر آہستہ آہستہ آواز اور زیادہ ہونے لگے گی جس کی وجہ سے باہر کے وحشی جانور شہروں میں آ جائیں گے اور شہروں کے لوگ گھبراہٹ میں جنگل میں نکل

---

[1] قیامت کی مزید ترتیب وار تفصیلات کے لیے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم کی کتاب ''علامات قیامت اور نزول مسیح'' کا مطالعہ فرمائیں۔

[2] جامع الصغیر، حرف الصاد: ۲/ ۳۰۷، رقم: ٤٩٨٣

جائیں گے، پھر آواز اور زیادہ سخت ہوگی تو آسمان کے تارے، چاند اور سورج ٹوٹ کرگر پڑیں گے اور آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور زمین بھی ختم ہو جائے گی۔ ابلیس اور فرشتے بھی مر جائیں گے، سب سے آخر میں عرش، کرسی، لوح، قلم، بہشت، دوزخ، ارواح اور صور بھی تھوڑی دیر کے لیے فنا ہو جائیں گے۔

سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہ رہے گا

جب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی باقی نہ رہے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

''کہاں ہیں بادشاہ، کس کے لیے آج کی سلطنت ہے؟''

پھر خود ہی ارشاد فرمائیں گے: ''ایک اللہ کی ہے جو قاہر ہے۔'' ایک وقت تک اللہ تعالیٰ کی ذات ہی رہے گی۔

مرنے کے بعد کا بیان

مرنے کے بعد ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق جزاو سزا ملے گی، جزاو سزا کا ایک مرحلہ مرنے کے بعد سے قیامت تک کا ہے اور یہ ابتدائی مرحلہ ہے، چناں چہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص مر گیا اس کی قیامت تو قائم ہوگئی۔''[1]

اس مرحلے میں جزاو سزا پوری نہیں ہوتی۔

برزخی زندگی پر ایمان لانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب نعش (چارپائی وغیرہ پر) رکھ دی جاتی ہے اور اس کے بعد قبرستان لے جانے کے لیے اسے لوگ اٹھاتے ہیں تو اگر وہ نیک تھا تو کہتا ہے: ''مجھے جلدی لے

---

[1] حاشیہ صحیح البخاری، الرقاق، باب سکرات الموت: ٢/٩٦٤

چلو۔'' اور اگر وہ نیک نہ تھا تو گھر والوں سے کہتا ہے: ''ہائے میری بربادی، مجھے کہاں لے جاتے ہو؟''

(پھر فرمایا) انسان کے سوا ہر چیز اس کی آواز سنتی ہے، اگر انسان اس کی آواز سن لے تو ضرور بے ہوش ہو جائے۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مردے کی ہڈیاں توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندگی میں اس کی ہڈی توڑ دی جائے۔''[2]

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبر سے تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا دیکھ کر فرمایا: ''اس قبر والے کو تکلیف نہ دو''[3]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے، کہ مرنے والے کو اگرچہ ہم مردہ سمجھتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہوتا ہے، اگرچہ اس کی زندگی ہماری اس زندگی سے مختلف ہوتی ہے۔

برزخی زندگی قبر کے ساتھ خاص نہیں، بل کہ موت کے فوراً بعد سے قیامت قائم ہونے تک ہر شخص پر جو زمانہ گزرتا ہے اس کو برزخ کہا جاتا ہے، خواہ اسے قبر میں رکھا گیا ہو یا نہ رکھا گیا ہو، بل کہ اگر اس کو جلا دیا جائے یا سمندر میں بہا دیا جائے، تب بھی وہ عالم برزخ میں ہوتا ہے اور وہاں چوں کہ اس میں سمجھ وشعور ہوتا ہے، لہٰذا وہ اپنے اعمال کے مطابق راحت میں ہوتا ہے یا تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔

نیک آدمی کی موت قابلِ رشک ہوتی ہے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

---

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب قول الميت وهو على الجنازة ...... رقم: ١٣١٦

[2] سنن ابي داود، الجنائز، باب في الحفار يجد العظم ...... رقم: ٣٢٠٧

[3] مشكاة، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثالث: ١٤٩/١

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے میں قبرستان گئے، جب قبر تک پہنچے تو دیکھا کہ ابھی لحد نہیں بنائی گئی ہے، اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے آس پاس (باادب) اس طرح بیٹھ گئے کہ جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں (یعنی اس طرح خاموش دم بخود ہوکر بیٹھ گئے جیسا کہ ہم میں حرکت ہی نہیں رہی، پرندہ حرکت نہ کرنے والی چیز پر بیٹھتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں ایک لکڑی تھی، جس سے زمین کریدر ہے تھے (جیسے کوئی غم گین کیا کرتا ہے) آپ نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا:

''قبر کے عذاب سے پناہ مانگو'' دو تین مرتبہ یہ ہی فرمایا پھر فرمایا: ''بلاشبہ جب مؤمن بندہ دنیا سے جاتا ہے اور آخرت کا رخ کرتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے فرشتے آتے ہیں جن کے سفید چہرے سورج کی طرح روشن ہوتے ہیں، ان کے ساتھ جنتی کفن ہوتا ہے اور جنت کی خوش بو ہوتی ہے، یہ فرشتے جہاں تک اس کی نظر پہنچے وہاں تک بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں:

''اے پاکیزہ روح! اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا مندی کی طرف نکل کر چل''

چناں چہ اس کی روح اس طرح سہولت سے نکل آتی ہے جیسے مشکیزہ میں سے (پانی کا) قطرہ بہتا ہوا باہر آجاتا ہے، ملک الموت اسے لے لیتے ہیں، ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے (جو دور تک بیٹھے ہوتے ہیں) پل بھر بھی ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑتے، یہاں تک کہ اسے لے کر اسی کفن اور خوش بو میں رکھ کر آسمان کی طرف چل دیتے ہیں، زمین پر جو کوئی بھی عمدہ سے عمدہ خوش بو مشک کی پائی گئی ہے، اس جیسی وہ خوش بو ہوتی ہے، پھر اس روح کو لے کر فرشتے (آسمان کی طرف) چڑھنے لگتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی ان کا گزر ہوتا ہے، وہ کہتے ہیں:

''کون سی پاکیزہ روح ہے؟''

وہ اس کا اچھے سے اچھا نام لے کر جواب دیتے ہیں جس سے اسے دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے" اسی طرح پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں، دروازہ کھول دیا جاتا ہے (اور پھر وہ اس روح کو لے کر اوپر چلے جاتے ہیں)، یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر پہنچ جاتے ہیں، ہر آسمان کے معزز فرشتے دوسرے آسمان تک اسے رخصت کرتے ہیں (جب ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"میرے بندے کی کتاب "عِلِّيِّين" میں لکھ دو اور اسے زمین پر واپس لے جاؤ، کیوں کہ میں نے انسان کو زمین ہی سے پیدا کیا ہے اور اسی میں اس کو لوٹا دوں گا، اسی سے اس کو دوبارہ نکالوں گا۔"

چناں چہ اس کی روح اس کے جسم میں واپس کر دی جاتی ہے، اس کے بعد دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں، جو اُسے بٹھاتے ہیں، اس سے سوال کرتے ہیں: "تیرا رب کون ہے؟"

وہ جواب دیتا ہے: "میرا رب اللہ ہے" پھر اس سے پوچھتے ہیں: "تیرا دین کیا ہے؟"

وہ جواب دیتا ہے: "میرا دین اسلام ہے"، پھر اس سے پوچھتے ہیں: "یہ صاحب کون ہیں جو تمہارے پاس بھیجے گئے؟"

وہ کہتا ہے: "وہ اللہ کے رسول ہیں" پھر اس سے پوچھتے ہیں: "تیرا علم کیا ہے؟"

وہ کہتا ہے: "میں نے اللہ کی کتاب پڑھی، میں اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔" اس کے بعد (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ایک منادی آسمان سے آواز دیتا ہے: "میرے بندے نے سچ کہا ہے، اس کے لیے جنت کے بچھونے بچھا دو اور اس کو جنت کے کپڑے پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو۔"

چناں چہ جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے جس کے ذریعے جنت کا آرام اوراس کی خوش بو آتی رہتی ہے اوراس کی قبر جہاں تک اس کی نظر پہنچے، کشادہ کر دی جاتی ہے، اس کے بعد نہایت خوب صورت چہرے والا بہترین لباس والا (اور) پاکیزہ خوش بو والا ایک شخص اس کے پاس آ کر کہتا ہے:

''خوش خبری سن لو، یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔''

وہ کہتا ہے: تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ حقیقت میں چہرہ کہنے کے لائق ہے، اور اس لائق ہے کہ اچھی خبر لائے۔

وہ کہتا ہے: ''میں تمہارا نیک عمل ہوں۔''

اس کے بعد وہ (خوشی میں) کہتا ہے: ''اے رب! قیامت قائم فرما، اے رب! قیامت قائم فرما، تاکہ میں اپنے مال اور اہل وعیال کے پاس پہنچ جاؤں'' (اس سے مراد جنت کی حوریں اور نعمتیں ہیں)۔

کافر کی موت آتے ہی ناکامیاں شروع ہو جاتی ہیں

جب کافر بندہ دنیا سے جاتا ہے اور آخرت کا رخ کرتا ہے تو سیاہ چہروں والے فرشتے آسمان سے اس کے پاس آتے ہیں، جن کے پاس ٹاٹ ہوتے ہیں، اور وہ اس کے پاس اتنی دور تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے، پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں، پھر کہتے ہیں:

''اے خبیث جان! اللہ کی ناراضگی کی طرف نکل، ملک الموت کا یہ فرمان سن کر روح اس کے جسم میں ادھر اُدھر بھاگتی پھرتی ہے، ملک الموت اس کی روح کو جسم سے اس طرح نکالتے ہیں، جیسے بوٹیاں بھوننے کی سیخ بھیگے ہوئے اون سے صاف کی جاتی ہے (یعنی کافر کی روح کو جسم سے زبردستی اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا

اون کانٹے اور سیخ پر لپٹا ہوا ہو اور اس کو زور سے کھینچا جائے) پھر اس روح کو ملک الموت (اپنے ہاتھ میں) لے لیتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے پلک جھپکنے کے برابر بھی ان کے پاس نہیں چھوڑتے ، فوراً ان سے لے کر اسے ٹاٹوں میں لپیٹ دیتے ہیں اور ٹاٹوں میں ایسی بدبو آتی ہے جیسے کبھی کسی بدترین سڑی ہوئی مردہ لاش سے روئے زمین پر بدبو پھوٹی ہو، وہ فرشتے اسے لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی پہنچتے ہیں وہ کہتے ہیں: ''کون سی خبیث روح ہے؟'' وہ اس کا برے سے برا وہ نام لے کر کہتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا ہے کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے، یہاں تک کہ وہ اسے لے کر پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں، مگر اس کے لیے دروازہ نہیں کھولا جاتا، پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اس کو کتاب ''سِجِّین'' میں لکھ دو'' جو سب سے نیچی زمین میں ہے، چناں چہ اس کی روح (وہیں سے) پھینک دی جاتی ہے، پھر اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں: ''تیرا رب کون ہے؟''

وہ کہتا ہے: ''ہائے ہائے مجھے پتا نہیں'' پھر اس سے پوچھتے ہیں: ''تیرا دین کیا ہے؟''

وہ کہتا ہے: ''ہائے ہائے مجھے پتا نہیں'' پھر اس سے پوچھتے ہیں: ''یہ شخص کون ہیں جو تم میں بھیجے گئے؟''

وہ کہتا ہے: ''ہائے ہائے مجھے پتا نہیں''

پھر یہ سوالات و جوابات ہو جاتے ہیں تو آسمان سے ایک پکارنے والا آواز دیتا ہے: ''اس نے جھوٹ کہا (کیوں کہ اسے رب کی خبر ہے، لیکن یہ اس کو مانتا نہ تھا اور جس دین پر تھا، اس کا بھی علم ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی علم ہے، لیکن عذاب سے بچنے کے لیے اپنے کو نادان ظاہر کر رہا ہے) اس کے نیچے

آ گ بجھا دو اور اس کے لیے دوزخ کا دروازہ کھول دو۔''

چناں چہ دوزخ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور دوزخ کی تپش اور سخت گرم لو آتی رہتی ہے اور قبر اس پر تنگ کر دی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف کی پسلیوں میں چلی جاتی ہیں اور اس کے پاس ایک شخص آتا ہے جو بدصورت اور برے کپڑے پہنے ہوئے ہوتا ہے، اس کے جسم سے بری بدبو آتی ہے، وہ شخص اس سے کہتا ہے: ''مصیبت کی خبر سن لے، یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔''

مردہ کہتا ہے: ''تو کون ہے، تیرا نہایت برا چہرہ برائی لاتا ہے؟''

وہ کہتا ہے: ''میں تیرا برا عمل ہوں۔'' یہ سن کر وہ (اس ڈر سے کہ میں قیامت میں یہاں سے زیادہ عذاب میں گرفتار ہوں گا) یوں کہتا ہے: ''اے رب! قیامت قائم نہ کر۔''[1]

موت کے بعد زندہ ہونے پر ایمان اور اس کی تفصیلات

جزا و سزا کا دوسرا مرحلہ قیامت کے دن سے نہ ختم ہونے والی زندگی تک ہے، اس مرحلے کو ''حشر'' کہتے ہیں، اس میں پوری پوری جزا و سزا ہوگی۔

موت کے بعد زندہ ہونے پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد سب کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ پہلے صور کے بعد جب تقریباً چالیس سال کا عرصہ گزر جائے گا تو حضرت اسرافیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوبارہ صور پھونکیں گے، ایک بارش برسے گی جس سے سبزہ کی طرح ہر جان دار، جسم کے ساتھ زندہ ہوگا۔[2]

سب سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک سے اٹھیں گے،

---

[1] مسند احمد: ٤/٨٧، رقم: ١٨٠٦٣

[2] مآخذہ صحیح مسلم، الفتن واشراط الساعة، باب بین النفختین: ٢/٢٠٦

آپ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھیں گے، پھر جگہ جگہ سے انبیا، صدیقین، شہدا، صالحین اٹھیں گے، پھر عام مؤمنین پھر فاسقین پھر کافرین تھوڑی دیر بعد اٹھیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن ابوبکر اور عمر کے ساتھ اٹھوں گا، پھر میں بقیع (قبرستان) آؤں گا اور وہاں سے اور لوگ میرے ساتھ ہوں گے، اس کے بعد میرے پاس مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے لوگ آئیں گے۔

ہر شخص جس حال میں مرا ہے اس میں اٹھے گا، شہیدوں کے زخموں سے خون بہتا ہوا ہوگا، اس کی خوش بو زعفران جیسی ہوگی اور جو حج کرتے ہوئے مرا ہوگا، وہ لبیک کہتا ہوا اٹھے گا، ہر شخص برہنہ بے ختنہ اٹھے گا۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جنت کا سفید جوڑا پہنایا جائے گا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہتر جوڑا پہنایا جائے گا، لوگوں میں سے کوئی پیدل کوئی سوار میدان حشر میں جائے گا، بعض تنہا سوار ہوں گے، کسی سواری پر دو کسی پر تین، کسی پر چار، کسی پر دس سوار ہوں گے۔ کافر منہ کے بل چلتا ہوا میدان حشر میں پہنچے گا، کافر کو فرشتے گھسیٹ کر لے جائیں گے، کسی کو آگ ہنکا کر لائے گی، کافر گونگے، بہرے اور اندھے اٹھائیں جائیں گے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہوں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آپ کے پاس اور دیگر امتیں اپنے اپنے نبیوں کے پاس جمع ہو جائیں گی، خوف کی شدت کی وجہ سے سب کی آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوں گی، کوئی شخص کسی کی شرم گاہ پر نظر نہیں ڈال سکے گا، اگر ڈالے بھی تو وہ بچوں کی طرح شہوانی جذبات سے خالی ہوگا۔

آفتاب ایک میل کے فاصلے پر ہوگا جس کی گرمی سے دماغ ابلنے لگے گا اور اس کثرت سے پسینہ نکلے گا کہ ستر (۷۰) گز زمین میں جذب ہو جائے گا، پھر جب زمین پسینہ نہ پی سکے گی تو پسینہ اوپر کی طرف چڑھے گا، انبیا اور نیک بخت مؤمنوں

کے تو صرف تلوے تر ہوں گے، عام مؤمنین میں سے کسی کا پسینہ ایڑیوں تک، کسی کا ٹخنوں تک، کسی کا آدھا پنڈلی تک، کسی کا گھٹنوں تک، کسی کا کمر تک، کسی کا سینے تک، کسی کا گلے تک ہوگا، کافر کا پسینہ تو منہ تک چڑھ کر لگام کی طرح اسے جکڑ لے گا۔ بھوک پیاس کی وجہ سے لوگ مجبور ہو کر خاک پھانکنے لگیں گے، آفتاب کی گرمی کے علاوہ اور بھی نہایت ترس ناک اور ہول ناک امور پیش آئیں گے، ہر گناہ گار اپنے گناہ کے بقدر تکلیف میں مبتلا ہوگا، ایک ہزار سال کی مقدار تک لوگ ان ہی تکالیف ومصائب میں مبتلا رہیں گے[1] اور سات مندرجہ ذیل گروہوں کو عرش کے سائے میں جگہ دی جائے گی:

1. عادل بادشاہ۔
2. نوجوان عابد۔
3. وہ شخص جو مسجد سے دلی لگاؤ رکھے۔
4. وہ شخص جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے روئے اور اس کے آنسو بہنے لگیں۔
5. وہ دو شخص جن کی آپس میں محبت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو، اسی بنا پر ملتے ہوں اور اسی بنا پر جدا ہوتے ہوں۔
6. وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس طرح خیرات کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہ ہو۔
7. وہ شخص جس کو مال دار، خوب صورت عورت برائی کے لیے بلائے اور وہ انکار کر دے۔[2]

قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے لیے

---

[1] مآخذہ جامع الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ ...... باب ماجاء فی شان الحساب ......، الرقم: ٢٤٢١

[2] صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ بالیمین، رقم: ١٤٢٣

وہ دن اتنا ہلکا کر دیا جائے گا جتنے وقت میں فرض نماز ادا کی جاتی ہے، بل کہ اس سے بھی کم۔

شفاعت پر ایمان اور اس کی تفصیلات

شفاعت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز سب لوگ نہایت پریشانی کی حالت میں سفارش کروانے کے لیے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس، پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، ہر نبی دوسرے نبی کے پاس بھیجتے رہیں گے اور خود سفارش کرنے سے معذرت کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ تمام لوگ سب سے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے:

ہاں! میں اس کے لیے مقرر ہوں، میں اپنے رب سے اجازت مانگوں گا تو مجھے اجازت مل جائے گی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفارش کرنے کی فضیلت عطا ہو چکی ہے، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کی بڑائی کی وجہ سے شفاعت کی اجازت مانگیں گے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گر کر اللہ تعالیٰ کی بہت تعریف کریں گے، اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کی اجازت عطا فرما دیں گے، اسی کو "مقامِ محمود" کہتے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوگا، یہ شفاعت میدانِ حشر کی شدت اور دہشت کو کم کرنے اور حساب و کتاب شروع ہونے کے لیے ہوگی، تمام لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کریں گے۔

یہ پہلی شفاعت ہوگی جس کو "شفاعتِ کبریٰ" کہتے ہیں۔

دوسری شفاعت حساب اور سوال میں سہولت ہو جانے کے لیے ہوگی کہ ان کو حساب کے بغیر ہی جنت میں داخل کیا جائے۔

تیسری شفاعت بعض گناہ گاروں پر عذاب کا حکم جاری ہونے کے بعد ہوگی کہ ان کا قصور معاف کردیا جائے اور جہنم میں نہ ڈالا جائے۔

چوتھی شفاعت بعض گناہ گار جو جہنم میں داخل ہوں گے ان کو دوزخ سے نکالنے کے لیے ہوگی۔

پانچویں شفاعت بعض اہل ایمان کے درجے بلند ہونے کے لیے ہوگی کہ اس مؤمن کو اس سے بڑھ کر درجہ دیا جائے، یہ شفاعت کی پانچ قسمیں ہوئیں جو احادیث سے ثابت ہیں اور سب حق ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جھنڈا دیا جائے گا جس کو "لواء حمد" (تعریف کا جھنڈا) کہتے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے تمام مؤمنین اسی کے نیچے ہوں گے، اس دن ہر ایک کو آپ کے مرتبہ کا علم ہوجائے گا کہ آپ تمام انبیا علیہم السلام کے سردار ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام شفاعت کریں گے، انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد صلحا، علما، شہدا، حفاظ اور حجاج شفاعت کریں گے، بل کہ ہر وہ شخص جسے کوئی دینی منصب عنایت ہوا، اپنے اپنے متعلقین کی شفاعت کرے گا، لیکن بلا اجازت کوئی شخص شفاعت نہ کرسکے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت میں سے بعض لوگ ایک بڑی جماعت کی شفاعت کریں گے اور بعض ایک قبیلے کی اور بعض چالیس آدمیوں کی اور کوئی ایک آدمی کی شفاعت کرے گا، مسلمانوں کے چھوٹے بچے بھی قیامت کے دن اپنے ماں باپ کی شفاعت کریں گے اور بعض لوگوں کی شفاعت قرآن کریم یا کوئی اور نیک عمل کرے گا۔[1]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار: ۲/۹۷۱، جامع الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی الشفاعۃ: ۲/۶۹

حوضِ کوثر کی تفصیلات

قیامت کے دن ہر نبی کے لیے ایک حوض ہوگا اور ہر نبی کی امت کی الگ الگ پہچان ہوگی، جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو ان کو نہایت شدت کی پیاس لگے گی، تمام انبیا علیہم السلام اپنی اپنی امت کو پہچان کر اپنے اپنے حوض سے پانی پلائیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی پہچان یہ ہے کہ ان کے وضو کے اعضا نہایت روشن ہوں گے، ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کا نام ''کوثر'' ہے، وہ سب حوضوں سے بڑا ہے، اس کی لمبائی ایک ماہ کی مسافت ہے، اس کے کنارے برابر ہیں یعنی وہ چوکور ہے، اس کے عرض وطول (لمبائی، چوڑائی) دونوں برابر ہیں اور اس کے کناروں پر موتی کے قبے ہیں، اس کی مٹی نہایت خوش بودار مشک کی ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا، گلاب اور مشک سے زیادہ خوش بودار، سورج سے زیادہ روشن اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے، اس کے برتن ستاروں کی طرح چمک دار اور بکثرت ہیں، اس میں جنت سے دو پرنالے ہر وقت گرتے رہتے ہیں، ایک سونے کا دوسرا چاندی کا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے جام بھر بھر کر پلائیں گے، مؤمنین اسے پی کر خوش حال ہو جائیں گے، جو ایک بار پی لے گا پھر اس کے بعد کبھی بھی اس کو پیاس نہ لگے گی۔

سب سے پہلے پینے کے لیے مہاجر فقرا آئیں گے، یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیا میں جن کے سروں کے بال بکھرے ہوئے اور چہرے بھوک اور محنت و تھکن کے باعث بدلے ہوئے ہوتے تھے، ان کے لیے بادشاہوں اور حاکموں کے دروازے نہیں کھولے جاتے تھے اور عمدہ عورتیں ان کے نکاح میں نہیں دی جاتی تھیں اور ان کے

معاملات کی خوبی کا یہ حال تھا کہ ان کے ذمہ جو حق کسی کا ہوتا تھا تو سب چکا دیتے تھے اور ان کا جو حق کسی پر ہوتا تھا تو پورا نہ لیتے تھے، بل کہ تھوڑا بہت چھوڑ دیتے تھے۔

بعض لوگ جنہوں نے دین میں نئی نئی باتیں پیدا کی ہوں گی، وہ حوض پر آنے سے روک دیے جائیں گے۔[۱]

نور کی تقسیم

پل صراط پر سے گزرنے سے پہلے نور تقسیم ہوگا، ایمان والے مَردوں اور عورتوں کو ان کے اپنے اپنے اعمال کے بقدر نور ملے گا جس کی روشنی میں پل صراط پر سے گزریں گے، یہ نور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا راستہ بتانے والا ہوگا، کسی کا نور پہاڑ کے برابر ہوگا، کسی کا نور کھجور کے درخت کے برابر ہوگا، سب سے کم نور اس شخص کا ہوگا جو صرف انگوٹھے پر ٹمٹماتے چراغ کی طرح ہوگا، کبھی بجھ جائے گا اور کبھی روشن ہو جائے گا۔

نامۂ اعمال کی تقسیم

قیامت کے دن سب کو نامۂ اعمال دیے جائیں گے، مؤمنوں کو سامنے سے دائیں ہاتھ میں اور کافروں کو پیچھے سے بائیں ہاتھ میں ملیں گے۔ نیکیاں اور برائیاں ترازو میں تولی جائیں گی، جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا، وہ جنت میں جائے گا اور جس کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا، وہ دوزخ میں جائے گا اور جس کے دونوں پلے برابر ہوں گے وہ کچھ مدت ''اعراف'' میں رہے گا، پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں جائے گا۔ مسلمانوں کے حساب میں آسانی ہوگی اور کافروں کے حساب میں تنگی اور رسوائی ہوگی، کسی پر بھی ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا، ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دے دی جائیں

---

[۱] مأخذه صحيح البخاري، كتاب الحوض: ۲/ ۹۷۳ تا ۹۷۵

گی، جب نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوم کی برائیاں ظالم پر ڈال دی جائیں گی۔ چرند، پرند اور وحشی جانوروں کا بھی حساب ہوگا، انسان اور جنات کے علاوہ سب کو بدلہ دلا کر ختم کر دیا جائے گا۔

پلِ صراط پر ایمان اور اس کی تفصیلات

جنت میں جانے کے لیے دوزخ پر ایک پل ہوگا جو کہ بال سے زیادہ باریک، تلوار سے زیادہ تیز، رات سے زیادہ کالا اور آگ سے زیادہ گرم ہوگا، اس میں پھسلن ہوگی جس کی وجہ سے چلنا مشکل ہوگا، سب کو اس پر چلنے کا حکم ہوگا۔ اس پر سب سے پہلے نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم گزریں گے، آپ کے بعد آپ کی امت گزرے گی اور پھر دوسرے لوگ گزریں گے، اس وقت انبیا کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کرے گا اور انبیا علیہم السلام کی بات "اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ" (اے اللہ! بچا، حفاظت فرما) ہوگی، جہنم میں پل صراط کے دونوں جانب سعدان جھاڑی کے کانٹوں کی طرح آنکڑے ہوں گے، وہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پکڑ کر جہنم میں گرادیں گے اور بعض کا گوشت چھیل ڈالیں گے، لیکن جہنم میں گرائے جانے سے بچالیے جائیں گے۔

مؤمن سب گزر جائیں گے، بعض بجلی کی طرح، بعض تیز ہوا کی طرح، بعض پرندوں کی طرح، بعض تیز گھوڑے کی طرح، بعض تیز اونٹ کی طرح، بعض پیدل تیز چلنے والے کی طرح، بعض عورتوں کی طرح آہستہ آہستہ چلیں گے، بعض سرین پر گھسٹتے ہوئے چلیں گے اور کوئی چیونٹی کی چال چلے گا، کافر اور منافق کٹ کٹ کر دوزخ میں گر جائیں گے۔[1]

---

[1] مأخذه صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب الصراط جسر جهنم: ۹۷۳/۲، مأخذه صحيح مسلم، الإيمان، باب اثبات الشفاعة: ۱۰۲/۱، ۱۱۲

دوزخ پر ایمان اور اس کی تفصیلات

دوزخ کی بناوٹ

دوزخ اللہ تعالیٰ کا جیل خانہ ہے جس میں نافرمانوں کو ڈالا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کا مفہوم ہے: ''جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے۔'' [1]

ایک جگہ فرمایا جس کا مفہوم ہے: ''دوزخیوں کو آگ اوپر سے بھی گھیرے میں لیے ہوئے ہوگی اور نیچے سے بھی گھیرے میں لیے ہوئے ہوگی۔'' [2]

جہنم کی گہرائی اتنی ہے کہ اگر ایک پتھر جہنم میں ڈالا جائے تو دوزخ کی تہہ میں پہنچنے سے پہلے ستر (۷۰) سال تک گرتا چلا جائے گا۔

دوزخ کی دیواریں جو اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، وہ اتنی موٹی ہیں کہ ان میں سے صرف ایک دیوار کی چوڑائی طے کرنے کے لیے چالیس سال خرچ ہوں۔

دوزخ کے سات طبقے ہیں، ان سات طبقوں میں کم و بیش مختلف قسم کا عذاب ہے، دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب اس شخص کو ہوگا کہ جس کی دونوں جوتیاں اور تسمے آگ کے ہوں گے جن کی وجہ سے ہانڈی کی طرح اس کا دماغ کھولتا ہوگا، وہ سمجھے گا کہ سب سے زیادہ عذاب اسے ہو رہا ہے۔ [3]

آگ کا عذاب اور اس کی کیفیت

دوزخ کو ایک ہزار برس تک دھکایا گیا تو اس کی آگ سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار برس تک دھکایا گیا تو اس کی آگ سفید ہوگئی، پھر ایک ہزار برس تک دھکایا گیا

[1] آل عمران: ۱۲

[2] الزمر: ۱٦

[3] مأخذہ صحیح مسلم، باب جهنم ۲/۳۸۱

تو اس کی آگ سیاہ ہوگئی، اب دوزخ سیاہ ہے اندھیری رات کی طرح تاریک ہے، اس کی لپٹ سے اس میں روشنی نہیں ہوتی، یعنی ہمیشہ اندھیرا ہی رہتا ہے، دوپہر کو روزانہ دوزخ دھکائی جاتی ہے۔[1]

دوزخ بہت بڑی جگہ ہے، لیکن عذاب کے لیے دوزخیوں کو تنگ تنگ جگہوں میں رکھا جائے گا، جس طرح دیوار میں کیل گاڑی جاتی ہے، اس طرح دوزخیوں کو دوزخ میں ٹھونسا جائے گا، صبر کرنے پر بھی عذاب سے رہائی نہ ہوگی۔

دوزخ میں ایک آگ کا پہاڑ ہے جس پر دوزخی کو ستر (۷۰) سال تک چڑھایا جائے گا، پھر ستر سال تک اوپر سے گرایا جائے گا اور ہمیشہ اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ کے ستر (۷۰) حصوں میں سے ایک حصہ ہے، آدمی اور پتھر اس کا ایندھن ہیں۔

دوزخیوں کو دوزخ میں بھر کر دروازے بند کر دیے جائیں گے، آگ کے اتنے بڑے بڑے شعلے ہوں گے جیسے ستون ہوتے ہیں اور دوزخی اس میں بند ہوں گے۔

دوزخیوں کو آگ روزانہ ستر ہزار مرتبہ جلائے گی، ہر مرتبہ جلانے کے بعد کہا جائے گا: ''جیسے تھے ویسے ہی ہو جاؤ'' چناں چہ وہ ہر بار ویسے ہی ہو جائیں گے۔

دوزخی کو آگ جلائے گی جس کی وجہ سے اس کا اوپر کا ہونٹ سکڑ کر بیچ سر تک پہنچ جائے گا اور نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک پہنچ جائے گا۔

دوزخیوں کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا جو ان کے پیٹوں میں پہنچ کر ان تمام چیزوں کو کاٹ دے گا جو ان کے پیٹوں کے اندر ہیں اور آخر میں قدموں سے نکل جائے گا، اس کے بعد پھر دوزخی کو ویسا ہی کر دیا جائے گا جیسے پہلے تھا۔

کھولتے پانی میں گناہ گار کے بال پکڑ کر غوطہ دیا جائے گا جس سے اس کا تمام گوشت گل گل کر جائے گا اور ہڈیوں کے ڈھانچے اور دو آنکھوں کے سوا کچھ نہ بچے

---

[1] مأخذه جامع الترمذي، صفة جهنم، باب في صفة النار ...... الرقم: ۲۵۹۱

گا۔[1]

دوزخ کے سانپ اور بچھو

دوزخ میں بڑی لمبی گردنوں والے اونٹوں کے برابر سانپ ہیں، جب ان میں سے کوئی سانپ ایک بار ڈسے گا تو دوزخی چالیس (۴۰) سال تک اس کی سوزش محسوس کرتا رہے گا۔

دوزخ میں پالان سے لدے ہوئے خچروں کی طرح بچھو ہیں، جب ان میں سے کوئی بچھو ایک بار ڈسے گا تو دوزخی چالیس (۴۰) سال تک اس کی سوزش محسوس کرتا رہے گا، دوزخیوں پر ایسے بچھو مسلط کیے جائیں گے جن کے نوکیلے دانت لمبی لمبی کھجوروں کے برابر ہوں گے۔[2]

دوزخ کے لباس اور کھانے

دوزخیوں کے لباس اس تانبے کے ہوں گے جو سخت گرم آگ جیسے ہوں گے، دوزخیوں کو کھولتے ہوئے چشمے کا پانی ملے گا اور سوائے ''ضریع'' (کانٹے دار درخت) کے کھانے کے لیے کچھ نہ ہوگا جو نہ طاقت دے گا نہ بھوک دور کرے گا۔

''ضریع'' ایک کانٹے دار درخت کا نام ہے جو ایلوے سے کڑوا، مردہ سے زیادہ بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم ہوگا، اگر جانور بھی اس کو کھالے تو مر جائے، اس کو بہت زیادہ کھانے کے بعد بھی بھوک دور نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا جس کا مفہوم ہے: ''ان کے کھانے کے لیے پیپ کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔[3]'' دوسری جگہ ارشاد فرمایا جس کا مفہوم ہے: ''بے شک زقوم (تھوہر) کا

---

[1] مأخذہ مشکاۃ، کتاب الفتن، باب صفۃ النار واھلھا: ۲/ ۵۰۳

[2] مأخذہ مشکاۃ، کتاب الفتن، باب صفۃ النار واھلھا: ۲/ ۵۰٤

[3] الحاقۃ: ۳٦

درخت ہے گناہ گاروں کا کھانا ہے جو مثل تلچھٹ کے ہے اور پیٹ میں کھولتا رہتا ہے۔''[1]

زقوم کھانے کے بعد جہنمی کھولتا ہوا پانی پئیں گے جیسے پیاسے اونٹ پیتے ہیں، زقوم دوزخ کی جڑ میں سے نکلتا ہے، اس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپوں کے پھن۔

حدیث شریف کا مفہوم ہے: ''زقوم کا ایک قطرہ بھی دنیا میں ٹپکا دیا جائے تو تمام دنیا والوں کی غذائیں کڑوی کر دے۔''[2]

قرآنِ مجید میں ہے: ''دوزخی کھولتے ہوئے پانی اور غساق کے علاوہ کسی ٹھنڈک اور پینے کی چیز کا مزہ تک نہ چکھ سکیں گے۔''[3]

حدیث میں ہے: ''کہ اگر غساق کا ایک ڈول دنیا میں ڈال دیا جائے تو تمام دنیا والے سڑ جائیں۔''[4]

علما نے فرمایا: غساق دوزخیوں کی پیپ اور ان کا دھوون ہے یا دوزخیوں کے آنسو ہیں یا دوزخیوں کا ٹھنڈک والا عذاب ہے یا سڑی ہوئی اور ٹھنڈی پیپ ہے جو ٹھنڈک کی وجہ سے پی نہ جا سکے، مگر بھوک کی وجہ سے مجبوراً پینی پڑے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا مفہوم ہے: ''اگر پیاس سے تڑپ کر فریاد کریں گے تو ان کو ایسا پانی دیا جائے گا جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا، جو چہروں کو بھون ڈالے گا۔''[5]

ایک اور جگہ ارشاد ہے: ''گلے میں اٹک جانے والا کھانا ہوگا۔[6]'' اس کے

---

[1] الدخان: ٤٣ تا ٤٦

[2] جامع الترمذی، ابواب صفة جهنم، باب صفة شراب اهل النار: ٨٦/٢

[3] النبا: ٢٤، ٢٥

[4] جامع الترمذی، ابواب صفة جهنم، باب صفة شراب اهل النار: ٨٦/٢

[5] الکهف: ٢٩

[6] ابراهيم: ١٧

اتارنے کے لیے تدبیریں سوچیں گے تو یاد آئے گا کہ دنیا میں پینے کی چیزوں سے گلے کی اٹکی ہوئی چیزیں اتارا کرتے تھے، لہٰذا پینے کی چیز طلب کریں گے تو کھولتا ہوا پانی لوہے کے چمٹوں کے ذریعے ان کے سامنے کر دیا جائے گا، جب وہ چمٹے ان کے چہروں کے قریب ہوں گے تو ان کے چہروں کو بھون ڈالیں گے، پھر جب پانی پیٹوں میں پہنچے گا تو پیٹ کے اندر کی چیزوں یعنی آنتوں وغیرہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔[1]

دوزخیوں کی جسمانی کیفیت

کافر اپنی زبان کو ایک فرسخ اور دو فرسخ تک کھینچ کر باہر نکال دے گا جس پر لوگ چلیں گے، ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔

کافر کی ڈاڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی اور اس کی کھال کی موٹائی تین دن کے راستے کے برابر ہوگی۔

دوزخی کے کان کی لو اور مونڈھے کے درمیان ستر (۷۰) سال چلنے کا راستہ ہوگا جس میں خون اور پیپ کی وادیاں جاری ہوں گی۔

اگر دوزخیوں میں سے کوئی شخص دنیا کی طرف نکال دیا جائے تو اس کی وحشی صورت کے منظر اور بدبو کی وجہ سے دنیا والے مر جائیں۔

دوزخی کے سارے بدن پر گندھک لپٹی ہوئی ہوگی، تا کہ اس میں جلدی اور تیزی کے ساتھ آگ لگ سکے۔[2]

عذاب کی وجہ سے دوزخیوں کی حالت

دوزخی اتنا روئیں گے کہ ان کے آنسو ان کے چہروں میں نالیاں سی بنا دیں

---

[1] مآخذہ جامع الترمذی، ابواب صفة جهنم، باب ماجاء فی صفة شراب اهل النار: ۸۵/۲

[2] مآخذہ جامع الترمذی، ابواب صفة جهنم، باب ماجاء فی عظم اهل النار: ۸۱/۲

گے، روتے روتے آنسو نکلنا بند ہو جائیں گے تو ان دوزخیوں کے خون بہنے لگیں گے جس کی وجہ سے آنکھیں زخمی ہو جائیں گی، ان کے آنسوؤں میں کشتیاں چھوڑ دی جائیں تو وہ ان میں چلنے لگیں۔[1]

دوزخی گدھوں کی طرح چلاتے ہوں گے۔[2]

دوزخیوں کی درخواست

عذاب سے پریشان ہوکر دوزخ کے داروغہ سے کہیں گے: ''اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ کسی ایک دن تو ہم سے عذاب ہلکا کردے۔''

پھر مالک (داروغہ جہنم) سے درخواست کریں گے:

''اے مالک! تم ہی دعا کرو کہ تمہارا پروردگار ہم کو موت دے کر ہمارا کام تمام کردے۔'' دوزخیوں کی درخواست اور مالک کے جواب میں ہزار برس کا عرصہ ہوگا، اس کے بعد کہیں گے: ''آؤ اپنے رب سے براہِ راست دعا کریں اور درخواست کریں۔'' اللہ تعالیٰ ان کی درخواست کے جواب میں فرمائیں گے:

''اسی میں پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔'' اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بعد وہ ہر قسم کی بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے۔

قیامت کا دن اور دوزخ کی حالت

قیامت کے روز دوزخ کو لایا جائے گا جس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی، ہر باگ پر ستر ہزار فرشتے مقرر ہوں گے جو اس کو کھینچ رہے ہوں گے، اگر اس وقت فرشتے دوزخ کی باگیں چھوڑ دیں تو وہ ہر نیک و بد کو اپنے نرغے (لپیٹ) میں لے لے۔

---

[1] مأخذ مشکاة، کتاب الفتن، باب صفة النار واهلها ۲/۵۰۴

[2] صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة النار وانها مخلوقة ۱/۴۶۲

جس طرح جانور دانہ تلاش کر کے چگتا ہے، اسی طرح دوزخ میدان حشر سے ان لوگوں کو چن لے گی جن کا دوزخ میں جانا طے ہو گیا ہوگا۔

جہنم میں دوزخی ڈالے جاتے رہیں گے اور دوزخ "کیا اور بھی کوئی ہے" کہتی جائے گی، سب دوزخی داخل ہو جائیں گے، پھر بھی نہ بھرے گی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھ دیں گے جس کی وجہ سے دوزخ سمٹ جائے گی اور یوں عرض کرے گی: "بس بس آپ کی عزت اور کرم کا واسطہ دیتی ہوں۔"

ابھی جہنم دوزخیوں سے سو سال کے فاصلے پر ہوگی تو اس کی نظریں دوزخیوں پر پڑیں گی، وہ دیکھتے ہی جوش وخروش سے آوازیں نکالے گی جسے وہ سن لیں گے۔[1]

دوزخ کے فرشتے

مختلف قسم کے عذاب دینے کے لیے انیس (۱۹) فرشتے مقرر ہیں، ہر ایک فرشتے میں تمام جنات وانسانوں کے برابر طاقت ہے۔[2]

لوہے کے گرز اور زنجیریں

دوزخیوں کے مارنے کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے، دوزخ کا ایک گرز اگر زمین پر رکھ دیا جائے اور تمام جنات اور انسان مل کر اسے اٹھانا چاہیں تو نہیں اٹھا سکتے، اگر پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو کر راکھ ہو جائے۔

دوزخیوں کے جکڑنے کی زنجیریں آسمان اور زمین کے درمیانی فاصلے سے لمبی ہوں گی، یہ زنجیریں ان کے جسم میں پرودی جائیں گی، پھر پاخانے کے راستے سے ڈالی جائیں گی، پھر ان کے منہ سے نکالی جائیں گی، پھر انہیں آگ میں اس طرح بھونا جائے گا جیسے سیخ میں ٹڈی بھونی جاتی ہے۔

---

[1] مأخذه صحيح مسلم، باب جهنم اعاذنا الله منها: ۳۸۱/۲

[2] مأخذه تفسير قرطبي: ۶۰/۱۰، ۶۱۰، المدثر: ۳۰

ایک جانب سے سیاہ بادل اٹھے گا جسے دوزخی دیکھیں گے، ان سے پوچھا جائے گا: ''تم کیا چاہتے ہو؟''

وہ کہیں گے: ''ہم چاہتے ہیں کہ بارش برسے۔'' چناں چہ اس بادل سے طوق اور زنجیریں اور آگ کے انگارے برسنے لگیں گے، جن کے شعلے انہیں جلائیں گے اور ان کے طوقوں اور زنجیروں میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

گناہ گار مسلمان، گناہوں کی سزا پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جلد ہی چھٹکارا پالیں گے، بعض گناہ گار مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دوزخ میں ڈالے بغیر جنت میں داخل فرمادیں گے[1] اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں سے بنادیں، آمین۔

جنت پر ایمان اور اس کی تفصیلات

جنت اللہ تعالیٰ کا مہمان خانہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے ایمان والوں کے لیے بنایا ہے، اس میں وہ نعمتیں رکھی ہیں، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے، نہ کسی کے دل پر ان کا خیال گزرا ہے۔[2]

جنت کی خوش بو چالیس (۴۰) سال کی مسافت سے محسوس ہوگی۔

جو شخص ایک مرتبہ جنت میں داخل ہو جائے گا پھر وہاں سے نکالا نہ جائے گا، جنت میں نہ موت ہے اور نہ نیند، کیوں کہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہے۔

جنت کی بناوٹ

جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے ایک دروازہ خصوصی طور پر نمازیوں کے لیے ہے، ایک جہاد والوں کے لیے، ایک صدقہ والوں کے لیے اور ایک روزہ

[1] مأخذہ صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب یدخل الجنة: ۹۶۹/۲

[2] مأخذہ صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعیمها: ۳۷۸/۲

داروں کے لیے ہے۔[1]

جنت کی مٹی خوش بو میں مشک کی طرح اور رنگ میں خالص سفید میدے کی طرح ہے۔

جنت کی عمارت میں ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی ہے۔

اینٹوں کے جوڑنے کا گارا خالص مشک کا ہے۔

جنت کی کنکریاں موتی اور یاقوت ہیں۔[2]

دو جنتیں سونے کی ہیں، ان کے برتن اور ان میں ہر چیز سونے کی ہے اور دو جنتیں چاندی کی ہیں، ان کے برتن اور ان میں ہر چیز چاندی کی ہے۔

جنت میں ایک موتی کا خیمہ تیس (۳۰) میل یا ساٹھ (۶۰) میل لمبا ہے۔

جنت کی چوڑائی زمین وآسمانوں کی چوڑائی کی طرح ہے۔

جنت کے دو کواڑوں کے درمیان چالیس (۴۰) سال کی مسافت کا فاصلہ ہے۔

ایک حدیث کا مفہوم ہے: ''جنت میں سو (۱۰۰) درجے اوپر نیچے ہیں، ایک درجے سے دوسرے درجے تک کا فاصلہ زمین وآسمان کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے، یعنی پانچ سو سال، سب درجوں میں بڑا درجہ فردوس کا ہے اور اسی سے جنت کی چاروں نہریں نکلی ہیں اور اس سے اوپر عرش ہے، تم جب اللہ تعالیٰ سے مانگو تو فردوس مانگا کرو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: ان میں ایک ایک درجہ اتنا بڑا ہے کہ اگر تمام دنیا کے آدمی ایک درجہ میں بھر دیے جائیں تو اچھی طرح سما جائیں۔

جنت کے دروازے اتنے کشادہ ہوں گے کہ دونوں دروازوں کی درمیانی مسافت تیز گھوڑے کی ستر برس کی مسافت کے برابر ہوگی، پھر بھی جانے والے اتنے

---

[1] مأخذہ صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابواب الجنة: ٤٦١/١

[2] مشکاة، کتاب الفتن، باب صفة الجنة واهلها: ٤٩٧/٢

زیادہ ہوں گے کہ کندھے سے کندھا لگ رہا ہوگا، یہاں تک کہ اس بھیڑ کی وجہ سے دروازہ چرچرانے لگے گا۔

جنت میں ایک درخت ایسا ہے کہ گھوڑا سوار سو برس تک اس کے سایہ میں چلے تو اس کا سایہ ختم نہ ہوگا۔ جنت میں جتنے درخت ہیں سب کا تنا سونے کا ہے۔

دنیا کی ساری نعمتیں جنت کی معمولی سے معمولی نعمت کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتیں۔[1]

جنت میں داخلہ

جنت کی طرف سب سے پہلے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لے جائیں گے، آپ کے بعد دوسرے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام تشریف لے جائیں گے، امتوں میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت جنت کی طرف روانہ ہوگی، پھر اور امتیں جنت کی طرف روانہ ہوں گی۔

تمام امتیں صفیں بنائیں گی، امت محمدیہ کی ۸۰ صفیں اور باقی امتوں کی ۴۰ صفیں ہوں گی۔ ایمان اور تقویٰ کے درجے کے لحاظ سے مؤمنین کی جماعتیں ہوں گی، ان سب جماعتوں کو اعزاز واکرام کے ساتھ جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا، ان کے استقبال کے لیے جنت کے دروازے پہلے سے کھلے ہوں گے اور دروازوں پر پہنچتے ہی جنت کے محافظ ان کو سلامتی اور عیش وعشرت سے رہنے کی خوش خبری سنائیں گے۔

فقرا مال داروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

جنت کا موسم

جنت میں نہ گرمی ہوگی نہ سردی، جس طرح صبح کے وقت میں طلوع آفتاب

---

[1] مأخذہ صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ: ۱/۴۵۹، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا ...... ۲/۳۷۸، ۳۸۰

سے پہلے پہلے ایک سہانا پن اور کیف ہوتا ہے، خوش گوار معتدل ہوا کے جھونکے آتے ہیں، ہر طرف روشنی دار سایہ ہی سایہ نظر آتا ہے، مگر روشنی ایسی نہیں ہوتی جو آنکھوں کو چندھیا دے، اسی طرح ہمہ وقت جنت میں گہرا سایہ رہے گا اور فضا معتدل ہوگی، ایک عجیب طرح کا سہانا پن اور کیف محسوس ہوتا رہے گا، روشنی میں گرمی اور تپش نہ ہوگی اور وہ روشنی جس قدر بھی تیز ہو، اس کی وجہ سے سایہ ختم نہ ہو اور نہ آنکھوں کو تکلیف ہوگی۔

اہلِ جنت کی صفات

سب سے پہلے جو لوگ جنت میں جائیں گے ان کا چہرہ ایسا روشن ہوگا جیسے چودھویں رات کا چاند، پھر جو ان کے بعد جائیں گے ان کا چہرہ تیز روشنی والے ستارے کی طرح ہوگا۔

جنتی بے ریش ہوں گے، سر، پلکوں اور بھنوؤں کے بالوں کے علاوہ ان کے بدن پر کہیں بال نہ ہوں گے، آنکھیں قدرتی طور پر سُرمگیں ہوں گی، سب نوجوان ہوں گے، ان کی عمر ۳۰ یا ۳۳ برس رہے گی، کبھی اس سے زیادہ عمر کے نہ ہوں گے، ان کا قد بلندی میں ساٹھ ہاتھ ہوگا۔

آپس میں کوئی اختلاف اور بغض نہ ہوگا، دل لگی اور خوش طبعی کے طور پر آپس میں جام شراب کی چھینا جھپٹی کریں گے، ایک دوسرے کو سلام کریں گے، کوئی فحش بات اور گناہ کی بات وہاں سننے میں نہیں آئے گی۔[1]

جنت کے لباس اور بچھونے

ہر جنتی کو ستر ستر ایسے جوڑے ملیں گے جن میں سے جسم نظر آئے گا، اگر جنت کا

---

[1] مأخذه صحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها: ۳۷۹/۲، صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ماجاء في صفة الجنة: ٤٦١/١

کپڑا دنیا میں پہنا جائے تو دیکھنے والے بے ہوش ہو جائیں، موٹے اور باریک ریشم کے سبز کپڑے پیش کیے جائیں گے، جس کپڑے کو جی چاہے گا زیبِ تن کریں گے، کپڑے نہ بوسیدہ ہوں گے نہ میلے ہوں گے۔

اہلِ جنت کے سروں پر تاج ہوں گے، اس تاج کے معمولی سے معمولی موتی کی چمک بھی اتنی زیادہ ہوگی کہ وہ مشرق اور مغرب کے درمیانی خلا کو روشن کردے۔

جنتیوں کے بچھونوں کی بلندی آسمان و زمین کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے جو پانچ سو برس کی مسافت ہے۔[1]

اہلِ جنت کا پہلا ناشتہ

سب سے پہلے بطور ابتدائی مہمانی کے جو ناشتہ پیش کیا جائے گا وہ زمین کی روٹی، بیل اور مچھلی کی کلیجی کا ہوگا۔

جنت کی حوریں

ہر جنتی کے لیے بہت سی حوریں ہوں گی، حوریں نورانی مخلوق ہیں، جن کی خوب صورتی کی کوئی حد نہیں ہے، اگر وہ زمین کی طرف جھانکیں تو جنت سے زمین تک سب روشن ہو جائے اور خوش بو سے بھر جائے اور چاند و سورج کی روشنی بھی ماند پڑ جائے، ان کے سر کی اوڑھنی دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے بہتر ہے، اگر وہ اپنی ہتھیلی زمین و آسمان کے درمیان نکالیں تو ان کے حسن کی وجہ سے مخلوق فتنے میں پڑ جائے اور اگر اپنا دوپٹہ ظاہر کریں تو اس کی چمک کے آگے آفتاب ایسا ہو جائے جیسے آفتاب کے سامنے چراغ۔

ہر جنتی کو کم سے کم دو بیویاں ''حورعین'' میں سے ملیں گی جو ستر ستر جوڑے پہنے ہوئے ہوں گی، ستر جوڑے پہننے کے باوجود ان کے جوڑوں اور گوشت کے باہر سے

[1] مآخذہ جامع الترمذی، ابواب صفة الجنة، باب ماجاء فی صفة ثیاب اهل الجنة: ۸۰/۲

ان کی پنڈلیوں کا گودا تک دکھائی دے گا جیسے سفید شیشے میں سرخ شراب دکھائی دیتی ہے۔ مرد جب ان کے پاس جائے گا، انہیں ہر بار کنواری پائے گا، مگر اس کی وجہ سے مرد و عورت کسی کو تکلیف نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ نے انہیں یاقوت سے تشبیہ دی ہے، یاقوت میں سوراخ کر کے اگر ڈورا ڈالا جائے تو باہر سے دکھائی دیتا ہے، جنتی اپنے چہرے کو ان کے رخسار میں آئینہ سے بھی زیادہ صاف دیکھے گا۔ اگر حور سمندر میں تھوک دے تو اس کے تھوک کی شیرینی (مٹھاس) کی وجہ سے سات سمندر شہد سے زیادہ شیریں ہو جائیں، حوریں کہیں گی کہ ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں، کبھی نہ مریں گی، ہم خوش حال ہیں، کبھی بدحال نہ ہوں گی، ہم خوش ہیں، کبھی ناراض نہ ہوں گی، مبارک ہو اسے جو ہمارا ہے اور ہم اس کے۔[1]

کھانے پینے سے متعلق نعمتیں

جنت میں چار نہریں اللہ تعالیٰ نے جاری فرمائی ہیں:

1. ''پانی کی نہریں'' جن کا پانی بدبودار نہیں ہوتا۔
2. ''دودھ کی نہریں'' جن کا مزہ دیر تک رہنے سے نہیں بدلتا۔
3. ''شراب کی نہریں'' خوش ذائقہ۔
4. ''خالص صاف شہد کی نہریں۔''

اس شہد اور دودھ جیسی دنیا کی کوئی چیز میٹھی اور سفید نہیں ہے اور نہ اس پانی اور شراب کی مثال دنیا میں مل سکتی ہے، وہ شراب ایسی نہیں جس میں بدبو، کڑواہٹ اور نشہ ہو جس کے پینے سے عقل جاتی رہے اور بے ہودہ باتیں ہونے لگیں۔

نہروں کا ایک کنارہ موتی کا، دوسرا یاقوت کا ہے، نہروں کی زمین خالص مشک کی ہے، چاروں نہریں شاخ در شاخ بہت سی نہریں ہو جاتی ہیں اور ہر ایک کے مکان سے بہتی ہوئی گزرتی ہیں۔ جنتیوں کے ہاتھ میں سونے کی چھڑیاں ہوں گی،

---

[1] مأخذہ جامع الترمذی، ابواب صفة الجنة، باب ماجاء فی صفة اهل الجنة: ۲/ ۸۰

ان چھڑیوں سے جس طرف اشارہ کریں گے، نہریں اسی طرف کو چلیں گی۔

جنت میں نہ پیشاب کی ضرورت ہوگی، نہ پاخانے کی، نہ تھوک ہوگا، نہ رینٹ، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''پھر کھانا کہاں جائے گا؟ یعنی جب پیشاب پاخانہ نہ ہوگا تو ہضم ہوکر فضلہ کیسے نکلے گا؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کھانے کے بعد ایک خوش بودار فرحت بخش ڈکار آئے گی یا فرحت بخش خوش بودار پسینہ آئے گا تو کھانا پینا ہضم ہوکر سب بوجھ اور گرانی دور ہو جائے گی، ڈکار اور پسینے کی خوش بو مشک اور کافور سے زیادہ ہوگی۔''

کھانا پینا، آرام، خوشی، جماع، لذت وغیرہ جنتیوں کو بہت حاصل ہوگا، جتنا کھائیں گے کھانا کم نہ ہوگا اور نہ لذت میں کمی ہوگی، بل کہ زیادتی ہوگی، ہر لقمے میں ستر مزے اکٹھے محسوس ہوں گے، میوے دیکھنے میں ایک جیسے ہوں گے، مگر مزے میں مختلف، اکثر ایسا ہوگا کہ دونوں مرتبہ کے پھلوں کی صورت ایک سی ہوگی جس سے وہ یوں سمجھیں گے کہ یہ پہلی ہی قسم کا پھل ہے، مگر کھانے میں مزہ دوسرا ہوگا جس سے لطف میں اضافہ ہو جائے گا، جنت کے انگور کے ایک دانہ کا رس اتنا ہوگا کہ جس سے بہت بڑا ڈول بھر جائے، جنت کی کھجوروں میں گٹھلی نہیں اور ان کی لمبائی بارہ ہاتھ ہے۔

اگر کسی پرندے کو دیکھ کر اس کا گوشت کھانے کو جی چاہے گا تو اسی وقت اس کا بھنا ہوا گوشت پاس آ جائے گا، جنتی اس میں سے اس قدر کھائے گا کہ اس کا پیٹ بھر جائے گا، بعد میں وہ پرندہ اڑ جائے گا۔

ہر شخص کو سو آدمیوں کے برابر کھانے پینے اور جماع کی طاقت دی جائے گی۔

جنت میں لمبی لمبی گردنوں والے اونٹوں کے برابر پرندے ہیں جو جنت کے درختوں میں اڑتے پھرتے ہیں۔

اگر پانی وغیرہ کی خواہش ہوگی تو کوزے خود بخود ہاتھ میں آجائیں گے، ان میں ٹھیک اندازے کے مطابق پانی، دودھ، شراب اور شہد ہوگا جو ان کی خواہش کے مطابق ہوگا، نہ ایک قطرہ کم نہ ایک قطرہ زیادہ، پینے کے بعد وہ کوزے خود بخود جہاں سے آئے تھے وہاں چلے جائیں گے۔[1]

جنت کی دوسری بعض نعمتیں

کنگھیاں سونے کی ہوں گی۔ ہر جنتی کے لیے نہایت خوب صورت محلات ہوں گے۔

جنتیوں کو سونے کے، چاندی کے اور موتیوں کے زیور پہنائے جائیں گے، جنت میں سوار کے کوڑا ڈالنے کی (عام ومعمولی) جگہ بھی دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے بہتر ہے، اگر جنتی کا کنگن ظاہر ہو تو آفتاب کی روشنی کو مٹا دے، جیسے آفتاب ستاروں کی روشنی کو مٹا دیتا ہے۔

جو چیز چاہیں گے اسی وقت ان کے سامنے موجود ہوگی، اگر کوئی جنتی سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہونا چاہے گا تو اس کی چاہت پوری کر دی جائے گی، چناں چہ گھوڑا جنتی کو جنت میں جہاں وہ چاہے گا، لے اڑے گا۔ اولاد کی خواہش پر فوراً اولاد ہو جائے گی۔[2]

جنتیوں کے خادم

اہلِ جنت کی خدمت کے لیے لڑکے ہوں گے، وہ لڑکے بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح ہوں گے، خوب صورتی، چمک اور رنگ کی صفائی ستھرائی میں اس موتی کی

[1] مأخذہ صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنة: ۴۵۹/۱، صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعیمها واهلها: ۳۷۸/۲، جامع الترمذی، ابواب صفة الجنة، باب ماجاء فی صفة الجنة ونعیمها: ۷۹/۲

[2] مأخذہ صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنة: ۴۶۰/۱

طرح ہوں گے جو سیپی میں چھپا رہتا ہے، گرد وغبار سے محفوظ رہتا ہے۔

اللہ رب العزت کا دیدار اور اہلِ جنت سے کلام

سب سے کم درجے والے جنتی سے اللہ تعالیٰ پوچھیں گے:

''اگر تجھ کو دنیا کے کسی بادشاہ کے ملک کے برابر ملک دے دیں تو راضی ہو جائے گا؟''

وہ کہے گا:

''اے پروردگار! میں راضی ہوں۔'' ارشاد ہوگا: ''جا تجھ کو اس کے پانچ گنا دیا۔'' وہ کہے گا: ''اے رب! میں راضی ہوگیا۔'' پھر ارشاد ہوگا: ''جا تجھ کو اتنا دیا اور اس سے دس گنا دیا اور اس کے علاوہ جس چیز کو تیرا جی چاہے اور جس سے تیری آنکھ ٹھنڈی ہو وہ تجھ کو دیا۔''

جنت میں ایک بازار ہے، اس بازار میں طرح طرح کی نعمتیں ہیں، اس میں جنتیوں کے لیے سونے، چاندی، یاقوت، موتی، زبرجد اور نور کے منبر ہوں گے، اعمال کے بقدر ہر ایک جنتی کو دیے جائیں گے۔ عام جنتی مشک اور کافور کے ٹیلے پر بیٹھے گا، کوئی اپنے کو کم مرتبے والا نہیں سمجھے گا، سب خوشی سے ان کرسیوں اور منبروں پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور اس کی تعریف کریں گے، اس وقت جنت کی تمام نعمتیں بھول جائیں گے۔[1]

جیسے آفتاب اور چودھویں رات کے چاند کو ہر ایک اپنی اپنی جگہ سے دیکھتا ہے کہ ایک کا دیکھنا دوسرے کے لیے رکاوٹ نہیں بنتا، اسی طرح ہر ایک جنتی کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی طرف توجہ فرمائیں گے، کسی سے فرمائیں گے:

''اے فلاں بن فلاں! تجھے یاد ہے کہ جس دن تو نے ایسا ایسا کیا تھا؟''

اسے دنیا کے بعض گناہ یاد دلائیں گے، بندہ عرض کرے گا: ''اے رب! کیا

---

[1] جامع الترمذی، ابواب الجنة، باب ماجاء فی سوق الجنة: ۸۱/۲

آپ نے مجھے بخش نہ دیا؟''

فرمائیں گے: ''ہاں میری مغفرت کی وسعت ہی کی وجہ سے تو اس مرتبے کو پہنچا۔''

سب اللہ تعالیٰ کا دیدار کر رہے ہوں گے کہ ان کے اوپر ابر چھا جائے گا اور وہ ایسی خوش بو برسائے گا کہ لوگوں نے کبھی ایسی خوش بو نہ پائی ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا:

''اس بازار سے جو چیزیں تمہیں پسند ہوں وہ لے لو۔'' چناں چہ جنتی اپنی اپنی خواہش کے مطابق چیزیں لے لیں گے، جنتی اس بازار میں ایک دوسرے سے ملیں گے، چھوٹے مرتبے والا بڑے مرتبے والے کے لباس کو پسند کرے گا، ابھی گفتگو ختم نہ ہوگی کہ چھوٹے مرتبے والا سمجھے گا کہ میرا لباس اس سے اچھا ہے، پھر جنتی اپنی اپنی قیام گاہ پر واپس آئیں گے۔ ان کی بیویاں ان کا استقبال کریں گی اور مبارک باد دے کر کہیں گی:

''اب آپ کی خوب صورتی اس وقت سے کہیں زیادہ ہے جب کہ آپ ہمارے پاس سے گئے تھے۔'' وہ جواب دیں گے: ''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمیں بیٹھنا نصیب ہوا، اس لیے ہماری خوب صورتی بڑھ گئی۔'' عام مؤمنین کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہر ہفتے میں جمعے کے دن ہوا کرے گا اور خاص مؤمنوں کو صبح وشام روزانہ ہوا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائیں، آمین۔

اللہ تعالیٰ جنتیوں سے پوچھیں گے: ''تم خوش بھی ہو؟''

وہ عرض کریں گے:

''بھلا خوش کیوں نہ ہوں، آپ نے تو ہم کو وہ چیزیں دی ہیں جو آج تک کسی مخلوق کو نہیں دیں۔''

ارشاد ہوگا: ''کیا ہم تمہیں ایسی چیز دیں جو ان سب سے بڑھ کر ہوں؟''
وہ عرض کریں گے: ''ان سے بڑھ کر کیا چیز ہوگی؟''
ارشاد ہوگا: ''میں تم سے ہمیشہ خوش رہوں گا، کبھی ناراض نہ ہوں گا۔''
جب جنتی جنت میں جا چکیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے:
''تم کچھ اور چاہتے ہو کہ وہ میں تم کو دوں؟''
وہ عرض کریں گے: ''ہمارے چہرے آپ نے روشن کر دیے، ہم کو جنت میں داخل کر دیا، ہم کو دوزخ سے نجات دے دی اور ہم کو کیا چاہیے؟''
اس وقت اللہ تعالیٰ پردہ اٹھا دیں گے، جس قدر اللہ تعالیٰ کے دیدار میں لذت ہوگی اتنی لذت اور کسی نعمت میں نہ ہوگی۔[1]

جنتیوں کا کلام

جنتیوں کی زبان پر ہر وقت تسبیح اور تکبیر و تحمید سانس کی طرح جاری رہے گی۔
جنتی اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں گے اور کہیں گے:
﴿ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ ٱلَّذِى صَدَقَنَا وَعْدَهُۥ وَأَوْرَثَنَا ٱلْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ ٱلْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ ٱلْعَـٰمِلِينَ ﴿٧٤﴾﴾[2]
تَرجَمَہ: ''اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں قیام کریں، عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔''

اَعراف کا بیان

''اَعراف'' جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہے جو جنت کی لذتوں کو

---

[1] مآخذہ جامع الترمذی، ابواب صفۃ الجنۃ، باب ماجاء فی رویۃ الرب تبارك و تعالیٰ: ۸۲/۲، صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ: ۴۶۰/۱

[2] الزمر: ۷۴

دوزخ تک اور دوزخ کی تکلیفوں کو جنت تک پہنچنے کے لیے رکاوٹ ہے، جن لوگوں کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی، وہ شروع میں ''اعراف'' میں رہیں گے، پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں جائیں گے۔

کفر، شرک، بدعت اور بڑے گناہوں کا بیان

کن باتوں سے آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے

جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے، ان میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کرنا کفر ہے، اگر کوئی مسلمان جان بوجھ کر بغیر کسی مجبوری کے بحالت ہوش وحواس کوئی کلمۂ کفر زبان سے نکالے گا تو کافر ہو جائے گا۔

مثلاً: کسی نے کہا: ''نماز پڑھو'' اس نے جواب میں کہا: ''نماز فرض نہیں۔'' یا کسی نے کہا: ''سود، زنا، جھوٹ، ناحق قتل کرنا، ظلم کرنا، جادو کرنا، شراب پینا، جوا کھیلنا، غیبت کرنا حلال ہے۔'' یا یوں کہا: ''تیرے اسلام پر لعنت۔'' ان باتوں کے کرنے سے کافر ہو جائے گا۔

اگر کہا: ''اللہ نہیں ہے، یہ سب ڈھونگ ہے۔'' یا یوں کہا: ''دنیا خود بخود بن گئی۔'' یا یوں کہا: ''اللہ تعالیٰ ہر وقت موجود نہیں یا ہمیشہ سے نہیں۔'' یا یوں کہا: ''وہ رحیم نہیں۔'' یا یوں کہا: ''اللہ تعالیٰ ظالم ہے۔'' یا یہ کہا: ''مجھے بھی غیب کا علم ہے۔'' یا یہ کہا: ''فرشتے موجود نہیں، اگر ہوتے تو ہمیں دکھائی دیتے۔'' یا قرآن کریم کی توہین کے طور پر کہا: ''میں نے بہت قرآن پڑھ لیا۔'' یا داڑھی والے کو کہا: ''یہ کیا بری شکل بنا رکھی ہے۔'' یا یوں کہا: ''دوزخ اور جنت کا ذکر صرف لوگوں کو ڈرانے اور خوش کرنے کے لیے کیا ہے، ورنہ حقیقت میں کچھ نہیں۔'' یا قرآنِ مجید کو اہانت کی غرض سے نجاست یا آگ میں ڈالا تو ان تمام صورتوں میں کافر ہو جائے گا۔[1]

---

[1] البحر الرائق، احکام المرتدین: ۱۲۰/۵، عالمگیری، باب التاسع فی المرتدین ۲/ ۲۵۵

کفریہ بات زبان سے نکالنے کا وبال

❶ نکاح ٹوٹ جائے گا۔

❷ اس کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور حرام ہو جائے گا۔

❸ اس کے پچھلے تمام نیک اعمال کا اجر ضائع ہو جائے گا۔[1]

فَائِدَہ: اگر اسلام کو چھوڑنے کا ارادہ نہ ہو، بل کہ نادانی اور بے وقوفی سے کلمۂ کفر سرزد ہو جائے تو بھی کفر سے توبہ کرنی چاہیے اور احتیاطاً دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہے۔ توبہ کرنے سے پہلے اس کے ہاتھ سے ذبح کیا ہوا جانور نہ کھایا جائے۔

کتبِ فقہ میں جو الفاظ کلماتِ کفریہ کے نام سے بیان کیے جاتے ہیں، ان کا حاصل صرف یہ ہے کہ ان کلمات سے ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار نکلتا ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس شخص کی زبان سے یہ کلمات نکلیں، اس کو بے سوچے سمجھے اور مطلب کی تحقیق کیے بغیر کافر کہہ دیا جائے، جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ کہنے والے کی مراد اس کے اپنے الفاظ سے وہی معنی ومفہوم ہے جو کافرانہ عقیدہ ہے، اس کو کافر کہنا جائز نہیں۔[2]

شرک کی حقیقت

کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کی مخصوص تعظیم، عبادت وفرمان برداری کی طرح کسی اور کی بھی تعظیم، عبادت اور فرمان برداری کرنا شرک ہے۔

بدعت کی حقیقت

کفر اور شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ بدعت ہے۔

بدعت وہ کام ہے جس کا کوئی ثبوت شریعت میں نہ ہو، یعنی قرآنِ مجید اور

---

[1] فتاویٰ شامی، باب المرتدین: ۲۴۵/۴

[2] فتاویٰ شامی، باب المرتد: ۲۲۲/۴، شرح الفقہ الاکبر، فصل فی العلم والعلماء: ص ۱۷۴

احادیثِ مبارکہ میں اس کا ثبوت نہ ہو اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے زمانے میں اس عمل کا وجود ہو اور نہ ہی اس عمل کی مثال ان زمانوں میں پائی جائے[1] کسی عمل کے ثبوت کی چار دلیلیں ہیں: ① کتاب اللہ ② سنت رسول اللہ ③ اجماع امت ④ قیاسِ مجتہدین۔

شریعت کی ان چاروں دلیلوں سے اس عمل کا ثبوت نہ ملے اور اس کو دین کا کام سمجھ کر کیا جائے یا چھوڑا جائے۔[2]

بدعت بہت برا اور بہت بڑا گناہ ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت کو مردود فرمایا ہے اور جو شخص بدعت ایجاد کرے اس کو دین کا ڈھانے والا بتایا ہے۔[3]

چند بدعتیں یہ ہیں:

1. پختہ قبریں بنانا۔
2. قبروں پر گنبد بنانا۔
3. قبروں پر چراغاں کرنا۔
4. قبروں پر پھول، چادریں، غلاف ڈالنا۔
5. میت کے مکان پر کھانے کے لیے جمع ہونا۔
6. ایصالِ ثواب میں دن، خوراک، طریقے کا مخصوص کرنا۔
7. رسمِ قل، سوئم، گیارہویں، چہلم اور عرس۔[4]

---

[1] فتح الباری، کتاب الصلوة التراويح: ٢١٩/٤

[2] فتاویٰ شامی، کتاب الصلاة، باب الامامة: ٥٢٥/١

[3] صحيح البخاری، كتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا على ......: ٣٧١/١، صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة ورد محدثات الامور: ٧٧/١

[4] مآخذهم فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، (امداد المفتين) کتاب السنة والبدعة: ١٥٤/٢ تا ٢١٥

چند کبیرہ گناہ

کفر، شرک اور بدعت کے علاوہ اور بھی گناہ ہیں جو کبیرہ گناہ[۱] کہلاتے ہیں جو توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے جن میں سے چند یہ ہیں:

۱. غیبت کرنا اور غیبت کا سننا۔
۲. جھوٹ بولنا۔
۳. بہتان لگانا۔
۴. نامحرم عورت کو دیکھنا، اس کی آواز کا شہوت کے ساتھ سننا، اس کے پاس تنہائی میں بیٹھنا۔
۵. گانا سننا، باجا بجانا، ناچ کا دیکھنا سننا۔
۶. چھپ کر کسی کی بات سننا۔
۷. ہنسانے کے لیے بیہودہ بات کہنا۔
۸. ایسی کتابوں کا پڑھنا، لکھنا، سننا، چھپوانا جن میں جھوٹ، فسق و فجور اور نافرمان عورتوں کا ذکر یا عشق اور دیگر بری باتیں ذکر کی گئی ہوں۔
۹. ماں باپ کی نافرمانی کرنا، ان پر غصہ کرنا۔[۲]
۱۰. تجارت کے احکام کو جانے بغیر تجارت کرنا۔[۳]
۱۱. ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہننا۔
۱۲. فضول خرچی کرنا۔

---

[۱] ان گناہوں سے بچنے کے لیے مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''گناہ بے لذت'' اور بیت العلم کی کتاب ''کسی کو تکلیف نہ دیجیے'' ان دو کتابوں کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

[۲] ماں باپ کی نافرمانی سے بچنے کے لیے دارالہدیٰ اردو بازار کراچی کی کتاب ''والدین کی قدر کیجیے'' نوجوانوں کو اپنے مطالعے میں رکھنی چاہیے اس کتاب میں ۱۰۰ واقعات ایسے ذکر کیے گئے ہیں جو بچوں کو والدین کی اطاعت و فرماں برداری پر ابھارتے ہیں۔

[۳] زمزم کی کتاب ''تاجر و جنت کیسے جاؤ گے'' کا مطالعہ کریں۔

۱۳ استاذ کی بے ادبی کرنا۔

۱۴ چہرے پر مارنا۔

۱۵ امانت میں خیانت کرنا۔

۱۶ تین دن سے زیادہ سوگ منانا۔

۱۷ لڑکیوں کو وراثت سے محروم کرنا۔

۱۸ جھوٹی گواہی دینا، سچی گواہی کو چھپانا۔

۱۹ چغلی کرنا۔

۲۰ دھوکہ دینا۔

۲۱ اپنے گھروں اور کمروں میں تصویریں لگانا، بلاضرورت تصویریں اور فوٹو کھینچنا، کھچوانا۔

۲۲ لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھنا۔

۲۳ گالی دینا۔

۲۴ سود لینا، دینا۔

۲۵ ڈاڑھی منڈانا، ایک مشت سے کم کرنا[1]

۲۶ رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنا۔[2]

۲۷ بدعہدی کرنا۔

۲۸ دکھلاوے کے لیے کوئی کام کرنا۔

---

[1] ڈاڑھی منڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا، یہ دونوں عمل گناہ کبیرہ ہیں اور کم سے کم ایک مشت ڈاڑھی رکھنا واجب ہے، لہٰذا اس گناہ سے بچنے کے لیے بیت العلم ٹرسٹ کی کتاب ''داڑھی کی شرعی حیثیت'' کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔

[2] قرآن وحدیث میں صلہ رحمی کی بڑی تاکید اور قطع رحمی پر بڑی وعیدیں آئی ہیں، لہٰذا ''صلہ رحمی'' پر عمل کرنے اور ''قطع رحمی'' سے بچنے کے لیے بیت العلم ٹرسٹ کی کتاب ''رشتہ داری کا خیال رکھیے'' کا مطالعہ کیجیے ''إن شاء اللہ'' بڑا فائدہ ہوگا۔

۲۹ یتیم کا مال ناحق کھانا۔

۳۰ رشوت لینا دینا۔

۳۱ حیض کی حالت میں بیوی سے صحبت کرنا۔

۳۲ چیزوں کی قیمتیں زیادہ ہونے سے خوش ہونا۔

۳۳ اللہ تعالیٰ کے رزق میں عیب نکالنا۔

۳۴ دوسروں کے مقابلے میں خود کو اچھا سمجھنا۔

۳۵ اپنی بڑائی چاہنا۔

۳۶ حسد کرنا۔

۳۷ مسلمانوں سے کینہ رکھنا۔

۳۸ بلا وجہ غصہ کرنا۔

۳۹ کنجوسی کرنا۔

۴۰ بے فائدہ بات یا کام کرنا جس میں نہ دینی فائدہ ہو، نہ دنیوی۔

۴۱ دھوکہ دینے کے لیے بالوں کو سیاہ خضاب لگانا۔

۴۲ بوڑھوں کی توہین کرنا۔

چند غلط اور مشہور باتوں کی اصلاح

۱ سوتے میں شمال کی طرف پاؤں کرنا منع نہیں۔

۲ قینچی بجانے سے آپس کی لڑائی کا کوئی تعلق نہیں۔

۳ دو آدمیوں کا ایک کنگھی کو استعمال کرنا لڑائی کا سبب نہیں۔

۴ کوے کا گھر میں بولنے سے مہمان کے آنے کا کوئی تعلق نہیں۔

۵ مرد کی بائیں آنکھ اور عورت کی دائیں آنکھ پھڑکنے سے کسی مصیبت، رنج اور تکلیف کا کوئی تعلق نہیں اور اس کے برعکس ہونے سے خوشی کا کوئی تعلق نہیں۔

❻ کتے کے رونے سے وبا یا بیماری کا کوئی تعلق نہیں۔
❼ جاتے ہوئے شخص کو پیچھے سے بلانے کی وجہ سے ہونے والا کام رکتا نہیں۔
❽ ہاتھ کی ہتھیلی میں خارش ہونے سے کچھ ملنے کا کوئی تعلق نہیں۔
❾ شام کے وقت مرغے کا اذان دینا برا نہیں۔
❿ اسلام میں نحوست کا کوئی تصور نہیں، چناں چہ منگل کا دن منحوس نہیں، ماہِ صفر منحوس نہیں۔ رات کے وقت چوٹی کرنا، جھاڑو دینا، ناخن کاٹنا، کھانا کھا کر جھاڑو دینا، عصر کی اذان کے بعد جھاڑو دینا، جھاڑو کھڑی رکھنا، چپل کے اوپر چپل رکھنا، چارپائی پر چادر لمبائی والی جانب کھڑے ہو کر بچھانا نحوست کا سبب نہیں۔
⓫ صبح سویرے کسی کو گالی دینے، ٹھوکر لگ جانے یا اور کوئی تکلیف پہنچ جانے پر شام تک اسی طرح ہوتے رہنے کا شگون لینا، صحیح نہیں۔
⓬ کسی کام کے لیے جاتے وقت بلی کے اپنے آگے سے گزر جانے سے اس کام میں ناکامی ہونے کا خیال کر لینا، صحیح نہیں۔
⓭ دکان دار کا صبح سویرے سامان ادھار دینے سے اس لیے انکار کرنا کہ اگر میں نے شروع ہی میں ادھار دے دیا تو مال شام تک ادھار ہی فروخت ہوگا، صحیح نہیں۔
⓮ کسی آدمی کے غائبانہ تذکرے کے دوران یا کچھ دیر بعد اس شخص کے آ جانے پر یہ سمجھنا کہ یہ شخص بڑی لمبی عمر والا ہے، صحیح نہیں۔
⓯ مختلف قسم کی سالگرہ منانا درست نہیں۔
⓰ مختلف رنگ کی چوڑیاں اور کپڑے پہننا جائز ہے، یہ خیال کہ فلاں رنگ سے مصیبت آئے گی، درست نہیں۔
⓱ شریعت میں کوئی مہینہ ایسا نہیں جس میں شادی سے منع کیا گیا ہو۔

۱۸ ہفتے کے سارے دنوں میں سرمہ لگانے کی اجازت ہے۔
۱۹ فال کھلوانا ناجائز ہے، قرآنِ مجید سے فال دیکھنا گناہ ہے۔
۲۰ نجومیوں کو ہاتھ دکھانا اور ان سے مستقبل کا حال معلوم کرنا اور اس پر یقین کرنا جائز نہیں، کوئی شخص کسی کی قسمت کا صحیح صحیح حال نہیں بتا سکتا، نہ برجوں اور ستاروں میں کوئی ذاتی تاثیر ہے۔
۲۱ بچے کی پیدائش پر بچوں کو نظرِ بد سے بچانے کے لیے اس کے گلے یا ہاتھ کی کلائی میں کالے رنگ کی ڈوری باندھنا یا بچے کے سینے یا سر پر کاجل سے سیاہ رنگ کا نشان لگانا، درست نہیں۔
۲۲ غروبِ آفتاب کے فوراً بعد بتی یا چراغ جلانا ضروری نہیں۔
۲۳ منگل یا جمعہ کو کپڑے دھونے میں کوئی حرج نہیں۔
۲۴ مصلّے کا کونا اس لیے الٹنا کہ نہ الٹنے کی صورت میں شیطان اس پر عبادت کرے گا، درست نہیں۔
۲۵ زمین پر گرم پانی گرانا منع نہیں۔
۲۶ زمین پر نمک گر جانے کی صورت میں یہ سمجھنا کہ قیامت کے دن پلکوں سے اسے اٹھانا پڑے گا، درست نہیں۔
۲۷ مختلف قسم کے پتھروں کی انگوٹھیاں پہننا کہ اس سے ہماری زندگی خوش گوار ہوگی، درست نہیں۔
۲۸ ایمان میں داخل ہونے کے لیے اور داخل ہونے کے بعد چھ کلمے، ایمان مفصل یا ایمان مجمل کے الفاظ کو سیکھنا ضروری نہیں۔
۲۹ صدقہ سے آفت ٹلتی ہے اور صدقہ بصورت نقد زیادہ افضل ہے، لہٰذا کسی بیمار کی طرف سے بکرا صدقہ کرنے کو ضروری سمجھنا اور اس کا گوشت اس نیت سے چیلوں کو پھینکنا کہ جلد آسانی سے روح نکل جائے یا صدقہ کی برکت سے شفا

ہو جائے، درست نہیں۔

۳۰ جوتے اتارنے کے بعد اگر وہ آگے پیچھے ہوں تو یہ سمجھنا کہ یہ جوتا جس کا ہے، اب وہ سفر کرے گا یہ درست نہیں ہے۔[1]

[1] مأخذهم احسن الفتاى، كتاب الايمان والعقائد، باب رد البدعات: ۳۳٦/۱ تا ۳۸۵، فتاوىٰ رحيميه (جديد) كتاب العقائد، ما يتعلق بالسنة والبدعة: ۵۹/۲ تا ۲٤۵، فتاوىٰ محموديه، باب البدعات والرسوم: ۴۰۱/۱۵ تا ۴۳۰

پانی کا بیان

وہ پانی جس سے وضو اور غسل کرنا بغیر کراہت کے درست ہے

❶ بارش کا پانی، چشمے یا کنویں کا پانی، ندی یا سمندر کا پانی، دریاؤں کا پانی خواہ میٹھا پانی ہو یا کھارا، پگھلی ہوئی برف یا اولوں کا پانی خواہ برف آسمانی ہو یا مصنوعی جو فریزر وغیرہ کے ذریعے سے بنائی جاتی ہے، بڑے تالاب یا بڑے حوض کا پانی، شبنم کا پانی۔[1]

❷ وہ پانی جس میں کوئی پاک چیز پڑ گئی ہو اور پانی کے رنگ، مزہ یا بو میں کچھ فرق آ گیا ہو، لیکن وہ چیز پانی میں پکائی نہ گئی ہو، نہ ہی پانی کے پتلے ہونے میں کوئی فرق آیا ہو جیسا کہ بہتے ہوئے پانی میں کچھ ریت مل گئی ہو یا پانی میں زعفران مل گیا ہو اور اس کا بہت ہلکا سا رنگ آ گیا ہو یا صابن مل گیا ہو یا اسی طرح کی کوئی اور چیز مل گئی ہو مثلاً: تھوڑا سا دودھ مل گیا ہو یا سرکہ یا رس مل گیا ہو اور پانی کا کوئی ایک وصف بدل گیا ہو۔

❸ وہ پانی جس میں کوئی ایسی چیز پکائی گئی ہو جس سے میل کچیل خوب صاف ہو جاتا ہے اور اس کے پکانے سے پانی گاڑھا نہ ہوا ہو جیسے مردہ نہلانے کے لیے بیری کی پتیاں ڈالی گئی ہوں۔

❹ وہ پانی جو نجاست جیسے پاخانہ، گوبر، لید وغیرہ سے گرم کیا گیا ہو۔

❺ وہ پانی جو زیادہ ٹھہرے رہنے، رکے رہنے، بند رہنے یا برتن میں بہت دن

[1] روز مرہ کے پیش آنے والے چھوٹے چھوٹے مسائل کو جاننا ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے ضروری ہے۔ ان مسائل کو بیت العلم ٹرسٹ کے علما نے ایک کتاب ''مردوں کے ۳۰۰ فقہی مسائل'' اور دوسری ''خواتین کے فقہی مسائل'' کے نام سے مرتب کی ہیں ان کتابوں کے مطالعے سے ''إن شاء اللّٰہ'' مسائل کو سیکھنا اور عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔

رہنے سے رنگ بدل دے یا بدمزہ ہو جائے یا بو کرنے لگے جیسے حوض کا پانی زیادہ دن رکھنے سے بو کرنے لگتا ہے یا پلاسٹک کے کین میں زیادہ دن پانی رہنے سے بو آنے لگتی ہے یا ڈرم یا ڈبہ وغیرہ کو سفیدہ یا رنگ لگانے سے کچھ دن پانی میں رنگ کی بو آتی ہے اور ذائقے میں بھی فرق آجاتا ہے یا کسی کنویں وغیرہ میں درخت کے پتے گر پڑے ہوں اور پانی میں بو آنے لگی ہو اور رنگ و مزہ بھی بدل گیا ہو، لیکن پتلا پن باقی ہو تو اس طرح کا پانی پاک ہے اور اس سے وضو اور غسل وغیرہ سب جائز ہے۔ پانی میں بو آنے سے پانی اس وقت ناپاک اور ناقابلِ استعمال ہوتا ہے جب کہ پانی کی بدبو نجاست پڑنے کی وجہ سے ہو۔

❻ وہ پانی جس سے پاک کپڑا، پاک برتن اور دوسری پاک چیزیں دھوئی گئی ہوں، مثلاً: چاول دھوئے گئے ہوں یا ترکاری دھوئی گئی ہو اور پانی کا رنگ، بو، مزہ نہ بدلا ہو یا ان تینوں میں سے کوئی ایک وصف بدل گیا ہو اور عام بول چال میں اسے پانی ہی کہتے ہوں۔

❼ وہ پانی جس سے سور، کتے کے علاوہ کسی ایسے زندہ جانور کو نہلایا گیا ہو کہ جس کے جسم پر نجاست نہ لگی ہو اور پانی میں اس کا لعاب دہن نہ ملا ہو۔

❽ وہ پانی جس میں کتے، سور کے علاوہ کوئی زندہ جانور گر پڑا ہو اور اس کا منہ پانی تک نہ پہنچا ہو اور اس کے جسم پر نجاست بھی نہ ہو۔

❾ وہ پانی جس میں گھوڑا یا وہ جانور جس کا گوشت کھانا حلال ہے، مثلاً: بکری یا وہ جانور جس میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا، پانی میں جائے اور پانی میں اس کا لعاب دہن بھی مل جائے، مثلاً: مچھر، مکھی، بھڑ، بچھو، شہد کی مکھی۔

❿ وہ پانی جس میں دریائی جانور مر جائے یا پھول کر پھٹ جائے اور ریزہ ریزہ ہو کر پانی میں مل جائے جیسے مینڈک، کچھوا وغیرہ۔ البتہ اس پانی کا پینا اور اس

سے کھانا پکانا مکروہ ہے۔

⓫ وہ پانی جو ریل کے بیت الخلاء میں ہوتا ہے۔

⓬ لوٹے کا وہ پانی جس میں مسواک تر کرنے کے لیے ڈالی گئی ہو۔

⓭ وہ تھوڑا پانی جو کہیں جنگل میں ملا ہو، جس کے ناپاک ہونے کا یقین نہ ہو۔

⓮ وہ پانی جس کے پاک ہونے کا یقین ہو، ناپاک ہونے میں شک ہو، مثلاً: کسی مکان میں پاک پانی رکھا ہوا ہو، وہاں سے کتا نکلتے ہوئے دیکھا گیا ہو، کتے کو پانی پیتے ہوئے نہ دیکھا گیا ہو اور نہ ہی کسی دلیل سے اس کا پینا معلوم ہو۔

⓯ وہ پانی جو پاک حقے میں ہو یا وہ پانی جس میں افیون، بھون، چرس، تمباکو وغیرہ مل گئی ہو۔

⓰ وہ جانور جن کا جھوٹا پاک ہے، بغیر کراہت کے اس پانی کا وضو اور غسل میں استعمال بھی جائز ہے، مثلاً: وہ مرغی جو بند رہتی ہو یا وہ شکار کرنے والے پرندے جو پالتو ہوں اور مردار نہ کھاتے ہوں اور نہ ان کی چونچ میں کسی نجاست کے لگے ہونے کا شبہ ہو یا حلال جانور ہوں جیسے مینڈھا، بکری، بھیڑ، گائے، بھینس، ہرنی وغیرہ یا حلال پرندے ہوں جیسے مینا، طوطا، فاختہ وغیرہ۔

⓱ وہ پانی جو بہتا ہوا ہو، اگرچہ اس میں نجاست بھی پڑ جائے بشرطیکہ اس کے رنگ، مزہ، بو میں فرق نہ آیا ہو، بہتا ہوا پانی وہ ہے جو گھاس، تنکے، پتے وغیرہ کو بہا لے جائے، خواہ کتنا ہی آہستہ کیوں نہ بہتا ہو۔

⓲ جاری پانی میں مستعمل یا نجس پانی جو کہ جاری پانی سے زیادہ ہو، مل جائے تو بھی اس سے جاری پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

⓳ جاری پانی اگر ناپاک ہو جائے تو جب نجاست کا اثر جاتا رہے گا پاک ہو جائے گا۔

⓴ چھت پر نجاست پڑی ہو، بارش ہوئی، پرنالہ چلا تو اگر چھت آدھی سے کم

ناپاک ہو تو وہ پانی پاک ہے۔

۲۱ کسی کے پاس ایک برتن میں کچھ پانی ہو اور وہ اس کو ٹین کی ایک طرف سے اٹھی ہوئی چادر پر بہائے اور بہتے ہوئے پانی میں وضو کرے کہ اعضا سے گرنے والا مستعمل پانی اسی میں گرے اور یہ سب پانی پھر دوسری طرف سے ایک برتن میں جمع ہو جائے تو اس جمع کیے ہوئے پانی سے دوبارہ وضو کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ یہ جاری پانی تھا۔

۲۲ اگر ناپاک پانی کسی مٹکے وغیرہ میں ہو اور نجاست کی وجہ سے پانی کا رنگ، مزہ، بو کچھ بھی نہ بدلا ہو اور ایسی حالت میں پاک پانی اوپر سے برسے یا اس مٹکے میں اس قدر ڈالا جائے کہ پانی کنارے سے نکل کر بہہ جائے تو اس سے پانی اور برتن دونوں پاک ہو جائیں گے اور اس پانی سے وضو اور غسل درست ہوگا۔

۲۳ وہ بڑا حوض جو دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو اور اتنا گہرا ہو کہ اگر چلو سے پانی اٹھائیں تو زمین نظر نہ آئے، یہ بھی بہتے ہوئے پانی کی طرح ہے، ایسے حوض کو دہ دردہ کہتے ہیں، حوض کا طول وعرض یکساں ہونا ضروری نہیں ہے، کمی بیشی کی گنجائش ہے۔

جس طرح دس ہاتھ لمبا دس ہاتھ چوڑا شرعی حوض ہے، اسی طرح پانچ ہاتھ چوڑا اور بیس ہاتھ لمبا یا چار ہاتھ چوڑا اور پچیس ہاتھ لمبا یا دو ہاتھ چوڑا اور پچاس ہاتھ لمبا بھی شرعی حوض ہے، اگر حوض گول ہے تو اس کا گھیراؤ چھتیس گز ہو اور احتیاطاً انتالیس گز ہو اور اگر حوض تین کونے ہو تو ہر طرف سے ساڑھے پندرہ گز ہونا چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر حوض کا رقبہ دہ دردہ حوض کے رقبے کے برابر ہو تو اس کا حکم وہ دردہ کے موافق ہوگا، خواہ شکل کچھ بھی ہو، چوکور حوض جب کہ اس کی ہر جانب پندرہ فٹ ہو تو اس کا رقبہ دو سو پچیس مربع فٹ ہوتا ہے اتنا ہی رقبہ جس

شکل میں پورا ہو جائے، اس کا حکم اس چوکور حوض کے حکم کے موافق ہوگا، اگر گہرائی زیادہ ہو تو اس سے مذکورہ رقبہ کو کم نہیں کیا جائے گا، مطلب یہ ہے کہ پانی کے حجم اور اس کی مقدار کا اعتبار نہیں ہے، بل کہ پانی کے اوپر کھلی سطح کے رقبے کا اعتبار ہے، اگر کوئی تالاب جس کی لمبائی چوڑائی پانچ پانچ گز ہو اور وہ لبالب بھرا ہو اور تالاب پر ڈھکن ہو جو پانی کی سطح کے ساتھ ملا ہوا ہو اور ڈھکن کا ایک سوراخ ہو جو دو فٹ لمبا اور دو فٹ چوڑا ہو تو کھلی سطح چوں کہ صرف چار مربع فٹ ہے، لہٰذا یہ پانی تھوڑا سمجھا جائے گا اور نجاست کے گرنے سے ناپاک ہو جائے گا، اگرچہ وہ تالاب بہت گہرا ہو۔

اگر بڑے حوض میں نجاست پڑ جائے، لیکن رنگ، مزا، بو نہ بدلے تو ناپاک نہیں ہوتا، اگر اس میں ایسی نجاست پڑ جائے جو پڑ جانے کے بعد دکھائی نہیں دیتی جیسے پیشاب، خون، شراب وغیرہ تو ہر طرف سے وضو کرنا درست ہے اور اگر ایسی نجاست پڑ جائے جو دکھائی دیتی ہو جیسے مردہ کتا تو اس طرف سے وضو نہ کرے جس طرف وہ پڑا ہو۔[1]

وہ پانی جس سے وضو غسل کرنا مکروہ ہے

۱. وہ تھوڑا پانی جس میں آدمی کا تھوک یا ناک کی رینٹ مل گئی ہو۔
۲. وہ پانی جس کے ناپاک ہونے کا یقین اور گمان غالب نہ ہو، محض شک ہو، مثلاً: جھوٹا ہونے کا شک ہو۔
۳. ان جگہوں کا پانی جن میں اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا ہو۔
۴. بلی کا جھوٹا۔
۵. کھلی ہوئی مرغی کا جھوٹا۔

---

[1] مآخذهم طحطاوی، کتاب الطهارة، باب المیاه: ص ۱۵، ۲۲، رد المحتار، کتاب الطهارة: ۱۷۹ تا ۲۰۲، فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الثالث فی المیاه: ۱/۱۶، ۲۵

❻ شکار کرنے والے پرندے جیسے شکرہ، باز وغیرہ کا جھوٹا جب کہ وہ پالتو نہ ہوں۔

❼ جو جانور گھروں میں رہا کرتے ہیں جیسے سانپ، بچھو، چوہا، چھپکلی وغیرہ کا جھوٹا[1]

وہ پانی جو پاک ہو لیکن اس سے وضو غسل درست نہ ہو

❶ کسی پھل یا درخت یا پتوں سے نچوڑا ہوا عرق، جیسے گنے کا رس، تربوز کا پانی۔

❷ وہ پانی جس میں کوئی اور چیز مل گئی ہو یا پانی میں کوئی چیز پکالی گئی ہو اور اسے عام بول چال میں پانی نہ کہتے ہوں جیسے شربت، شیرہ، شوربہ، سرکہ، گلاب وغیرہ۔

❸ وہ پانی جس میں کوئی چیز ڈال کر پکائی گئی ہو جس سے پانی کا رنگ یا مزہ بدل گیا ہو۔

❹ وہ پانی جس میں کپڑا رنگنے کے لیے زعفران گھولا گیا ہو یا پڑیا گھولی ہو۔

❺ وہ پانی جس میں دودھ اتنا مل گیا ہو کہ دودھ کا رنگ اچھی طرح پانی میں آ گیا ہو۔

❻ وہ پانی جس سے وضو یا غسل کیا گیا ہو، جسے مستعمل پانی کہتے ہیں۔
مستعمل پانی وہ ہے جو وضو یا غسل کرتے وقت بدن سے گرے جب کہ بدن پر کوئی نجاست نہ ہو، لہٰذا جو پانی بدن پر لگا ہوا ہو یا برتن میں وضو یا غسل کے بعد بچا ہوا ہو، وہ مستعمل پانی نہیں ہے۔
اسی طرح اگر کسی نے وضو یا غسل محض ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے یا بچوں کو وضو یا غسل سکھانے کے لیے کیا تو اس میں استعمال ہونے والے پانی کو مستعمل نہیں کہیں گے۔
چار پانچ سال کا ایسا لڑکا جو وضو کو نہیں سمجھتا، وہ اگر وضو کرے یا دیوانہ وضو

---

[1] مأخذهم طحطاوی، کتاب الطهارة: ص ٢٤، ٢٥

کرے تو وہ پانی مستعمل نہیں ہے۔ مستعمل پانی کا پینا اور کھانے کی چیزوں میں استعمال کرنا مکروہ ہے، کپڑا وغیرہ اس سے پاک کیا جا سکتا ہے، وضو یا غسل میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔[1]

ناپاک پانی جس سے وضو یا غسل درست نہیں

❶ کتے، سور، شیر، بھیڑیا، بندر، گیدڑ وغیرہ جتنے چیر پھاڑ کر کے کھانے والے جانور ہیں، ان سب کا جھوٹا ناپاک ہے۔

❷ بلی نے چوہا کھا کر فوراً آ کر برتن میں منہ ڈال دیا ہو تو اس برتن کا پانی ناپاک ہے۔

❸ گدھے اور خچر کا جھوٹا پاک تو ہے، لیکن وضو ہونے میں شک ہے، لہٰذا اگر کہیں صرف گدھے، خچر کا جھوٹا پانی ملے، اس کے علاوہ اور پانی نہ ملے تو وضو اور تیمّم دونوں کیے جائیں، چاہے پہلے وضو کریں یا پہلے تیمّم کریں، دونوں طرح اختیار ہے، اس پانی کا پینا درست نہیں۔

❹ تھوڑا ٹھہرا ہوا پانی تھوڑی سی نجاست سے بھی ناپاک ہو جاتا ہے، اگرچہ نجاست سے پانی کے رنگ، بو، مزہ میں کوئی فرق نہ آیا ہو۔

❺ جن جانوروں میں بہتا خون ہوتا ہے، اگر وہ جانور تھوڑے پانی میں گر کر مر جائیں تو پانی ناپاک ہو جائے گا، اسی طرح اگر مر کر پانی میں گر جائیں تو بھی پانی ناپاک ہو جائے گا۔

❻ پاخانہ یا کسی اور نجاست سے جو کیڑا پیدا ہوتا ہے، وہ ناپاک ہے، تھوڑے پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

❼ تھوڑے ناپاک پانی میں اگر پاک پانی زیادہ بھی مل جائے، تب بھی پاک پانی

---

[1] مأخذهم فتاویٰ خانیه علی هامش الهندیة، کتاب الطهارة، فصل فی الماء المستعمل: ١٦،١٤/١

ناپاک ہوجائے گا۔[1]

متفرق مسائل

❶ ایسے ناپاک پانی کا استعمال جس کا مزہ، بو، رنگ نجاست کی وجہ سے بدل گیا ہو کسی طرح درست نہیں، نہ جانوروں کو پلانا درست ہے، نہ مٹی وغیرہ میں ڈال کر گارا بنانا جائز ہے اور اگر تینوں وصف نہ بدلے ہوں تو اس کا جانوروں کو پلانا اور مٹی میں ڈال کر گارا بنانا اور مکان میں چھڑکاؤ کرنا درست ہے۔

❷ گرمیوں میں لوگوں کے پینے کے لیے جو پانی راستوں میں رکھا ہوتا ہے، اس سے وضو یا غسل درست نہیں، اگر زیادہ ہو تو حرج نہیں اور جو پانی وضو کے لیے رکھا ہو، اس کا پینا درست ہے۔[2]

❸ اگر بدن یا کپڑے میں راستے کی کیچڑ اور ناپاک پانی کی نجاست کا اثر نظر نہ آئے تو وہ معاف ہے، باقی احتیاط یہ ہے کہ جس شخص کی بازار اور راستوں میں زیادہ آمدورفت نہ ہو، وہ راستے کی کیچڑ اور ناپاک پانی کے لگنے سے بدن اور کپڑے پاک کرلیا کرے، چاہے ناپاکی کا اثر بھی نہ ہو۔

❹ سوتے میں آدمی کے منہ سے جو پانی نکلتا ہے وہ پاک ہے۔

❺ جس پانی سے کوئی ناپاک چیز دھوئی جائے، وہ پانی ناپاک ہے، خواہ وہ پانی پہلی مرتبہ دھونے کا ہو یا دوسری مرتبہ کا ہو یا تیسری مرتبہ کا، لیکن ان پانیوں میں اتنا فرق ہے کہ اگر پہلی مرتبہ کا پانی کسی کپڑے میں لگ جائے تو یہ کپڑا تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوگا اور اگر دوسری مرتبہ کا پانی لگ جائے تو صرف دو مرتبہ دھونے سے پاک ہوگا اور اگر تیسری مرتبہ کا لگ جائے تو ایک ہی مرتبہ دھونے

---

[1] مآخذہم فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطھارة، الباب الثالث فی المیاه: ۲۱/۱، ۲۵، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطھارة، الباب الثالث فی المیاء: ۱۳۹/۱، ۱۸۸

[2] رد المحتار، کتاب الطھارة، مطلب فی مباحث الشرب قائما: ۱۲۹/۱، ۱۳۰

سے پاک ہو جائے گا۔

❻ مردہ انسان جس پانی سے نہلایا جائے وہ پانی ناپاک ہے، لیکن اگر اس پانی کی چھینٹیں نہلانے والے کے جسم یا کپڑے پر لگ جائیں تو وہ معاف ہیں۔

❼ گڑھے سے لوٹے میں پانی لیا اور پانی پیتے وقت اور اس سے پہلے لوٹے کو نہ دیکھا جس سے معلوم ہوتا کہ لوٹے میں کچھ ہے یا نہیں، پانی لینے کے بعد دیکھا تو لوٹے میں نجاست پائی تو ایسی صورت میں گڑھے کا پانی پاک سمجھا جائے گا، کیوں کہ ممکن ہے کہ نجاست لوٹے ہی میں ہو۔

❽ دریائی جانور یا وہ جانور جن میں خون نہیں ہوتا، اگر پانی میں مر کر، پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو کر پانی میں مل جائیں تو اس پانی کا پینا مکروہ ہے، لیکن اس سے وضو اور غسل بغیر کراہت درست ہے۔

❾ پانی کی ٹنکی میں اگر پرندہ گر کر مر جائے اور پھول جائے یا پھٹ جائے اور اس کے گرنے کا وقت بھی معلوم نہ ہو تو احتیاط اس میں ہے کہ تین دن کی نمازیں لوٹائی جائیں اور گنجائش اس کی بھی ہے کہ جس وقت علم ہوا، اسی وقت سے اس پانی کو ناپاک سمجھا جائے اور اس سے پہلے کی نمازوں کو نہ دوہرایا جائے۔

❿ راستوں میں مٹکے گھڑوں وغیرہ میں پانی رکھ دیا جاتا ہے اور اس سے ہر قسم کے لوگ شہری، دیہاتی، چھوٹے بڑے، مرد و عورت پانی لے کر پیتے ہیں اور احتیاط نہیں کرتے۔ اس کے باوجود یہ پانی پاک ہے، اگر اس پانی کے ناپاک ہونے کا کسی طرح یقین ہو جائے تو پھر یہ پانی ناپاک ہوگا۔

⓫ کافروں کے برتن کا پانی بھی پاک ہے، لیکن اگر معلوم ہو جائے کہ ان کے برتن پاک نہیں تو پھر ان کے برتن کا پانی پاک نہ ہوگا۔

⓬ وہ کنویں جن سے ہر قسم کے لوگ پانی بھرتے ہیں اور میلے گرد و غبار آلود برتن ہاتھوں سے بھرتے ہیں، ان کا پانی پاک ہے، جب تک کہ ان برتنوں یا ہاتھوں

کا ناپاک ہونا یقینی طور پر معلوم نہ ہو جائے۔

۱۳ آدمی کا جھوٹا پانی پاک ہے، خواہ وہ مسلمان کا جھوٹا ہو یا کافر کا یا ایسے شخص کا جھوٹا ہو جس کو نہانے کی ضرورت ہو، بشرط یہ کہ کوئی ناپاک چیز پی کر (جیسے شراب) یا کھا کر (جیسے سور) فوراً پانی نہ پیا ہو۔[۱]

استنجا کا بیان

استنجا کی اہمیت

پاخانہ یا پیشاب کرنے کے بعد جو ناپاکی بدن پر لگی رہے، اس کے پاک کرنے کو استنجا کہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے: ''طہارت ایمان کا حصہ ہے۔''[۲]

ایک روایت میں ہے: ''پیشاب سے بچو اور پاکی حاصل کرو، کیوں کہ عموماً عذاب پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے۔''[۳]

علما نے لکھا ہے: ''پیشاب سے نہ بچنا گناہِ کبیرہ ہے۔''

استنجا کا حکم

۱ اگر پاخانہ یا پیشاب اپنے مقام سے بڑھ کر اِدھر اُدھر نہ لگا ہو تو استنجا کرنا مستحب ہے اور اگر نجاست اِدھر اُدھر لگ گئی ہو، مگر ایک درہم کے برابر یا اس

---

[۱] فتاویٰ هندیه، کتاب الطهارة، باب الثالث فی المیاه، الفصل الثانی: ۱/۱٦، ۲۵، خیر الفتاوی، کتاب الطهارة: ۲/۱٤۷، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، الباب السابع فی الانجاس: ۲/۲۳۳، ۲۸۲

[۲] صحیح مسلم، کتاب الطهارة: ۱/۱۱۸

[۳] سنن الدا القطنی، کتاب الطهارة، باب نجاسة البول: ۱/۳۱٤

سے کم لگ گئی ہو تو استنجا کرنا سنت ہے اور اگر ایک درہم سے زیادہ لگی ہو تو استنجا کرنا فرض ہے۔[1]

فَائِدَة: حضرات فقہائے کرام نے ایک درہم کی مقدار کا اندازہ ہتھیلی کی گہرائی سے کیا ہے کہ ہاتھ کے سیدھا کرنے کی صورت میں ہتھیلی میں جس حد تک پانی ٹھہر جاتا ہے، وہ ایک درہم کے برابر ہے۔[2]

❷ نجاست غلیظہ میں سے اگر پتلی اور بہنے والی چیز کپڑے یا بدن پر لگ جائے جیسے پیشاب، شراب وغیرہ تو اگر درہم سے کم ہو تو اس کا دھونا سنت ہے اور درہم کے برابر ہو تو دھونا واجب ہے اور اگر درہم سے زیادہ ہو تو دھونا فرض ہے اور اگر نجاست غلیظہ میں سے گاڑھی چیز لگ جائے جیسے پاخانہ، مرغی وغیرہ کی بیٹ تو اگر وزن میں ساڑھے چار ماشہ سے کم ہو تو اس کا دھونا سنت ہے اور ساڑھے چار ماشہ کے برابر ہو تو دھونا واجب ہے اور ساڑھے چار ماشہ سے زیادہ ہو تو دھونا فرض ہے۔

لہٰذا اگر کسی نے استنجا کیے بغیر نماز شروع کر دی تو پتلی اور گاڑھی ہر دو قسم کی نجاستوں میں پہلی صورت میں نماز مکروہ تنزیہی ہوگی، دوسری صورت میں ناقص اور مکروہ تحریمی ہوگی اور قضا اس کے ذمے فرض نہ ہوگی، لیکن چوں کہ واجب کے چھوڑنے سے نماز کا لوٹانا لازم ہوتا ہے، اس لیے نماز پوری کر کے استنجا کرے اور نماز لوٹائے اور تیسری صورت میں نماز بالکل نہ ہوگی، اس لیے نماز توڑ دے اور استنجا کر کے پھر پڑھے، وضو ہی کافی ہے۔[3]

---

[1] البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۲۴۲/۱

[2] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۳۱۸/۱

[3] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۳۱۶/۱، خیر الفتاوی، کتاب الطهارة، فصل فی الاستنجاء: ۱۷۲/۲

❸ ہوا نکلنے اور سونے کے بعد استنجا کرنا بدعت ہے۔[1]

❹ جب کوئی ناپاک چیز پاخانہ پیشاب کے مقام سے نکلے تو اس کے بعد استنجا کرنا چاہیے جیسے خون، پیپ وغیرہ۔[2]

پاخانہ پیشاب سے فراغت کا مسنون و مستحب طریقہ

مناسب یہ ہے کہ پیشاب پاخانہ کی حاجت کے غالب ہونے سے پہلے ہی بیت الخلا جائیں، جب بیت الخلا میں داخل ہونے کا ارادہ کریں تو رومال، چادر وغیرہ سے سر ڈھانپ لیں اور ایسی انگوٹھی وغیرہ جس پر اللہ تعالیٰ کا یا کسی نبی کا یا فرشتے کا یا کسی قابل احترام شخص کا نام ہو اسے اتار دیں اور یہ دعا پڑھیں:

"بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ"[3] تَرجَمَہ: "اے اللہ! میں ناپاک جنوں نر و مادہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

پہلے بایاں پیر داخل کریں پھر داہنا، بیٹھنے میں خیال کریں کہ قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ نہ ہو، بائیں پاؤں پر زور دے کر بیٹھیں، کپڑوں کو گندگی اور مستعمل پانی سے محفوظ رکھیں، دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ رکھ کر کشادگی سے بیٹھیں، اپنے خیال کو کسی طرف نہ لے جائیں، خاص کر دین کی باتوں کی طرف اور اس حالت میں کسی سے بات نہ کریں، یہاں تک کہ سلام یا سلام کا جواب یا اذان کا جواب بھی نہ دیں۔

اگر چھینک آئے تو دل میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہیں، زبان سے نہ کہیں اور نہ ہی کچھ بات وغیرہ کریں، اگر بیت الخلا میں داخل ہونے کی دعا پڑھنا بھول جائیں تو اب زبان سے نہ پڑھیں، دل میں پڑھیں۔ اپنی شرم گاہ کو نہ دیکھیں اور نہ پاخانہ پیشاب کو، نہ پاخانہ پیشاب میں تھوکیں اور نہ بلا ضرورت زیادہ دیر تک ٹھہریں، نہ اپنے

---

[1] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع النجاسة، الفصل الثالث في الاستنجاء: ۵۰/۱

[2] طحطاوی، کتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء: ص ۳٤

[3] صحيح البخاري، الدعاء، الدعاء عندالخلاء: ۹۳٦/۲

بدن سے شغل کریں اور نہ نگاہ کو اونچا اٹھائیں، بل کہ نہایت شرم وحیا کی حالت میں بیٹھیں۔ اگر بیت الخلا کے علاوہ کہیں اور جنگل وغیرہ میں فراغت کے لیے بیٹھنا ہو تو چند باتوں کا مزید خیال رکھیں:

۱ پردے کی جگہ بیٹھیں۔
۲ ایسی جگہ بیٹھیں جہاں پیشاب پاخانہ کرنے سے کسی کو تکلیف نہ ہوتی ہو۔
۳ اس جگہ بیٹھنے سے اپنا جسم پیشاب پاخانہ میں ملوث ہونے سے محفوظ رہے۔
۴ پیشاب کے لیے نرم جگہ تلاش کریں تاکہ چھینٹیں نہ اڑیں، اگر جگہ سخت ہو تو اسے نرم کرلیں۔
۵ فارغ ہونے کے لیے دور جائیں، اگرچہ پردہ قریب جگہ جانے سے بھی ہو جاتا ہے۔

جب پیشاب پاخانہ سے فارغ ہو جائیں تو پہلے ڈھیلوں سے استنجا کریں پھر ہاتھوں کو پانی سے پاک کر کے برتن کو شرم گاہ سے دور رکھتے ہوئے داہنے ہاتھ سے پانی اس طرح ڈالیں کہ چھینٹیں نہ اڑیں، پہلے پیشاب کی جگہ کو دھوئیں، پھر پاخانہ کی جگہ، اگر روزہ نہ ہو تو ملنے اور دھونے میں مبالغہ کریں۔

اگر پیشاب کی نالی میں قطرات رہ جاتے ہوں تو ان سے پاکی حاصل کرنے کے لیے آسان اور مختصر طریقہ یہ اختیار کیا جا سکتا ہے کہ پیشاب سے فراغت کے بعد پہلے پاخانہ کے مقام سے خصیتین کی طرف رگوں کو سونتا جائے، اس کے بعد پیشاب کی نالی کو سونت دیا جائے تو راستے میں جو رطوبت ہوگی وہ نکل جائے گی، گندگی پر اچھی طرح پانی بہا دیں، یہاں تک کہ گندگی فلش کے نچلے حصہ میں بھی نظر نہ آئے۔

پھر تین مرتبہ ہاتھ دھو کر دائیں پاؤں سے باہر آئیں پھر یہ دعا پڑھیں:

"غُفْرَانَكَ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِی"[1]

---

[1] سنن ابن ماجه، ابواب الطهارة، ما يقول اذا خرج من الخلاء: ٢٦

تَرجَمَۃ: ”(اے اللہ) میں آپ کی بخشش چاہتا ہوں، اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ سے گندگی دور کر دی اور مجھ کو عافیت بخشی۔“

فَائِدَہ ①: مختار مذہب یہ ہی ہے کہ استنجا کے لیے کوئی کیفیت مخصوص نہیں اور نہ کوئی عدد مخصوص ہے، بل کہ مقصود صفائی ہے، وہ جس طریقے سے حاصل ہو جائے کافی ہے۔

②: ڈھیلا استعمال کرنے کی صورت میں مستحب یہ ہے کہ پاک ڈھیلے یا پتھر دائیں طرف رکھیں اور استعمال شدہ بائیں طرف، اسی طرح ٹشو پیپر اسٹینڈ بیت الخلا میں دائیں طرف لگانا چاہیے اور گندگی کی ٹوکری یا ڈبہ وغیرہ بائیں طرف رکھنا چاہیے، ٹوکری یا ڈبہ ڈھکا ہوا ہونا چاہیے، تاکہ بیت الخلا میں جانے والے کو کراہت نہ ہو۔

③: اٹیچڈ باتھ روم کے دو حصے ہوتے ہیں:

ایک وہ حصہ جو قضائے حاجت کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔

دوسرا وہ حصہ جہاں غسل کیا جاتا ہے یا واش بیسن لگا ہوتا ہے۔

حکم یہ ہے کہ جو جگہ قضائے حاجت کے لیے بنی ہوئی ہے، اس میں داخل ہونے سے پہلے بیت الخلا میں داخل ہونے کی دعا پڑھ سکتے ہیں، اسی طرح نہانے کی جگہ یا واش بیسن کی جگہ وضو کی دعا پڑھ سکتے ہیں، اگرچہ احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ بیت الخلا میں داخل ہونے کی دعا اٹیچڈ باتھ روم میں داخل ہونے سے پہلے ہی پڑھ لی جائے، کیوں کہ بعض علما کے نزدیک اٹیچڈ باتھ روم میں داخل ہونے کے بعد زبان سے دعا نہیں پڑھ سکتے۔[1]

ڈھیلے اور پانی سے استنجا کرنے سے متعلق تفصیل

① استنجا کی ہر حالت میں صرف پانی کا استعمال کرنا بھی جائز ہے، اسی طرح اگر نجاست کی مقدار ایک درہم سے کم ہے تو صرف ڈھیلے استعمال کرنا بھی درست

[1] احکام وآداب طہارت وضو اور نماز: ص ۲۰

ہے، البتہ اس صورت میں ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی سے دھونا افضل ہے۔

۲ ڈھیلوں کے استعمال کے بعد اپنے ہاتھ پانی سے دھو کر صاف کر لینے چاہئیں، اس کے بعد پانی سے استنجا کرنا چاہیے۔

۳ استنجا سے فراغت کے بعد اپنے ہاتھوں کو دھونا اور دھونے کے لیے مٹی یا صابن استعمال کرنا جائز ہے۔

۴ اگر قطرہ آنے کا مرض نہ ہو تو صرف پانی سے استنجا کرنے سے پوری طہارت حاصل ہو جاتی ہے اور اگر یہ مرض ہو جیسا کہ اس زمانے میں عموماً ہوتا ہے تو ڈھیلا یا ٹشو پیپر استعمال کرنا چاہیے یا کوئی اور ایسی تدبیر کرنی چاہیے جس سے قطرہ آنے کا احتمال نہ رہے۔

۵ صرف ڈھیلے وغیرہ سے استنجا کر کے اگر کہیں تنہائی کا موقع نہ ملے تو پانی سے استنجا کرنے کے لیے کسی کے سامنے اپنے بدن کو کھولنا درست نہیں، ایسے وقت پانی سے استنجا نہ کریں، پانی سے استنجا کیے بغیر نماز پڑھ لیں۔

۶ استنجا میں تیمّم کا ڈھیلا استعمال کرنا جائز تو ہے مگر اچھا نہیں۔

۷ کسی اور شخص کی دیوار سے ڈھیلا لے کر استنجا کرنا جائز نہیں ہے۔

۸ نجاست اگر ایسی خشک ہو جائے جو ڈھیلے سے نہ چھوٹ سکے تو پھر صرف پانی سے استنجا کرنا واجب ہے۔

۹ ڈھیلوں سے استنجا کرنے میں طاق عدد[1] کی رعایت کرنا مستحب ہے، لیکن کم سے کم اتنے ڈھیلے ہونے چاہئیں کہ جن سے نجاست دور ہو جائے۔

۱۰ بیت الخلا میں یا پیشاب پاخانہ کرنے کی حالت میں بات کرنے کو بالکل ناجائز سمجھنا درست نہیں، ضرورت کے وقت بات کی جا سکتی ہے۔

---

[1] یعنی ایک، تین، پانچ، سات اور نو۔

پیشاب سے بچنے کا اہتمام کرنا بلاشبہ ضروری ہے، مگر اس میں ضرورت سے زیادہ اہتمام کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔[۱]

وہ جگہیں جہاں پاخانہ پیشاب کرنا درست نہیں

مندرجہ ذیل مقامات پر پیشاب پاخانہ کرنا درست نہیں:

❶ پانی میں اگرچہ جاری ہو، اسی طرح کنویں اور حوض کے قریب۔

❷ اس سایہ کی جگہ میں جس کے نیچے لوگ گرمی میں بیٹھتے ہوں یا اس دھوپ کی جگہ پر جس میں لوگ سردیوں میں بیٹھتے ہوں، یہ اس وقت ہے جب وہ جگہ ملکِ عام ہو اور اگر کسی کی مملوک جگہ ہو تو مالک کی اجازت کے بغیر وہاں فارغ ہونے کے لیے بیٹھنا صحیح نہیں۔

❸ سوراخ یا بل میں۔

❹ راستے میں یا راستے کے کنارے پر۔

❺ پھل دار درخت کے نیچے۔

❻ نیچے بیٹھ کر اوپر کی جانب حاجت سے فارغ ہونا درست نہیں۔

❼ وضو، غسل کی جگہ پر۔

❽ ہوا کے رخ پر۔

❾ سورج اور چاند کی سمت میں، کیوں کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی نشانیوں میں سے ہیں۔

❿ مسجد اور عیدگاہ کے اس قدر قریب کہ اس کی بدبو سے نمازیوں کو تکلیف ہو، اسی طرح قبرستان میں۔

---

[۱] طحطاوی، کتاب الطهارة، فصل فی الاستنجاء: ص ۳۳، ٤٤، رد المحتار، کتاب الطهارة، فصل فی الاستنجاء: ۳۳٦/۱، ۳٦۳، جامع الترمذی کتاب الطهارة: ۱۱/۱، احسن الفتاوی، کتاب الطهارة، فصل فی الاستنجاء: ۱۰٤/۲، ۱۰۹

فَائِدَہ: قطب تارے کی طرف منہ کرکے پیشاب پاخانہ کرنا درست ہے، اسی طرح شمال یا جنوب کی طرف منہ کرکے فارغ ہونا منع نہیں۔[۱]

وہ اشیا جن سے استنجا کرنا درست ہے

❶ وہ کاغذ جو لکھنے کے قابل نہیں، صرف استنجا کے لیے بنائے جاتے ہیں، ان سے استنجا جائز ہے، کیوں کہ کاغذ کا احترام آلۂ علم ہونے کی وجہ سے ہے، اسی طرح گتے سے بھی استنجا جائز ہے۔

❷ پانی، مٹی کا ڈھیلا، اس میں یہ شرط ہے کہ نہ بہت کھردرا ہو کہ تکلیف دے اور نہ ایسا چکنا ہو جو نجاست کو دور نہ کر سکے، بے قیمت کپڑا اور تمام وہ چیزیں جو پاک ہوں اور نجاست کو دور کردیں بشرطیکہ محترم نہ ہوں۔[۲]

وہ اشیا جن سے استنجا کرنا درست نہیں

❶ ایسی چیز سے استنجا کرنا جو قابلِ احترام ہو جیسے کھانے پینے کی چیزیں، خواہ جانوروں کے کھانے کی ہی ہوں جیسے بھس، گھاس وغیرہ۔

❷ ہڈی، لید اور ساری ناپاک چیزیں۔

❸ وہ ڈھیلا یا پتھر جس سے ایک مرتبہ استنجا ہو چکا ہو، لیکن اگر سفر وغیرہ کی وجہ سے ضرورت ہو تو خشک ہونے کے بعد اس کو گھس کر دو بار تین بار یا اس سے زیادہ مرتبہ استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح وہ کونے دار پتھر جس سے ایک مرتبہ استنجا کیا ہو اس کے پاک کونے سے استنجا کر سکتے ہیں۔[۳]

---

[۱] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع ...... الفصل الثالث: ۴۸/۱، ۵۰، طحطاوی، کتاب الطهارة، فصل فيما يجوز به الاستنجاء ...... ص ۴۱، ۴۳، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، الباب السابع ...... فصل ثانی ......: ۲۸۵/۱

[۲] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع ......، الفصل الثالث: ۴۸/۱، ۵۰

[۳] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۸۴/۱

❹ پختہ اینٹ، ٹھیکری، شیشہ، کوئلہ، چونا، لوہا، چاندی، سونا وغیرہ سے استنجا کرنا درست نہیں۔

❺ ایسی چیزوں سے استنجا کرنا جو نجاست کو صاف نہ کریں جیسے سرکہ وغیرہ۔

❻ ایسی چیزیں جو قیمتی ہوں، خواہ زیادہ قیمت ہوں یا کم قیمت کی، جیسا کپڑا، عرق گلاب وغیرہ۔

قیمتی چیز سے استنجا کرنا اس وقت منع ہے جب کہ یہ خیال ہو کہ استنجا کرنے سے وہ چیز بالکل بے کار ہو جائے گی یا اس کی قیمت کم ہو جائے گی اور اگر استنجا کرنے کے بعد دھونے سے وہ چیز کام میں آسکے اور قیمت اس کی کم نہ ہو تو منع نہیں، لہٰذا ایسا کپڑا جو پہننے کے قابل نہ رہا ہو، اس سے استنجا کرنا جائز ہے۔

❼ آدمی کے اجزا جیسے بال، ہڈی، گوشت وغیرہ۔

❽ مسجد کی چٹائی، کوڑا یا جھاڑو وغیرہ۔

❾ درختوں کے پتے۔[1]

فَائِدَہ: اگر کسی نے ان میں سے کسی چیز سے استنجا کرلیا تو بھی استنجا ہو جائے گا اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی پاکیزگی کی بنیاد پر نماز صحیح ہو جائے گی۔[2]

استنجا سے متعلق مکروہات

❶ بلا عذر کھڑے ہو کر یا لیٹ کر پاخانہ پیشاب کرنا ممنوع و مکروہ ہے۔[3]

❷ پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا مکروہ تحریمی ہے اور استنجا

[1] ردالمحتار، الطهارة، فصل فی الإستنجاء: ۱/۳٤۰

[2] طحطاوی، کتاب الطهارة، فصل فیما یجوز به الاستنجاء: ص ۳۹، ٤۰، بحر الرائق، کتاب الطهارة: ۱/۲۵۵

[3] فتاوىٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، الباب السابع ..... فصل ثانی ......: ۱/۲۸٤

کے وقت مکروہ تنزیہی ہے۔

۳ تمام کپڑے اتار کر برہنہ ہوکر پاخانہ پیشاب کرنا۔

۴ بلا عذر داہنے ہاتھ سے استنجا کرنا۔[1]

متفرق مسائل

۱ تعویذ موم جامہ ہو یا کسی کپڑے میں لپیٹ دیا گیا ہو یا متبرک اوراق جیب میں ہوں تو انہیں بیت الخلا میں ساتھ رکھ سکتے ہیں۔[2]

۲ پاکی حاصل کرنے کے بعد اگر حرکت وغیرہ کرنے سے قطرے آنے کا وہم ہو اور دیکھنے پر اکثر قطرے کا نہ آنا معلوم ہو اور ایک آدھ مرتبہ قطرے کا آنا معلوم ہو تو اس سے نہ وضو ٹوٹے گا نہ نماز فاسد ہوگی، بل کہ ایسے وہم کی وجہ سے دیکھنا بھی واجب نہیں، البتہ اگر غالب گمان یہ ہو جائے کہ قطرہ آ گیا تو دیکھنا ضروری ہے، چناں چہ نماز کی حالت میں ہاتھ لگا کر دیکھ لیا جائے اور نماز کے علاوہ جس طرح آسان ہو دیکھ لیا جائے، اگر قطرے کے ہونے کا علم ہوگا تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر قطرے کے ہونے کا علم نہ ہوگا تو وضو نہیں ٹوٹے گا، لیکن اگر نماز کی حالت میں صرف شک ہوا، غالب گمان نہ ہوا تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد فوراً دیکھ لیا جائے، اگر نجاست کی تری کا یقین ہو جائے تو نماز کا لوٹانا واجب ہوگا۔[3]

۳ جس کو اکثر قطرے آنے کا وہم ہوتا ہو، اس کو وضو کے بعد اپنے عضو اور لنگی وغیرہ کو بھگو لینا چاہیے، پھر جب قطرے کا یقین نہ ہو جائے، ہر وہم پر یہی سمجھنا

---

[1] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع النجاسة ...... الفصل الثالث: ۴۸/۱، ۵۰

[2] امداد الاحکام، کتاب الذکر والدعاء والتعویذات: ۳۱۹/۱، احکام و آداب طہارت وضو اور نماز: ص۱۹۰

[3] امداد الاحکام، کتاب الطهارة، فصل فی نواقض الوضوء: ۳۴۹/۱

چاہیے کہ پانی کی تری ہوگی۔[1]

❹ اگر کسی کو استنجا کرنے کے بعد کچھ دیر تک قطرے آتے رہتے ہوں اور وہ شخص شرعاً معذور ہو تو اس کو دوبارہ عضو دھونے کی ضرورت نہیں اور کپڑے بدلنا بھی ضروری نہیں اور اگر وہ شخص شرعاً معذور نہیں تو اس کو عضو دھونا بھی ضروری ہے اور دوبارہ وضو کرنا بھی ضروری ہے، محض کپڑے بدلنا کافی نہیں۔[2]

❺ استنجا کر لینے کے بعد اگر غالب گمان ہو کہ ہاتھ بھی صاف ہو گئے ہیں اور بدبو وغیرہ بھی ختم ہوگئی ہے تو دھونا مزید نظافت کے پیشِ نظر سنت ہے، ضروری نہیں، البتہ اگر شک ہو تو دھونا ضروری ہے۔[3]

❻ چھوٹے بچوں کو قضائے حاجت کے لیے قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے بٹھانا منع ہے۔[4]

❼ استنجا کرنے کے بعد ہاتھ کو مٹی یا صابن سے صاف کرنے سے پہلے شلوار باندھنے میں ہاتھ شلوار پر لگتا ہے، اس سے شلوار ناپاک نہیں ہوتی۔[5]

❽ استنجا کرتے وقت پانی کے قطروں کے کپڑوں پر گرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک وہ پانی جو نجاست دھلنے اور نجس ہونے کے بعد گرتا ہے وہ تو ناپاک ہے، دوسرا وہ پانی جو نجاست سے مخلوط ہونے سے پہلے لوٹے یا ہاتھ پر سے گر جاتا ہے وہ پاک ہے۔[6]

❾ استنجا کے بعد بدن پاک ہے، بدن کا خشک ہونا پاک ہونے کے لیے ضروری

---

[1] امداد الاحکام، کتاب الطهارة، فصل فی نواقض الوضوء: ۱/۳۵۰

[2] فتاویٰ محمودیه، کتاب الطهارة: ۲/۴۷، ۴۸

[3] خیر الفتاوی، کتاب الطهارة، فصل فی الاستنجاء: ۲/۱۷۹

[4] احکام و آداب طهارت وضو اور نماز: ص ۲۲

[5] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، فصل ثانی: ۱/۲۸٤

[6] کفایت المفتی، کتاب الطهارة، باب دوم: ۲/۳۰۱

نہیں۔

⓯ استنجا خشک کرنے کے وقت سلام کرنا اور اس کا جواب دینا جائز ہے، مگر ایسی جگہ پر استنجا خشک کرنا یا خشک کرنے کے لیے شلوار میں ہاتھ ڈالے رکھنا کہ گزرنے والوں کا سامنا ہو خلافِ انسانیت ہے۔[1]

وضو کا بیان

وضو کے فضائل

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا، یعنی سنتوں اور آداب ومستحبات کا اہتمام کیا تو اس کے گناہ جسم سے نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں۔''[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''مؤمن کا زیور قیامت کے دن وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔''[3]

یعنی جن اعضا تک وضو کا پانی پہنچے گا وہاں تک زیور پہنایا جائے گا۔

وضو کے فرائض

وضو میں چار چیزیں فرض ہیں:

❶ ایک مرتبہ سارا چہرہ دھونا، اس طرح کہ پیشانی کے بالوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک سب جگہ پانی پہنچ جائے،

[1] امداد الفتاوی: ۸۸/۱، احکام و آداب طہارت وضو اور نماز: ص ۳۶

[2] صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب خروج الخطایا ......: ۱۲۵/۱

[3] صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب فضل سباغ الوضوء ......: ۱۲۶/۱

دونوں ابروؤں کے نیچے بھی پانی پہنچایا جائے کہ کوئی جگہ سوکھی نہ رہے۔

❷ ایک مرتبہ کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھونا۔

❸ ایک بار چوتھائی سر کا مسح کرنا۔

❹ ایک مرتبہ ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھونا۔[1]

وضو کے فرائض سے متعلق چند مسائل

❶ اگر ڈاڑھی کے بال نہ ہوں یا ہوں، مگر بالوں میں سے ٹھوڑی کی کھال نظر آتی ہو تو ٹھوڑی کا دھونا فرض ہے اور اگر ڈاڑھی اس قدر گھنی ہو کہ کھال نظر نہ آئے تو اس چھپی ہوئی کھال کو دھونا اور بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا فرض نہیں ہے، بل کہ وہ بال ہی قائم مقام کھال کے ہیں، ان پر پانی بہا دینا کافی ہے، البتہ ڈاڑھی کے وہ بال جو چہرے کی حد میں نہیں ان کو دھونا ضروری نہیں، بہتر ہے۔[2]

❷ اعضائے وضو کے دھونے کی حد یہ ہے کہ اتنا پانی ڈالا جائے کہ عضو پر بہہ کر ایک دو قطرے ٹپک جائیں۔[3]

❸ بعض اوقات سڑک میں استعمال ہونے والا ڈامر یا تارکول پاؤں میں لگ جاتا ہے، وضو میں اس کو اچھی طرح چھڑانا ضروری ہے، اگر بغیر چھوڑائے اوپر ہی سے پانی بہالیا تو وضو نہیں ہوگا۔

❹ اعضائے وضو میں کسی عضو پر کوئی جسم دار چیز لگی ہوئی ہو، مثلاً: ناخنوں پر ناخن پالش ہو یا ڈاڑھی کے بالوں پر خضاب کی تہہ جم گئی ہو اور یہ دونوں خشک ہوں تو

---

[1] فتاوی شامی، کتاب الطهارة، ارکان الوضوء اربعة: ۱/۹۵

[2] رد المحتار، کتاب الطهارة، ارکان الوضوء: ۱/۱۰۰، علم الفقه: ص ۸٤، احسن الفتاوی، کتاب الطهارة: ۲/۱٦

[3] رد المحتار، کتاب الطهارة، ارکان الوضوء: ۱/۹٦

ناخنوں کی سب پالش اور بالوں سے خضاب کی جمی ہوئی تہہ کو دور کرنا ضروری ہے، بغیر چھڑائے محض اوپر سے پانی بہا لینے سے وضو نہیں ہوگا۔

❺ سیمنٹ یا پینٹ (روغنی رنگ) کی قسم سے کوئی چیز کاریگروں یا کسی اور کے ہاتھوں یا پیروں میں لگ جائے اور خشک ہو جائے اور پانی کھال تک نہ پہنچ سکے تو وضو میں ان کا چھڑانا بھی ضروری ہے ورنہ وضو نہیں ہوگا۔[1]

❻ روٹی پکانے والوں کے ہاتھوں اور ناخنوں میں آٹا لگا رہ جائے اور خشک ہو جائے تو اس کو چھڑانا بھی ضروری ہے، اگر بغیر چھڑائے وضو کر لیا اور اس کے نیچے پانی نہیں پہنچا تو وہ وضو نہیں ہوگا۔

البتہ مذکورہ صورتوں میں جب آٹا یا رنگ و روغن وغیرہ ایسا چمٹ جائے کہ کوشش کے باوجود نہ چھوٹے اور چھڑانا دشوار ہو تو بغیر چھڑائے بھی وضو درست ہو جائے گا۔[2]

طریقۂ وضو سے متعلق چند باتیں

❶ وضو نماز کے وقت سے پہلے کریں۔[3]

❷ وضو کے لیے پاک، اونچی جگہ اور قبلہ رخ بیٹھیں۔[4]

❸ قبلہ کی طرف تھوکنا مکروہ ہے، تاہم قبلہ رخ بیٹھ کر زمین کی طرف تھوکنا مکروہ نہیں۔[5]

❹ کھڑے ہو کر وضو کیا جا سکتا ہے، بلا عذر ایسا کرنا بہتر نہیں، لیکن افضل یہ ہے

---

[1] رد المحتار، کتاب الطهارة: ۱/۱۵٤، ۱۵۵

[2] فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الاول فی الوضوء ...... الفصل الاول: ۱/٤، ٥

[3] حاشية الطحطاوی، من آداب الوضوء: ص ٦١، طریقہ آداب طہارت وضو اور نماز: ۳۸

[4] هندیه، کتاب الطهارة، الفصل الثالث: ۱/۹، طریقہ و آداب طہارت، وضو اور نماز: ۳۸

[5] احسن الفتاوی، کتاب الطهارة: ۲/۱۷

کہ بیٹھ کر وضو کرے۔[1]

۵ وضو کرتے ہوئے بلا عذر کوئی دنیا کی بات کرنا اچھا نہیں۔[2]

۶ وضو کے دوران سلام اور جواب میں کوئی حرج نہیں۔[3]

۷ اگر کوئی دوران وضوذکر میں مشغول ہو تو اسے سلام نہ کیا جائے، اگر کوئی سلام کر لے تو اسے جواب دے دینا بہتر ہے۔[4]

۸ دوران وضو اذان کا جواب بھی دیا جا سکتا ہے۔[5]

۹ وضو کرنے میں کسی سے مدد نہ لیں، یعنی کسی دوسرے شخص سے اعضائے وضو کو نہ دھلوائیں، بل کہ خود ہی دھوئیں اور اگر کوئی شخص پانی دیتا جائے اور اعضا کو خود ہی دھوئیں تو کچھ مضائقہ نہیں، اسی طرح بیماری و علالت کی بنا پر کسی دوسرے سے دھلوائیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔[6]

۱۰ لوٹا بائیں جانب رکھیں، لوٹا اگر مٹی کا ہو تو بہتر ہے۔

۱۱ اگر برتن بڑا ہو تو دائیں جانب رکھیں۔

۱۲ وضو کرتے وقت یہ نیت کریں کہ ہر وہ عبادت جو وضو کے بغیر صحیح نہ ہو اس کے کرنے کے لیے وضو کرتا ہوں، نیت کے الفاظ زبان سے بھی کہہ لیں تو اچھا ہے۔[7]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴۳/۲

[2] عالمگیری، کتاب الطهارة، الفصل الثالث: ۸/۱، فقهی رسائل: ۲۰/۱

[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴۴/۲

[4] فتاویٰ رحیمیه، کتاب الحظر والاباحة، باب السلام والمصافحه: ۱۳۰/۱۰

[5] فتاویٰ محمودیه، باب الاذان: ۶۴/۲

[6] رد المحتار، کتاب الطهارة، مطلب في مباحث ......: ۱۲۷/۱، هکذا ...... فتاویٰ تاتارخانیه: ۱۱۲/۱

[7] عالمگیری، کتاب الطهارة، الفصل الثالث فی المستحبات: ۹/۱

⓭ لوٹے کو قبضہ سے پکڑیں۔[1]

⓮ وضو میں ایک مد (تقریباً ایک کلو) پانی استعمال کرنے کی کوشش کریں۔[2]

⓯ دھوپ کے جلے ہوئے پانی سے وضو غسل نہیں کرنا چاہیے۔[3]

⓰ ہر عضو کو دھوتے وقت "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" اور کلمۂ شہادت پڑھنا مستحب ہے۔[4]

⓱ وضو سے پہلے "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ" نہ پڑھیں۔[5]

⓲ اعضائے وضو کو مل کر دھوئیں۔[6]

⓳ ہر عضو تین بار اس طرح دھونا چاہیے کہ ہر بار پورا دھل جائے اور اگر ایک بار آدھا اور پھر دوسری بار باقی آدھا دھویا تو یہ دو بار نہ سمجھا جائے گا، بل کہ ایک ہی بار سمجھا جائے گا۔[7]

⓴ اگر کوئی شخص کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے وضو کے دوران ہی وضو کے اعضا خشک کرتا جائے تو یہ بلا کراہت جائز ہے، البتہ بغیر کسی عذر کے ایسا کرنا خلافِ سنت ہے، لیکن وضو دونوں صورتوں میں درست ہے۔[8]

---

[1] احکام و آداب طہارت وضو اور نماز: ص ۳۹

[2] رد المحتار، کتاب الطهارة، مطلب في سنن الغسل: ۱۵۸/۱، احکام و آداب طہارت وضو اور نماز: ص ۵۷

[3] احسن الفتاوی، کتاب الطهارة، باب المیاه: ۴۴/۱، احکام و آداب طہارت وضو اور نماز: ص ۵۷

[4] احسن الفتاوی، کتاب الطهارة: ۱۰/۲

[5] احسن الفتاوی، کتاب الطهارة بحواله رد المحتار: ۱۹/۱، ۹/۲، ۱۰

[6] فقہی رسائل: ۱۸/۱

[7] فقہی رسائل: ۱۷/۱

[8] رد المحتار، کتاب الطهارة: ۱۲۲/۱، فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الطهارة، فصل رابع: ۱۲۰/۱

۲۱ منہ دھوتے وقت پھونک نہ ماریں۔[1]

۲۲ ڈاڑھی چوں کہ چہرے میں داخل ہے، اس لیے اسے اسی پانی سے دھویا جائے گا جو چہرے کے لیے لیا جائے گا، مثلاً: پہلی مرتبہ دونوں چلو میں پانی لیں گے اور پورا چہرہ مع ڈاڑھی دھوئیں گے، پھر دوبارہ دونوں چلو میں پانی لیں گے اور پورا چہرہ ڈاڑھی سمیت دھوئیں گے، اسی طرح تیسری مرتبہ، ڈاڑھی کے لیے الگ پانی اس وقت لیں گے جب خلال کریں گے اور وہ بھی ایک مرتبہ۔[2]

۲۳ ڈاڑھی کے خلال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کے چلو میں پانی لے کر ٹھوڑی کے نیچے کے بالوں کی جڑوں میں ڈالیں اور ہاتھ کی پشت گردن کی طرف کر کے انگلیاں بالوں میں ڈال کر نیچے سے اوپر کی جانب لے جائیں۔[3]

۲۴ ڈاڑھی کا خلال ایک بار کرنا سنت ہے۔[4]

۲۵ سر اور گردن کے مسح کے بعد انگلیوں کے خلال کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔[5]

۲۶ بعض کے نزدیک وضو میں انگلیوں کا خلال ابتدائے وضو میں ہاتھ دھوتے وقت کرنا چاہیے۔[6]

۲۷ وضو کے درمیان یہ دعا پڑھیں:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ وَوَسِّعْ لِيْ فِيْ دَارِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْ رِزْقِيْ." [7]

---

[1] احکام و آداب طهارت وضو اور نماز: ص ٤٦
[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، باب اول: ١٠٣/١
[3] فقهی رسائل: ١٦/١
[4] خير الفتاوى، كتاب الطهارة، ما يتعلق بالوضوء والغسل: ٧٦/٢
[5] كفايت المفتى، كتاب الطهارة: ٦٨/٢
[6] كفايت المفتى، كتاب الطهارة، فصل چهارم: ٢٦٤/٢
[7] مصنف ابن ابى شيبه، باب الدعاء: ٦٢/٧، رقم الحديث: ٢

ترجمہ: ''اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما، مجھے کشادہ گھر عطا فرما اور میری روزی میں برکت عطا فرما۔''

آداب ومستحبات کی رعایت کے ساتھ وضو کا مسنون طریقہ

''بِسْمِ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ'' پڑھ کر وضو شروع کریں، دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک اس طرح دھوئیں کہ دائیں ہاتھ سے پانی بائیں ہاتھ پر ڈال کر دونوں ہاتھوں کو ملیں، اس طرح تین مرتبہ پانی لے کر دونوں ہاتھ دھوئیں۔

پھر تین مرتبہ دائیں ہاتھ میں نیا پانی لے کر منہ بھر کر اچھی طرح کلی کریں۔ پہلی کلی کے بعد مسواک کریں، مسواک مٹھی باندھ کر اس طرح پکڑیں کہ دائیں چھنگلی کے نیچے اور اس کے برابر والی تین انگلیاں اوپر اور انگوٹھا ریشہ کی جانب نیچے ہو، پہلے اوپر کے دانتوں میں دائیں بائیں، پھر نیچے کے دانتوں میں دائیں بائیں مسواک کریں، پھر سامنے کے دانتوں میں اوپر نیچے مسواک کریں، زبان پر لمبائی میں کریں، ایک بار مسواک کرنے کے بعد مسواک کو منہ سے نکال کر نچوڑیں اور ازسرنو پانی سے بھگو کر دوبارہ کریں اور پھر مزید دو مرتبہ ایسا ہی کریں، اس کے بعد مسواک کو دھو کر دیوار وغیرہ سے کھڑی کر کے رکھ دیں، زمین پر ویسے ہی نہ رکھیں اور پھر بقیہ دو کلیاں کریں، مسواک نہ ہو تو کپڑے یا انگلی سے دانت صاف کریں۔

پھر دائیں ہاتھ میں نیا پانی لے کر ناک کے نتھنوں تک پانی اچھی طرح پہنچائیں، تین مرتبہ ایسا کریں، ہر بار بائیں ہاتھ سے ناک صاف کریں، ناک کی رینٹ لوگوں کے سامنے پانی میں نہ گرائیں گر جائے تو پانی بہادیں۔

پھر دونوں چلوؤں میں پانی لے کر پورا چہرہ تین مرتبہ دھوئیں، پانی پیشانی کی طرف سے آہستہ ڈالیں، چہرہ، آنکھیں، پلکیں خاص طور پر سردیوں میں مل لیں، منہ اور آنکھیں آہستہ بند کریں کہ کوئی حصہ پلک یا ہونٹ کا خشک نہ رہ جائے۔

پھر دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت تین مرتبہ دھوئیں، پہلے دایاں ہاتھ پھر بایاں ہاتھ دھوئیں، پانی انگلیوں کی جانب سے ڈالیں اور ملیں، کہنی سے اوپر کا حصہ بھی دھولیں، پھر انگلیوں کا خلال اس طرح کریں کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی دائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر بائیں ہاتھ کی انگلیاں دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر نیچے سے اوپر کی طرف کھینچیں۔

پھر پورے سر کا ایک مرتبہ اس طرح مسح کریں کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ہتھیلیوں سمیت گیلا کر کے انگلیوں کو پیشانی اور ہتھیلیوں کو کنپٹی سے ملاتے ہوئے پیچھے گدی تک لے جائیں اور پھر پیشانی تک واپس لے آئیں۔

ان ہی گیلے ہاتھوں کی چھوٹی انگلیاں کانوں کے سوراخ میں ڈالیں اور شہادت کی انگلیوں کو کانوں کے اندرونی حصے میں اچھی طرح گھمائیں اور انگوٹھوں سے کانوں کے باہر کے حصے کا مسح کریں۔

گردن کا مسح دونوں ہاتھوں کی پشت سے کریں۔

پھر تین مرتبہ ٹخنوں سمیت پاؤں دھوئیں، پاؤں کو بائیں ہاتھ سے ملیں، پانی انگلیوں کی طرف سے ڈالنا شروع کریں، پہلے دایاں پاؤں، پھر بایاں پاؤں دھوئیں، ایڑیوں اور تلووں کو بھی دھوئیں۔ پھر تین مرتبہ انگلیوں کا خلال اس طرح کریں کہ بائیں ہاتھ کی چھنگلی دائیں پاؤں کی چھنگلی میں اوپر سے داخل کر کے نیچے اوپر کی طرف کھینچیں، دائیں پاؤں کی چھنگلی سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کریں۔

پھر وضو کے آخر میں آسمان کی طرف منہ کر کے یہ دعا پڑھیں، انگلی آسمان کی طرف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ حدیث میں ہمیں انگلی کے اٹھانے کا ذکر نہیں ملا، دعا یہ ہے:

"سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ

اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِىْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ.''[1]

اس کے بعد برتن میں وضو کا پانی بچا ہو تو اس کو پئیں، خواہ کھڑے ہو کر پئیں یا بیٹھ کر، بعض کے نزدیک کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔

اگر مکروہ وقت نہ ہو تو دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھیں۔

وضو کے بعد ہاتھوں کا پانی جھٹکنا مناسب نہیں۔

وضو کے بعد تولیہ استعمال کرنا جائز ہے، بعض کے نزدیک مستحب ہے۔[2]

وہ چیزیں جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

1. پاخانہ، پیشاب یا ان دو راستوں میں سے کسی چیز کا نکلنا۔[3]
2. بواسیر کے مسوں پر تر انگلی کا اندر داخل کر لینا۔[4]
3. ریح کا خارج ہونا۔[5]
4. نمازِ جنازہ کے علاوہ کسی بھی نماز میں اتنی زور سے ہنسنا کہ ساتھ والے بھی آواز سن لیں۔[6]
5. شہوانی خیالات یا بیوی سے بوس و کنار پر پیشاب کے مقام سے لیس دار پانی

---

[1] جامع الترمذی، ابواب الطهارة، باب ما يقال بعد الوضوء: ۱۸/۱

[2] مآخذه رد المحتار، كتاب الطهارة، مطلب فى التمسح: ۱۳۱/۱، عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الاول فى الوضوء: ۷/۱، ۱۰، فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الطهارة، باب الوضوء: ۱۹/۴

[3] فتاویٰ هندية، كتاب الطهارة، الفصل الخامس: ۹/۱

[4] امداد الاحكام، كتاب الطهارة، فصل فى نواقض الوضوء: ۳۴۸/۱

[5] عالمگیری، كتاب الطهارة، الفصل الخامس: ۹/۱

[6] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، نواقض وضوء: ۱۱۶/۱

کا نکلنا۔[1]

❻ کسی کپڑے وغیرہ کی رکاوٹ کے بغیر مرد وعورت کی شرم گاہوں کا مل جانا۔[2]

❼ بے ہوشی یا نشے کا طاری ہو جانا۔[3]

❽ درد کی وجہ سے جو پانی کان سے نکل کر بہتا ہے اگر چہ کوئی پھوڑا یا پھنسی معلوم نہ ہو، وہ ناپاک ہے، اس کے نکلنے سے وضوٹوٹ جائے گا، جب کہ کان کے سوراخ سے باہر نکل آئے۔[4]

❾ اگر آنکھ سے پانی کسی زخم کی وجہ سے نکلے، خواہ وہ زخم ظاہر میں معلوم ہوتا ہو یا کسی مسلمان دین دار طبیب کی تشخیص سے معلوم ہو، تب تو اس پانی کے نکلنے سے وضوٹوٹ جائے گا، ورنہ نہیں ٹوٹے گا۔[5]

❿ اگر خون یا پیپ زخم کے اندر سے یا جسم کے کسی بھی حصہ سے نکل کر پھیل جائے یا پھایہ میں جذب ہو جائے یا پٹی بندھی ہو، اس پر ظاہر ہو جائے تو وضوٹوٹ جاتا ہے۔[6]

⓫ اگر پھوڑے پھنسی کا خون خود سے نہیں نکلا، بل کہ اس نے دبا کر نکالا اور خون بہہ گیا، تب بھی وضوٹوٹ جائے گا۔[7]

⓬ کسی کے زخم سے ذرا ذرا سا خون نکلنے لگا، اس نے اس پر مٹی ڈال دیا یا کپڑے سے پونچھ لیا، پھر ذرا سا نکلا، پھر اس نے پونچھ ڈالا، اس طرح کئی

---

[1] فتاوری رحیمیه، کتاب الطهارة، باب الوضوء: ۳۲/۱

[2] خیر الفتاوی، کتاب الطهارة: ۸۱/۱

[3] الهندية، كتاب الطهارة، الباب الخامس: ۱۲/۱

[4] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الخامس فی نواقض ......: ۱۰/۱

[5] درمختار، کتاب الطهارة، مطلب فی نواقض الوضوء: ۱٤٦/۱

[6] ردالمحتار، کتاب الطهارة، مطلب فی نواقض الوضوء: ۱۳۹/۱

[7] در مختار، کتاب الطهارة، مطلب فی نواقض الوضوء: ۱۳٤/۱

مرتبہ کیا کہ خون بہنے نہ پایا تو دل میں سوچے اگر ایسا معلوم ہو کہ اگر پونچھا نہ جاتا تو بہہ پڑتا تو وضوٹوٹ جائے گا اور اگر ایسا ہو کہ پونچھا نہ جاتا تب بھی نہ بہتا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔[۱]

۱۳ کھجلی کے دانوں سے نکلنے والے پانی اور داد کے کھجلانے سے جو پانی نکلتا ہے اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی جگہ سے بہہ جائے۔[۲]

۱۴ اگر دانت میں سے خون نکلے اور اس سے خون کا ذائقہ آنے لگے یا تھوک کا رنگ سرخی مائل ہو جائے تو وضوٹوٹ جائے گا، ورنہ نہیں۔[۳]

۱۵ لیٹے لیٹے آنکھ لگ گئی، خواہ چت لیٹے یا دائیں کروٹ پر بائیں کروٹ پر لیٹے تو وضوٹوٹ جائے گا۔[۴]

۱۶ نماز میں بیٹھے بیٹھے یا کھڑے کھڑے یا سجدہ میں سو جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔[۵]

۱۷ اگر نماز سے باہر بیٹھے بیٹھے سوئے اور اپنے کولہے ایڑی سے دبائے رکھے اور دیوار وغیرہ کسی چیز سے ٹیک بھی نہ لگائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔[۶]

۱۸ بیٹھے ہوئے نیند کا ایسا جھونکا آیا کہ گر پڑا تو اگر گر کر فوراً ہی آنکھ کھل گئی تو وضو نہیں ٹوٹا اور اگر گرنے کا ذرا دیر بعد آنکھ کھلی تو وضوٹوٹ گیا۔[۷]

---

[۱] رد المحتار، کتاب الطهارة، مطلب فی نواقض الوضوء: ۱۳۵/۱، فقهی رسائل: ۲۹/۱

[۲] فتاویٰ محمودیه، کتاب الطهارة: ۳۲/۲، فقهی رسائل: ۲۸/۱

[۳] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الخامس: ۱۱/۱، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۷/۲

[۴] فتاویٰ هندية، کتاب الطهارة، الباب الخامس، فی نواقض الوضوء: ۱۲/۱

[۵] فقهی رسائل: ۳۳/۱، ایضا عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الخامس فی نواقض الوضوء: ۱۲/۱

[۶] فقهی رسائل: ۳۳/۱

[۷] فتاویٰ الهندیه، کتاب الطهارة، الفصل الخامس فی نواقض الوضوء: ۱۲/۱، البدائع والصنائع، کتاب الطهارة: ۳۱/۱

۱۹ کوئی شخص زمین پر یا تخت پر ٹیک لگا کر یا گاڑی یا ٹرین یا ہوائی جہاز کی سیٹ پر بیٹھ کر سو گیا اور اس کو اس قدر گہری نیند آ گئی کہ اگر پیچھے والی ٹیک ہٹالی جائے تو وہ گر پڑے تو وضو ٹوٹ گیا۔[۱]

۲۰ کوئی شخص بیٹھ کر بغیر ٹیک لگائے سو گیا اور نیند میں کبھی دائیں اور کبھی بائیں طرف جھکتا ہے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔[۲]

۲۱ کوئی شخص چوکڑی مار کر بیٹھا یا دائیں طرف یا بائیں طرف دونوں قدم نکالے اور دونوں کولہے زمین پر جمے ہوئے ہیں، اسی حالت میں نیند آ گئی اور وہ اسی طرح بیٹھا رہا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

۲۲ بیٹھے بیٹھے اونگھنے اور جھومنے سے وضو نہیں ٹوٹتا جب کہ وہ گرنے نہ پائے۔[۳]

۲۳ لیٹ کر اونگھنے میں اگر اونگھ ہلکی اور معمولی ہے کہ قریب بیٹھ کر باتیں کرنے والوں کی باتیں اس کو سنائی دیتی ہیں تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا اور اگر اونگھ گہری ہے کہ قریب بیٹھ کر باتیں کرنے والوں کی اس کو کچھ خبر نہیں تو وضو ٹوٹ جائے گا۔[۴]

۲۴ اگر کسی نے گھٹنے کھڑے کر کے ہاتھوں سے پکڑ لیے یا کپڑے وغیرہ سے کمر کے ساتھ باندھ لیے اور گھٹنوں پر سر رکھ کر سو گیا تو وضو نہیں ٹوٹتا۔[۵]

۲۵ اگر قے ہو جائے اور اس میں کھانا پینا یا پت نکلے یا جما ہوا خون ٹکڑے ٹکڑے

---

[۱] درمختار، کتاب الطهارة، مطلب في نواقض الوضوء: ۱۴۱/۱، ایضا، عالمگیری، کتاب الطهارة، الفصل الخامس في نواقض الوضوء: ۱۲/۱

[۲] فقهي رسائل: ۳۳/۱

[۳] فقهي رسائل: ۳۴/۱، در مختار مع ردالمحتار، کتاب الطهارة، مطلب في نواقض الوضوء: ۱۴۱/۱، ۱۴۲

[۴] الهندية، کتاب الطهارة، الفصل الخامس ......: ۱۲/۱، فقهي رسائل: ۳۴/۱

[۵] احسن الفتاوی، کتاب الطهارة: ۲۳/۲

ہو کر گرے اور قے منہ بھر کر آئی ہو تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر منہ بھر کر نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

اگر قے میں خون گرے اور وہ پتلا اور بہتا ہوا ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا خواہ وہ خون تھوڑا ہو یا زیادہ۔

اگر قے میں نرا بلغم ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا خواہ وہ بلغم کتنا ہی کیوں نہ ہو۔

اور اگر تھوڑی تھوڑی کر کے کئی مرتبہ قے ہوئی، لیکن سب ملا کر اتنی ہے کہ اگر سب ایک ہی دفعہ آتی تو منہ بھر کر آتی تو پھر دیکھا جائے گا کہ متلی برابر باقی ہے یا نہیں، اگر متلی برابر جاری رہی تو اس تھوڑی تھوڑی قے آنے سے (جس کی مجموعی مقدار منہ بھر کے ہو جاتی ہے) وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر ایک ہی متلی برابر نہیں رہی، بل کہ پہلی مرتبہ کی متلی جاتی رہی اور دل سے برائی ختم ہوگئی اور پھر دوبارہ متلی شروع ہوئی اور تھوڑی سی قے آ گئی، اسی طرح تیسری اور چوتھی مرتبہ ہوا تو اس طرح کی قے سے وضو نہیں ٹوٹتا، خواہ ان کی مجموعی مقدار منہ بھر کر ہی کیوں نہ ہو۔

منہ بھر کر آنے والی وہ قے ہوتی ہے جو بڑی مشکل سے منہ میں رکے، اگر قے آسانی سے منہ میں رک سکتی ہے تو اسے منہ بھر کر نہیں کہتے۔

۲۶ ہر ایسی چیز جس کے نکل جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو وہ چیز بذاتِ خود ناپاک ہوتی ہے، جیسے بہنے والا خون، گندا پانی، منہ بھر کر آنے والی قے، اگر ان میں سے کوئی چیز بدن یا کپڑے پر لگ جائے تو بدن یا کپڑے کا وہ حصہ ناپاک ہو جائے گا۔[1]

---

[1] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الاول فی الوضوء، الفصل الخامس فی نواقض الوضوء: ۱۱/۱، درمختار، مع رد المحتار، کتاب الطهارة، مطلب فی نواقض الوضوء: ۱۳۸،۱۳۷/۱

جن چیزوں سے وضو نہیں ٹوٹتا

❶ نزلہ اور زکام کی وجہ سے جو پانی ناک سے بہتا ہے وہ ناپاک نہیں، اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔[1]

❷ برہنہ تصویر دیکھنا گناہ ہے، اس سے وضو ٹوٹتا تو نہیں، لیکن دوبارہ کر لینا بہتر ہے۔[2]

❸ کسی بھی حصۂ بدن کے برہنہ ہونے سے یا برہنہ حصہ کو دیکھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔[3]

❹ سور کو دیکھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔[4]

❺ وضو کے بعد گالی دینے اور کھلکھلا کر ہنسنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔[5]

❻ گرمی دانے سے پانی اگر خود نہیں بہا، بل کہ ہاتھ یا کپڑا لگنے سے پھیل گیا تو وضو نہیں ٹوٹا اور اگر پانی زخم سے ابھر کر اوپر آ گیا اور دانے کے سوراخ سے زائد جگہ میں پھیل گیا، مگر اوپر ابھرنے کے بعد نیچے نہیں اترا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔[6]

❼ عورت پر نظر پڑ جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔[7]

---

[1] امداد الاحکام، کتاب الطهارة، فصل فی نواقض الوضوء: ۲٦۲/۱

[2] آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۹/۲، فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندية، باب الوضوء والغسل ......: ۳۲/۱

[3] فتاویٰ التاتارخانیه، کتاب الطهارة، آداب الوضوء: ۱۱۲/۱

[4] اغلاط العوام: ص ۲٦

[5] امداد الاحکام، کتاب الطهارة، فصل فی نواقض الوضوء: ۲٦٤/۱، اغلاط العوام: ۲٦

[6] احسن الفتاوی، کتاب الطهارة: ۲۷/۲

[7] امداد الاحکام، کتاب الطهارة، فصل فی نواقض الوضوء: ۲٦٥/۱

❽ شرم گاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ ہاتھوں کو دھونا مستحب ہے۔[1]

❾ حقہ یا سگریٹ پینے اسی طرح نسوار استعمال کرنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا، البتہ ان کا بلا ضرورت پینا مکروہ ہے اور نماز سے پہلے منہ سے بدبو کو زائل کرنا ضروری ہے۔[2]

❿ اگر آنکھیں دکھنے آئی ہوں یا مٹی وغیرہ پڑنے کی وجہ سے یا سرمہ کی تیزی کی وجہ سے یا سلائی کی چوٹ کی وجہ سے جو پانی نکلے وہ نہ تو ناپاک ہے اور نہ ہی اس سے وضو ٹوٹتا ہے، جب تک کہ اس میں سرخی وغیرہ نہ ہو، بل کہ صاف پانی ہو۔[3]

⓫ جو شخص ریح کے بکثرت مسلسل نکلنے کی وجہ سے معذور ہو، سونے سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔[4]

⓬ جس شخص کو قطرہ آتا ہے اگر سوراخ کے اندر قطرہ نظر آتا ہو تو وضو باقی رہے گا، جب تک باہر کی طرف یعنی منہ پر ظاہر نہ ہوگا، وضو نہیں ٹوٹے گا۔[5]

⓭ کسی شخص نے قطرہ آنے کے خوف سے روئی رکھی تو اگر قطرہ مثانہ سے خارج ہوا اور باہر نہیں نکلا اور روئی کے باہر کے حصہ پر تری کا کوئی اثر نہیں آیا تو وضو نہیں ٹوٹا۔[6]

⓮ ناک وغیرہ سے جمے ہوئے خون کا ریشہ آنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔[7]

---

[1] خیر الفتاوی، کتاب الطهارة، ما يتعلق بالوضوء والغسل: ۵۲/۲

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة: ۱۱۲/۱، خیر الفتاوی، کتاب الطهارة، ما يتعلق الوضوء: ۷۴/۲، کفایت المفتی، کتاب الطهارة: ۳۲۲/۲

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، فصل رابع، نواقض الوضوء: ۱۰۹/۱، ۱۱۱، ۱۱۷

[4] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، فصل رابع نواقض الوضوء: ۱۰۹/۱

[5] فتاویٰ دارالعلوم، کتاب الطهارة، نواقض وضوء: ۱۱۰/۱

[6] فتاویٰ دارالعلوم، کتاب الطهارة، فصل رابع نواقض الوضوء: ۱۱۲/۱

[7] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، فصل رابع نواقض وضوء: ۱۲۱/۱

⑮ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔[۱]

بے وضو سے متعلق احکام

① قرآن کریم میں صفحے کی جس جگہ پر آیات نہ لکھی ہوں، اسے بھی بے وضو نہیں چھو سکتے۔[۲]

② بے وضو ہونے کی حالت میں قرآنِ مجید کا کسی کاغذ پر اس طور پر لکھنا کہ کاغذ کو ہاتھ نہ لگے جائز ہے۔[۳]

③ نابالغ بچوں کو وضو نہ ہونے کی حالت میں قرآنِ مجید کا دینا اور ان کے لیے اس کا چھونا مکروہ نہیں۔[۴]

④ اگر قرآنِ کریم کا ترجمہ کسی اور زبان میں ہو تو اس کا بھی وہی حکم ہے، جو قرآنِ کریم کا ہے۔[۵]

⑤ قرآنِ کریم کی کیسٹ کو بے وضو ہاتھ لگانا جائز ہے۔[۶]

⑥ تفسیر میں اگر غیر قرآن زیادہ ہو تو اسے بغیر وضو کے ہاتھ لگانا جائز ہے، مگر جہاں قرآن لکھا ہو، وہاں ہاتھ نہ لگائیں، حدیث کی کتابوں کو بلا وضو چھونا جائز تو ہے، لیکن کراہت سے خالی نہیں۔[۷]

---

[۱] فتاوىٰ دارالعلوم ديوبند، كتاب الطهارة، نواقض وضوء: ۱۰۹/۱

[۲] احسن الفتاوی، كتاب الطهارة: ۱۹/۲

[۳] مسائل وضو (مدلل): ص ۱۰۵، مسائل بهشتی زيور: ۲۱/۱

[۴] ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في ابحاث الغسل: ۱۷٤/۱

[۵] احسن الفتاوی، كتاب الطهارة: ۳٦/۲

[۶] احسن الفتاوی، كتاب الطهارة: ۱۹/۲

[۷] فتح القدير، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱۵۰/۱، البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۲۰۱/۱

وضو کے متفرق مسائل

❶ مسواک کا ایک بالشت ہونا مستحب ہے، استعمال کے بعد کم ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔[۱]

❷ بہتر تو یہ ہی ہے کہ مسواک کا ستعمال کیا جائے، برش استعمال کرنے سے اگر چہ صفائی حاصل ہوتی ہے، لیکن مسواک کی سنت ادا نہیں ہو جاتی ہے، کیوں کہ مسواک کے استعمال سے دانتوں کی صفائی ہی مقصد نہیں بل کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع بھی ہے۔[۲]

❸ دانت نہ ہونے کی صورت میں مسواک کی فضیلت انگلی سے حاصل ہو جاتی ہے، مسواک کا استعمال سنت نہیں رہتا۔[۳]

❹ بعض کے نزدیک تین مرتبہ مسواک کرنے کے بعد تین مرتبہ کلی کی جائے۔[۴]

❺ جس نے چاندی سے ڈاڑھ بھروائی ہو، اس شخص کا وضو یا غسل صحیح ہے۔[۵]

❻ وضو کے درست ہونے کے لیے مصنوعی دانت نکالنے کی ضرورت نہیں۔[۶]

❼ اگر سونے یا چاندی کا پترہ دانتوں پر چڑھایا ہو، خواہ ضرورتاً چڑھایا ہوا ہو یا بلا ضرورت، اس کے ساتھ وضو اور غسل درست ہے۔[۷]

❽ اگر دورانِ وضو، وضو ٹوٹ جائے تو دوبارہ نئے سرے سے وضو کرنا ضروری

---

[۱] رد المحتار، کتاب الطهارة: ۱/۱۱٤، احسن الفتاوی، کتاب الطهارة: ۲/۱۵

[۲] البحر الرائق، کتاب الطهارة: ۱/۲۱، الحلبی کبیری: ص ۳۷

[۳] خیر الفتاوی، کتاب الطهارة: ۲/۸۷، رد المحتار، کتاب الطهارة: ۱/۱۱۵

[۴] خیر الفتاوی، کتاب الطهارة: ۲/۵۷، رد المحتار، کتاب الطهارة: ۱/۱۱٤

[۵] آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۳۳، احسن الفتاوی، کتاب الطهارة: ۲/۳۲

[۶] آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۳۴، فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الطهارة، الباب الثانی: ۱/۱۲۲

[۷] کفایت المفتی، کتاب الطهارة، فصل چهارم: ۲/۳۱۳، بحواله رد المحتار: ۱/۱۲۵

ہے۔[1]

❾ اگر وضو کرنا تو یاد ہے اور اس کے بعد وضو ٹوٹنا اچھی طرح یاد نہیں کہ ٹوٹا ہے یا نہیں تو اس کا وضو باقی سمجھا جائے گا، لیکن دوبارہ وضو کر لینا بہتر ہے۔[2]

❿ اگر وضو کا ٹوٹنا یاد ہے، کرنا یاد نہیں تو دوبارہ وضو کریں۔[3]

⓫ زم زم کے پانی سے بے وضو کو وضو کرنا بلا کراہت جائز ہے، البتہ غسل جنابت کرنا یا اس سے ناپاک چیزوں کا دھونا اور استنجا کرنا مکروہ ہے۔[4]

⓬ نامحرم عورت کے وضو اور غسل کے بچے ہوئے پانی سے مرد کو وضو اور غسل نہ کرنا بہتر ہے۔[5]

⓭ وضو کے دوران اگر کوئی حصہ خشک رہ جائے تو وضو کرنے کے بعد خشک حصے کا دھو لینا کافی ہے، البتہ صرف گیلا ہاتھ پھیر لینا کافی نہیں۔[6]

⓮ اگر وضو کے دوران شک ہو گیا کہ سر کا مسح کیا ہے یا نہیں یا کسی عضو کے دھونے نہ دھونے کے متعلق شک ہوا اور یہ شک پہلی مرتبہ ہوا ہے تو سر کا مسح کر لے یا وہ عضو دھو لے جس کے بارے میں شک ہوا ہے اور اگر شک کی عادت ہی ہو گئی ہے تو پھر اس شک کی بالکل پروا نہ کرے۔[7]

⓯ اگر وضو کے درمیان یا وضو کے بعد کسی نامعلوم عضو کی نسبت نہ دھونے کا شبہ ہو تو جس عضو کے بارے میں غالب گمان ہو کہ وہ نہیں دھلا تو اسے دھو لیا جائے

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، فصل رابع نواقص وضوء: ۱/۱۱۱

[2] فقهی رسائل: ۱/۳۸

[3] احسن الفتاوی، کتاب الطهارة: ۲/۲۹، رد المحتار، کتاب الطهارة: ۱/۱۵۰

[4] رد المحتار، کتاب الحج، مطلب فی کراهية ......: ۱/٦٢٥

[5] بهشتی گوهر، کتاب الطهارت: ص ۸٦٢، درمختار، کتاب الطهارة: ۱/۱۳۳

[6] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة: ۱/۱۱٦، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۳۲

[7] رد المحتار، کتاب الطهارة، مطلب فی نواقض الوضوء: ۱/۱۵۰

اور اگر غالب گمان نہ ہو تو پھر سے وضو کیا جائے۔[1]

⑯ نماز جنازہ پڑھنے کے لیے کیے جانے والے وضو سے پنج گانہ (پانچوں وقت کی) نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔[2]

⑰ وضو کے بعد جب تک اس وضو کو استعمال نہ کرلیا جائے، دوبارہ وضو کرنا مکروہ ہے اور وضو کو استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس وضو سے کم از کم دو رکعت نماز پڑھ لی جائے یا کوئی ایسی عبادت کرلی جائے جس کے لیے وضو شرط ہے، مثلاً نماز جنازہ، سجدۂ تلاوت وغیرہ۔[3]

⑱ گھر سے وضو کرکے مسجد آنے کا ثواب زیادہ ہے۔[4]

⑲ وضو کو سنتوں کی رعایت کرتے ہوئے پورا کرنا چاہیے، اگرچہ جماعت نکل جائے۔[5]

⑳ سوتے وقت وضو کرنا افضل ہے۔[6]

㉑ ہر فرض نماز کے لیے تازہ وضو کرنا بہتر ہے۔[7]

㉒ ہر وقت باوضو رہنا بہتر ہے۔[8]

㉓ وضو کرنے کے بعد سر منڈایا، یا ناخن کتروائے تو سر پر دوبارہ مسح کرنا یا ناخنوں

---

[1] فتاویٰ شامی، کتاب الطهارة، مطلب فی نواقض الوضوء: ۱/۱۵۰

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارت: ۱/۱۲۲، احسن الفتاوی، کتاب الطهارة: ۱/۱۸

[3] رد المحتار، کتاب الطهارة، مطلب فی الوضوء علی الوضوء: ۱/۱۱۹، ۱۲۰

[4] ابوداود، کتاب الصلوة، باب ماجاء فی فضل المشی الی الصلوة: ۱/۸۲، احسن الفتاوی، کتاب الطهارة: ۲/۱۱

[5] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة: ۱/۱۰۷

[6] آپ کے مسائل اوران کا حل، وضو کے مسائل: ۲/۳۶

[7] آپ کے مسائل اوران کا حل، وضو کے مسائل: ۲/۳۱

[8] فقهی رسائل: ۱/۲۶

کو دھونا ضروری نہیں۔[1]

۲۴ ناخن کے اندر جو میل جم جاتا ہے اسے چھڑائے بغیر بھی وضو ہو جائے گا۔[2]

۲۵ اگر کوئی شخص ناپاک کپڑوں میں وضو کرے اور ناپاک کپڑا خشک ہو، کپڑوں کی نجاست بدن کو نہ لگے تو درست ہے۔[3]

۲۶ وضو کا بچا ہوا پانی پاک ہے، دوسرا آدمی اس کو استعمال کر سکتا ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ اسے استنجا کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔[4]

۲۷ استنجا کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا مکروہ نہیں۔[5]

غسل کا بیان

غسل کے فرائض

غسل میں صرف تین چیزیں فرض ہیں:

۱ اس طرح کلی کرنا کہ سارے منہ میں پانی پہنچ جائے۔

۲ جہاں تک ناک نرم ہے، وہاں تک ناک میں پانی پہنچانا۔

۳ سارے بدن پر اتنا پانی بہانا کہ بال برابر بھی کوئی جگہ خشک نہ رہے۔[6]

---

[1] درمختار، کتاب الطهارة، ابحاث الوضوء: ۱۰۱/۱

[2] امداد الفتاوی، کتاب الطهارة، فصل فی الوضوء: ۱۰/۱، درمختار، کتاب الطهارة، مطلب فی ابحاث الغسل: ۱۸٤/۱

[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل، شرائط نماز: ۱/۲

[4] آپ کے مسائل اور ان کا حل، وضو کے مسائل: ۳۲/۲، بہشتی زیور، استنجے کا بیان: ص ۱۲۸، ۱۲۹

[5] فتاویٰ رشیدیه: ص ۲٤۳

[6] البحر الرائق، کتاب الطهارة، وفرض الغسل ......: ٤٥/۱، حاشیة الطحطاوی ابحاث الغسل: ص ۸۱

غسل کے فرائض سے متعلق مسائل

❶ سارے منہ میں پانی پہنچ جانے کا مطلب یہ ہے کہ پانی منہ میں کلی کے لیے لے لیں تو جہاں تک سر جھکائے ہوئے بغیر غرغرہ کے پانی پہنچ سکے۔[۱]

❷ اگر چھالیہ یا غذا دانتوں کے درمیان پھنس جائے اور اسے آسانی سے نکالنا ممکن ہو تو غسل جنابت میں خلال کر کے ان کو صاف کیا جائے اور اگر بآسانی نکالنا مشکل ہو تو اس سے غسل میں کوئی خلل نہیں، غسل ہو جائے گا۔ اگر خلال کرنا بھول جائیں تو غسل کے بعد خلال کر کے کلی کر لیں۔[۲]

❸ غسل کی حالت میں دانت کے سوراخ میں پانی پہنچانا فرض نہیں، پہنچا لیں تو اچھا ہے۔[۳]

❹ منہ میں لگوائے گئے دانت دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو ضرورت کے وقت نکل سکتے ہیں، غسل جنابت میں ان کو نکال کر پانی پہنچانا ضروری ہے۔ دوسرے وہ جو ایسے جما دیے گئے اور جوڑ دیے گئے کہ بآسانی نہیں نکل سکتے، ان کو نکالنے میں تکلیف ہوتی ہے، غسلِ جنابت میں ایسے دانتوں کا نکالنا ضروری نہیں۔[۴]

❺ محض خوب صورتی کے لیے بغیر ضرورت کے دانتوں میں میخیں لگا لینے کی صورت میں اگر پانی اندر پہنچ جائے تو غسل صحیح ہے اور اگر پانی اندر نہ پہنچے تو غسل صحیح نہ ہوگا۔[۵]

---

[۱] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الطهارة، الباب الثانی: ۱۱۹/۱

[۲] درمختار، کتاب الطهارة، مطلب ابحاث الغسل: ۱۵۴/۱، عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الثالث: ۱۳/۱

[۳] امداد الاحکام، کتاب الطهارة، فصل فی موجبات الغسل و فرائضه: ۳۵۸/۱، ۳۵۹

[۴] درمختار، کتاب الطهارة، مطلب فی ابحاث الغسل: ۱۵۲/۱، فقهی رسائل: ۵۱/۱

[۵] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الطهارة: ۱۲۲/۱

❻ ٹوٹے ہوئے دانت کو خواہ تار سے باندھا ہو یا دھاگے سے، غسل میں کچھ حرج نہیں ہوگا، غسل میں کلی کر لینا کافی ہے، دانتوں کی جڑ میں پانی پہنچانا مقصود اور ضروری نہیں ہے۔[۱]

❼ اگر سونے یا چاندی کا پترہ دانتوں پر چڑھایا ہو خواہ ضرورتاً چڑھایا ہوا ہو یا بلا ضرورت، غسل ہو جائے گا۔[۲]

❽ کوا جو زبان سے پرے ہے، اس کو دھونا غسل میں فرض نہیں ہے۔[۳]

❾ اگر نہاتے وقت کلی نہیں کی، لیکن خوب منہ بھر کر پانی پی لیا کہ سارے منہ میں پانی پہنچ گیا تو بھی غسل ہو گیا، کیوں کہ مقصود تو سارے منہ میں پانی پہنچ جانا ہے، کلی کرے یا نہ کرے، البتہ اگر اس طرح پانی پیا کہ سارے منہ میں پانی نہیں پہنچا تو یہ پینا کافی نہیں ہے، کلی ہی کرنا ضروری ہے۔[۴]

❿ ایک شخص پر غسل واجب ہوا اور اس نے منہ بھر کر کلی کر لی پھر کھانا کھایا تو غسل کے لیے دوبارہ کلی کرنے کی ضرورت نہیں، فرض ادا ہو گیا۔[۵]

⓫ ناک کے اندر جو میل ناک کے لعاب سے جم جاتا ہے، اس کو چھڑا کر اس کے نیچے کی سطح کو دھونا ضروری ہے۔[۶]

⓬ ہاتھ پیر پھٹ گئے اور اس میں موم، روغن یا اور کوئی دوا بھر لی تو اس کے اوپر سے پانی بہا لینا درست ہے۔[۷]

---

[۱] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطھارۃ، الباب الثانی فی الغسل: ۱۲۳/۱

[۲] کفایت المفتی، کتاب الطھارۃ: ۳۱۲/۲، ۳۱۳

[۳] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطھارۃ، الباب الثانی فی الغسل: ۱۱۹/۱

[۴] رد المحتار، کتاب الطھارۃ، مطب فی ابحاث الغسل: ۱۵۱/۱

[۵] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطھارۃ، الباب الثانی: ۱۱۹/۱

[۶] درمختار، کتاب الطھارۃ، مطلب فی ابحاث الغسل: ۱۵۲/۱، فقہی رسائل: ۵۲/۱

[۷] ردالمحتار، کتاب الطھارۃ، ارکان الوضوء اربعۃ: ۱۰۲/۱، مسائل بہشتی زیور: ۲۷/۱

⑬ اگر بالوں میں یا ہاتھ پیروں میں تیل لگا ہوا ہے کہ جس کی وجہ سے بدن پر پانی اچھی طرح ٹھہرتا نہیں، بل کہ پڑتے ہی ڈھلک جاتا ہے تو بھی غسل ہو جائے گا۔[1]

⑭ سر اور ڈاڑھی کے بال کتنے ہی گھنے ہوں، مگر سارے بال بھگونا اور سب کی جڑوں میں پانی پہنچانا فرض ہے، ایک بال بھی سوکھا رہ گیا یا ایک بال کی بھی جڑ میں پانی نہ پہنچا تو غسل نہیں ہوگا۔[2]

⑮ اگر کسی نے باوجود ناجائز ہونے کے خالص سیاہ خضاب لگایا ہو، اگر وہ پانی کی طرح پتلا ہو اور خشک ہونے کے بعد بالوں تک پانی پہنچنے کے لیے رکاوٹ نہ بنتا ہو تو اس صورت میں وضو وغسل ہو جائے گا اور اگر وہ گاڑھا ہو، بالوں تک پانی پہنچنے کے لیے رکاوٹ بنتا ہو تو پھر وضو غسل صحیح نہ ہوگا۔[3]

⑯ اگر سر کے بال کسی رنگ سے رنگے ہوئے ہوں اور وہ رنگ مہندی جیسا پتلا ہو تو غسل صحیح ہو جائے گا۔[4]

⑰ آنکھوں کے کونوں میں جمی ہوئی کیچڑ کا چھڑا ڈالنا واجب ہے، چھڑائے بغیر غسل درست نہیں۔[5]

⑱ کان اور ناف میں بھی خیال کر کے پانی پہنچانا چاہیے، ان میں بھی پانی نہ پہنچے گا تو غسل نہ ہوگا۔[6]

---

[1] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الاول في الوضوء: ۵/۱، درمختار، کتاب الطهارة، مطلب في ابحاث الغسل: ۱۵۴/۱

[2] فتاویٰ هندیه، کتاب الطهارة، الباب الثانی فی الغسل: ۱۲/۱، فقهی رسائل: ۵۰/۱

[3] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الاول فی الوضوء: ۴/۱ فتاویٰ رحیمیه، کتاب الطهارة، باب الوضوء: ۲۲/۴

[4] فتاویٰ رحیمیه، کتاب الطهارة، باب الوضوء: ۲۲/۴

[5] مسائل بهشتی زیور: ۲۷/۱

[6] الهندیة، کتاب الطهارة، الباب الثانی فی الغسل: ۱۴/۱، فقهی رسائل: ۵۱/۱

۱۹ اگر ناخن میں آٹا لگ کر سوکھ گیا یا جسم پر چربی، موم یا تارکول لگ گیا اور اس کے نیچے پانی نہیں پہنچا تو غسل نہیں ہوا۔[1]

۲۰ اگر غسل کے بعد یاد آیا کہ فلانی جگہ خشک رہ گئی تھی تو پھر سے نہانا ضروری نہیں، بل کہ جو جگہ خشک رہ گئی تھی اسی کو تھوڑا پانی لے کر اس جگہ بہانا ضروری ہے۔ اگر کلی کرنا بھول گیا ہو تو اب صرف کلی کرلے، اگر ناک میں پانی نہ ڈالا ہو تو صرف ناک میں پانی پہنچالے اور اگر نماز پڑھ لی ہو تو دوبارہ پڑھ لے۔[2]

۲۱ یہ جو مشہور ہے کہ صحبت کرنے کے بعد جب تک پیشاب نہ کرے غسل کے بعد بھی ناپاک رہے گا، غلط ہے۔[3]

غسل کب واجب ہوتا ہے اور کب واجب نہیں ہوتا

۱ شہوت کے ساتھ سوتے یا جاگتے میں منی نکلنے سے غسل واجب ہوجاتا ہے۔[4]

۲ اگر تھوڑی سی منی نکلی اور غسل کرلیا، پھر نہانے کے بعد بغیر شہوت کے اور منی نکل آئی تو دوبارہ نہانا اس صورت میں واجب ہے، جب کہ یہ منی سونے سے پہلے یا پیشاب کرنے سے پہلے یا کم از کم چالیس قدم چلنے سے پہلے نکلے، البتہ اس باقی منی کے نکلنے سے پہلے اگر کوئی نماز پڑھ لی ہو تو وہ نماز صحیح رہے گی، اس کو دوہرانا لازم نہیں۔[5]

۳ اگر کوئی شخص نیند سے بیدار ہونے کے بعد جسم پر کپڑے یا مذی دیکھے، یا کوئی دھبہ معلوم ہو تو اگر احتلام یاد ہے تو خواہ منی کا یقین ہو یا منی کا شک ہو یا منی نہ

---

[1] عالمگیری، کتاب الطہارۃ، الباب الاول فی الوضوء: ۱/۴

[2] فقہی رسائل: ۱/۵۰

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطہارۃ، الباب الثانی فی الغسل: ۱/۱۲۲

[4] البحر الرائق، کتاب الطہارۃ: ۱/۵۳، بہشتی زیور: ص ۹۵

[5] عالمگیری، کتاب الطہارۃ، الباب الثانی فی الغسل، الفصل الثالث: ۱/۱۴

ہونے کا یقین ہو، ہر صورت میں غسل واجب ہے۔
اگر احتلام یاد نہیں ہے، لیکن منی کا یقین ہے یا منی اور مذی میں شک ہے تو بھی غسل واجب ہے۔[1]

❹ حقنہ یعنی انیما کی نلی کے پاخانے کے مقام میں داخل ہونے سے غسل فرض نہیں ہوتا۔[2]

❺ جس کو ناپاکی لاحق ہو اس کے لیے جلدی غسل کرنا ضروری نہیں، جب تک کہ کسی ایسے کام کا ارادہ نہ کرے جس کے لیے غسل ضروری ہو، مثلاً: نماز، سجدہ تلاوت وغیرہ، بقدر ضرورت تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اس وقت تک بے غسل رہنے سے گناہ بھی نہیں ہوتا، البتہ بلا وجہ تاخیر کرنا اچھا نہیں ہے۔[3]

طریقۂ غسل سے متعلق چند باتیں

❶ غسل میں ایک صاع (تقریباً چار کلو) پانی استعمال کرنے کی کوشش کریں، یہ کم سے کم مقدار ہے، اس میں کوئی شرعی حد بندی نہیں ہے جس قدر پانی سے غسل ہو سکے درست ہے، لیکن اسراف نہ ہو۔[4]

❷ غسل کرتے وقت کلمہ وغیرہ کچھ نہ پڑھا جائے، چپ چاپ خاموشی سے غسل کیا جائے۔[5]

❸ غسل خانے میں بات کرنے کو ناجائز سمجھا جاتا ہے، یہ صحیح نہیں، بل کہ بقدر

---

[1] ردالمحتار، کتاب الطهارة، مطلب فی ابحاث الغسل: ۱/ ۱۶۳

[2] مسائل بهشتی زیور: ۱/ ۳۲

[3] عمدة الفقه: ۱/ ۱۷۵، خیر الفتاوی، کتاب الطهارة، باب ما یتعلق بالوضوء والغسل ۲/ ۸۲، عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الثانی فی الغسل: ۱/ ۱۶

[4] فتاوی دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، الباب الثانی فی الغسل، فصل ثانی: ۱/ ۱۲۶

[5] حاشیه الطحطاوی، کتاب الطهارة، فصل و آداب الاغتسال: ۸۴

ضرورت بات کرنے کی گنجائش ہے، البتہ بلاضرورت باتیں نہ کریں۔[۱]

❹ تنہا مکان میں برہنہ بھی غسل کرنا درست ہے اور جہاں آدمی ہوں وہاں اس طرح ناف پر تہبند باندھ کر غسل کریں کہ گھٹنے بھی ڈھکے ہوئے ہوں۔[۲]

❺ غسل بیٹھ کر کرے یا کھڑے ہوکر، دونوں طرح جائز ہے، البتہ بیٹھ کر کرنا افضل ہے۔[۳]

❻ ننگے ہونے کی حالت میں قبلہ رخ ہونا مکروہ ہے۔[۴]

❼ اگر کسی کے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں اس طرح ملی ہوئی ہوں کہ خلال کیے بغیر ان کے درمیان میں پانی نہیں پہنچتا، یعنی انگلیاں ایسی کھلی ہوئی نہیں ہیں کہ تکلف کے بغیر ان میں پانی داخل ہو سکے تو اس کے لیے غسل اور وضو میں انگلیوں کا خلال کرنا فرض ہے۔[۵]

آداب و مستحبات کی رعایت کے ساتھ غسل کا مسنون طریقہ

❶ سب سے پہلے ناپاکی دور کرنے کی نیت کریں اگر ستر ڈھکا ہوا ہو تو ''بِسْمِ اللّٰہِ'' پڑھیں، دونوں ہاتھوں گٹوں تک دھوئیں، بڑا اور چھوٹا استنجا کر کے (چاہے ضرورت نہ بھی ہو) بدن پر موجود نجاست دور کریں، پھر مکمل وضو کریں، پھر تمام بدن پر تین مرتبہ پانی بہائیں، ہر مرتبہ پہلے سر پھر داہنے

---

[۱] اعلاط العوام: ۲۵

[۲] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، الباب الثانی فی الغسل، فصل الثالث فی المستحبات: ۱۲۷/۱

[۳] امداد الفتاوی، کتاب الطهارة، فصل فی الغسل: ۱۸/۱

[۴] حاشية الطحطاوی، کتاب الطهارة، فصل آداب الاغتسال: ۸۴، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵٤/۲

[۵] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الاول فی الوضوء، الفصل الثانی فی سنن الوضوء: ۷/۱، عمدة الفقه: ۱٦٠/۱

کندھے، پھر بائیں کندھے پر پانی ڈالیں اور خوب ملیں۔[1]

❷ غسل کے بعد بدن کو کپڑے سے پونچھنا بھی ثابت ہے اور نہ پوچھنا بھی، لہٰذا دونوں میں سے جو صورت بھی اختیار کی جائے سنت ہونے کی نیت کر لی جائے۔[2]

❸ غسل کے بعد ستر ڈھانپنے میں جلدی کرنے کے لیے کپڑے پہن لیں، یہاں تک کہ اگر غسل کرنے میں وضو کے ساتھ پیر نہ دھوئے ہوں تو غسل کی جگہ سے ہٹ کر پہلے اپنا بدن ڈھانپ لیں، پھر دونوں پیر دھوئیں۔[3]

❹ غسل کے بعد پہلے کرتا پہننا اور بعد میں شلوار پہننا بہتر ہے، ویسے دونوں طرح درست ہے۔[4]

❺ وضو کی طرح غسل سے فارغ ہو کر کپڑے پہننے کے بعد دو رکعت نفل نماز ادا کریں۔[5]

جنبی (ناپاک آدمی) سے متعلق مسائل

❶ جنبی کا پسینہ پاک ہے۔[6]

❷ جنبی آدمی درود شریف، عربی کی دعا، قرآنی دعائیں بنیتِ دعا پڑھ سکتا ہے، سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا، اذان کا جواب دینا بھی جائز ہے۔[7]

[1] خیر الفتاوی، کتاب الطهارة، باب ما يتعلق بالوضوء والغسل: ۸٤/۲، رد المحتار، كتاب الطهارة، مطلب سنن الغسل: ۱۵٦/۱، ۱۵۷

[2] رد المحتار، كتاب الطهارة، مطلب فى المسح بمنديل: ۱۳۱/۱

[3] فقہی رسائل: ۵۵/۱

[4] فتاوی محمودیہ، کتاب الطہارۃ: ۳۷۱/۹

[5] حاشية الطحطاوی، كتاب الطهارة، فصل آداب الاغتسال: ۸٤، عمدة الفقه: ۱٦۳/۱

[6] خیر الفتاوی، کتاب الطهارة، ما يتعلق بالوضوء والغسل: ۸۸/۲

[7] طحطاوی، كتاب الطهارة، باب الحيض ..... : ص ۱۱۳، خیر الفتاوی، کتاب الطهارة، ما يتعلق بالوضوء والغسل: ۹۰/۲، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵۷/۲

❸ نل سے پانی بالٹی میں گر کر بہنے لگے اور جنبی بالٹی میں ہاتھ ڈال کر غسل کرے تو یہ پانی پاک ہے اور اس سے غسل درست ہے، اس لیے کہ یہ جاری ہے۔[۱]

❹ اگر جنبی نے بالٹی میں ہاتھ غسل کرنے کی نیت سے ڈالا، مثلاً: ہاتھ ڈال کر بالٹی کے اندر ہی پانی ہاتھ پر ملا اور ملنے سے مقصود غسل کرنا ہے تو یہ پانی پاک ہے، لیکن پانی کا وہ حصہ جو ہاتھ کو لگا ہے مستعمل ہوگیا، لہٰذا اگر بالٹی میں دوسرا پانی زیادہ ہے تو اس پانی سے غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر مستعمل پانی اور غیر مستعمل پانی کی مقدار برابر ہے یا غیر مستعمل پانی کم ہو تو پھر یہ پانی پاک ہونے کے باوجود مستعمل ہونے کی وجہ سے غسل کے لیے قابلِ استعمال نہیں رہے گا، لیکن اگر بالٹی میں ہاتھ غسل کرنے کی نیت سے نہیں ڈالا، بل کہ اس لیے ڈالا ہے کہ پانی ہاتھ میں لے کر ان ہاتھوں کو غسل کے لیے دھوئے گا تو اس پانی سے غسل کیا جاسکتا ہے۔[۲]

❺ جنابت کی حالت میں کھانا پینا جائز ہے، مگر کھانے پینے سے پہلے استنجا اور وضو کر لینا اچھا ہے۔[۳]

❻ حالتِ جنابت میں ہاتھ منہ دھو کر سحری کھانے کے بعد روزہ رکھ کر صبح صادق کے بعد غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[۴]

❼ حالتِ جنابت میں ناخن کاٹنا اور ناف کے نیچے کے یا اور کسی مقام کے بال دور کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر ناخن یا بالوں کو دھو لے اور پھر کاٹے تو مکروہ بھی

---

[۱] احسن الفتاوی، کتاب الطهارة، باب المياه: ۴۱/۱

[۲] امداد الاحکام، کتاب الطهارة، فصل فی احکام المياه: ۳۸۶/۱، فتاویٰ محمودیه، کتاب الطهارة: ۳۳/۲، ۳۵

[۳] آپ کے مسائل اور ان کا حل، غسل کے مسائل: ۵۵/۲، ......فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الثانی، الفصل الثالث ......: ۱۶/۱

[۴] آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵۵/۲

نہیں۔[۱]

❽ حالتِ جنابت میں ناپاک کپڑے کو دھو کر پاک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

متفرق مسائل

❶ نہانے سے وضو بھی ہو جاتا ہے، بعد میں وضو کی ضرورت نہیں۔[۲]

❷ اگر غسل میں زخمی حصے پر پانی ڈالنا نقصان دہ ہو اور باقی حصے کو دھویا جا سکتا ہو تو زخمی حصے کو بچاتے ہوئے غسل کر لیا جائے اور اگر زخمی حصے کو پانی سے نہ بچایا جا سکتا ہو تو تیمّم کر لیا جائے۔[۳]

❸ غسل کے وقت جو تھوڑی بہت پانی کی چھینٹیں بالٹی میں گرتی ہیں، وہ پاک ہیں۔[۴]

❹ جن کپڑوں میں غسل کی حاجت ہوئی ہو اور ان پر نجاست لگی ہوئی نہ ہو تو ان ہی کپڑوں کو غسل کے بعد پہنا جا سکتا ہے۔[۵]

❺ کپڑوں کو پاک کر کے خشک ہونے سے پہلے پہنا جا سکتا ہے۔[۶]

❻ احتلام ہونے پر تمام کپڑے ناپاک نہیں ہوتے، بل کہ جس کپڑے پر جتنی دور تک منی کا اثر معلوم ہو، وہ کپڑا اسی قدر ناپاک ہوگا۔[۷]

---

[۱] فتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر فی الختان ...... ۳۵۸/۵، آپ کے مسائل اور ان کا حل، غسل کے مسائل: ۵۷/۲

[۲] ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب فی ابحاث الغسل: ۱۵۸/۱، البحر الرائق، كتاب الطهارة، سنن الغسل: ۵۰/۱

[۳] خير الفتاوی، كتاب الطهارة، باب ما يتعلق بالوضوء والغسل: ۸۳/۲

[۴] عالمگیری، كتاب الطهارة، الباب الثانی فی الغسل: ۱۲/۱، خير الفتاوی، كتاب الطهارة، باب ما يتعلق بتطهير الانجاس: ۱۶۲/۲

[۵] آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵۶/۲

[۶] عمدة الفقه: ۶۰/۲

[۷] امداد الاحكام، كتاب الطهارة، فصل فی النجاسة: ۳۹۳/۱

❼ اگر ناپاک تہہ بند پہن کر نہایا جائے اور بہت سا پانی اس پر بہا دیا جائے اور پہنے پہنے اس کو نچوڑ دیا جائے تو وہ پاک ہو جائے گا، بشرط یہ کہ نجاست کا اثر محسوس نہ ہو۔[۱]

❽ اگر کسی بیماری کی وجہ سے سر پر پانی ڈالنا نقصان کرے اور سر چھوڑ کر سارا بدن دھولیں تب بھی غسل ہوگیا، لیکن جب ٹھیک ہو جائیں تو صرف سر دھولیں، دوبارہ نہانے کی ضرورت نہیں۔[۲]

معذور کا بیان

معذور ہونے کی شرائط

معذور وہ شخص ہے جس کو ایسا عذر ہو کہ اس عذر کی وجہ سے اس کا وضو برقرار نہ رہتا ہو، مثلاً: نکسیر پھوٹی ہو کہ کسی طرح بند نہ ہوتی ہو یا ایسا زخم ہو جو بہتا رہتا ہو یا پیشاب کی ایسی بیماری ہو کہ ہر وقت قطرہ آتا رہتا ہو، لیکن ان اعذار میں معذور کا حکم اس وقت لگے گا جب کہ مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں:

❶ عذر نماز کے ابتدائی وقت سے لے کر آخری وقت تک اس طرح برقرار رہے کہ اس کو عذر کے بغیر اتنا وقت بھی نہ مل سکے کہ وہ جلدی جلدی وضو کر کے فرض نماز سنن و مستحبات کی رعایت کیے بغیر جلدی جلدی بغیر جماعت کے اکیلے بھی ادا کر سکے۔

❷ بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں بھی عذر سے بچنا ممکن نہ ہو۔

❸ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کی صورت میں بھی عذر سے بچنا ممکن نہ ہو۔

---

[۱] امداد الاحکام، کتاب الطهارة، فصل فی النجاسة ......: ۳۹۴/۱

[۲] مسائل بهشتی زیور: ۲۶/۱

۴ عذر سے بچنا اس کے قابو سے باہر ہو یعنی کسی تدبیر یا علاج کے ذریعے عذر کو ختم کرنا ممکن نہ ہو، مثلاً: پیشاب کی نالی میں روئی وغیرہ رکھنے کے باوجود پیشاب کے قطروں سے بچنا ممکن نہ ہو۔

مذکورہ تفصیل کے مطابق اگر کسی بھی صورت کو اختیار کر کے پاکی کے ساتھ نماز پڑھنا ممکن ہو تو معذور ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا، بل کہ اسی صورت کو اختیار کر کے پاکی کے ساتھ نماز پڑھنا ضروری ہوگا۔[1]

معذور سے متعلق بعض مسائل

۱ قطروں کی بیماری کی صورت میں روئی پیشاب کی نالی میں تھوڑا اندر کر کے رکھی جائے۔ تاکہ روئی کا وہ حصہ جو نظر آتا ہے اس پر پیشاب کی تری کا اثر ظاہر نہ ہو، چناں چہ اگر ظاہر ہو گیا تو وضو باقی نہ رہے گا۔[2]

۲ سنن و مستحبات کی رعایت کیے بغیر جلدی جلدی وضو اور جلدی جلدی نماز پڑھنے کی صورت یہ ہے کہ پھرتی (جلدی) سے اس طرح وضو کریں کہ صرف چار عضو دھوئیں جن کا دھونا فرض ہے، وضو کی سنتیں چھوڑ دیں، فرض رکعتیں بھی اس طرح سے پڑھیں کہ صرف نماز کے فرض و واجبات ادا ہو جائیں گو سنن و مستحبات رہ جائیں اس طرح یہ رکعتیں مزید مختصر ہو جائیں گی، مثلاً: قیام میں صرف سورۂ فاتحہ اور سورۂ کوثر یا سورۂ اخلاص پڑھیں، نہ ثنا پڑھیں اور نہ ''اَعُوْذُبِاللّٰہِ'' اور نہ ''بِسْمِ اللّٰہِ'' پڑھیں، سورۂ فاتحہ کے بعد آمین نہ کہیں،

---

[1] رد المحتار، کتاب الطهارة، مطلب فی احکام المعذور: ص ۳۰۵، ۳۰۸ ..... حاشیة الطحطاوی، کتاب الطهارة، باب الحیض: ص ۱۱۹، ..... الهندیة، کتاب الطهارة، الباب السادس ..... ومما یتصل بذلك احکام المعذور ۴۰/۱

[2] حاشیه الطحطاوی، کتاب الطهارة، باب الحیض: ص ۱۱۹، عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السادس ۴۰/۱

رکوع وسجود میں ایک ایک مرتبہ تسبیح پڑھیں، قومہ میں ''رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ'' چھوڑ دیں اور التحیات کے بعد مختصر درود مثلاً: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ'' اور مختصر دعا ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ'' کافی ہے، بل کہ اس کی بھی گنجائش ہے کہ صرف التحیات پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ تیسری اور چوتھی رکعت کے قیام میں تین تین مرتبہ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ'' کو سورۂ فاتحہ نہ پڑھیں، وتر میں مسنون دعائے قنوت کے بجائے کوئی مختصر دعا مثلاً ''رَبَّنَا اٰتِنَا یَا رَبِّ اغْفِرْ لِيْ'' پڑھیں۔

۳ اگر معذور اس بات پر قادر ہے کہ زخم پر کپڑا باندھنے سے یا روئی رکھنے یا روئی بھرنے سے خون، پیپ وغیرہ کے عذر کو روک سکتا ہے یا کم کرسکتا ہے تو اس کو بند کرنا یا کم کرنا واجب ہے اور بند کرسکنے کی وجہ سے اب وہ معذور نہیں رہتا۔[1]

۴ اگر جھکنے سے یا سجدہ کرنے سے خون جاری ہوجاتا ہے یا پیشاب کے قطرے گرنے لگتے ہیں، کھڑے رہنے یا بیٹھنے سے جاری نہیں ہوتے تو کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھیں، اگر کھڑے ہونے سے عذر جاری رہتا ہے، بیٹھنے سے نہیں تو نماز بیٹھ کر پڑھیں، ان صورتوں میں یہ شخص معذور نہیں ہوگا۔[2]

۵ اگر لیٹے رہنے سے عذر جاری نہیں ہوتا، بیٹھنے یا کھڑے ہونے سے جاری ہوتا ہے تو یہ معذور رہے گا اور یہ نماز کے سارے رکن ادا کرے گا، لیٹ کر نماز نہ پڑھے۔[3]

۶ اگر کسی کو مثلاً نماز ظہر کا وقت شروع ہونے کے بعد عذر پیش آیا تو آخر وقت تک انتظار کرے، اگر عذر برابر جاری رہے یعنی جلدی جلدی وضو کرکے جلدی

---

[1] رد المحتار، کتاب الطهارة، مطلب فی احکام المعذور: ۳۰۸/۱

[2] ردالمحتار، کتاب الطهارة، مطلب فی احکام المعذور: ۳۰۷/۱، ۳۰۸

[3] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السادس. ومما یتصل بذلك احکام المعذور: ۴۱/۱

جلدی نماز ادا کرنے کا موقع نہ ملے تو اسی حالت میں نماز ادا کر لے اور پھر دیکھے کہ عصر میں عذر تمام وقت نہیں رہا، بل کہ اس کو نماز پڑھنے کا موقع مل گیا تو وہ ظہر دوبارہ لوٹائے، اس لیے کہ وہ معذور نہیں ہے، سنن اور نوافل دوہرانے کی ضرورت نہیں اور اگر عصر کے پورے وقت میں اس کو پاکی کی حالت میں نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملا تو وہ معذور ہے اور ظہر کی نماز اس کی درست ہے۔

۷ اگر وضو کرتے وقت خون جاری تھا اور نماز پڑھتے وقت بند تھا اور پھر دوسری نماز کے تمام وقت میں بند رہا تو پہلی نماز کو دوہرائے، اسی طرح جب نماز کے اندر خون بند ہوا اور دوسری نماز کے سارے وقت میں بند رہا تو پہلی نماز کو دوہرائے۔[1]

معذور ہوجانے کے بعد کب تک معذوری کا حکم باقی رہے گا

۱ کسی شخص کے ایک مرتبہ معذور ہو جانے کے بعد اس کی معذوری باقی رہنے کے لیے شرط یہ ہے کہ ہر نماز کے پورے وقت میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور عذر لاحق ہو، چناں چہ معذور ہونے کے بعد اگر کسی نماز کے پورے وقت میں ایک مرتبہ بھی عذر لاحق نہیں ہوا تو اس کا معذور ہونا ختم ہو جائے گا، اب اس کا حکم یہ ہوگا کہ جتنی مرتبہ عذر لاحق ہوگا وضو ٹوٹ جائے گا۔[2]

معذور کے احکام

۱ معذور شخص ہر نماز کے وقت وضو کرلیا کرے، جب تک وقت رہے گا وضو باقی رہے گا، اس وضو سے فرض، نفل، قضا جو نماز چاہے پڑھ سکتا ہے۔

۲ جو شخص معذور ہو اس کو وقت سے پہلے وضو کرنا درست نہیں، وہ وقت داخل

[1] عالمگیری، کتاب الطھارۃ، الباب السادس ... ومما یتصل بذلک احکام المعذور: ۴۱/۱

[2] امداد الحکام، کتاب الطھارۃ، فصل فی احکام المعذور: ۳۷۵/۱، ۳۷۶. فتاوی محمودیہ، کتاب الطھارۃ: ۴۷/۲

ہونے کے بعد ہی وضو کرے، اگرچہ جماعت فوت ہو جائے۔

۳ معذور شخص غیر معذورین کا امام نہیں ہوسکتا۔

۴ معذور ہونے کے بعد قطروں کا وقفہ وقفہ سے آنا اور جلدی جلدی آنا سب برابر ہیں۔

۵ معذور کے لیے فجر کا وضو سورج نکلنے تک اور سورج نکلنے کے بعد کیا ہوا وضو عصر تک باقی رہتا ہے، چناں چہ اشراق، چاشت اور عیدین کے وضو سے ظہر کی نماز پڑھی جا سکتی ہے، عصر کا وضو مغرب تک، مغرب کا وضو عشا تک اور عشا کا وضو صبح صادق تک رہے گا، لہٰذا تہجد کے وضو سے فجر کی نماز نہ پڑھی جائے۔

۶ اگر عذر کے علاوہ کسی اور وجہ سے وضو ٹوٹ جائے تو نیا وضو کرنا ضروری ہوگا۔[1]

زخم، پٹی اور کپڑوں سے متعلق مسائل

۱ اگر اعضائے وضو میں سے کسی جگہ پر زخم ہو اور اس زخم کو پانی لگنے سے نقصان پہنچتا ہو تو اس زخم پر بندھی ہوئی پٹی پر گیلا ہاتھ پھیر لینا کافی ہے، خواہ پٹی زخم کے برابر ہو یا زیادہ ہو اور اگر زخم کو پانی لگنے سے نقصان نہ ہو تو پھر پٹی کو کھول کر اس جگہ کو دھونا ضروری ہے اور اگر پانی زخم کے لیے نقصان دہ نہ ہو، لیکن پٹی کھولنا نقصان دہ ہو تو پھر پٹی پر گیلا ہاتھ پھیر لینا کافی ہوگا۔[2]

۲ پٹی کھول کر نیچے زخم کے علاوہ جگہ دھو سکے تو دھو لے۔[3]

۳ اگر زخم کی پٹی زخم صحیح ہونے کی وجہ سے گر جائے تو اس جگہ کا دھونا ضروری

[1] درمختار مع ردالمحتار، کتاب الطهارة، مطلب فی احکام المعذور: ۳۱۵/۱، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، فصل رابع: ۲۱۶/۱، ۲۴

[2] درمختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة، باب مسح الخفین: ۲۸۰/۱

[3] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب مسح الخفین: ۲۸۱/۱

ہوگا۔[۱]

❹ اگر زخم سے خون وغیرہ اس طرح مسلسل نکل رہا ہے کہ نماز کے دوران جسم اور کپڑے کا اس سے بچانا ممکن نہیں تو جسم اور کپڑے کا دھونا ضروری نہیں، اسی حالت میں نماز ادا کی جائے اور اگر یہ معلوم ہو کہ خون وغیرہ اتنی جلدی نہ لگے گا، بل کہ نماز طہارت سے ادا ہو جائے گی تو دھوڈالنا ضروری ہے، اگر پھیلاؤ میں ہتھیلی کے گہراؤ سے بڑھ جائے تو بغیر دھوئے نماز نہ ہوگی۔

❺ جو مرضِ جریان میں مبتلا ہو کہ ہر وقت کپڑا خراب رہتا ہو، نہا کر بھی پاک رہنا مشکل ہو تو اسی حالت میں وضو کر کے نماز پڑھ لیا کرے اور نماز کے لیے دوسرا کپڑا رکھے، اگر نماز کی حالت میں بھی قطرہ آئے تو نماز پوری کر لے، نماز صحیح ہو جاتی ہے، نماز کے بعد اگر کپڑے پر قطرہ لگا ہو تو دوسری نماز کے لیے اسے دھو کر رکھ لے۔[۲]

❻ آنکھ بنوانے کی صورت میں طبیب (ڈاکٹر) کی ممانعت کی وجہ سے نماز کو قضا کرنا درست نہیں، بل کہ اشارے سے ادا کرے، اشارہ سے نماز پڑھنے کی صورت یہ ہے کہ چت لیٹے اور سر کے نیچے تکیہ رکھ لے جیسا تکیہ بھی ہو، موٹا یا پتلا، لیکن اگر بڑے تکیہ کی اجازت طبیب دے دے تو یہ اچھا ہے کہ اس میں رکوع، سجدہ کا اشارہ اچھی طرح اور آسانی سے ہوگا، رکوع کا اشارہ تھوڑا سا سر کو سینے کی طرف جھکانے سے ادا ہو جائے گا اور سجدہ کا اشارہ اس سے کچھ زیادہ ہوگا۔[۳]

❼ اگر کسی شخص کا کمر سے لے کر نیچے تک کا حصہ بالکل بے حس ہو، لیٹا ہو تو خود

---

[۱] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الخامس، الفصل الثانی: ۳۵/۱

[۲] درمختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة، مطلب فی احکام المعذور: ۳۰۵/۱

[۳] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، فصل رابع معذور ......: ۲۲۶/۱

اٹھ کر بیٹھ نہ سکتا ہو، پاخانہ پیشاب بھی دوسرا آدمی اس کو کراتا ہو، وضو بھی نہ کر سکتا ہو تو ایسے شخص کو کوئی دوسرا آدمی وضو کرا دیا کرے، اگر وضو کرانے کے لیے تنخواہ دار آدمی مقرر کر سکتا ہو تو اس کا انتظام کرے، اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہو سکتی ہوں تو یہ شخص تیمّم کر کے نماز ادا کر لیا کرے۔

حاصل یہ ہے کہ نماز کے وقت کوئی وضو کرانے والا ہو تو وضو کرانا ضروری ہے ورنہ تیمّم کر کے نماز ادا کرنا جائز ہوگا۔

❽ ایک شخص کے بدن میں رعشہ ہے، جس کی وجہ سے چھوٹا بڑا استنجا بھی پوری طرح نہیں ہو سکتا اور وضو بھی باوجود کوشش کے پوری طرح نہیں ہو سکتا، کہیں سے خشک بھی رہ جاتا ہے تو اس شخص کو چاہیے کہ پانی کے بجائے ڈھیلے سے استنجا کر لیا کرے، کیوں کہ رعشہ کی وجہ سے پانی کا لوٹا اٹھانا مشکل ہوگا، ڈھیلا اٹھانا مشکل نہ ہوگا، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ نجاست اپنی جگہ سے نہ بڑھی ہو، اگر نجاست اپنی جگہ سے بڑھی ہو اور بیوی استنجا کرانے پر راضی ہو تو وہ استنجا کرا دیا کرے اور اگر بیوی راضی نہ ہو، لیکن کوئی اور راضی ہو تو وہ بھی استنجا کرا سکتا ہے، لیکن اس کا خیال رہے کہ اس کو ہاتھ لگانا اور دیکھنا درست نہیں اور اگر کوئی دوسرا بھی راضی نہ ہو تو ویسے ہی بغیر استنجا کے نماز پڑھے، وضو کرانے کے لیے بیوی بچے راضی ہوں تو ان سے مدد لینا ضروری ہے اور اگر راضی نہ ہوں اور خدمت کے لیے نوکر رکھنے پر قادر ہو تو وضو کرانے کے لیے خادم کا رکھنا ضروری ہوگا اور تیمّم جائز نہیں ہوگا، لیکن اگر خادم رکھنے کی وسعت بھی نہیں ہے تو تیمّم کی اجازت ہوگی۔[1]

❾ ہسپتال میں بدن اور کپڑوں کی طہارت کبھی تو یقینی طور پر نہیں ہوتی اور کبھی نامکمل اور مشتبہ ہوتی ہے تو ایسے مریض کو اسی حالت میں نماز پڑھ لینا چاہیے۔

[1] درمختار مع ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب تیمم: ۱/۲۳۳

نجاست کے پاک کرنے کا بیان

نجاست وہ چیز ہے جس سے انسان نفرت کرتا ہے اور اپنے بدن، کپڑے اور کھانے پینے کی چیزوں کو اس سے بچاتا ہے، اسی وجہ سے شریعت میں اس سے بچنے کا حکم ہے اور اگر کسی چیز میں لگ جائے تو اس کے دور کرنے اور اس چیز کے پاک کرنے کا حکم ہے۔[1]

نجاست کی دو قسمیں ہیں:

1. سخت نجاست، اسے نجاستِ غلیظہ کہتے ہیں۔
2. ہلکی نجاست، اسے نجاستِ خفیفہ کہتے ہیں۔

نجاستِ غلیظہ کا حکم

نجاستِ غلیظہ کپڑے یا بدن میں لگ جائے اور وہ پتلی اور بہنے والی ہو، مثلاً: پیشاب تو اگر پھیلاؤ میں ہتھیلی کی گہرائی کے برابر یا اس سے کم ہو تو معاف ہے، معاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے نماز درست ہو جائے گی، لیکن نہ دھونا اور اسی طرح نماز پڑھتے رہنا مکروہ اور برا ہے، اگر وہ نجاست ہتھیلی کی گہرائی سے زیادہ ہو تو معاف نہیں، یعنی اسے دھوئے بغیر نماز نہ ہوگی، اگر وہ ناپاک چیز کپڑے میں لگنے کے وقت ہتھیلی کی گہرائی سے کم تھی، بعد میں پھیل کر زیادہ ہوگئی تو اب معاف نہیں، یعنی اس کے دھوئے بغیر نماز درست نہیں، مثلاً: ناپاک تیل کپڑے میں لگ گیا جو مقدار میں ہتھیلی کی گہرائی سے کم تھا، بعد میں پھیل کر زیادہ ہوگیا اور ہتھیلی کی گہرائی سے بڑھ گیا تو اب اسے دھوئے بغیر نماز پڑھنا درست نہیں۔

اگر نجاستِ غلیظہ گاڑھی چیز ہے، جیسے پاخانہ اور مرغی وغیرہ کی بیٹ تو اگر وزن

---

[1] حجة الله البالغة، القسم الثاني، تطهير النجاسات: ٤١٦/١

میں ساڑھے چار ماشہ یا اس سے کم ہو تو اسے دھوئے بغیر نماز درست ہے اور اگر اس سے زیادہ لگ جائے تو دھوئے بغیر نماز درست نہیں۔[۱]

نجاستِ غلیظہ کا یہ حکم صرف نماز سے متعلق ہے، اگر کھانے میں نجاستِ غلیظہ ذرا سی بھی پڑ جائے تو کھانا ناپاک ہو جاتا ہے، اسی طرح ہاتھ یا بدن کو ذرا سی بھی نجاست غلیظہ لگ جائے تو وہ جگہ جہاں نجاست کا اثر آیا ہے، ناپاک ہو جائے گی، اگر اسے چاٹ لیا گیا تو گناہ ہوگا۔

جو پیپ یا خون وغیرہ زخم سے باہر نہ نکلے وہ ناپاک نہیں ہے، چناں چہ اگر کپڑے یا بدن کو لگ جائے اور پھیلاؤ میں ہتھیلی کی گہرائی سے بھی زیادہ ہو تب بھی کپڑا اور بدن ناپاک نہ ہوگا، اسی طرح اگر یہ خون یا پیپ پانی پڑ کر زیادہ بھی ہو جائے تو بھی ناپاک نہیں۔

اگر نجاست ہتھیلی کی گہرائی سے کم ہو، بدن یا کپڑے پر لگے اور پانی لگ کر زیادہ ہو جائے تو وہ معاف ہے، یعنی اس کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے۔[۲]

مندرجہ ذیل اشیا نجاستِ غلیظہ ہیں:

1. جو چیز ہوا کے علاوہ آدمی کے بدن سے ایسی نکلتی ہیں جن کے نکلنے سے وضو یا غسل واجب ہو جاتا ہے، جیسے پاخانہ، پیشاب خواہ چھوٹے دودھ پیتے بچے کا ہو، منی، مذی، ودی، پیپ، خون، منہ بھر قے۔
2. شراب، اسی طرح تمام ایسی پتلی اور بہنے والی چیزیں جو نشہ لاتی ہیں۔
3. مردار۔
4. جو جانور نہیں کھائے جاتے مثلاً: گدھا وغیرہ ان کا پیشاب، گوبر، لید۔ جو جانور کھائے جاتے ہیں ان کا گوبر مثلاً: گائے، بیل، بھینس وغیرہ اور بھیڑ، بکری،

[۱] درمختار مع رد المحتار، باب الانجاس: ۳۱٦/۱

[۲] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، الباب السابع في الانجاس: ۲۳۹/۱

اونٹ کی مینگنی، مرغابی، بطخ، مرغی کی بیٹ، درندے جانوروں اور بلی، چوہے کا گوہ، سور کا گوشت، اس کے بال ہڈی وغیرہ ساری چیزیں۔

۵ جن جانوروں کا جھوٹا ناپاک ہے، ان کا پسینہ اور لعاب دہن بھی نجاستِ غلیظہ ہے۔

۶ مردہ جانور کا گوشت، چربی، پٹھ، کھال یعنی وہ اعضا جن میں خون سرایت کرتا ہے، نجاستِ غلیظہ ہے، البتہ کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔

۷ حرام جانور کا دودھ نجاستِ غلیظہ ہے، خواہ جانور زندہ ہو یا مردہ، اسی طرح مردہ جانور کا دودھ نجاستِ غلیظہ ہے، خواہ جانور حلال ہو یا حرام۔

۸ جانور کی جگالی نجاستِ غلیظہ ہے۔

۹ حرام جانوروں کا انڈا نجاستِ غلیظہ ہے، خواہ وہ اڑنے والے ہوں یا نہ ہوں، چھوٹے ہوں یا بڑے۔

۱۰ نجاستوں سے جو عرق کھینچا جائے یا ان کا جوہر نکالا جائے نجاستِ غلیظہ ہے۔

۱۱ مردہ انسان کے منہ کا لعاب نجاستِ غلیظہ ہے۔

۱۲ سانپ کی کھال نجاستِ غلیظہ ہے۔[1]

نجاستِ خفیفہ کا حکم

نجاستِ خفیفہ کپڑے یا بدن میں لگ جائے تو جس حصے میں لگی ہے اگر اس کے چوتھائی سے کم ہو تو معاف ہے اور اگر پورا چوتھائی یا اس سے زیادہ ہو تو معاف نہیں، مثلاً: اگر آستین میں لگی ہے تو آستین کی چوتھائی سے کم ہو، اگر کلی میں لگی ہے تو اس کی چوتھائی سے کم ہو، اسی طرح اگر ہاتھ میں لگی ہے تو ہاتھ کی چوتھائی سے کم ہو، اگر ٹانگ میں لگ جائے تو اس کی چوتھائی سے کم ہو، غرض یہ کہ جس عضو میں لگے اس

---

[1] فتاوی، عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع فی النجاسة ...... ۴٦/۱، فتاویٰ تاتارخانیه علی هامش الهندية، كتاب الطهارة: ۱/۱۸، ۲۰

کی چوتھائی سے کم ہو، اگر پورا چوتھائی ہو تو معاف نہیں، بل کہ اس کا دھونا ضروری ہے، بغیر دھوئے نماز درست نہیں۔[1]

فَائِدَہ: نجاستِ خفیفہ کا یہ حکم صرف نماز سے متعلق ہے، اگر کھانے میں نجاستِ خفیفہ ذرا سی بھی پڑ جائے تو کھانا ناپاک ہو جاتا ہے، اسی طرح ہاتھ یا بدن وغیرہ کو ذرا سی بھی نجاستِ خفیفہ لگ جائے تو وہ جگہ جہاں نجاست کا اثر آیا ہے ناپاک ہو جائے گی، اگر اسے چاٹ لیا گیا تو گناہ ہوگا۔

مندرجہ ذیل اشیا نجاستِ خفیفہ ہیں:

حرام پرندوں کی بیٹ، حلال جانوروں کا پیشاب جیسے بکری، گائے بھینس وغیرہ، گھوڑے کا پیشاب۔[2]

نجاستِ غلیظہ اور نجاستِ خفیفہ سے متعلق مشترکہ مسائل

(۱) نجاستِ غلیظہ اور خفیفہ میں سے کوئی نجاست بھی اگر ایسی چیز میں پڑ جائے جو بہنے والی ہو مثلاً: پانی، سرکہ وغیرہ تو اس سے وہ بہنے والی چیز ناپاک ہو جائے گی، خواہ پڑنے والی نجاست تھوڑی ہی کیوں نہ ہو، البتہ وہ ناپاک پانی یا ناپاک سرکہ جو نجاستِ خفیفہ پڑنے سے ناپاک ہوا ہو، اگر کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو چوتھائی سے کم معاف ہے اور اگر نجاستِ غلیظہ کے پڑنے سے ناپاک ہوا ہو اور وہ پڑنے والی چیز بہنے والی ہو تو ہتھیلی کی گہرائی کے برابر معاف ہے اور اگر گاڑھی ہو تو ساڑھے چار ماشہ تک معاف ہے۔

(۲) اگر نجاستِ غلیظہ اور خفیفہ کسی چیز میں مل جائیں تو مجموعہ کو نجاستِ غلیظہ میں شمار کریں گے، مثلاً: بکری اور بچے کا پیشاب اگر پانی میں مل جائے تو اس پانی کو نجاستِ غلیظہ کہیں گے۔

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع فی النجاسة ...... الفصل الثانی: ۴۶/۱

[2] البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۲۳۴/۱

۳ اگر کپڑے وغیرہ پر ایک جگہ نجاستِ غلیظہ ہو، مثلاً: بچے کا پیشاب ہو اور دوسری جگہ نجاست خفیفہ ہو، مثلاً: بکری کا پیشاب ہو اور دونوں میں سے ہر ایک نجاست کی مقدار اتنی ہو جتنی شریعت میں معاف ہے، مثلاً: بکری کا پیشاب چوتھائی سے کم ہو اور بچے کا پیشاب ہتھیلی کی گہرائی سے کم ہو، لیکن اگر ان دونوں کو ملا لیں تو معافی کی مقدار سے بڑھ جائے، ایسی صورت میں اگر نجاستِ غلیظہ نجاستِ خفیفہ دونوں برابر ہوں یا نجاستِ غلیظہ زیادہ ہو تو خفیفہ بھی غلیظہ سمجھی جائے گی، یعنی دونوں کا مجموعہ اگر ہتھیلی کی گہرائی کے برابر نہ ہو تو معاف ہوگا، ورنہ نہیں اور اگر نجاستِ خفیفہ غلیظہ سے زیادہ ہو تو کل کو نجاست خفیفہ سمجھا جائے گا یعنی کپڑے کی چوتھائی سے کم ہو تو معاف ہوگی ورنہ نہیں۔[1]

۴ اکہرے کپڑے میں ایک طرف مقدارِ معافی سے کم نجاست لگے اور دوسری طرف سرایت کر جائے اور ہر طرف مقدار سے کم ہو، لیکن دونوں کا مجموعہ معافی کی مقدار سے بڑھ جائے تو کم ہی سمجھی جائے گی اور معاف ہوگی، لیکن اگر کپڑا دوہرا ہو یا دو کپڑوں کو ملا کر معافی کی مقدار سے بڑھ جائے تو زیادہ سمجھی جائے گی اور معافی نہ ہوگی۔

۵ کتے کا لعاب اگر بدن یا کپڑے پر لگ جائے اور پھیلاؤ میں ہتھیلی کی گہرائی کے برابر یا اس سے کم ہو تو اس کے لگے رہنے کی حالت میں نماز ہو جائے گی، اس لیے کہ کتے کے لعاب میں پھیلاؤ کا اعتبار ہے، وزن کا نہیں، منی اگر گاڑھی ہو تو اس میں وزن کا اعتبار ہے اور اگر پتلی ہو تو پھیلاؤ کا اعتبار ہے۔[2]

---

[1] درمختار، مع ردالمحتار، کتاب الطھارۃ، باب الانجاس: ۳۲۱/۱، عالمگیری، کتاب الطھارۃ، الباب السابع ...... الفصل الثانی: ۴۸/۱

[2] عالمگیری، کتاب الطھارۃ، الباب السابع ..... الفصل الثانی: ۴۸/۱، ..... خیر الفتاوی، کتاب الطھارۃ، ما یتعلق بتطھیر الانجاس: ۱۶۱/۱

❻ جو چیز خود ناپاک ہو جیسے پاخانہ پیشاب، سور کے تمام اجزا اس کا استعمال خارجی اور داخلی کسی طرح جائز نہیں، یعنی نہ کھانے پینے میں استعمال کی جا سکتی ہے اور نہ بدن وغیرہ پر لگانے میں اور جو چیزیں کسی نجاست کے لگنے سے ناپاک ہوئی ہوں، خود ناپاک نہ ہوں، ان کا بیرونی استعمال جائز ہے اور اندرونی استعمال ناجائز ہے، چناں چہ ناپاک کپڑے کو بیچنا اور اس کا پہننا جائز ہے۔[1]

آدمی کے جسم سے متعلق پاکی کے احکام

❶ کافر کا بدن پاک ہے، بشرطیکہ اس کے بدن پر کوئی ظاہری نجاست نہ ہو۔[2]

❷ آدمی کی انگلی یا اور کوئی عضو اگر نجاست کے لگنے سے ناپاک ہو جائے اور وہ نجاست ایسی ہو جو خشک ہونے کے بعد نظر نہیں آتی جیسے پیشاب تو وہ عضو تین بار پانی کے دھونے سے پاک ہو جائے گا۔[3] اور اگر عضو کسی ایسی نجاست کے لگنے سے ناپاک ہوا ہے جو خشک ہونے کے بعد نظر آتی ہے، مثلاً: گوبر تو اس میں تین بار دھونا شرط نہیں، بس اتنا ہے جو خشک ہونے کے بعد نظر آتی ہے، مثلاً: گوبر تو اس میں تین بار دھونا شرط نہیں، بس اتنا دھونا کافی ہے کہ نجاست دور ہو جائے۔[4]

❸ اگر آدمی کا منہ کسی ناپاک چیز کے کھانے پینے سے ناپاک ہو جائے، مثلاً: شراب پینے سے یا سور کھانے سے تو تین مرتبہ منہ کا لعاب نکالنے سے پاک ہو جائے گا۔[5]

---

[1] درمختار مع رد المحتار، کتاب الطھارۃ، باب المیاہ: ۲۱۰/۱

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطھارۃ، باب الانجاس: ۲۶۸/۱

[3] ردالمحتار، کتاب الطھارۃ، باب الانجاس: ۳۰۹/۱

[4] ردالمحتار، کتاب الطھارۃ، باب الانجاس: ۳۳۳/۱

[5] ردالمحتار، کتاب الطھارۃ، باب الانجاس: ۳۰۹/۱

④ آدمی کے کسی ناپاک عضو کو اگر ایسا جانور چاٹ لے جس کا جھوٹا ناپاک نہیں، مثلاً: بکری وغیرہ، تب بھی پاک ہو جائے گا۔

⑤ اگر کوئی عضو خون، پیپ کے نکلنے سے ناپاک ہو گیا ہو اور دھونا نقصان دہ ہو تو صرف تر کپڑے سے پونچھ دینا کافی ہے۔

⑥ ناپاک رنگ اگر جسم میں لگ جائے یا بال اس ناپاک رنگ سے رنگین ہو جائیں تو اس قدر دھونا کافی ہے کہ صاف پانی نکلنے لگے، اگرچہ رنگ دور نہ ہو[1]

⑦ ناپاک چیز اگر کھال کے اندر بھر دی جائے جسے گودنا کہتے ہیں تو صرف دھونے سے پاک ہو جائے گی، کھال چھیل کر اس رنگ کو نکالنے کی ضرورت نہیں[2]

⑧ اگر ٹوٹے ہوئے دانت کو جو ٹوٹ کر علیحدہ ہو گیا ہو، پاک چیز یا ناپاک چیز سے اس کی جگہ پر رکھ کر جما دیا جائے یا ہڈی ٹوٹ جائے اور اس کی جگہ کوئی ناپاک ہڈی رکھ دی جائے یا کسی زخم میں کوئی ناپاک چیز بھر دی جائے، پھر وہ زخم اچھا ہو جائے تو اب ناپاک چیز نکالنے کی ضرورت نہیں، وہ خود بخود پاک ہو جائے گا۔

⑨ ناپاک سرمہ یا کاجل آنکھوں میں لگایا تو اس کا پونچھنا اور دھونا ضروری نہیں، البتہ اگر پھیل کر آنکھ کے باہر آ گیا ہو تو اس جگہ کا دھونا جو آنکھ کے باہر ہے نماز کے لیے ضروری ہے۔[3]

⑩ ناپاک تیل سر میں ڈال لیا یا بدن پر لگا لیا تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا، صابن لگا کر تیل کا چھڑانا ضروری نہیں۔[4]

⑪ اگر یہ یاد ہے کہ فلاں عضو، مثلاً: ہاتھ ناپاک ہوا ہے، مگر یہ یاد نہیں کہ ہاتھ میں

---

[1] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع فی النجاسة: ٤٢/١

[2] ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الانجاس، مطلب فی حکم الوشم: ٣٣٠/١

[3] مسائل غسل...... ٢٥/٩

[4] ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الانجاس: ٣٢٩/١

کون سی جگہ ناپاک ہوئی ہے، اسی طرح اگر یہ یاد ہے کہ بدن میں نجاست لگی ہے، لیکن یہ یاد نہیں کہ کون سے حصے میں لگی ہے تو پہلی صورت میں بہتر یہ ہے کہ پورا عضو اور دوسری صورت میں بہتر یہ ہے کہ پورا بدن دھولیا جائے اور جائز یہ بھی ہے کہ پہلی صورت میں اس عضو کے کسی حصے کو دھولیا جائے اور دوسری صورت میں کوئی ایک عضو دھولیا جائے۔[1]

⓬ ناپاک رومال سے منہ صاف کیا، منہ پسینے میں تر تھا جس کی وجہ سے رومال تر ہوگیا، اگر اس قدر تر ہوگیا کہ نچوڑنے سے قطرے ٹپک جائیں تو منہ ناپاک ہوگیا ورنہ منہ پاک رہے گا۔[2]

⓭ آدمی کے بال اگر اکھاڑے جائیں تو ان بالوں کا جڑ والا حصہ ناپاک ہوتا ہے۔[3]

کپڑے اور کپڑے جیسی اشیا سے متعلق پاکی کے احکام

❶ نجاستِ غلیظہ اور نجاستِ خفیفہ میں سے کوئی بھی نجاست کپڑے وغیرہ پر لگ جائے، اگر وہ ایسی ہے کہ خشک ہونے کے بعد نظر نہیں آتی ہو تو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے: کہ اس کپڑے وغیرہ کو تین مرتبہ دھویا جائے اور اگر جاری پانی میں اتنی دیر تک ڈال دیا جائے تو ایک مرتبہ دھونا بھی کافی ہے، نچوڑنا ضروری نہیں۔ اور اگر نجاست ایسی ہو کہ خشک ہونے کے بعد بھی نظر آتی ہو تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس نجاست کو پاک پانی یا اور کسی ایسی پتلی بہنے والی چیز سے دور کردیں جو چکنی نہ ہو، مثلاً: سرکہ وغیرہ، جب تک وہ دور نہ ہوگی

---

[1] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۳۲۷/۱، البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۲۳۷/۱

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، باب الانجاس ۲۷۹/۱

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، الباب السابع: ۲۵۱/۱

کپڑا پاک نہ ہوگا، اگر ایک مرتبہ دھونے سے دور ہو جائے تو ایک مرتبہ دھونا کافی ہے، ورنہ جتنی مرتبہ دھونے سے دور ہو اتنی مرتبہ دھونا ضروری ہے۔

اگر نجاست کا دھبہ یا بدبو جس کا دور کرنا مشکل ہو، باقی رہ جائے تو کوئی حرج نہیں، صابن لگا کر دور کرنا ضروری نہیں، صرف نجاست کا دور کر دینا کافی ہے، مثلاً: کوئی ناپاک رنگ لگ جائے یا خون لگ جائے تو صرف اس قدر دھونا کافی ہے کہ پانی صاف نکلنے لگے۔[1]

۲ باریک یا پرانے کپڑے میں اگر ایسی نجاست لگ جائے جو خشک ہونے کے بعد نظر نہیں آتی اور زور سے نچوڑنے میں کپڑے کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہے تو صرف تین مرتبہ دھونا کافی ہے، زور سے نچوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔[2]

۳ اگر ایسی نجاست جو خشک ہونے کے بعد نظر نہیں آتی، ایسی چیز میں لگ جائے جس کا نچوڑنا دشوار ہے جیسے ٹاٹ، چٹائی، بڑی دری، فوم، روئی کے گدے، قالین وغیرہ تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کہ ہر مرتبہ پانی خشک ہو جائے، یا قطرے ٹپکنا بند ہو جائیں۔ خشک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس پر کوئی چیز رکھ دیں تو وہ تر نہ ہو۔[3]

۴ اگر ایک کپڑا پاک کر کے نچوڑا، پھر اسے کسی ناپاک کپڑے پر رکھ دیا گیا تو اگر ناپاک کپڑا تر نہیں ہوا، تب تو پاک شدہ کپڑا پاک رہے گا اور اگر اس پاک کپڑے کی تری سے وہ ناپاک کپڑا اتنا تر ہوگیا ہے کہ اس کی تری پاک کپڑے میں لگ گئی ہے تو یہ پاک کپڑا بھی ناپاک ہو جائے گا اور اگر وہ

---

[1] درمختار، مع ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۱/۳۲۸، ۳۲۹

[2] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۱/۳۳۲

[3] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۱/۳۳۲

ناپاک کپڑا پہلے سے ہی تر تھا تو یہ پاک کپڑا ہر صورت میں اس کے اوپر رکھنے کی وجہ سے ناپاک ہو جائے گا۔[1]

۵ ناپاک کپڑا تر ہو، مگر ایسا تر نہ ہو کہ اسے نچوڑ سکیں تو اس میں اگر کوئی خشک کپڑا لپٹ جائے تو وہ ناپاک نہ ہوگا، یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ ناپاک کپڑا ایسی چیز سے ناپاک ہو جو بذاتِ خود نجس نہیں، مثلاً: ناپاک پانی لگنے سے ناپاک ہوا ہو اور اگر کپڑا ایسی چیز کے لگنے سے ناپاک ہوا ہو جو بذاتِ خود ناپاک ہے جیسے پیشاب، شراب وغیرہ تو پھر وہ خشک کپڑا جو اس میں لپٹ گیا ہے، ناپاک ہو جائے گا۔[2]

۶ ناپاک زمین یا کسی ناپاک چیز پر بھیگا کپڑا سوکھنے کے لیے ڈال دیا یا ویسے ہی رکھ دیا تو اس سے کپڑا ناپاک نہ ہوگا، خواہ زمین خشک ہو یا تر، جب تک کہ کپڑے میں نجاست کا اثر محسوس نہ ہو۔

۷ ناپاک بستر پر سونے سے پسینہ آیا، جس سے کپڑا گیلا ہوگیا تو کپڑا اور بدن ناپاک نہ ہوگا، البتہ اگر کپڑا اتنا بھیگ جائے کہ بستر میں لگی ہوئی کچھ نجاست چھوٹ کر (خواہ وہ بستر کی نجاست ہو یا وہ پسینہ ہو جو ناپاک بستر میں لگ کر ناپاک ہوگیا ہے) بدن یا کپڑے کو لگ جائے تو وہ بدن یا کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔[3]

۸ کتے کا لعاب ناپاک ہے اور خود کتا ناپاک نہیں، لہٰذا اگر کتا کسی کے کپڑے سے چھو جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا، خواہ کتے کا بدن سوکھا ہو یا گیلا، البتہ اگر کتے کے بدن پر کوئی نجاست لگی ہوئی ہو تو کتے کے جسم کے ساتھ کپڑا لگنے سے

---

[1] احسن الفتاوی، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۹۸/۲

[2] احسن الفتاوی، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۹۸/۲

[3] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع فی النجاسة ...... الفصل الثانی: ۴۷/۱

کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔[1]

❾ اگر کتا کھیلتے ہوئے چادر یا قمیص کا پلو پکڑ لیتا ہے اور منہ میں ڈال لیتا ہے، ایسی صورت میں اگر کپڑے میں لعاب کی تری ظاہر ہو جائے تو کپڑا ناپاک ہو جائے گا ورنہ نہیں۔[2]

❿ خنزیر کا بدن اگر خشک ہے اور وہ انسان کے کپڑے یا بدن سے لگ جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا، اگر خنزیر کا بدن گیلا ہو اور وہ کسی چیز کو لگ جائے تو صرف اس جگہ کو دھونا کافی ہے۔[3]

⓫ ناپاک روئی کے پاک کرنے کا وہی طریقہ ہے جو ناپاک کپڑے کو پاک کرنے کا ہے۔

⓬ اگر رضائی یا گدا ناپاک ہو جائے تو اس کو پاک کرنے کے لیے اس میں سے روئی نکالنا شرط نہیں، بل کہ روئی کے ساتھ تین مرتبہ دھونا کافی ہے، اگر نچوڑنا دشوار ہو تو نچوڑنا بھی ضروری نہیں، بل کہ تین بار پانی بہا دینا اور ہر بار پانی کے ٹپکنے کا موقوف ہو جانا کافی ہے اور اگر نچوڑنا دشوار نہ ہو تو تینوں بار نچوڑنا چاہیے۔[4]

⓭ ناپاک تیل یا ناپاک گھی اگر کسی کپڑے پر لگ جائے تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا، اگر چہ تیل یا گھی کی چکناہٹ باقی ہو، اس لیے کہ تیل اور گھی خود ناپاک نہیں، بل کہ کسی نجاست کے لگنے سے ناپاک ہوئے ہیں اور وہ نجاست تین مرتبہ دھونے سے جاتی رہے گی، البتہ مردار کی چربی اگر کپڑے میں لگ جائے تو جب تک چربی کی چکناہٹ نہ جائے گی کپڑا ناپاک ہوگا، اس

[1] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في احكام الدباغة: ۲۰۸/۱

[2] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في احكام الدباغة: ۲۰۸/۱

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، الباب السابع في الانجاس: ۲۶۰/۱

[4] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۳۳۲/۱

لیے کہ مردار کی چربی خود ناپاک ہے۔[1]

⑭ لنڈے کے کپڑے دھوکر پہننا بہتر ہے، جب تک نجاست کا یقین نہ ہو جائے، دھونا ضروری نہیں۔[2]

⑮ کفار کے دھوئے ہوئے کپڑے پاک قرار دیے جائیں گے، جب تک کہ ان کے ناپاک ہونے کا یقین یا غالب گمان نہ ہو، البتہ مسلمان دھوبی سے کپڑے دھلوانا بہتر ہے۔[3]

⑯ جس پانی سے دھوبی کپڑے دھوتا ہے اگر وہ پاک ہے اور کپڑوں کو خوب نچوڑتا ہے تو کپڑے پاک ہوں گے اور اگر وہ پانی ناپاک ہے تو کپڑے ناپاک ہوں گے۔

⑰ ڈرائی کلین میں جو کپڑے دیے جاتے ہیں، اگر اس بات کا غالب گمان ہو کہ ان میں ناپاک کپڑے بھی ڈالے جاتے ہیں تو اس صورت میں پاک اور ناپاک مل کر سب ہی ناپاک ہو جائیں گے، اس لیے کہ ناپاک کپڑے کو پاک کرنے کے لیے یہ شرط ہے کہ تین مرتبہ پاک پانی میں ڈالا جائے، ڈرائی کلین کی دکانوں میں اس تدبیر پر عمل نہیں ہوتا، اس لیے وہاں کے دھلے ہوئے کپڑے پاک نہیں، اگر کبھی وہاں دھلانے کی نوبت آئے تو ان کو اپنے طور پر پاک کر لیا جائے اور اگر ناپاک کپڑوں کے ڈالے جانے کا غالب گمان نہ ہو، محض شک یا تردد ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ جس حالت میں کپڑا دیا تھا اسی حالت میں رہے گا، یعنی اگر پاک کپڑا دیا تھا تو پاک رہے گا اور ناپاک دیا تھا تو ناپاک رہے گا۔[4]

---

[1] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۲۲۹/۱

[2] کفایت المفتی، کتاب الطهارة، تیسرا باب: ۳۲۵/۲

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، الباب السابع فی الانجاس: ۲۴۱/۱

[4] احسن الفتاوی، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۸۳/۲

⓲ کسی شخص نے اپنے کپڑے پر کوئی چیز دیکھی، اسے اس چیز کی طہارت اور نجاست میں شک ہے تو اس سے وہ کپڑا ناپاک نہیں ہوگا۔[۱]

⓳ اگر جسم پر یا کپڑوں پر بظاہر کوئی نجاست نہ ہو تو گندے لوگوں کے ساتھ خلط ملط ہونے سے کپڑے ناپاک نہیں ہوتے، بغیر کسی وسوسے کے ان کپڑوں میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔[۲]

⓴ رومالی بھیگی ہونے کے وقت ہوا نکلے تو اس سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا۔

㉑ چھت پر اگر ایسا پرندہ جس کی بیٹ ناپاک ہے، بیٹ کر دے اور پانی برس کر اس چھت پر گرے اور چھت کا پانی مکان کے اندر پاک کپڑے وغیرہ پر گرے تو اس صورت میں کپڑا وغیرہ پاک ہے۔[۳]

㉒ ہڈی پر اس کی کوئی چکناہٹ وغیرہ نہ ہو تو ہڈی پاک ہے، اس کے لگنے سے ہاتھ یا کپڑا ناپاک نہیں ہوگا۔[۴]

㉓ ذبح کے وقت جو خون نکلتا ہے وہ ناپاک ہوتا ہے اور ذبح کے بعد جو خون رگوں اور گوشت وغیرہ میں رہ جاتا ہے وہ ناپاک نہیں ہوتا، اس کے لگنے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا۔[۵]

㉔ کپڑے پر نجاست دیکھی، مگر نجاست لگنے کا وقت معلوم نہیں، اگر وہ نجاست منی ہے تو جس وقت سو کر بیدار ہوا، اس وقت سے کپڑا ناپاک سمجھا جائے گا اور اگر وہ اس کا بول و براز ہے تو بول و براز کرنے کے وقت سے ناپاک ہوگا اور اگر کوئی اور نجاست ہے تو دیکھنے کے وقت سے ناپاک ہوگا۔

---

[۱] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الطهارة، باب فی الانجاس: ۲۴۸/۱

[۲] آپ کے مسائل اور ان کا حل، نجاست اور پاکی کے مسائل: ۸۹/۲

[۳] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب المیاه: ۱۸۸/۱، ۱۸۹

[۴] درمختار مع ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب المیاه: ۲۰۶/۱

[۵] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع فی النجاسة ...... الفصل الثانی: ۴۶/۱

۲۵ سڑک سے گزرتے ہوئے اگر ناپاکی کپڑوں پر لگ جائے، مگر یہ یاد نہ رہے کہ کس جگہ لگی تھی تو بہتر یہ ہے کہ سارے کپڑے کو دھولیں، اگر سارے کو نہ دھو سکیں تو سوچ کر کسی ایک حصے کو دھولیں، کپڑا پاک ہو جائے گا۔[1]

۲۶ نیل میں اگر ناپاک کپڑے کو غوطہ دیا جائے، اس کے بعد پاک کپڑے کو غوطہ دیا جائے تو اس کپڑے کو پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ اتنا دھویا جائے کہ رنگین پانی نکلنا بند ہو جائے۔[2]

۲۷ کپڑے اگر ناپاک ہوں تو ان کی چھینٹیں بھی ناپاک ہوں گی، اس لیے یا تو کپڑے دھوتے وقت ایسے کپڑے پہنے جائیں جو عام استعمال کے نہ ہوں یا ناپاک کپڑوں کو پہلے احتیاط کے ساتھ پاک کرلیا جائے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ جتنی جگہ نجاست لگی ہے اس کو تین بار دھویا جائے۔[3]

برتنوں سے متعلق پاکی کے احکام

۱ کتے کا لعاب اگر کسی برتن میں لگ جائے تو تین بار دھونے سے پاک ہو جائے گا، برتن خواہ مٹی کا ہو یا اور کسی چیز کا، البتہ سات بار اس طرح دھونا کہ ان ہی سات بار میں سے ایک بار مٹی سے ہو تو بہتر ہے۔[4]

۲ اگر سونا، چاندی، پیتل، تانبہ، لوہا، یا ایسی چیز کے برتن ہوں، جن میں نجاست جذب نہ ہو سکے جیسے چکنا پتھر یا روغن کیے ہوئے مٹی کے برتن یا آئینہ، تلوار، چھری، چاقو وغیرہ اور ان پر ایسی نجاست لگے جو خشک ہونے کے بعد دکھائی دیتی ہو تو یہ برتن رگڑنے یا پونچھنے سے پاک ہو جائیں گے، اسی طرح دکھتی

---

[1] خیر الفتاوی، کتاب الطهارة، ما يتعلق بتطهير الانجاس: ۱۶۹/۲

[2] فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع فی النجاسة ......: ۴۲/۱

[3] درمختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۳۲۲/۱

[4] حاشية الطحطاوی، کتاب الطهارة، فصل فی بیان احکام السور: ص ۲۳

آگ میں ڈال دیے جائیں تو بھی پاک ہو جائیں گے اور اگر ایسی نجاست لگی ہو جو خشک ہونے کے بعد دکھائی نہ دیتی ہو تو یہ برتن صرف پونچھنے سے پاک ہو جائیں گے، رگڑنے یا پونچھنے سے پاک ہونے کا حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ برتن نقش و نگار والے نہ ہوں، اگر نقش و نگار والے ہیں تو دھونے سے پاک ہو جائیں گے۔[1]

۳ مٹی کے نئے برتن یا ایسے پتھر کے برتن جو پتھر نجاست کو جذب کرتا ہو یا ایسی لکڑی کے برتن جو نجاست کو جذب کریں، تین مرتبہ اس طرح دھونے سے پاک ہو جائیں گے کہ ہر مرتبہ خشک کر لیے جائیں، خشک کرنا یہ ہے کہ پانی ٹپکنا بند ہو جائے اور اگر کوئی چیز اس پر رکھی جائے تو اس پر نمی نہ آئے اور یہ شرط اس وقت ہے کہ جب یہ چیزیں کسی برتن میں ڈال کر دھوئی جائیں اور اگر بہتے پانی میں دھوئی جائیں یا پانی اوپر سے ڈالا جائے تو بہتے پانی میں صرف اتنی دیر تک رکھ دینا کافی ہے کہ پانی ایک طرف سے دوسری طرف نکل جائے اور اوپر سے پانی ڈالنے میں صرف اسی قدر کافی ہے کہ سب دھل جائے اور پانی بالکل ٹپک جائے، لیکن اگر نجاست کا رنگ اور بو ختم نہ ہوئی ہو تو رنگ اور بو ختم ہونے کی حد تک دھونا ضروری ہے۔[2]

۴ اگر گھڑی ناپاک پانی میں گر جائے اور اطمینان ہے کہ پانی اس کے اندر نہیں گیا تو صرف اوپر سے دھو کر پاک کر لینا کافی ہے، ورنہ کھول کر دھو لیا جائے اور پانی کے بغیر پٹرول سے پاک کر لینا بھی صحیح ہے۔[3]

۵ حیض و نفاس والی عورت کے ہاتھ پاک ہیں، ان کے ہاتھ برتن پر لگیں تو وہ

---

[1] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع فی النجاسة ......، الفصل الاول: ۱/ ۴۳

[2] درمختار مع ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۱/ ۳۳۲، ۳۳۳

[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل، نجاست اور پاکی کے مسائل: ۲/ ۸۸

ناپاک نہیں ہوتے۔[1]

چمڑے اور چمڑے سے بنی ہوئی چیزوں سے متعلق پاکی کے احکام

موزہ، جوتا یا اور کوئی ایسی چیز جو چمڑے سے بنائی گئی ہو، اگر ایسی نجاست لگنے سے جو خشک ہونے کے بعد دکھائی دیتی ہے ناپاک ہو جائے تو یہ نجاست چھیل کر یا مل کر یا زمین پر خوب گھس کر یا کھرچ کر دور کر دی جائے تو وہ چیز پاک ہو جائے گی، خواہ نجاست خشک ہو یا تر اور اگر یہ چیزیں ایسی نجاست کے لگنے سے ناپاک ہو جائیں جو خشک ہو جانے کے بعد دکھائی نہیں دیتیں تو یہ چیزیں دھوئے بغیر پاک نہ ہوں گی اور ان کے دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ تین مرتبہ دھوئی جائیں اور ہر مرتبہ اتنا انتظار کیا جائے کہ پانی ٹپکنا بند ہو جائے۔[2]

تیل، گھی اور اسی قسم کی بہنے والی اشیا سے متعلق پاکی کے احکام

1. اگر دودھ، تیل، پگھلا ہوا گھی ناپاک ہو جائیں تو ان کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے ہم وزن پانی کو ان میں ملا کر اتنا پکایا جائے کہ پانی جل جائے، اس طرح تین مرتبہ کیا جائے یا اس میں تین حصے پانی ملا کر آگ پر پکانا شروع کیا جائے، جب سب پانی جل جائے تو یہ چیزیں پاک ہو جائیں گی۔[3]
2. تیل یا گھی ناپاک ہو جائے تو اس میں پانی ڈالا جائے، جب یہ تیل یا گھی پانی کے اوپر آ جائے تو اتار لیا جائے، اس طرح تین مرتبہ کرنے سے پاک ہو جائے گا۔[4]

---

[1] خیر الفتاوی، کتاب الطہارۃ، ما یتعلق بالحیض: ۲/ ۱٤۱

[2] مأخذہ، حاشیۃ الطحطاوی، الطہارۃ، باب الأنجاس والطہارۃ: ۱۳۰

[3] درمختار مع رد المحتار، کتاب الطہارۃ، باب الانجاس، مطلب فی تطہیر الدھن: ۱/ ۳۳٤

[4] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الطہارۃ، الباب السابع فی الانجاس: ۱/ ۲۵۲

❸ ناپاک تیل یا چربی کا صابن بنالیا جائے تو پاک ہو جائے گا۔[1]

❹ اگر چوہا گھی میں گرنے کے بعد گھی سے زندہ نکل آئے تو گھی پاک ہے، اسے پاک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔[2]

❺ ایسے کیڑے مکوڑے کہ جن میں بہتا خون نہیں ہوتا، مثلاً: مچھر، مکھی، چیونٹی وغیرہ، ان کو تیل میں جلانے سے تیل ناپاک نہیں ہوتا، تیل کا استعمال جائز رہتا ہے اور اگر کیڑے مکوڑے ایسے ہیں کہ جن میں بہنے والا خون ہے، مثلاً: جونک یا اور کوئی نجاست ہے تو ان کو تیل میں ڈال کر جلانے سے تیل ناپاک ہو جائے گا، خواہ وہ زندہ تیل میں ڈالے گئے ہوں یا مرنے کے بعد، اگر چہ جو جانور یا نجاست اس میں ڈالی گئی ہے وہ جل کر کوئلہ ہوگئی ہو، تب بھی اس تیل کا استعمال جائز نہ ہوگا۔

❻ شراب جب سرکہ بن جاتی ہے خواہ نمک کے ذریعے سے ہو یا کسی اور ذریعے سے تو پاک ہو جاتی ہے۔[3]

❼ خشک جونک گھی یا تیل میں ملا کر اگر کسی عضو پر لگائی جائے تو وہ گھی یا تیل پاک ہے، اگر چہ اس گھی کو کھانا جائز نہیں، اس لیے کہ جونک حرام ہے۔

❽ اچار کے برتن میں چوہا گر کر مر گیا تو اچار اور تیل سب ناپاک ہیں، البتہ اگر تیل جلانے کے کام آ سکتا ہے تو مسجد کے علاوہ مکان وغیرہ میں جلایا جا سکتا ہے۔[4]

❾ اگر کتے نے شوربے کی دیگ میں منہ ڈال دیا تو شوربے کے پاک کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ شوربے میں مزید شوربہ یا پانی اتنا ملایا جائے کہ شوربہ

---

[1] ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الانجاس: ۳۱۵/۱

[2] خير الفتاوى، كتاب الطهارة، ما يتعلق بتطهير الانجاس: ۱۵۶/۲

[3] ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الانجاس: ۳۱۵/۱

[4] فتاوىٰ دارالعلوم ديوبند، كتاب الطهارة، باب السابع فى الانجاس: ۲۴۷/۱

دیگ کے منہ پر سے بہہ جائے تو دیگ میں جو شوربہ ہے وہ پاک ہو جائے گا۔

دوسرا طریقہ پاک کرنے کا یہ ہے کہ جس قدر وہ شوربہ ہے اسی قدر پانی اس میں ڈال کر پکایا جائے کہ وہ زائد پانی جل جائے، اس طرح تین مرتبہ کیا جائے تو وہ شوربہ پاک ہو جائے گا۔[1]

خشک، گاڑھی اور جمی ہوئی اشیا سے متعلق پاکی کے احکام

❶ اگر خشک اشیا جیسے خشک آٹا یا وہ اشیا جو جمی ہوئی ہیں اور تر ہیں جیسے جما ہوا گھی، گوندھا ہوا آٹا ناپاک ہو جائیں، مثلاً: ان چیزوں میں کتا منہ ڈال دے تو جہاں جہاں اس کے منہ کے نشانات ہیں، اس کو نکال دینا چاہیے، باقی پاک ہے۔

❷ صابن یا اور کوئی گاڑھی جمی ہوئی چیز، مثلاً: جما ہوا گھی ناپاک ہو جائے تو جس قدر ناپاک ہے اتنی مقدار علیحدہ کر دینے سے پاک ہو جائے گی۔[2]

❸ اگر شہد اور گھی جمے ہوئے گاڑھے ہوں، مینگنی یا خشک گوبر اس میں گر جائے تو اسے اور اس کے اردگرد سے شہد اور گھی کا کچھ حصہ نکال دیا جائے تو باقی شہد اور گھی پاک ہے۔[3]

❹ اگر گوداموں میں رکھی ہوئی گندم میں چوہے مینگنیاں وغیرہ گر جائیں، پھر اسی طرح وہ گندم پسوا لی جائے تو اگر مینگنیاں اتنی زیادہ ہوں کہ انہیں دیکھ کر طبیعت کو نفرت آتی ہو تو وہ آٹا ناپاک ہے، اسے استعمال کرنا صحیح نہیں۔[4]

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، باب السابع فی الانجاس: ۲۵۵/۱، درمختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة، باب الانجاس، مطالب فی تطهیر الدهن. ۳۳٤/۱

[2] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع فی النجاسة ......: ٤٥/۱

[3] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۳۱۵/۱

[4] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، الباب السابع فی الانجاس: ۲۵۳/۱

کھال کی پاکی سے متعلق احکام

❶ سور کے علاوہ تمام جانوروں کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اور اس کا استعمال صحیح ہو جاتا ہے، خواہ کھال حرام جانور کی ہو یا حلال جانور کی۔[1]

فَائِدَہ: دباغت کھال کی بدبو اور رطوبت کے دور کرنے کو کہتے ہیں، خواہ مٹی سے ہو یا کسی دوسری چیز سے، جیسے ببول کی چھال وغیرہ یا دھوپ میں رکھ کر ہو۔[2]

❷ حلال جانور کی کھال صرف ذبح سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔[3]

❸ اگر سور کی چربی یا کسی اور ناپاک چیز سے کھال کو دباغت دی جائے تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گی۔[4]

❹ کھال دباغت کے بعد تر ہونے سے بھی ناپاک نہیں ہوتی۔[5]

زمین اور زمین کی طرح اور اشیا کی پاکی سے متعلق احکام

❶ ناپاک زمین خشک ہونے کے بعد پاک ہو جاتی ہے، خواہ دھوپ سے خشک ہوئی ہو یا ہوا سے یا آگ سے، کچی زمین ہو یا پکا فرش ہو۔

خشک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تری اور نمی جاتی رہے۔[6]

❷ اگر ناپاک زمین پر اتنا پانی بہایا جائے کہ غالب گمان یہ ہو کہ پانی نجاست کو بہا لے گیا ہوگا تو وہ جگہ پاک ہوگئی یا پانی ڈال کر اس کو کپڑے وغیرہ سے جذب کریں، تین مرتبہ ایسا کریں۔

---

[1] البحر الرائق، کتاب الطہارۃ: ۱۰۰/۱

[2] البحر الرائق، کتاب الطہارۃ: ۹۹/۱

[3] حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الطہارۃ، فصل یطہر جلد المیتۃ: ص ۱۳۵

[4] عالمگیری، کتاب الطہارۃ، الباب السابع فی النجاسۃ ...... الفصل الاول: ۴۵/۱

[5] البحر الرائق، کتاب الطہارۃ باب الانجاس: ۲۲۷/۱

[6] البحر الرائق، کتاب الطہارۃ، باب الانجاس: ۲۲۵/۱

۳ ناپاک زمین کی مٹی اوپر کی نیچے اور نیچے کی اوپر کر دینے سے پاک ہو جاتی ہے۔

۴ تنور اگر ناپاک ہو جائے تو اس میں آگ جلانے سے پاک ہو جائے گا، بشرط یہ کہ گرم ہو جانے کے بعد نجاست کا اثر نہ رہے۔

۵ ناپاک زمین پر مٹی وغیرہ ڈال کر نجاست چھپا دی جائے، اس طرح کہ نجاست کی بو نہ آئے تو وہ پاک ہے۔

۶ مٹی کے ڈھیلے، ریت، کنکر بھی خشک ہونے سے پاک ہو جاتے ہیں اور اسی طرح وہ پتھر جو چکنا نہ ہو اور پانی کو جذب کر لیتا ہو، وہ بھی خشک ہونے سے پاک ہو جاتا ہے۔

۷ زمین سے اگنے والی چیزیں جو اس پر جمی ہوئی کھڑی ہیں جیسے درخت، گھاس وغیرہ بھی خشک ہونے سے پاک ہو جاتے ہیں۔

۸ اگر کٹی ہوئی گھاس ناپاک ہو جائے تو بغیر دھوئے پاک نہ ہوگی۔

۹ زمین پر جو چیزیں قائم ہیں جیسے دیوار، لکڑی کے ستون یا وہ چیزیں جو زمین سے چسپاں ہیں جیسے اینٹ، پتھر، چوکھٹ کی لکڑی وغیرہ تو یہ بھی خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہیں۔[1]

۱۰ جس گلی یا سڑک کی زمین پر سے نالیوں وغیرہ کا گندہ پانی گزرتا رہتا ہے، اگر وہ زمین خشک ہو جائے اور نجاست کا رنگ اور بو محسوس نہ ہو تو وہ پاک ہے اور اس پر نمازِ جنازہ وغیرہ پڑھنا صحیح ہے۔[2]

۱۱ جو اینٹیں زمین پر بچھا دی گئی ہیں، چونا یا گارے سے جوڑی نہیں گئیں، وہ

---

[1] البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۲۳۶/۱، عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع ......: ۴۱/۱، ۴۵

[2] خیر الفتاوی، کتاب الطهارة، ما یتعلق بتطهیر الانجاس: ۱۶۲/۱

سوکھنے سے پاک نہ ہوں گی، ان کو دھونا پڑے گا۔[۱]

⓬ ناپاک مٹی سے جو برتن بنایا جائے، وہ پکانے سے پاک ہوجاتا ہے، بشرطیکہ پکانے کے بعد نجاست کا اثر نہ رہے۔[۲]

⓭ خنزیر کے بالوں والے برش سے رنگی ہوئی دیواروں کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دیواروں کو تین مرتبہ دھولیا جائے۔[۳]

⓮ جلتے ہوئے تنور میں کتا گر کر مر جائے تو جب کتا جل کر راکھ ہو جائے یا اس کو نکال کر پھینک دیا جائے تو اس کے بعد تھوڑا سا توقف کر کے روٹی پکانے میں کوئی حرج نہیں۔[۴]

⓯ اگر گندھک کو پیشاب میں اتنا پکایا جائے کہ پیشاب باقی نہ رہا، تب بھی وہ گندھک پاک نہ ہوگی۔[۵]

⓰ جو کچی اینٹیں ناپاک گارے سے تیار ہوں یا ان کو نجاست لگ جائے اور وہ زمین میں بچھی ہوئی ہوں تو خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہیں اور اگر ایسی نہ ہوں تو خشک ہونے سے پاک نہ ہوں گی۔[۶]

⓱ گرے ہوئے پتے اور دریا کے کنارے کی کیچڑ پاک ہے، جب تک کہ اس میں نجاست کا ہونا معلوم نہ ہو۔[۷]

⓲ ایسی لکڑی جو پانی کو فوراً جذب کر لیتی ہے، اس پر اگر نجاست گر گئی اور جذب

---

[۱] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع فی النجاسة ...... الفصل الاول: ۴۴/۱

[۲] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع فی النجاسة ......، الفصل الاول: ۴۴/۱

[۳] خیر الفتاوی، کتاب الطهارة، ما یتعلق بتطهیر الانجاس: ۱۵۵/۲

[۴] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۳۱۵/۱، ۳۱۶

[۵] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، الباب السابع فی الانجاس: ۴۴/۱

[۶] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۲۵۴/۱

[۷] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۲۶۴/۱

ہوگئی تو دھونے سے پاک ہو جاتی ہے، دھونے کے بعد جو بو باقی رہ جائے اس کا اعتبار نہیں۔[1]

⓳ پیر دھو کر ناپاک زمین پر چلنے کی وجہ سے اگر پیر کا نشان زمین پر بن گیا تو اس سے پیر ناپاک نہ ہوگا، البتہ اگر پیر کے پانی سے زمین اتنی بھیگ جائے کہ زمین کی کچھ مٹی پیر میں لگ جائے تو پیر ناپاک ہو جائے گا۔[2]

⓴ جو غلہ زمین دار اس نیت سے نکالتے ہیں کہ روندتے وقت بیلوں نے جو پیشاب پاخانہ کر دیا تھا اس کی طہارت ہو جائے تو زمین داروں کا یہ فعل درست اور ٹھیک ہے، اس ترکیب سے سارا غلہ پاک ہو جاتا ہے وہ بھی جو سائل کو دیا ہے اور وہ بھی جو باقی بچا ہے اور غلہ کی اتنی مقدار نکالنی چاہیے جتنی بیلوں کے پیشاب پاخانے سے خراب ہوئی تھی۔[3]

متفرق مسائل

❶ مٹی کا تیل پاک ہے، بد بو دور ہونے کے بعد اس کا ہر جگہ جلانا اور دیگر استعمال میں لانا جب کہ مضر نہ ہو، درست ہے، اسپرٹ، پٹرول، وائٹ آئل کے بھی اگر مٹی کے تیل کی طرح اگر زمین سے چشمے نکلتے ہیں تو یہ بھی پاک ہیں اور ان کا استعمال جائز ہے۔

❷ سور کے علاوہ تمام جانوروں کے وہ اعضا جن میں جسم کی رطوبت نہ ہو اور ان میں خون سرایت نہ کرتا ہو، جیسے سینگ، بال، ہڈی، پٹھے، کھر، دانت وغیرہ،

---

[1] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع فی النجاسة …… الفصل الاول: ۴۴/۱

[2] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع …… الفصل الثانی: ۴۷/۱

[3] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع فی النجاسة …… الفصل الاول، ومما يتصل بذلك المسائل: ۴۵/۱

خواہ مردہ جانور کے ہوں یا ذبح شدہ جانور کے، پاک ہیں۔[1]

۳ نجاست اگر جلائی جائے تو اس کا دھواں پاک ہے، وہ اگر جم جائے اور اس سے کوئی چیز بنائی جائے تو وہ پاک ہے جیسے ”نوشادر[2]“ کو کہتے ہیں کہ نجاست کے دھوئیں سے بنتا ہے۔[3]

۴ مچھلی کا خون ناپاک نہیں، اسی طرح مکھی، کھٹمل، مچھر کا خون بھی ناپاک نہیں، ایسے جانور اگر انسان کا اتنا خون پئیں کہ وہ بہنے والا ہو جائے تو ناپاک ہے۔[4]

۵ دریائی جانور اور وہ جانور جن میں بہتا خون نہیں، مرنے کے بعد بھی ناپاک نہیں ہوتے، خواہ حرام ہوں یا حلال جیسے مچھلی، بچھو، چھپکلی، بھڑ۔[5]

۶ کھانے کی چیزیں اگر سڑ جائیں اور ان سے بو آنے لگے تو ان کا کھانا نقصان کی وجہ سے درست نہیں، لیکن وہ ناپاک نہیں جیسے گوشت، حلوہ وغیرہ۔

۷ نجس چیز جیسے پاخانہ، سور وغیرہ نمک کی کان میں گر کر نمک ہو جائے یا اسی طرح مٹی ہو جائے یا جل کر راکھ ہو جائے تو وہ بھی پاک ہے۔[6]

۸ نجاست کے اوپر جو گرد وغبار ہو وہ پاک ہے بشرطیکہ نجاست کی تری نے اس میں اثر کرکے اس کو تر نہ کر دیا ہو۔[7]

۹ وہ کیچڑ جو بارش کے پانی سے پیدا ہوا اور اس میں نجاست غلاظت محسوس نہ ہو تو یہ پاک ہے۔

---

[1] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه: ۲۴/۱

[2] ایک مرکب ہے جو امونیم اور کلورین سے بنتا ہے۔

[3] هنديه، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة ..... الفصل الثاني: ۴۷/۱

[4] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع ..... الفصل الثاني: ۴۵/۱، ۴۶

[5] ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الانجاس: ۳۱۹/۱

[6] در مختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الانجاس: ۳۲۶/۱، ۳۲۷

[7] در مختار، كتاب الطهارة، باب الانجاس: ۳۲۵/۱

⑩ حقہ کا پانی پاک ہے، اگرچہ نظافت کے لیے اس سے بچنا ضروری ہے۔

⑪ مشک اور اس کا نافہ اور اسی طرح عنبر وغیرہ پاک ہیں۔

فَائِدَۃ: ہرن کے اندر جس جگہ سے مشک نکلتا ہے، اسے نافہ کہتے ہیں۔

⑫ شہید کا خون جو اس کے بدن پر لگا ہو پاک ہے۔[1]

⑬ حلال پرندوں کی بیٹ پاک ہے جیسے کبوتر، چڑیا، مینا وغیرہ۔[2]

⑭ پھل وغیرہ کے کیڑے پاک ہیں، لیکن ان کا کھانا درست نہیں۔

⑮ نجاستوں سے جو بخارات اٹھیں وہ پاک ہیں۔

⑯ افیون، بھنگ، چرس، تمباکو پاک ہیں۔

⑰ چمگادڑ کا پیشاب اور بیٹ پاک ہے۔

⑱ جو قے منہ بھر سے کم ہو پاک ہے۔

⑲ گندا انڈا حلال جانور کا پاک ہے، بشرطیکہ ٹوٹا نہ ہو۔

⑳ مردہ جانور بکری، بھیڑ وغیرہ کی اون پاک ہیں اور ان کے کمبل وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔

㉑ مچھلی کا پتہ پاک ہے، حلال نہیں، لہٰذا اس کا کھانا صحیح نہیں۔

㉒ نجاستوں سے جو کیڑے پیدا ہوتے ہیں جیسے پاخانہ شراب وغیرہ سے وہ ناپاک ہیں۔

㉓ اگر ناپاک پانی میں روٹی یا دال وغیرہ پکائی گئی تو اب اس روٹی یا دال کے پاک ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

㉔ پکتے ہوئے گوشت یا اور کسی پکتی ہوئی چیز میں نجاست پڑ جائے تو پاک نہیں ہوسکتا۔

---

[1] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب السابع ...... الفصل الاول: ۴۶/۱

[2] احسن الفتاوی، کتاب الطهارة، باب الانجاس: ۸۴/۲

㉕ جن جانوروں کا گوشت حرام ہے، ان کے پیٹ سے نکلا ہوا انڈا اس حیوان کو ذبح کر دینے سے پاک نہیں ہوگا۔

㉖ پیشاب کو پکا کر جو نمک بنایا جائے وہ ناپاک ہے۔

㉗ بکری یا اور جانوروں کے سر اور پیر پر ذبح کرنے کے بعد جو خون ہوتا ہے، وہ جلا دینے سے پاک ہو جاتا ہے۔[1]

㉘ کتا گوشت کو منہ لگا جائے تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا۔[2]

㉙ کتے اور ہاتھی کا جسم ناپاک نہیں۔

㉚ نشاستہ بناتے ہوئے اگر اس میں نجاست پڑ جائے، مثلاً: کتا منہ ڈال دے تو کم از کم تین مرتبہ پاک پانی نشاستے میں ملایا جائے اور جب وہ نیچے بیٹھ جائے تو سارا پانی پھینک دیا جائے، سات بار کیا جائے اور اچھا ہے، اس طرح نشاستہ پاک ہو جائے گا۔

㉛ جو چیزیں بغیر دھوئے پاک ہو جاتی ہیں، خواہ ملنے سے یا خشک ہونے سے وہ اگر کسی طرح تر ہو جائیں تو ناپاک نہ ہوں گی اور اسی طرح اگر یہ چیزیں کسی تھوڑے پانی میں گر جائیں تو وہ پانی ناپاک نہیں ہوگا۔[3]

㉜ اگر تمبا کو کو بنا کر سکھانے کے لیے رکھا، ابھی اس میں کچھ نمی باقی تھی کہ کتا آ کر اس پر بیٹھ گیا تو تمبا کو پاک ہے، اگرچہ تمبا کو پر کتے کے بال بھی لگ جائیں۔[4]

㉝ کوے یا مرغی نے دودھ میں یا پانی کے پیالے میں چونچ ڈال دی تو وہ دودھ اور پانی پاک ہیں۔

㉞ اگر نجاست کی وجہ سے دودھ یا پانی کا مزہ یا رنگ یا بو تبدیل نہیں ہوئی تو یہ دودھ

[1] عالمگیری، کتاب الطھارۃ، الباب السابع فی النجاسۃ، الفصل الاول: ۴۴/۱

[2] خیر الفتاوی، کتاب الطھارۃ، ما یتعلق بتطھیر الانجاس: ۱۵۲/۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الطھارۃ، باب الانجاس: ص ۱۲۷، ۱۲۸

[4] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب االطھارۃ، باب فی الانجاس: ۲۴۸/۱

یا پانی جانوروں کو پلایا جاسکتا ہے۔[1]

۳۵ تولیہ یا رومال سے جوتی اور پاؤں جھاڑنے کے بعد منہ پونچھنا یا اس پر نماز پڑھنا جائز ہے اور جب رومال یا تولیہ پر غبار کا اثر نہ رہے تو کوئی کراہت بھی نہیں۔[2]

۳۶ دودھ دوہتے وقت دو ایک مینگنی دودھ میں پڑ جائے یا تھوڑا سا گوبر گر جائے اور گرتے ہی نکال لیا جائے تو معاف ہے، اگر دودھ دھونے کے وقت کے علاوہ گر جائیں تو ناپاک ہو جائے گا۔[3]

تیمّم کا بیان

تیمّم کا معنی

پاک مٹی یا کسی ایسی چیز سے جو مٹی کے حکم میں ہو کے ذریعے بدن کو نجاستِ حکمیہ سے پاک کرنے کو "تیمّم" کہتے ہیں۔

نجاستِ حکمیہ وہ نجاست ہے جس کے دور کرنے کے لیے وضو یا غسل کی ضرورت پیش آتی ہو۔[4]

تیمّم کب صحیح ہوتا ہے اور کب صحیح نہیں ہوتا

مندرجہ ذیل صورتوں میں تیمّم کرنا صحیح ہے:

۱ پانی موجود نہ ہو۔

۲ پانی موجود ہو، لیکن ایک میل شرعی یا اس سے زیادہ کی مسافت پر ہو۔

---

[1] خیر الفتاوی، کتاب الطهارة، ما يتعلق بتطهير الانجاس: ۱۵۶/۲

[2] کفایت المفتی، کتاب الطهارة، پانچواں باب ...... : ۳۴۱/۲

[3] ردالمحتار، کتاب الطهارة، فصل فی البئر: ۲۲۱/۱

[4] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب التيمم: ۲۲۹/۱

فَائِدَہ: ایک شرعی میل دو ہزار انگریزی گز کے برابر ہوتا ہے۔

❸ پانی تو قریب ہو، مگر پانی لینے کی کوئی صورت نہ ہو، مثلاً: پانی لینے کے لیے جانے میں جانی یا مالی خطرہ درپیش ہو۔

❹ پانی ملنا ممکن بھی ہو، لیکن استعمال کرنے میں جان یا کسی عضو کے ضائع ہو جانے یا بیماری کے بڑھ جانے یا دیر سے صحت یاب ہونے کا اندیشہ ہو۔

وَضاحت: اگر ٹھنڈا پانی نقصان کرتا ہو اور گرم پانی نقصان نہ کرے تو گرم پانی سے غسل کرنا واجب ہے، البتہ اگر ایسی جگہ ہے کہ گرم پانی نہیں مل سکتا تو تیمم کرنا درست ہے، اسی طرح اگر ٹھنڈے پانی سے نہا کر فوراً گرم کپڑے میں لپٹنا ممکن ہو اور اس سے بیمار ہونے کا خطرہ نہ ہو تو تب بھی تیمم کرنا درست نہیں۔

اگر ٹھنڈے پانی سے وضو یا غسل کرنے سے بیماری کا خوف ہے اور پانی گرم کرنے میں نماز قضا ہونے کا خطرہ ہے تو اس صورت میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرکے فوراً گرم کپڑے لپیٹ لے، اگر اس کے باوجود غالب گمان بیمار ہونے کا ہو تو پانی گرم کر کے غسل کرے اور وقت جاتا رہے تو قضا پڑھے۔

❺ خود وضو نہ کر سکتا ہو اور کوئی دوسرا وضو کرانے والا موجود نہ ہو۔

❻ وضو کرنے کی صورت میں رفیقِ سفر یا سواری کے چھوٹنے کا اندیشہ ہو۔

❼ سفر لمبا ہو اور پانی کم ہو اور مزید پانی ملنا مشکل ہو اور اس پانی کو وضو میں استعمال کرنے کی صورت میں دورانِ سفر راستے میں اپنے جانور کے پینے کے لیے یا قضائے حاجت کے لیے نہ بچتا ہو۔

وَضاحت: اگر پانی اتنا ہو کہ ایک ایک مرتبہ منہ اور دونوں ہاتھ اور دونوں پیر دھوسکیں تو تیمم کرنا درست نہیں، بل کہ ایک مرتبہ ان اعضا کو دھولیں اور سر کا مسح کرلیں اور وضو کی سنتوں کو چھوڑ دیں اور اگر اتنا بھی نہ ہو تو تیمم کرلیں۔

❽ اسٹیشن پر بھیڑ یا ریل کے کم ٹھہرنے کی وجہ سے پانی نہ مل سکا ہو۔

⑨ پانی موجود ہو، مگر کسی کی امانت ہو اور ایک میل کے اندر اس کے علاوہ پانی نہ ہو۔

⑩ اگر آٹا گوندھنے کے لیے یا سالن پکانے کے لیے پانی کی ضرورت ہو اور اس کے علاوہ پانی نہ ہو۔

⑪ اگر دو برتنوں میں پانی بھرا ہو، ایک کا پانی پاک ہو، دوسرے کا ناپاک، لیکن یہ پتا نہ ہو کہ کس کا پاک ہے تو اس صورت میں تیمّم کیا جائے۔

⑫ نل دھوپ میں ہے جس کا پانی گرم ہے اور یقینی طور پر یہ بات علم میں ہے کہ اس پانی سے نقصان ہوگا تو تیمّم کیا جائے۔

⑬ اگر وضو وغیرہ کے لیے پانی خریدنا پڑتا ہے اور قیمت بہت زیادہ ہے تو تیمّم کر لینا درست ہے، اسی طرح اگر اپنے پاس خریدنے کے لیے رقم نہ ہو تو بھی تیمّم کر لینا درست ہے اور اگر اپنے پاس رقم ہو اور دام زیادہ نہ ہو تو خرید کر وضو کرنا ضروری ہے۔

⑭ اگر کوئی جنگل میں ہو اور بالکل معلوم نہ ہو کہ پانی کہاں ہے، نہ وہاں کوئی آدمی ایسا ہو جس سے دریافت کیا جائے تو ایسے وقت میں تیمّم کیا جائے اور اگر کوئی آدمی مل گیا اور اس نے ایک میل شرعی کے اندر اندر پانی کا پتا بتایا اور غالب گمان یہ ہے کہ یہ سچا ہے یا آدمی تو نہیں ملا، لیکن کسی نشانی سے خود اس کا دل کہتا ہے کہ یہاں ایک میل شرعی کے اندر اندر کہیں پانی ضرور ہے تو پانی کا اس قدر تلاش کرنا کہ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو کسی قسم کی تکلیف اور حرج نہ ہو ضروری ہے اور پانی تلاش کیے بغیر تیمّم کرنا درست نہیں اور اگر پورا یقین ہے کہ پانی ایک میل شرعی کے اندر ہے تو پانی لانا واجب ہے، تیمّم کرنا درست نہیں۔

⑮ اگر کسی نے پانی کے بارے میں کسی سے پوچھا، مگر اس نے نہ بتایا، پھر اس نے

تیمم کرکے نماز پڑھ لی، پھر اس کے بعد اس نے قریب پانی بتایا تو نماز جائز ہوگی۔

⓰ سامان کے ساتھ پانی تھا، لیکن یاد نہ رہا اور تیمم کرکے نماز پڑھ لی، پھر یاد آیا تو تیمم درست ہے، نماز کا دوہرانا واجب نہیں۔

⓱ اگر سفر میں کسی اور کے پاس پانی ہو تو اگر اندر سے دل کہتا ہو کہ مانگنے پر پانی مل جائے گا تو بغیر مانگے ہوئے تیمم کرنا درست نہیں اور اگر ایسی صورت نہ ہو تو بغیر مانگے تیمم کرکے نماز پڑھنا درست ہے، لیکن اگر نماز کے بعد پانی مانگا اور اس نے دے دیا تو نماز کو دوہرانا پڑے گا۔

⓲ اگر کسی میدان میں تیمم کرکے نماز پڑھ لی اور پانی وہاں سے قریب ہی تھا، لیکن اس کو خبر نہ تھی تو تیمم اور نماز دونوں درست ہیں، جب معلوم ہوا تو نماز دوہرانا ضروری نہیں۔

⓳ کسی کا کپڑا یا بدن بھی ناپاک ہو اور اسے وضو کی بھی ضرورت ہو اور پانی تھوڑا ہو تو وضو کی جگہ تیمم کرلیا جائے اور پانی سے بدن اور کپڑا دھولیا جائے۔

⓴ اگر کسی شخص کا یہ حال ہو کہ وضو کرنے سے پیشاب جاری ہو جاتا ہے اور وضو نہ کرنے سے ایسا نہیں ہوتا تو اس کے لیے تیمم جائز ہے۔

㉑ ریل گاڑی میں تیمم اس وقت درست ہے جب کہ دوسرے کسی ڈبے میں بھی پانی نہ ہو۔

㉒ دوسرے کے مال کے ضائع ہونے کے خوف سے وضو نہ کرنا اور تیمم کرلینا درست نہیں، البتہ اپنے مال کے ضائع ہونے کے خوف سے تیمم کرنا درست ہے۔

㉓ اگر کسی کے آدھے زیادہ بدن پر زخم ہو تو نہانا واجب نہیں، تیمم کرلیا جائے، اگر تندرست بدن پر پانی بہانے سے زخمی حصے کو پانی سے بچانا مشکل ہو تو اتنا

تندرست حصہ بھی زخمی کے حکم میں شمار ہوگا۔

۲۴ اگر آدھے اعضائے وضو صحیح ہوں اور آدھے زخمی ہوں تو صحیح اعضا کو دھو لیا جائے اور زخمی حصے پر مسح کرلیا جائے، لیکن اگر صحیح عضو کو دھونے میں زخمی عضو پر بھی پانی پہنچتا ہو تو تیمّم کیا جائے۔[۱]

۲۵ اگر غسل کرنا نقصان کرتا ہو اور وضو نقصان نہ کرے تو غسل کی جگہ تیمّم کیا جائے، وضو کرنے کی ضرورت نہیں، پھر اگر غسل کے تیمّم کے بعد وضو ٹوٹ جائے تو وضو کے لیے تیمّم نہ کیا جائے، بل کہ وضو ہی کیا جائے۔[۲]

۲۶ اگر نہانے کی ضرورت تھی اس لیے غسل کیا، لیکن ذرا سا بدن سوکھا رہ گیا اور پانی ختم ہوگیا تو چوں کہ ابھی پاکی حاصل نہیں ہوئی تیمّم کرلینا چاہیے، پھر اگر کہیں پانی مل جائے تو صرف سوکھی جگہ دھو لی جائے، دوبارہ غسل کرنے کی ضرورت نہیں، اگر ایسے وقت پانی ملا کہ وضو بھی ٹوٹ گیا تو اس سوکھی جگہ کو پہلے دھولیا جائے اور وضو کے لیے تیمّم کیا جائے اور اگر پانی اتنا کم ہے کہ وضو تو ہوسکتا ہے، لیکن وہ سوکھی جگہ اتنے پانی میں نہیں دھل سکتی تو وضو کیا جائے اور اس سوکھی جگہ کے لیے غسل کا تیمّم کیا جائے، ہاں اگر غسل کا تیمّم پہلے کیا جاچکا ہو تو اب پھر تیمّم کرنے کی ضرورت نہیں، وہی پہلا تیمّم کافی ہے۔[۳]

۲۷ عید کی نماز میں اگر نماز شروع کرنے سے پہلے وقت جاتے رہنے کا خوف نہ ہو تو امام کے لیے تیمّم جائز نہیں اور اگر وقت چلے جانے کا خوف ہو تو جائز ہے۔ مقتدی کو اگر یہ خوف نہ ہو کہ وضو کرنے میں عید کی نماز فوت ہوجائے گی تو تیمّم جائز نہیں، ورنہ جائز ہے۔

---

[۱] فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الرابع فی التیمم، الفصل الاول: ۱/۲۷ تا ۳۱، ردالمحتار کتاب الطهارة، باب التیمم: ۱/۲۳۲، ۲۵۷

[۲] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۱/۲۳۲

[۳] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۱/۲۴۱، ۲۴۳

آج کل عید کی نماز جگہ جگہ مختلف وقتوں میں ہوتی ہے تو اگر دوسری جگہ جماعت ملنے کی امید ہو تو وضو کے ساتھ دوسری جگہ جا کر جماعت سے نماز پڑھ لی جائے۔

۲۸ اگر وضو کر کے نماز جنازہ کی ایک تکبیر بھی مل جائے تو تیمّم جائز نہیں اور ولی کے لیے بھی تیمّم جائز نہیں اور ولی جس کو وضو کی اجازت دے اس کے لیے بھی تیمّم جائز نہیں۔

۲۹ چوں کہ سننِ مؤکدہ کی قضا نہیں، لہٰذا ان کے فوت ہونے کا خوف ہو تو بھی پانی ہونے کے باوجود تیمّم کر کے سنتیں پڑھ لے۔[1]

۳۰ اگر وضو کرنے کی وجہ سے نماز کے قضا ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمّم نہ کیا جائے، وضو ہی کیا جائے، خواہ نماز قضا ہو جائے۔

۳۱ جس شخص کو اخیر وقت تک پانی ملنے کا یقین یا گمان غالب ہو، اس کو نماز کے اخیر مستحب وقت تک انتظار کرنا مستحب ہے اور اگر پانی کا انتظار نہ کیا، اول وقت نماز پڑھ لی تو بھی درست ہے۔[2]

۳۲ اگر نل پر نہاتے ہوئے شرم آتی ہو اور اسٹیشن کے نل پر نہانا اپنی شان کے خلاف سمجھے تو عذر شرعاً قابل نہیں، یعنی اس صورت میں تیمّم جائز نہیں۔[3]

۳۳ ایسا بوڑھا شخص جو مرنے کے قریب ہو، اسے بھی تیمّم کرنا درست نہیں، جب تک کہ بیماری وغیرہ کا کوئی عذر نہ ہو۔[4]

۳۴ وقت کے داخل ہونے سے پہلے تیمّم کر لینا جائز ہے۔

---

[1] ردالمحتار، کتاب، الطهارة، باب التيمم: ١/٢٤١، ٢٤٣

[2] ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ١/٢٤٩

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، كتاب الطهارة، باب التيمم: ١/١٩٦

[4] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، كتاب الطهارة، باب التيمم: ١/١٩٩

۳۵ پانی موجود ہوتے ہوئے قرآن کریم کو چھونے کے لیے تیمّم کرنا درست نہیں۔[1]
۳۶ اگر حالتِ جنابت میں بوجہ مجبوری مسجد میں جانا ہو تو تیمّم کر کے جانا ضروری ہے۔[2]
۳۷ جن صورتوں میں تیمّم کرنا جائز ہے، ان میں وضو کرنے کو ضروری خیال کرنا درست نہیں۔

تیمّم کے فرائض

تیمّم میں تین فرض ہیں:

۱ نیت کرنا۔
۲ دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر منہ پر پھیرنا۔
۳ دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت ملنا۔

تیمّم کرتے وقت اپنے دل میں اتنا ارادہ کر لینا کہ میں پاک ہونے کے لیے یا نماز پڑھنے کے لیے تیمّم کرتا ہوں، کافی ہے، صرف تیمّم برائے تیمّم نیت کافی نہیں۔

فرائض سے متعلق مسائل

۱ تیمّم میں اگر بال برابر جگہ بھی رہ گئی جس پر ہاتھ نہیں پھیرا تو تیمّم نہیں ہوا۔[3]
۲ اگر کوئی شخص بھنوؤں کے نیچے اور آنکھوں کے اوپر جو جگہ ہے اس کا مسح نہ کرے تو تیمّم صحیح نہیں ہوگا، اسی طرح دونوں نتھنوں کے درمیان جو پردہ ہے اس کا بھی مسح کرنا ضروری ہے۔[4]

---

[1] درمختار، کتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۴۵

[2] رد المحتار، کتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۴۳

[3] فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الرابع فی التیمم: ۱/۲۶، طحطاوی، کتاب الطهارة، باب التيمم: ص ۹۶

[4] فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الرابع فی التیمم: ۱/۲۶، طحطاوی، کتاب الطهارة، باب التيمم: ص ۹۶

۳ تیمّم میں تنگ انگوٹھی وغیرہ اتار دینا ضروری ہے، تا کہ مسح پوری طرح ہو جائے، محض حرکت دینا کافی نہیں، بل کہ اپنی جگہ سے ہٹا کر اس کے نیچے بھی مسح کریں۔[۱]

۴ پورے ہاتھ یا اکثر ہاتھ سے مسح کیا جائے اور اکثر کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم تین انگلیوں سے مسح کیا جائے، ایک یا دو انگلیوں سے مسح جائز نہیں۔[۲]

۵ اگر تیمّم کرتے ہوئے ہاتھ اٹھ جائے یا کوئی جگہ ہاتھ ملنے سے رہ جائے تو رہی ہوئی جگہ کا مسح کر لے، رہی ہوئی جگہ کا مسح کرنے کے لیے دوبارہ ہاتھوں کو زمین پر مارنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن احتیاط اس میں ہے کہ ہاتھ اٹھائے بغیر اچھی طرح سے مسح کیا جائے، کوئی جگہ مسح کے بغیر نہ رہ جائے۔[۳]

۶ انگلی کی کروٹوں کا مٹی وغیرہ سے مس کیے ہوئے ہونا ضروری نہیں۔

۷ تیمّم میں چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ڈاڑھی کے بالوں پر مسح کر لینا کافی ہے، ڈاڑھی میں انگلیاں ڈال کر جلد کو رگڑنا فرض نہیں۔[۴]

۸ ہاتھوں کا مسح کرتے وقت ناخنوں کے بالکل قریب والے پورے، ناخنوں کے کونوں والے حصے اور ہتھیلی کے بالکل بیچ والے حصے پر ذرا خیال سے ہاتھ پھیرا جائے، زیادہ تکلف میں نہ پڑا جائے۔

۹ جو جگہ کانوں اور ڈاڑھی کے بیچ میں ہے، اس کا مسح بھی شرط ہے۔

---

[۱] فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الرابع فی التیمم: ۲٦/۱، طحطاوی، کتاب الطهارة، باب التیمم: ص ۹٦

[۲] فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الرابع فی التیمم: ۲٦/۱، طحطاوی، کتاب الطهارة، باب التیمم: ص ۹٦

[۳] فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الرابع فی التیمم: ۲٦/۱، طحطاوی، کتاب الطهارة، باب التیمم: ص ۹٦

[۴] حاشیة الطحطاوی، کتاب الطهارة، باب التیمم: ص ۹٦

۱۰ ہتھیلیوں کا مسح کرنا فرض نہیں، بل کہ مٹی پر ہاتھ مارنا ہی کافی ہے۔[۱]

۱۱ اگر کہنیوں سے اوپر کا حصہ کٹا ہوا ہو تو صرف منہ کا مسح دیوار وغیرہ سے کر لینا کافی ہے۔

۱۲ اگر دونوں ہاتھ شل ہو جائیں تو ہاتھوں کو زمین پر پھیرا جائے اور منہ دیوار پر لگا لیا جائے۔[۲]

جن چیزوں سے تیمّم جائز ہے اور جن سے جائز نہیں

۱ زمین کے علاوہ جو چیز مٹی کی قسم سے ہو اس پر بھی تیمّم درست ہے جیسے مٹی، ریت، پتھر، چونا، سرمہ، پہاڑی نمک، گچ، ہڑتال، گیرو، گندھک، فیروزہ، عقیق، زمرد، زبرجد، یاقوت، پکی اینٹ اور مٹی کے برتن وغیرہ، اگر مٹی کے برتن پر روغن لگا ہوا ہو تو تیمّم درست ہے اور جو چیز مٹی کی قسم سے نہ ہو اس سے تیمّم درست نہیں جیسے سونا، چاندی، لکڑی کپڑا، راکھ وغیرہ۔

البتہ اگر ان چیزوں پر گرد لگی ہو تو ان پر تیمّم درست ہے، اگر پتھر پر بالکل گرد نہ ہو، بل کہ پانی سے خوب دھلا ہوا ہو تب بھی تیمّم درست ہے، ہاتھ پر گرد کا لگنا ضروری نہیں۔[۳]

وضاحت: جو چیز نہ آگ میں جلے نہ گلے، وہ چیز مٹی کی قسم سے ہے، اس پر تیمّم درست ہے اور جو چیز جل کر راکھ ہو جائے یا گل جائے، اس پر تیمّم درست نہیں، راکھ پر تیمّم درست نہیں، اگر چہ وہ جلتی اور پگھلتی نہیں اور چونے پر تیمّم درست ہے، اگر چہ وہ جل جاتا ہے، یہ دونوں چیزیں مذکورہ ضابطے سے مستثنٰی ہیں، چونا چاہے پتھر کا ہو یا

---

[۱] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب التيمم: ۲۳۹/۱

[۲] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الرابع ...... الفصل الاول ۲۶/۱

[۳] حاشية الطحطاوي، کتاب الطهارة، باب التيمم: ص ۹۵، عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الرابع: ۲۶/۱، ۲۷

کنکر کا دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

❷ جہاز، ٹرین، اور دیگر سواریوں کی دیوار یا سیٹ پر اگر اتنا گرد و غبار ہو کہ ہاتھ مارنے سے ہاتھ پر لگ جائے تو اس سے بھی تیمم درست ہے۔[1]

❸ اگر زمین پر پیشاب وغیرہ کوئی نجاست پڑ گئی اور پھر زمین سوکھ گئی اور بدبو بھی جاتی رہی تو وہ زمین پاک ہوگئی، اس پر نماز درست ہے، لیکن اس زمین پر جب کہ معلوم ہو کہ یہ زمین ایسی ہے، تیمم کرنا درست نہیں، لیکن اگر معلوم نہ ہو تو وہم نہ کیا جائے۔[2]

❹ کیچڑ سے تیمم کرنا درست ہے، مگر مناسب نہیں، اگر کیچڑ کے سوا اور کوئی چیز نہ ملے تو کیچڑ کو اپنے کپڑے میں بھر لیا جائے، جب سوکھ جائے تو اس سے تیمم کر لیا جائے، البتہ اگر نماز کا وقت نکل رہا ہو تو پھر جس طرح بھی ہو تیمم کر کے نماز پڑھی جائے، نماز قضا نہ ہونے دی جائے۔[3]

❺ وہ دیواریں جو چونے سے لپی ہیں، ان پر تیمم درست ہے۔[4]

❻ پہاڑی کوئلہ اور اس کی راکھ پر تیمم کرنا جائز ہے۔

❼ سمندری نمک کے ڈھیلے پر تیمم جائز نہیں۔[5]

❽ مسجد کی دیوار یا اس کے فرش پر تیمم کرنا مسجد کے ادب کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔[6]

❾ کسی حیوان یا انسان یا اپنے اعضا پر غبار ہو تو اس سے تیمم جائز ہے جیسے کسی نے

---

[1] احسن الفتاویٰ، کتاب الطهارة، باب التيمم: ٥٧/٢

[2] عالمگیری، کتاب الطهارة، باب التيمم: ٢٧/١

[3] حاشية الطحطاوی، کتاب الطهارة، باب التيمم: ص ٩٧

[4] درمختار، کتاب الطهارة، باب التيمم: ٢٤٠/١

[5] خير الفتاوی، کتاب الطهارة، فصل في التيمم: ١٢٠/٢

[6] فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندية، فصل في المسجد: ٦٥/١

جھاڑ دی اور اس سے غبار اڑ کر منہ اور ہاتھوں پر پڑ جائے اور ہاتھ سے مل لے تو تیمّم ہو جائے گا۔[1]

⓾ اگر کوئی ایسی چیز جس سے تیمّم جائز نہیں، مثلاً: پانی، لوہے کے ذرات وغیرہ، ایسی چیز کے ساتھ مل جائیں جس پر تیمّم جائز ہے، مثلاً: مٹی وغیرہ کے ساتھ تو غالب کا اعتبار ہوگا یعنی اگر مٹی وغیرہ غالب ہو تو تیمّم جائز ہوگا ورنہ ناجائز۔[2]

⑪ زمین یا پتھر جل جائے تو اس کی مٹی پر تیمّم کرنا جائز ہے، جب کہ دوسری گھاس وغیرہ کی راکھ اس سے نہ ملے یا غالب نہ ہو۔[3]

⑫ جس زمین پر تیمّم جائز نہیں، اگر اس کا غبار کپڑے پر پڑے تو اس کی گرد سے تیمّم جائز نہیں، البتہ کپڑا پاک ہے۔

⑬ ریل میں جہاں مسافر جوتے پہن کر چلتے ہیں، وہ مٹی ناپاک ہے، اس سے تیمّم درست نہیں۔

⑭ تیمّم پر تیمّم کرنا عبادت نہیں، اس لیے یہ نہیں کرنا چاہیے۔[4]

⑮ چونے میں نیل یا کوئی رنگ ملانے کے بعد تیمّم صحیح ہے۔[5]

⑯ مٹی بھگو کر جما لی جائے تو اس کے خشک ہو جانے کے بعد اس سے تیمّم کرتے رہنا درست ہے۔[6]

⑰ کئی لوگ ایک جگہ سے تیمّم کر سکتے ہیں اور ایک شخص بھی کئی مرتبہ ایک جگہ سے تیمّم کر سکتا ہے۔[7]

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الرابع ...... الفصل الاول: ۲۷/۱

[2] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب التيمم: ۲٤۱/۱

[3] درمختار، کتاب الطهارة، باب التيمم: ۲٤۰/۱

[4] الهندية، کتاب الطهارة، الباب الرابع، الفصل الثالث: ۳۱/۱

[5] احسن الفتاوی، کتاب الطهارة، باب التيمم: ۵۷/۲

[6] احسن الفتاوی، کتاب الطهارة، باب التيمم: ۵۷/۲

[7] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الرابع ...... الفصل الثالث: ۳۱/۱

⓲ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ تیمم کا ڈھیلا اتنا بڑا ہو جس پر دونوں ہاتھ سے ایک مرتبہ ضرب کر سکیں یا یہ کہ کم از کم اتنا بڑا ہو کہ ہاتھ پورا یعنی ہتھیلی انگلیوں کے ساتھ اس پر آ جائے اور یکے بعد دیگرے ہاتھوں کو اس پر مار سکیں۔

تیمّم کا مستحب و مسنون طریقہ

ناپاکی دور کرنے اور نماز پڑھنے کے لیے تیمّم کی نیت کر کے "بِسْمِ اللّٰہِ" پڑھیں، پھر انگلیاں کشادہ رکھتے ہوئے دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر پہلے آگے اور پھر پیچھے کو ہلائیں، پھر انہیں جھاڑ دیں، زیادہ مٹی لگ جائے تو منہ سے پھونک دیں، پھر دونوں ہاتھوں کو چہرہ پر اس طرح پھیر کر آگے پیچھے ہلائیں کہ چہرہ کی کوئی جگہ ہاتھوں کے لگنے سے رہ نہ جائے، ڈاڑھی کا خلال بھی کریں، پھر فوراً ہی دوسری مرتبہ دونوں ہاتھ اسی طرح مٹی پر مار کر آگے پیچھے ہلائیں اور انہیں جھاڑ کر دونوں ہاتھوں پر کہنی سمیت اچھی طرح مل لیں کہ ناخن برابر بھی کوئی جگہ رہ نہ جائے، انگلیوں میں خلال کر لیں، اگر انگوٹھی پہنی ہوئی ہو تو اسے اتار دیں۔

وضو اور غسل کے تیمّم کا طریقہ ایک ہی ہے، لہٰذا جب بھی تیمّم کی ضرورت پڑے وضو اور غسل کی نیت سے ایک تیمّم کر لیا جائے۔[1]

تیمّم جن چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے اور جن سے نہیں ٹوٹتا

❶ غسل کے لیے کیا ہوا تیمّم وضو کے توڑنے والی چیزوں سے نہیں ٹوٹتا۔

❷ اگر وضو کرنے کے لیے اتنا پانی مل گیا جسے استعمال کرنے پر قدرت ہے تو اس سے وضو کے لیے کیا ہوا تیمّم ٹوٹ جائے گا۔

❸ جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان سے تیمّم بھی ٹوٹ جاتا ہے اور پانی مل جانے سے بھی ٹوٹ جاتا ہے، اسی طرح اگر تیمّم کر کے چلا اور پانی ایک میل

---

[1] حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، باب التيمم: ٩٧

شرعی سے کم فاصلے پر رہ گیا تو بھی تیمّم ٹوٹ جاتا ہے۔

❹ اگر وضو کا تیمّم ہے تو وضو کے موافق اتنا پانی ملنے سے کہ جس سے وضو کے فرائض ادا ہوسکیں وضو کا تیمّم ٹوٹ جاتا ہے اور غسل کا تیمّم غسل کی مقدار اتنا پانی ملنے سے کہ جس سے غسل کے فرائض ادا ہوسکیں تیمّم ٹوٹ جاتا ہے۔

❺ اگر راستے میں پانی ملا اور معلوم بھی ہوگیا کہ پانی یہاں ہے، لیکن ریل سے نہ اتر سکا تو تیمّم نہیں ٹوٹا۔

❻ اگر بیماری کی وجہ سے تیمّم کیا ہے تو بیماری کے جاتے رہنے سے تیمّم ٹوٹ جائے گا۔

❼ جس عذر کی وجہ سے تیمّم کیا گیا تھا اس کے ختم ہو جانے سے تیمّم جاتا رہتا ہے، اگرچہ اس کے بعد ہی فوراً دوسرا عذر پیدا ہو جائے مثلاً: کسی شخص نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کیا تھا، پھر جب پانی ملا تو وہ بیمار ہوگیا، ایسی حالت میں پانی نہ ملنے کی وجہ سے جو تیمّم کیا تھا وہ ٹوٹ جائے گا۔

❽ پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کیا تھا، پھر ایسی بیماری بھی لگ گئی کہ جس میں پانی کا استعمال نقصان دہ ہوتا ہے، پھر پانی مل گیا تو اب وہ تیمّم جو پانی نہ ملنے کی وجہ سے کیا تھا باقی نہیں رہا، لہٰذا بیماری کے لیے پھر سے تیمّم کیا جائے۔[1]

❾ اگر کوئی شخص اونگھتا ہوا پانی کے پاس سے گزرے تو اس کا تیمّم نہیں ٹوٹے گا۔[2]

❿ اگر مسافر کو جنگل میں مٹکے وغیرہ میں پانی رکھا ملے تو اس کا تیمّم نہیں ٹوٹے گا اور اس کو اس پانی سے وضو کرنا بھی جائز نہیں، لیکن اگر پانی بہت ہو جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ پانی پینے کے لیے بھی ہے اور وضو کے لیے بھی تو اس سے وضو جائز ہوگا۔[3]

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۲۰۱/۱

[2] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الرابع، فی التیمم، الفصل الثانی: ۳۰/۱

[3] درمختار مع ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۲۵۳/۱

متفرق مسائل

❶ اگر ایسی عبادت کے لیے تیمّم کیا جو خود مقصود بالذات ہو اور اس کے لیے طہارت بھی ضروری ہو تو اس تیمّم سے نماز صحیح ہے، ورنہ صحیح نہیں، مذکورہ بالا دونوں شرطیں پائی جائیں تو اس سے نماز ہوگی، اگر دونوں شرطیں یا دونوں میں سے ایک شرط نہ پائی جائے تو اس تیمّم سے نماز صحیح نہیں۔[1]

لہٰذا اگر بے وضو شخص نے زبانی تلاوت کے لیے تیمّم کیا تو اس تیمّم سے نماز صحیح نہیں، کیوں کہ زبانی تلاوت کے لیے وضو ضروری نہیں، لیکن اگر جنبی شخص نے تلاوت کی نیت سے تیمّم کیا تو وہ اس تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے، کیوں کہ اس کے لیے طہارت شرط ہے۔[2]

اگر کسی نے قرآنِ کریم کو ہاتھ لگانے کے لیے تیمّم کیا تو اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا، کیوں کہ قرآن قریم کو ہاتھ لگانا یہ ایسی عبادت نہیں جو خود مقصود بالذات ہو، البتہ اگر بوقت تیمّم صرف تلاوت کی نیت کے بجائے یا قرآنِ کریم کو ہاتھ لگانے کی نیت کے بجائے کامل طہارت کی نیت کرے تو اس سے نماز بھی درست ہے۔[3]

❷ ریل میں تیمّم کر کے نماز شروع کی، دورانِ نماز اسٹیشن آنے میں ایک میل سے کم فاصلہ رہ گیا تو اگر اسٹیشن پر پانی مل سکتا ہو تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

❸ ریل گاڑی یا بس میں نماز پڑھنے کے لیے نہ تیمّم کر سکتا ہو نہ وضو تو جیسے بھی ممکن ہو نماز پڑھ لے، مگر بعد میں قضا کر لے۔[4]

---

[1] عالمگیری، الطهارة، الباب الرابع فی التیمم: ۱/ ۲۵، ۲۶

[2] الهندية، الطهارة، الباب الرابع فی التیمم: ۱/ ۲۵، ۲۶

[3] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۱/ ۲۴۵

[4] احسن الفتاوی، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۲/ ۵۵

❹ اگر وہ عذر جس کی وجہ سے تیمّم کیا گیا ہے انسانوں کی طرف سے ہو تو جب وہ عذر جاتا رہے اس تیمّم سے پڑھی گئی تمام نمازیں دوہرانی ہوں گی، مثلاً: کوئی شخص جیل خانہ میں ہو اور جیل کے ملازم اس کو پانی نہ دیں یا کوئی کہے کہ اگر تو وضو کرے گا تو میں تجھ کو مار ڈالوں گا۔[1]

❺ اگر خود تیمّم کرنے پر قادر نہ ہو تو دوسرے شخص سے تیمّم کرایا جاسکتا ہے۔[2]

❻ اگر مسجد میں غسل کی ضرورت پیش آجائے اور اپنے پاس تیمّم کرنے کے لیے مٹی وغیرہ بھی موجود ہو تو مسجد سے تیمّم کرکے نکلنا بہتر ہے۔

❼ اگر سفر میں قید ہوا تو تیمّم کرکے نماز پڑھ لیں اور پھر اس نماز کو دوہرانے کی ضرورت نہیں۔[3]

❽ اگر پانی موجود ہو، لیکن نمازِ جنازہ کے فوت ہو جانے کی وجہ سے تیمّم کیا ہو تو نمازیں پڑھنے کے لیے وضو کرنا ضروری ہوگا۔[4]

❾ اگر پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو اور کسی عذر کی وجہ سے تیمّم بھی نہ کرسکتا ہو تو اس وقت نماز بغیر تیمّم کے پڑھ لی جائے، پھر جب وضو کرنے کی طاقت ہو تو وضو کرکے ورنہ تیمّم کرکے نماز لوٹا لی جائے۔[5]

❿ اگر ریل میں غسل کی ضرورت پیش آجائے اور اتنا پانی موجود ہے جس سے غسل کیا جاسکتا ہے تو غسل کرنا ضروری ہے، لیکن اگر اتنا پانی موجود نہیں ہے اور اسٹیشن ایک میل دور ہے تو تیمّم ہوسکتا ہے، البتہ اگر ریل اسٹیشن سے ایک میل سے کم فاصلہ پر ہو اور اسٹیشن پر پانی ملنے کی قوی امید ہو تو تیمّم کرنا جائز

[1] البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۱۴۲/۱

[2] البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۱۴۰/۱

[3] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الرابع فی التیمم ......، الفصل الاول: ۲۸/۱

[4] عالمگیری، کتاب الطهارة، الفصل الثالث فی المتفرقات: ۳۱/۱

[5] الفتاوی خانیه علی هامش الهندیة، فصل فیما یجوز له التیمم: ۵۹/۱

نہیں، اگر چہ نماز قضا ہو رہی ہو۔[۱]

موزوں پر مسح کرنے کا بیان

کن موزوں پر مسح جائز ہے اور کن پر جائز نہیں

❶ چمڑے کے موزے جو اتنے اونچے ہوں کہ ٹخنے ان میں چھپ جائیں، ان پر مسح درست ہے، لیکن اگر موزے اتنے چھوٹے ہوں کہ ٹخنے موزے کے اندر نہ چھپ سکیں تو ان پر مسح درست نہیں۔

❷ وہ موزے جو اتنے پتلے چمڑے کے ہوں کہ اگر ان کو پہن کر جوتے کے بغیر پیدل چلیں تو وہ پھٹ جائیں تو ان پر بھی مسح جائز نہیں۔

❸ اگر چمڑے کا موزہ استعمال سے اتنا گھس جائے کہ جوتے کے بغیر پہن کر چلنے سے پھٹ جانے کا اندیشہ ہو تو اس پر مسح کرنا جائز نہیں رہتا۔[۲]

وضاحت: چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ پاؤں کی کھال سے ملے ہوئے ہوں۔

❹ اگر کپڑے کی جرابیں ہوں، خواہ سوتی کپڑے کی ہوں یا اونی کپڑے کی، ان کی دو قسمیں ہیں:

① ایک یہ کہ وہ اتنی موٹی اور مضبوط ہوں کہ کم از کم تین میل جوتا پہنے بغیر سفر کرنے سے نہ پھٹیں اور باوجود کشادہ اور ڈھیلی ہونے کے باندھے بغیر پنڈلی پر کھڑی رہیں، نیز پانی ان میں نہ تو چھنے، نہ ہی جلدی سے جذب ہو، ایسی جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے، خواہ ان پر چمڑا لگا ہو یا نہ لگا ہو۔

② دوسری قسم یہ ہے کہ پہلی قسم کی جرابوں میں جو صفات بیان کی گئی ہیں، وہ

---

[۱] الهندية، كتاب الطهارة، الباب الرابع فى التيمم: ۲۷/۱

[۲] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الخامس ...... الفصل الاول: ۳۲/۱

سب یا ان میں سے کچھ اس میں موجود نہ ہوں، اس قسم کی جرابوں پر مسح کرنے کے جائز ہونے یا نہ ہونے میں یہ تفصیل ہے:

اگر ایسی جرابوں پر اوپر نیچے چمڑا لگا ہو، اس طرح کہ ٹخنے بھی چمڑے سے چھپ گئے ہوں تو ان پر بھی مسح جائز ہے اور اگر بالکل چمڑا نہ لگا ہو یا لگا ہو مگر ٹخنے چمڑے میں چھپے ہوئے نہ ہوں تو ان پر مسح جائز نہیں اور بعض حضرات کے نزدیک اس دوسری قسم کی جرابوں پر مسح جائز تو ہے، لیکن احتیاط کے خلاف ہے، اس لیے ان پر مسح نہ کرنا بہتر ہے۔[1]

۵ ہمارے زمانے میں جو سوتی، اونی، نائیلون کے موزے رائج ہیں، وہ باریک ہوتے ہیں اور ان میں مذکورہ وہ صفات جن کی وجہ سے موزوں پر مسح کرنا جائز ہوتا ہے نہیں پائی جاتی، اس لیے ان پر مسح کسی حال میں جائز نہیں ہے۔[2]

۶ اگر موزہ کسی جگہ سے پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کے برابر پھٹا ہوا ہو جس سے چلنے کے وقت پاؤں ظاہر ہوتا ہو تو اس پر مسح جائز نہیں، تین چھوٹی انگلیوں کا اعتبار اس وقت ہے جب موزہ انگلیوں کی طرف سے نہ پھٹا ہو، بل کہ کسی اور جگہ سے پھٹا ہو، اگر انگلیوں کی طرف سے پھٹا ہو تو اس وقت ان انگلیوں کا اعتبار ہوگا جن پر سے پھٹا ہے۔[3]

۷ اگر موزے کی سلائی کھل گئی، لیکن اس میں سے پیر دکھائی نہیں دیتا تو اس پر مسح کرنا درست ہے اور اگر ایسا ہو کہ چلتے وقت تین انگلیوں کے برابر پیر دکھائی دیتا ہو اور ویسے دکھائی نہ دیتا ہو تو اس پر مسح کرنا درست نہیں۔

۸ اگر ایک ہی موزے میں مختلف جگہ پھٹن ہو، علاحدہ علاحدہ تو تین انگلیوں کی

---

[1] درمختار مع ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین: ۱/۲۶۹، ۲۷۰

[2] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب مسح علی الخفین: ۱/۲۶۹

[3] البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین: ۱/۱۷۵

مقدار نہ ہو، مگر سب کو ملا لیا جائے تو تین انگلیوں کے برابر ہو جائے، اُس صورت میں بھی مسح جائز نہیں اور اگر دونوں موزوں میں مختلف جگہ پھٹن ہو، لیکن ہر ایک موزے کی مجموعی پھٹن تین انگلیوں کے برابر نہ ہو تو مسح کرنا جائز ہے۔[1]

۹ اگر کوئی شخص چمڑے کے موزوں پر جرابیں پہن لے تو اگر جرابیں نہایت باریک ہیں کہ ان پر مسح کرنے سے پانی کی تری موزوں تک پہنچ جاتی ہے تو پھر جرابوں پر مسح کافی ہوگا، ورنہ جرابوں کو اتارنا ضروری ہوگا، یعنی تری کے موزوں تک نہ پہنچنے کی صورت میں اگر جرابوں کو اتارے بغیر مسح کرے گا تو وضو نہیں ہوگا۔[2]

۱۰ اگر پلاسٹک کا موزہ بنوالیا جائے اور اس کے اوپر سوتی جراب پہن لی جائے تو اگر پلاسٹک کو جراب کے ساتھ ہی سی لیا جائے تو اس پر مسح جائز ہے اور اگر سیا نہ جائے، ویسے ہی پہن لیا جائے تو اس سوتی جراب پر مسح جائز نہیں۔[3]

۱۱ کرمچ کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ تلا چمڑے کا لگا لیا جائے، تلے کے علاوہ کسی اور جگہ چمڑا لگانے کی ضرورت نہیں۔[4]

۱۲ چمڑے کے ان موزوں پر جن پر مسح درست ہے، موزوں کے اندر جراب پہننے کی صورت میں بھی مسح درست ہے۔[5]

۱۳ اگر موزہ اتنا چھوٹا ہو کہ ٹخنے موزے کے اندر چھپے ہوئے نہ ہوں تو اس پر مسح درست نہیں۔[6]

---

[1] درمختار مع ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب المسح على الخفين: ۲۷۴/۱

[2] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الخامس فی المسح، الفصل الاول: ۳۲/۱

[3] احسن الفتاوی، کتاب الطهارة، باب المسح على الخفين: ۶۵/۲

[4] امداد الاحکام، کتاب الطهارة، فصل فی المسح على الخفين: ۲۹۶/۱

[5] احسن الفتاوی، کتاب الطهارة، باب المسح على الخفين: ۶۵/۲

[6] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الخامس فی المسح، الفصل الاول ......: ۳۲/۱

⑭ جوتوں پر مسح کرنا درست نہیں۔[1]

موزوں پر کب مسح جائز ہے

موزوں پر مسح اس وقت جائز ہے جب کہ موزے وضو کر کے پہنے ہوں یا پیر دھو کر پہنے ہوں، پھر باقی وضو مکمل کیا ہو، لیکن اگر صرف پاؤں دھو کر موزے پہن لیے اور باقی وضو نہیں کیا تو اب ان موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں۔[2]

مسح کے فرائض

مسح کے دو فرائض ہیں:

① موزوں کے اوپر کی جانب مسح کرنا۔
② ہاتھ کی چھوٹی تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنا۔[3]

موزوں پر مسح کرنے کا مسنون و مستحب طریقہ

دونوں ہاتھوں کو صاف پانی سے گیلا کریں، پھر داہنے ہاتھ کی پوری انگلیاں کشادہ کر کے ہتھیلی رکھے بغیر داہنے موزے کے اوپر کی طرف سرے پر اور بائیں ہاتھ کی پوری انگلیاں کشادہ کر کے ہتھیلی رکھے بغیر بائیں موزے کے اوپر کی طرف سرے پر رکھ کر انگلیوں کو اس طرح کھینچتے ہوئے ٹخنوں سے اوپر تک لے جائیں کہ انگلیوں کے نشان موزوں پر آجائیں۔[4]

مسح کے طریقے سے متعلق مسائل

① اگر پوری انگلیوں کو موزے پر نہیں رکھا، بل کہ صرف انگلیوں کا سرا موزے پر

---

[1] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب مسح على الخفين: ۱/۲٦۲

[2] حاشية الطحطاوى، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين: ص ۱۰۳

[3] حاشية الطحطاوى، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين: ص ۱۰۵

[4] البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين: ۱/۱۷٤

رکھ دیا اور انگلیاں کھڑی رکھیں تو یہ مسح درست نہیں ہوا، البتہ اگر انگلیوں سے پانی برابر ٹپک رہا ہو جن سے بہہ کر تین انگلیوں کے برابر پانی موزے کو لگ جائے تو مسح درست ہو جائے گا۔

۲ اگر کوئی الٹا مسح کرے یعنی ٹخنے کی طرف سے انگلیاں کھینچ کر لائے تو بھی جائز ہے، لیکن بہتر نہیں، اسی طرح اگر لمبائی میں مسح کرنے کے بجائے موزے کی چوڑائی میں مسح کرے تو بھی درست ہے، لیکن بہتر نہیں۔[1]

۳ مسح میں مستحب تو یہی ہے کہ ہتھیلی کی طرف سے مسح کرے، لیکن اگر کوئی ہتھیلی کی پشت کی طرف سے مسح کرے تو بھی درست ہے، لیکن خلافِ سنت ہے۔[2]

۴ اگر کسی نے موزے پر مسح نہیں کیا، لیکن بارش برستے وقت باہر نکلا یا بھیگی گھاس پر چلا جس سے موزہ بھیگ گیا تو بھی مسح ہو گیا۔[3]

۵ اگر ایک انگلی سے تین مرتبہ تین مختلف جگہوں پر مسح کیا تب بھی مسح ہو گیا، بشرط یہ کہ ہر مرتبہ انگلی کو پانی سے تر کیا ہو۔[4]

۶ اگر تلوے کی طرف یا ایڑی پر مسح کیا یا موزے کے اطراف میں مسح کیا تو یہ مسح درست نہیں ہوا۔[5]

موزوں پر مسح کی مدت اور اس سے متعلق مسائل

۱ مسح کی مدت مقیم کے لیے ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے لیے تین دن تین رات ہے، یعنی مقیم نے جب وضو کر کے موزہ پہن لیا تو ایک دن ایک

---

[1] البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین: ۱۷۴/۱
[2] حاشية الطحطاوي، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین: ص ۱۰۵
[3] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الخامس فی المسح ...... الفصل الاول: ۳۳/۱
[4] عالمگیری، کتاب الطهارة، الباب الخامس فی المسح ...... الفصل الاول: ۳۳/۱
[5] درمختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین: ۲۶۷/۱

رات تک وضو ٹوٹ جانے کے باوجود اس کو موزہ نکالنے کی ضرورت نہیں، بل کہ موزے پر مسح کر کے نماز پڑھ سکتا ہے، اسی طرح مسافر تین دن تین رات تک وضو ٹوٹ جانے کے باوجود موزے پر مسح کر کے نماز پڑھ سکتا ہے اور جب یہ مدت گزر جائے تو مسح کرنا کافی نہ ہوگا، بل کہ پاؤں دھونا ضروری ہوگا۔[1]

۲ مقیم اگر اپنی مدت یعنی ایک دن ایک رات پورا کرنے سے پہلے مسافر ہوگیا تو اب مدتِ سفر یعنی تین دن تین رات تک اس کو مسح کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے گا اور اگر مسافر ایک دن ایک رات کے گزرنے کے بعد مقیم ہوگیا تو اب وہ پاؤں دھوئے بغیر نماز نہیں پڑھ سکتا، موزوں پر مسح کرنا اس کے لیے جائز نہیں رہا۔[2]

۳ موزہ پہننے کے بعد جس وقت وضو ٹوٹا ہے اس وقت سے ایک دن ایک رات یا تین تین رات کا حساب کیا جائے گا، موزہ پہننے کے وقت سے حساب نہیں کیا جائے گا جیسے کسی نے ظہر کے وقت وضو کر کے موزہ پہنا، پھر مغرب کے وقت اس کا وضو ٹوٹا، اگر مقیم ہے تو اسے اگلے دن مغرب تک مسح کرنا درست ہے اور اگر مسافر ہے تو تیسرے دن کی مغرب تک اسے مسح کرنا درست ہے۔[3]

۴ اگر کوئی شخص ایک برفستان میں ہے کہ وہاں اگر موزے نکالے جائیں تو غالب گمان یہ کہ سردی کی وجہ سے پاؤں بالکل بے کار ہو جائیں گے اور اس کا قوی اندیشہ ہو تو ایسے وقت باوجود مدت ختم ہونے کے برابر اس پر مسح کرتے رہنا جائز ہے۔[4]

---

[1] حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين: ص ١٠٤

[2] حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين: ١٠٤

[3] البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين: ١٧١/١

[4] عالمگیری، كتاب الطهارة، الباب الخامس ...... الفصل الثاني: ٣٤/١

جن چیزوں سے مسح ٹوٹ جاتا ہے اور جن سے نہیں ٹوٹتا

❶ جن چیزوں سے وضوٹوٹ جاتا ہے، ان سے مسح بھی ٹوٹ جاتا ہے، مثلاً: ریح کا خارج ہونا، خون کا نکل کر بہہ جانا وغیرہ۔[1]

❷ موزے پر مسح کرنے کے بعد کہیں پانی میں پیر پڑ گیا اور موزہ ڈھیلا تھا، اس لیے موزے کے اندر پانی چلا گیا اور سارا پاؤں یا آدھے سے زیادہ پاؤں بھیگ گیا تو بھی مسح ختم ہو گیا، دوسرا موزہ بھی اتار دیں اور دونوں پیر اچھی طرح دھوئیں، اگر آدھا یا اس سے کم بھیگا تو مسح باقی رہا۔[2]

❸ موزوں کے اتار دینے سے بھی مسح ٹوٹ جاتا ہے، مثلاً: اگر کسی کا وضو نہ ٹوٹا ہو، لیکن اس نے دونوں موزے یا ایک موزہ اتار دیا تو مسح جاتا رہا، اب دونوں پیر دھولے۔[3]

❹ اگر ایڑی کے پاس سے موزہ اس قدر پھٹا ہو کہ چلنے کی حالت میں اس سے ایڑی کا اکثر حصہ کھل جاتا ہو تو بھی مسح ختم ہو جائے گا۔[4]

❺ اگر پاؤں کا اکثر حصہ موزے سے باہر آ گیا یا تین انگلیوں سے زائد موزے میں پھٹن پیدا ہو گئی تو مسح ٹوٹ جائے گا۔[5]

❻ مسح کی مدت گزر جانے سے مسح ٹوٹ جائے گا۔[6]

❼ اگر موزوں میں اس قدر باریک باریک سوراخ ہو جائیں جن میں موٹی سوئی

---

[1] الهندية، كتاب الطهارة، الباب الخامس ...... الفصل الثاني: ۳٤/۱

[2] الهندية، كتاب الطهارة، الباب الخامس ...... الفصل الثاني: ۳٤/۱

[3] الهندية، كتاب الطهارة، الباب الخامس ...... الفصل الثاني: ۳٤/۱

[4] الهندية، كتاب الطهارة، الباب الخامس ...... الفصل الثاني: ۳٤/۱

[5] الهندية، كتاب الطهارة، الباب الخامس الفصل الثاني: ۳٤/۱

[6] الهندية، كتاب الطهارة، الباب الخامس ...... الفصل الثاني: ۳٤/۱

نہ جا سکے تو اس سے مسح ختم نہ ہوگا، اگر چہ کتنے ہی سوراخ کیوں نہ ہوں۔[1]

وضاحت: اگر مسح ٹوٹ جائے اور وضو باقی ہو تو صرف پاؤں دھو لینا کافی ہے، دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں، لیکن پورا وضو دوبارہ کر لینا بہتر ہے۔[2]

مسح کے متفرق مسائل

❶ معذور کے لیے موزوں پر مسح کرنے کا حکم یہ ہے کہ وضو شروع کرنے سے موزے پہن لینے کے زمانے تک اگر ایک مرتبہ بھی عذر پایا گیا تو وقت کے نکلنے سے مسح ٹوٹ جائے گا اور اگر ایک مرتبہ بھی عذر نہیں پایا گیا تو مسح کی مدت پوری کر سکتا ہے۔

❷ غسل کرنے والے کے لیے مسح کرنا جائز نہیں، خواہ غسل فرض ہو یا سنت، اس کو پیر دھونے ہوں گے۔[3]

پٹی اور پلستر پر مسح کا حکم

❶ زخم کے اوپر ہتھیلی کی گہرائی کی مقدار سے زیادہ پٹی تھی، زخم کا خون یا پیپ پٹی کے اوپر والے حصے میں ظاہر ہوا تو اگر زخم کے دیر سے اچھا ہونے کا اندیشہ اور غالب گمان ہو تو ایسی صورت میں پٹی اتارنا واجب نہ ہوگا اور اگر زخم بالکل درست ہو گیا ہے تو پٹی اتار دینی چاہیے۔

❷ اگر زخم پر پٹی بندھی ہو اور پٹی کھول کر زخم پر مسح کرنے سے نقصان ہو یا پٹی کے کھولنے باندھنے میں بڑی دقت اور تکلیف ہو تو پٹی کے اوپر مسح کر لینا درست ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو پٹی پر مسح کرنا درست نہیں، پٹی کھول کر زخم پر مسح کرنا

---

[1] درمختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفين: ۱/۲۷۳

[2] ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفين: ۱/۲۷۶

[3] حاشية الطحطاوی، الطهارة، باب المسح علی الخفين: ۱۰۲

چاہیے، اگر مسح بھی نقصان دیتا ہو تو معاف ہے، مسح بھی نہ کرے۔

❸ اگر پوری پٹی کے نیچے زخم نہیں ہے تو اگر پٹی کھول کر زخم کو چھوڑ کر باقی جگہ دھو سکے تو دھونا چاہیے اور اگر پٹی نہ کھول سکے تو پوری پٹی پر مسح کر لے، اس جگہ پر بھی جس کے نیچے زخم ہے اور اس جگہ کے نیچے بھی جس پر زخم نہیں۔[1]

❹ اگر کسی کے پلستر چڑھا دیا گیا ہو تو جب تک پلستر چڑھا ہوا ہے، پلستر پر مسح کرتا رہے، اس میں بہتر ہے کہ وضو کے عضو کے مقابل پورے پلستر پر مسح کرے، اگر آدھے سے زیادہ پلستر پر مسح کر لیا تو یہ بھی کافی ہے اور غسل میں تو پورے ہی پلستر پر مسح کرے۔

❺ اگر پٹی کھل کر گر پڑے اور زخم ابھی اچھا نہیں ہوا تھا تو پھر وہی پٹی یا نئی پٹی باندھ لے، اس پٹی پر کیا ہوا مسح باقی ہے، دوبارہ مسح کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر زخم کی پٹی زخم کے اچھے ہونے کی وجہ سے گر گئی اور اسے دوبارہ باندھنے کی ضرورت نہ ہو تو مسح ٹوٹ گیا، اب اتنی جگہ دھو کر نماز پڑھے، سارا وضو دوہرانا ضروری نہیں۔[2]

❻ اگر ہاتھ یا پاؤں وغیرہ میں کوئی پھوڑا ہے یا کوئی اور ایسی بیماری ہے کہ اس پر پانی ڈالنے سے نقصان ہوتا ہے تو پانی نہ ڈالے، وضو کرتے وقت صرف بھیگا ہاتھ اس جگہ پر پھیر لے اور اگر بھیگا ہاتھ پھیرنا بھی نقصان دہ ہو تو اتنی جگہ چھوڑ دے۔

❼ زخم کے قریبی حصے پر جو دوائی ایسی جم گئی ہے کہ اس کے اوپر پانی نہیں پہنچتا تو اگر اس کے دور کرنے میں زخم کو نقصان نہ پہنچتا ہو تو اسے دور کرنا ضروری ہوگا اور اگر دوائی کو دور کرنے میں زخم کو نقصان ہو یا خراش وغیرہ لگنے کا اندیشہ ہو تو

---

[1] حاشية الطحطاوي، الطهارة، باب المسح على الخفين، فصل في الجبيرة: ۱۰۷، ۱۰۸

[2] عالمگيري، الطهارة، الباب الخامس في المسح على الخفين: ۳۵/۱

ضروری نہیں۔[1]

❽ اگر کسی کے منہ پر پھنسی یعنی زخم ہے، اس پر مرہم کا پھایا لگایا ہوا ہے، ایسی صورت میں اگر زخم کو پانی نقصان کرتا ہے یا پھایا ہٹانے میں تکلیف ہو تو پھایا ہٹائے بغیر اس پر مسح کیا جائے۔

❾ اگر پھنسی یا زخم کو پانی سے دھونا نقصان کرے، لیکن مسح نقصان نہ کرے تو زخم پر مسح کرنا واجب ہے اور جب زخم پر مسح کرنا بھی نقصان کرے اس وقت پلستر یا پٹی یا پھایا پر مسح کرنا جائز ہے۔

❿ پٹی وغیرہ پر مسح جائز ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ پاکی کی حالت میں باندھی ہو، لہٰذا اگر پٹی ناپاکی کی حالت میں باندھی ہو، تب بھی اس پر مسح کرنا جائز ہے۔

⓫ یہ بات ذہن نشین رہے کہ پٹی وغیرہ باندھے ہوئے ہونے کی حالت میں غسل اور وضو دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

⓬ اگر پٹی کے درمیان میں کچھ جگہ کھلی ہوئی ہو تو اس پر بھی مسح درست ہے۔

⓭ اگر اوپر کی پٹی گر جائے تو نیچے کی پٹی پر مسح کرنا ضروری نہیں، بہتر ہے۔

⓮ اگر پٹی پر مسح کرنے کے بعد کسی طرح اس میں پانی داخل ہو جائے تو مسح باقی رہے گا۔

⓯ مسح ایک ہی مرتبہ کافی ہے، ایک مرتبہ سے زیادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

⓰ پٹی پر مسح کی کوئی مدت متعین نہیں ہے، جب تک زخم ٹھیک نہ ہو پٹی پر مسح کرتا رہے۔

⓱ نماز پڑھتے ہوئے اگر پٹی ایسی حالت میں گری کہ ابھی زخم اچھا نہیں ہوا تھا تو نماز جاری رکھے، نماز کو نئے سرے سے لوٹانے کی ضرورت نہیں، ایسی حالت

---

[1] الهندية، الطهارة، الباب الخامس في المسح على الخفين ۱:۳۵

میں پٹی گرنے سے وضو اور نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن اگر پٹی ایسی حالت میں گری کہ زخم ٹھیک ہو چکا تھا تو اس صورت میں صرف زخم والی جگہ دھو کر دوبارہ نماز پڑھے، سارا وضو لوٹا ضروری نہیں، یہ اس صورت میں ہے جب کہ زخم والی جگہ اس عضو پر ہو جس کا وضو میں دھونا ضروری ہے، اگر زخم والی جگہ کسی ایسے عضو پر ہے جن کا دھونا وضو میں ضروری نہیں تو اس زخم والی جگہ کا دھونا ضروری نہیں۔

۱۸ جس شخص کو غسل کی حاجت ہو اور اس کے پٹی بندھی ہو جس کا اتارنا نقصان دہ ہو یا پلستر چڑھا ہو تو وہ باقی جسم کو دھو کر پٹی اور پلستر پر مسح کر سکتا ہے۔[1]

اوقاتِ نماز

۱ **نمازِ فجر:** اس کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور طلوعِ آفتاب تک رہتا ہے۔[2]

مستحب وقت: جس وقت اجالا ہو جائے اور سنت کے موافق نماز ادا کر لی جائے اور پھر بھی اتنا وقت بچ جائے کہ اگر دوسری مرتبہ کسی وجہ سے نماز سنت کے موافق پڑھی جائے تو وقت موجود رہے۔[3]

۲ **نمازِ ظہر:** اس کا وقت سورج ڈھلنے کے وقت شروع ہوتا ہے اور جب ہر چیز کا سایہ، اصلی سایہ کے علاوہ دو مثل یعنی دوگناہ ہو جائے، اس وقت تک رہتا ہے،

---

[1] مآخذھم عالمگیری، کتاب الطھارۃ، الباب الخامس ...... الفصل الثانی: ۳۵/۱، درمختار مع رد المحتار، کتاب الطھارۃ، باب المسح علی الخفین: ۲۷۸/۱، ۲۸۲، البحر الرائق، کتاب الطھارۃ، باب المسح علی الخفین: ۱۸۴/۱، ۱۸۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الصلاۃ: ص ۱۳۹، ۱۴۰

[3] درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاۃ: ۳۶۶/۱

مگر بہتر یہ ہے کہ ایک مثل کے اندر ظہر کی نماز پڑھ لی جائے۔[1]

مستحب وقت: گرمی کے موسم میں اتنی تاخیر سے نماز ظہر پڑھنا مستحب ہے کہ گرمی کی تیزی کم ہو جائے، سردی کے موسم میں اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔[2]

❸ **نمازِ عصر:** اس کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

مستحب وقت: عصر کی نماز ہر موسم میں دیر سے پڑھنا مستحب ہے، آفتاب میں زردی آنے کے بعد (تقریباً غروب سے آدھا گھنٹہ پہلے) مکروہ وقت ہوتا ہے۔[3]

❹ **نمازِ مغرب:** اس کا وقت غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور شفق کی سفیدی ختم ہونے تک رہتا ہے (یہ وقت ہمارے ملک میں تقریباً ایک گھنٹہ بیس منٹ سے ایک گھنٹہ پینتیس منٹ تک مختلف موسموں کے لحاظ سے رہتا ہے، ایک گھنٹہ بیس منٹ سے کم نہیں ہے اور ایک گھنٹہ پینتیس منٹ سے زیادہ نہیں ہے)۔[4]

مستحب وقت: مغرب کی نماز اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔[5]

❺ **نمازِ عشا:** اس کا وقت شفق کی سفیدی غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور صبح صادق سے پہلے تک رہتا ہے۔[6]

مستحب وقت: ایک تہائی رات گزرنے کے بعد مستحب وقت ہے، آدھی رات تک مباح رہتا ہے اور آدھی رات کے بعد مکروہ ہے۔[7]

---

[1] حاشية الطحطاوی، کتاب الصلاۃ: ص ۱۳۹، ۱۴۰

[2] درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاۃ: ۱/۳۶۶

[3] درمختار، کتاب الصلاۃ: ۱/۳۶۷

[4] حاشية الطحطاوی، کتاب الصلاۃ: ص ۱۴۱

[5] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الاول …… الفصل الثالث: ۱/۵۲

[6] البحر الرائق، کتاب الصلاۃ: ۱/۲۴۶

[7] البحر الرائق، کتاب الصلاۃ: ۱/۲۴۷

نوٹ: شرعی طور پر رات غروب آفتاب سے شروع ہوتی ہے اور صبح صادق تک رہتی ہے۔

❻ **نمازِ وتر:** اس کا وقت نمازِ عشا کے بعد ہے۔

مستحب وقت: جو آخر رات میں اٹھنے کا عادی ہو، اس کے لیے مستحب ہے کہ اٹھ کر پڑھے اور جو عادی نہ ہو وہ نمازِ عشا کے بعد ہی پڑھ لے۔[1]

❼ **نمازِ جمعہ:** اس کا وقت بھی ظہر کی طرح ہے، البتہ سردی گرمی کے دنوں موسموں میں نماز جمعہ کا اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔[2]

❽ **نمازِ عیدین:** اس کا وقت آفتاب کے اچھی طرح نکل آنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور زوالِ آفتاب تک رہتا ہے۔

مستحب وقت: عیدین کی نماز کا جلدی پڑھنا مستحب ہے خاص کر عیدالاضحیٰ کی نماز۔[3]

نمازوں کے ممنوع اوقات

تین اوقات ایسے ہیں جن میں ہر قسم کی نماز منع ہے، خواہ ادا ہو یا قضا، فرض ہو یا واجب، سنت ہو یا نفل، نماز جنازہ ہو یا سجدہ تلاوت۔ البتہ اسی روز کی عصر کی نماز کا پڑھنا اور اگر ان اوقات میں سے کسی وقت میں کوئی جنازہ آجائے اس کا پڑھنا یا سجدہ تلاوت اسی وقت واجب ہوا ہو تو اس کا ادا کرنا جائز ہے۔

وہ تین اوقات یہ ہیں:

❶ طلوعِ آفتاب سے تقریباً دس منٹ بعد تک۔

❷ جب سورج بالکل سر پر ہو اس سے پانچ منٹ پہلے اور پانچ منٹ بعد تک۔

---

[1] البحر الرائق، کتاب الصلاۃ: ۲۴۸/۱

[2] درمختار، کتاب الصلاۃ: ۳۶۷/۱

[3] عالمگیری، الصلاۃ، الباب السابع عشر فی صلاۃ العیدین: ۱۵۰/۱

۳ غروب آفتاب سے تقریباً دس منٹ پہلے سے غروب تک۔[1]

تین اوقات ایسے ہیں جن میں صرف نوافل مکروہ ہیں

۱ صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک۔

۲ عصر کے بعد سے غروبِ آفتاب تک۔

۳ نمازِ عیدین سے پہلے گھر اور عیدگاہ میں۔

وہ حالات جن میں ہر قسم کی نماز مکروہ ہے

۱ جب خطیب خطبہ شروع کر دے۔

۲ چھوٹے، بڑے پیشاب کی حاجت کے وقت اور ہوا خارج ہونے کے اندیشے کے وقت، البتہ اگر نماز قضا ہو رہی ہو تو پھر اس حالت میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں۔

۳ جماعت کی نماز شروع ہونے کے بعد۔[2]

اگر فجر کی ایک رکعت ملنے کی امید ہو تو سنتیں پڑھی جائیں، جہاں تک ہو سکے جماعت کی جگہ سے علاحدہ ہو کر پڑھی جائیں، مسجد سے باہر کوئی جگہ نہ ہو تو کسی دیوار یا ستون کی آڑ میں پڑھی جائیں، صف کے پیچھے بغیر آڑ کے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ مسجد کے دو حصے ہوں تو دوسرے حصے میں پڑھی جائیں۔[3]

اذان واقامت کا بیان

اذان وقت داخل ہونے کے بعد دی جائے، اگر پہلے دے دی گئی تو وقت

---

[1] البحر الرائق، کتاب الصلاة: ١/٢٤٩

[2] عالمگیری، کتاب الصلاة، الباب الاول، الفصل الثالث: ١/٥٢، ٥٣، البحر الرائق، کتاب الصلاة: ١/٢٥١، ٢٥٢

[3] الدر المختار مع رد المحتار، الصلاة، باب ادراك الفريضة: ٢/٥٦

داخل ہونے کے بعد دوبارہ دی جائے۔[1]

اذان دینے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ مؤذن پاک حالت میں قبلہ رو کھڑے ہوکر اپنے دونوں کانوں کے سوراخوں کو کلمہ کی انگلی سے بند کر کے اپنی طاقت کے موافق بلند آواز سے اذان کہے۔[2]

اذان میں چھ مرتبہ ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' ہے، ان سب میں را کو ساکن پڑھا جائے۔

اذان و اقامت ہر فرض نماز کے لیے سنتِ موکدہ ہے۔

سفر میں بھی باجماعت نماز کے لیے اذان اور اقامت مستحب ہے۔[3]

دفن کرتے وقت، دفن کے بعد، قبر کے پاس اذان کہنا یا مسلسل بارش ہونے کے وقت اذان کہنا مکروہ ہے۔

نومولود بچے کو نہلانے کے بعد اپنے ہاتھ میں اٹھا کر قبلہ رخ ہوکر دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے۔

''حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة'' پر اپنا چہرہ دائیں طرف اور ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاح'' پر اپنا چہرہ بائیں طرف موڑا جائے۔[4]

بعض اوقات کسی وجہ سے نومولود کو جلدی نہیں نہلاتے، اس کی وجہ سے اذان میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، بچے کو کپڑے سے صاف کر کے اذان کہی جاسکتی ہے۔ اگر غفلت یا لاعلمی سے کچھ دن گزر گئے، تب بھی جب معلوم ہو اذان کہی جائے۔

نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ

نماز سے پہلے مندرجہ ذیل امور کی رعایت رکھتے ہوئے نماز شروع فرمائیں:

---

[1] البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الاذان: ١/٣٦٢

[2] درمختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الاذان: ١/٣٨٤

[3] عالمگیری، كتاب الصلاة، الباب الثاني: ١/٥٣

[4] تقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين، باب الاذان: ١/٤٥

بدن ہر قسم کی نجاست سے پاک ہو، کپڑے بھی پاک ہوں، اتنی جگہ خاص طور پر جہاں دونوں ہاتھ، گھٹنے، پاؤں اور پیشانی رکھی جائے، پاک ہو۔

کرتا، تہہ بند (پائجامہ، شلوار) عمامہ (ٹوپی) تین کپڑوں میں نماز پڑھیں، ایسے کپڑوں میں نماز پڑھیں جنہیں پہن کر عام مجلسوں میں جایا جا سکتا ہو۔ مستحب وقت میں نماز پڑھیں۔ قبلہ کی طرف منہ کر لیں، سیدھے کھڑے ہو جائیں، دونوں قدموں کے درمیان تقریباً چار انگلیوں کا فاصلہ رکھیں، دل سے نیت کر لیں۔ فرض نماز کی تعیین کر لیں، مثلاً ظہر، عصر۔ مقتدی اقتدا کی بھی نیت کریں، دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھالیں (خواہ تکبیر سے پہلے یا تکبیر کے ساتھ اور یا تکبیر کے بعد، تینوں طرح درست ہے) ہتھیلیاں قبلہ رخ کر لیں، بالکل سیدھی کھلی ہوئی اپنے حال پر رکھیں، کانوں کی لو کوانگوٹھوں سے چھولیں۔

پھر امام کے تکبیر سے فارغ ہونے کے بعد اتنی آواز سے تکبیر کہیں کہ خود سن لیں یا کم از کم تمام حروف صحیح ادا ہو جائیں، اَللّٰہُ اَکْبَر میں اکبر کی را کو ساکن پڑھیں اور لفظ اَللّٰہُ کی تشدید کو خوب ظاہر کریں، تکبیر کہنے کے بعد ہاتھ نہ چھوڑیں، بل کہ باندھ لیں اور دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی کلائی پر چھنگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنالیں اور دائیں ہاتھ کی تین انگلیاں بائیں ہاتھ کی کلائی پر پھیلا دیں، دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لیں، سر کو نہ جھکائیں، نظر سجدہ کی جگہ رکھیں۔

پھر ثنا (سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ) پڑھیں۔ پہلی رکعت میں امام اور منفرد اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اور بِسْمِ اللّٰہِ آہستہ پڑھیں، مقتدی ثنا کے بعد کچھ نہ پڑھیں، بل کہ خاموش رہیں، امام اور منفرد (اکیلا نماز پڑھنے والا) فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھیں، پھر امام، مقتدی، منفرد سب آہستہ سے آمین کہیں، سورت سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ لیں، سورت پڑھنے کے بعد ''اَللّٰہُ اَکْبَر'' کہتے ہوئے رکوع میں جائیں اور دنوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑ لیں اور انگلیاں کشادہ رکھیں، گھٹنے، پنڈلیاں اور کمر

سیدھی رکھیں، سر کو سرین کے برابر کر دیں، دونوں بازو پہلو سے جدا رکھیں، پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ رکھیں۔ نگاہ قدموں پر رکھیں، کم از کم تین مرتبہ تسبیح پڑھ لیں۔ امام جب تک رکوع میں رہے مقتدی تسبیح پڑھتے رہیں، اس کے بعد ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه'' کہتے ہوئے کھڑے ہوں۔ اکیلا نماز پڑھنے والا ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه'' کھڑے ہوتے ہوئے اور تحمید ''رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد'' کھڑے ہوکر کہے۔ مقتدی تحمید اٹھتے ہوئے کہیں۔ تحمید میں ''اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْد'' سب سے بہتر الفاظ ہیں۔

پھر اطمینان سے قومہ کرلیں۔ اس کے بعد تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جائیں۔ پہلے گھٹنے، پھر ہاتھ، پھر ناک، پھر دونوں ہتھیلیوں کے درمیان پیشانی اس طرح رکھیں کہ دونوں کان انگوٹھوں کے درمیان آجائیں۔ انگلیوں کو ملالیں، انگلیوں کا رخ قبلہ کی جانب کریں اور سہارا ہتھیلیوں پر رکھیں۔ دونوں پاؤں، پیشانی اور ناک زمین پر رکھیں، بازو پہلے سے علاحدہ اٹھا کر رکھیں۔ نگاہ ناک پر رکھیں۔ اطمینان سے تین مرتبہ تسبیح پڑھ لیں۔

پھر ''اَللّٰهُ اَكْبَر'' کہتے ہوئے سر اٹھائیں اور جلسہ کریں، کم از کم ایک مرتبہ ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى'' پڑھنے کی مقدار بیٹھیں، دونوں ہاتھ رانوں پر اس طرح رکھیں کہ انگلیوں کے سر گھٹنے کے آخر تک آجائیں، کوئی دعا جیسے رَبِّ اغْفِرْ لِيْ پڑھ لیں، پھر ''اَللّٰهُ اَكْبَر'' کہتے ہوئے سجدہ میں جائیں۔ سجدے میں تین مرتبہ تسبیح پڑھ لیں۔ پھر ''اَللّٰهُ اَكْبَر'' کہتے ہوئے بغیر بیٹھے اور ٹیک لگائے پنجوں کے بل سیدھے کھڑے ہوجائیں۔

دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح ادا فرمائیں، البتہ ثنا اور تعوذ (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ) نہ پڑھیں۔ جب دوسری رکعت کے دونوں سجدے ہوجائیں تو بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائیں اور دایاں پاؤں کھڑا کرکے انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کردیں،

دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھیں، نگاہ گود میں رکھیں اور تشہد پڑھیں۔ تشہد میں جب "لَا اِلٰہَ" پر پہنچیں تو شہادت کی انگلی اتنی اٹھائیں کہ رخ پھر بھی قبلہ کی جانب ہو اور "اِلَّا اللّٰہُ" پر گرادیں، لیکن تھوڑی سی اٹھی رہے۔ چھنگلی اور اس کے برابر والی انگلی کو بند کر کے درمیان کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کریں۔ پھر درودِ ابراہیمی پڑھیں، اس کے بعد "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ" والی دعا یا کوئی اور مسنون دعا پڑھیں، پھر "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ" کہیں، پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف سلام پھیریں۔

سلام میں منفرد صرف فرشتوں کی اور مقتدی امام، نمازیوں نیک جنات اور فرشتوں کی نیت کریں، اگر مقتدی دائیں طرف ہو تو دائیں طرف کے سلام میں اور اگر بائیں طرف ہو تو بائیں طرف کے سلام میں اور اگر امام کے پیچھے ہو تو دونوں سلاموں میں امام کی نیت کرے، امام سلام میں لوگوں کی بھی نیت کرے، مقتدی امام کے ساتھ ہی سلام پھیریں۔ سلام پھیرنے کے وقت رخسار پیچھے والوں کو نظر آئے۔ نظر مونڈھے پر رکھیں۔

نماز کے بعد تین مرتبہ "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ" یا "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ" پڑھیں۔ ایک مرتبہ "اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ"[1] پڑھیں۔ اس کے علاوہ اور باقی مسنون اذکار ظہر، مغرب، عشا اور جمعہ کی نماز میں سنتوں سے فارغ ہو کر پڑھیں، فجر اور عصر میں مسنون اذکار فرض نماز کے بعد پڑھ لیں۔ چند مسنون اذکار یہ ہیں: آیۃ الکرسی، تینوں قل، کم از کم دس مرتبہ "سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ" پڑھنا۔

اگر گھر میں آکر کسی اور کام میں مشغول ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو سنتیں گھر میں

[1] سنن ابی داود، الصلاۃ، باب فی الاستغفار: ۱/ ۲۱۳

آ کر پڑھیں۔ اگر کسی نمازی کے سامنے سے گزرنا نہ ہو اور نہ ہی کسی کو کوئی تکلیف ہو تو سنتیں فرض نماز پڑھنے کی جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ پڑھیں، پھر دعا اس طرح کریں کہ دونوں ہاتھ سینے تک اٹھے ہوئے ہوں، ہتھیلیاں چہرے کی جانب ہوں اور ہاتھوں میں تھوڑا سا فاصلہ ہو، پھر عاجزی وانکساری کے ساتھ اور ایک بات بار بار دوہرا کر (بغیر آسمان کی طرف دیکھے) دعا مانگیں کہ یہ دعا کی قبولیت کا وقت ہے۔[1]

فَائِدَہ: اگر امام تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے اور مقتدی کی "اَلتَّحِیَّات" پوری نہ ہوئی ہو تو مقتدی کو چاہیے کہ "اَلتَّحِیَّات" پوری کر کے کھڑا ہو، اسی طرح اگر مقتدی کے "اَلتَّحِیَّات" پوری کرنے سے پہلے امام سلام پھیر دے تو مقتدی کو چاہیے کہ "اَلتَّحِیَّات" پوری کر کے سلام پھیرے، ہاں رکوع سجدے میں اگر مقتدی نے تسبیح نہ پڑھی ہو اور امام کھڑا ہو جائے تو امام کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے۔[2]

مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں تراویح باجماعت پڑھنے کے بعد وتر بھی باجماعت پڑھ لیں، لیکن چوں کہ وہاں امام تین وتر دو سلام سے پڑھتے ہیں، اس لیے امام کے ساتھ وتر پڑھنے کے بعد دوبارہ وتر تنہا پڑھ لیں۔

نماز کو توڑنے والی چیزیں

1. سینے کو بلا عذر جان بوجھ کر قبلہ کے رخ سے پھیرنا۔[3]

---

[1] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الرابع ...... الفصل الثالث: ۱/۷۲، ۷۷، حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الصلاۃ، باب شروط الصلاۃ: ۱۶۶، ۲۲۳.

"اپنی نمازیں درست کیجیے" دارالہدیٰ اردو بازار کراچی کی اس کتاب میں نماز کو درست اور سنت کے مطابق پڑھنے کے لیے جن چھوٹی چھوٹی چیزوں کا خیال کیا جاتا ہے ان کا ذکر ہے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رکوع وسجدے میں جن دعاؤں کو مانگا ہے ان دعاؤں کو حوالوں کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، لہٰذا اپنی نمازیں درست کرنے کے لیے اس کتاب کو ضرور پڑھیے۔

[2] ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، مطلب مہم فی تحقیق متابعۃ الامام: ۱/۴۷۰

[3] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب السابع، الفصل الاول: ۱/۱۰۳

❷ نماز میں کوئی بات کرنا[1]

❸ اپنے امام کے علاوہ کسی اور کولقمہ دینا، اسی طرح اگر مقتدی نے کسی سے قرآن سن کر یا خود ہی قرآن دیکھ کر اپنے امام کولقمہ دیا اور امام نے لقمہ لے لیا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

❹ کسی مصیبت یا درد سے اپنے اختیار کے ساتھ اس طرح رونا کہ الفاظ بھی ظاہر ہو جائیں، اگر رونا اللہ کے خوف، جنت وجہنم کی یاد سے ہو یا بے اختیار ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

❺ کھانا پینا۔

❻ بلا عذر چلنا، جس میں سینہ پھر جائے یا جماعت میں ہوتے ہوئے ایک رکعت میں ایک صف سے زیادہ چلنا یا تنہا نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کی جگہ سے آگے چلے جانا۔

❼ نمازی کا نماز میں کوئی ایسا عمل کرنا کہ دیکھنے والے اس شخص کو جس کے سامنے اس نے نماز شروع نہیں کی یہ محسوس ہو کہ یہ نماز میں نہیں ہے، مثلاً: تین بار ''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' کہنے کی مقدار میں تین مرتبہ بدن اس طرح کھجانا کہ ایک مرتبہ کھجا کر ہاتھ ہٹا لیا جائے، پھر دوسری مرتبہ کھجایا جائے، پھر ہاتھ ہٹا کر تیسری مرتبہ کھجایا جائے۔

❽ قراءتِ قرآن میں چند ایسی غلطیاں ہیں جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، لہٰذا کوشش کی جائے کہ ''ح، ھ، ء، ع، س، ص، ث، ذ، ز'' وغیرہ حروف کو صحیح ادا کیا جائے، کیوں کہ بعض مرتبہ لفظ کی تبدیلی سے معنی ایسے بدل جاتے ہیں کہ جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

❾ کاغذ پر لکھے ہوئے الفاظ معنی سمجھ کر پڑھ لینا۔

---

[1] حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة: ٢٦٠

⓾ قہقہہ لگانا۔

⓫ امام کی جگہ سے آگے بڑھ جانا۔

⓬ سلام کرنا، سلام کا جواب دینا، چھینکنے والے کو "یَرْحَمُكَ اللّٰہُ" کہنا، بری خبر پر إِنَّا لِلّٰہِ پڑھنا، اچھی خبر پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا، تعجب خیز بات پر سُبْحَانَ اللّٰہِ کہنا۔

⓭ گرنے والے کو دیکھ کر بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا۔

⓮ لفظ "اَللّٰہُ" کے الف کو یا اَکْبَرُ کی ہمزہ کو یا اَکْبَرُ کی باء کو کھینچنا۔[1]

فَائِدَۃ: نماز پڑھنے میں ریل چل دے اور اس پر اپنا سامان رکھا ہوا ہے یا بچے سوئے ہیں تو نماز توڑ دینا درست ہے۔[2]

اسی طرح پیشاب پاخانے کا تقاضا شدید ہو تو نماز توڑ دینا درست ہے۔[3]

وہ کام جن سے نماز مکروہ تحریمی ہو جاتی ہے

❶ ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا جن سے اعضا کی شکل و بناوٹ ظاہر ہو۔

❷ اپنے کپڑے یا بدن سے کھیلنا۔

❸ چہرے کو ڈھانک لینا۔

❹ ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا جس میں جان دار کی تصویر ہو۔

❺ صرف ناک پر یا صرف پیشانی پر بلا عذر سجدہ کرنا۔

❻ انگلیاں چٹخانا۔

❼ چہرہ پھیر کر دیکھنا۔

---

[1] حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة: ص ٢٦٠، ٢٧٥، درمختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب يفسد الصلاة: ١/٦١٣، ٦٣٨

[2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، كتاب الصلاة، الباب التاسع في ادراك ......: ٣٢١/٤

[3] بهشتی زیور، حصه دوم: ص ١٤٦، ١٤٧

8. سجدے میں بازو بچھانا۔
9. پاخانہ، پیشاب، ریح کو روکتے ہوئے نماز پڑھنا۔
10. زبان سے تسبیح گننا۔
11. رکوع، سجدے میں جاتے ہوئے کپڑوں کو سمیٹنا۔
12. داڑھی کے بالوں میں ہاتھ پھیرنا، اپنے کپڑے پکڑنا، بدن کو بلاضرورت کھجانا۔
13. کسی آدمی کے منہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا۔
14. عمامہ کے پیچ پر اس طرح سجدہ کرنا کہ پیشانی زمین پر نہ لگے۔
15. بلا عذر چارزانوں بیٹھنا۔
16. بلاضرورت ناک صاف کرنا۔
17. مقتدی کا کسی عمل کو امام سے پہلے کرنا۔
18. رکوع کی حالت میں قراءت کرنا۔
19. فرض نمازوں میں سورتوں کو جان بوجھ کر ترتیب قرآنی کے خلاف پڑھنا۔
20. امام کی قراءت کے دوران دعا، ذکر یا تلاوت کرنا۔[1]

فرض، واجب، سنت، مستحب نمازیں

فرض نمازیں

دن رات میں جمعہ کے دن پندرہ (۱۵) رکعتیں اور عام دنوں میں سترہ (۱۷) رکعتیں پڑھنا۔

واجب نمازیں

وتر کی تین رکعتیں، عیدین کی دو دو رکعتیں، نذر کی نماز، توڑی ہوئی نفل نماز کی قضا۔

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الصلاۃ، فصل فی المکروھات: ص ۲۷۹، ۲۹۷، عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب السابع، الفصل الثانی: ۱/۱۰۵، ۱۰۹

سنتِ موکدہ

فجر کی نماز سے پہلے دو رکعت، ظہر سے پہلے چار، بعد میں دو، مغرب کے بعد دو، عشا کے بعد دو، جمعہ کی نماز سے پہلے چار، جمعہ کے بعد چار رکعتیں اور بعض علما کے نزدیک چار رکعتوں کے بعد دو رکعتیں بھی سنت موکدہ ہیں۔ تراویح کی بیس رکعتیں بھی سنت موکدہ ہیں۔

نفل نمازیں

تہجد کی دو، چار یا آٹھ رکعات، تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو کی دو رکعتیں، اشراق کی دو یا چار رکعتیں، چاشت کی کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں، ظہر کی سنتوں کے بعد دو رکعتیں، عصر سے پہلے چار رکعتیں، مغرب کے بعد سنتوں سمیت چھ رکعتیں، عشا سے پہلے چار رکعتیں، عشا کی سنتوں کے بعد دو رکعتیں، صلاۃ التسبیح کی چار رکعتیں، وتر کے بعد دو رکعتیں، نماز سفر کی دو رکعتیں، نماز استخارہ کی دو رکعتیں، نماز حاجت کی دو رکعتیں، جمعہ کی سنتِ موکدہ کے بعد دو رکعتیں، نماز توبہ کی دو رکعتیں۔[1]

قضا نمازوں کے پڑھنے کا بیان[2]

کوئی نماز چھوٹ گئی ہو تو جب یاد آئے فوراً اس کی قضا پڑھیں، بلا عذر قضا

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الصلاۃ، فصل فی بیان النوافل: ص ۳۱٤، ۳۲٥

[2] ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہیے کہ بالغ ہونے کے بعد اس سے جتنی نمازیں قضا ہوگئی ہیں ان کی قضا پڑھیں، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو اس کے ذمے واجب ہے، صرف توبہ کرنے سے اس کا ذمہ فارغ نہیں ہوگا، لہٰذا ان ساری نمازوں کا حساب کرکے ایک کاپی یا رجسٹر میں لکھنا چوں کہ مشکل کام ہے تو عوام الناس کی آسانی کے لیے اور ان کو ترتیب بتانے کے لیے بیت العلم ٹرسٹ سے ایک چھوٹا سا رسالہ ''قضائے عمری'' کے نام سے طبع ہوا ہے جس کے آخر میں ایک مہینے کے حساب سے قضا نمازوں کا چارٹ دیا گیا ہے ہر ایک کے لیے اس رسالے کو اپنے پاس رکھنا بے حد ضروری ہے۔

پڑھنے میں دیر لگانا گناہ ہے۔

قضا پڑھنے کا کوئی وقتِ مقررہ نہیں ہے جس وقت فرصت ہو پڑھ لیں، البتہ خیال رکھیں کہ مکروہ وقت نہ ہو۔[1]

جس کی ایک ہی نماز قضا ہوئی، اس سے پہلے کوئی نماز اس کی قضا نہیں ہوئی یا اس سے پہلے نمازیں قضا تو ہوئیں، لیکن سب کی قضا پڑھ چکا ہے، صرف اسی ایک نماز کی قضا پڑھنا باقی ہے تو پہلے اس کی قضا پڑھے پھر کوئی اور نماز پڑھے۔ اگر بغیر قضا نماز پڑھے ادا نماز پڑھی تو ادا درست نہیں ہوئی، قضا پڑھنے کے بعد ادا دوبارہ پڑھنی ہوگی۔[2]

اگر قضا نماز یاد نہیں رہی، بالکل بھول گیا اور ادا پڑھ لی تو ادا درست ہوگئی، یاد آنے کے بعد صرف قضا نماز پڑھے، ادا کو نہ دوہرائے۔

اگر وقت بہت تنگ ہے کہ قضا پڑھے تو ادا نماز کا وقت باقی نہ رہے گا تو پہلے ادا پڑھ لے، پھر قضا پڑھے۔[3]

اگر کسی کی پانچ نمازیں یا اس سے کم قضا ہوگئیں اور ان نمازوں کے علاوہ کسی اور نماز کی قضا اس کے ذمہ باقی نہیں ہے تو جب تک قضا نمازیں نہ پڑھ لے اس وقت تک ادا نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

اسی طرح اگر وتر کی نماز قضا ہوگئی تو پھر وتر پڑھے بغیر فجر کی نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ قضا نمازوں کے پڑھنے کی ترتیب اس طرح ہو کہ جو نماز سب سے پہلے قضا ہوئی ہے اسے پہلے پڑھے، اس کے بعد جو نماز قضا ہوئی ہے اسے پڑھے۔ غرض قضا پڑھنے میں ترتیب کا خیال رکھے، جیسے کسی نے پورے ایک دن کی نمازیں نہیں

---

[1] البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، قضاء الفوائت: ۲/۷۹، ۸۰

[2] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت: ۱۲۱/۱

[3] حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الفوائت ص ۲۵۹، ۲۶۰

پڑھیں فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشا تو پہلے فجر پڑھے، پھر ظہر پھر عصر پھر مغرب پھر عشا۔ اگر پہلے فجر نہیں پڑھی، بل کہ ظہر پڑھ لی تو اب پہلے فجر پڑھے، ظہر دوبارہ پڑھے، کیوں کہ ظہر کی نماز، فجر سے پہلے پڑھنے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوئی۔[1]

اگر کسی کی چھ نمازیں قضا ہوگئیں تو اب ان کی قضا پڑھے بغیر بھی ادا نماز پڑھنا جائز ہے اور ان چھ نمازوں کی قضا میں بھی ترتیب ضروری نہیں، بل کہ اختیار ہے کہ جو نماز بعد میں قضا ہوئی ہے اس کی قضا پہلے کرلے اور جو نماز پہلے قضا ہوئی ہے اسے بعد میں پڑھ لے۔[2]

قضا صرف فرض نمازوں کی اور وتر کی پڑھی جاتی ہے، سنتوں کی قضا نہیں ہے، البتہ اگر فجر کی نماز قضا ہو جائے تو دوپہر سے پہلے پہلے قضا کرنے کی صورت میں سنت اور فرض دونوں کی قضا پڑھے اور اگر دوپہر کے بعد قضا پڑھے تو صرف دو رکعت فرض کی قضا پڑھے۔

فجر کا وقت تنگ ہونے کی وجہ سے سنت نہ پڑھ سکا، صرف دو رکعت فرض پڑھ لیے تو بہتر یہ ہے کہ سورج اونچا ہونے کے بعد دوپہر سے پہلے پہلے سنت کی قضا پڑھ لے۔

کسی بے نمازی نے توبہ کی تو جتنی نمازیں عمر بھر میں قضا ہوئی ہیں، سب کی قضا پڑھنا واجب ہے، توبہ سے نمازیں معاف نہیں ہوتیں، البتہ نہ پڑھنے سے جو گناہ ہوا تھا وہ توبہ سے معاف ہو جاتا ہے۔[3]

اگر کسی کی کچھ نمازیں قضا ہوگئیں ہوں اور ان کے قضا کرنے کی ابھی نوبت نہیں آئی تو مرتے وقت نمازوں کی طرف سے فدیہ دینے کی وصیت کر جانا واجب ہے۔

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلاۃ، الباب العاشر فی قضاء الفوائت ۴/۳۴۸

[2] البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الفوائت ۲/۸۶

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلاۃ، الباب العاشر فی قضاء الفوائت ۴/۳۳۶۔

فدیہ ایک دن میں چھ نمازوں کا ہوگا، پانچ فرض اور ایک وتر، فی نماز پونے دو کلو گندم یا اس کی قیمت فدیہ میں دینا لازم ہے۔[1]

قضا نمازوں کو مخفی طور پر (چھپ کے سے) ادا کرنا چاہیے، لہٰذا نمازِ عصر اور فجر کے بعد لوگوں کے سامنے قضا نہ پڑھے، کیوں کہ اس وقت میں نوافل مکروہ ہیں تو دیکھنے والے اس نماز کو قضا ہی سمجھیں گے اور گناہ کا اظہار بھی مستقل گناہ ہے، لوگوں کے سامنے وتر کی قضا میں دعا قنوت سے قبل تکبیر کہے، مگر ہاتھ نہ اٹھائے۔

قضا نماز میں اگر کسی خاص دن کے بارے میں یقینی طور پر یاد ہو کہ اس دن فلاں نماز نہیں پڑھی تھی، پھر تو اسی دن کی تعیین سے نیت کریں، مثلاً: ''میں اتوار ۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ کی ظہر کی نماز پڑھتا ہوں۔'' اور اگر یاد نہ ہو کہ کس دن کی نماز قضا ہوئی ہے تو یہ نیت کرے کہ فجر کی جتنی نمازیں مجھ سے قضا ہوگئیں ہیں، ان میں سے پہلی ادا کرتا ہوں، جب یہ ادا ہو جائے تو اگلی نماز پہلی بن جائے گی، پھر اس کی ادائیگی بھی اسی طرح کی ہوگی، یوں سب نمازیں وقت، دن، تاریخ کے اعتبار سے ادا ہو جائیں گی۔[2]

قضا نمازیں ادا کرنے کی آسان تدبیریں

پہلی تدبیر

چوں کہ ایک دن میں بہت سی نمازیں پڑھنا مشکل ہوتا ہے، اس لیے اس کی ایک آسان تدبیر یہ ہے کہ ایک دن کی فرض قضا رکعتوں کی کل تعداد بیس ہوتی ہے۔ فجر کی دو، ظہر کی چار، عصر کی چار، مغرب کی تین، عشا کی چار اور تین وتر، کل بیس رکعتیں ہیں، جن کی ادائیگی کے لیے متوسط طریقہ پر کل بیس منٹ کی ضرورت ہے جو

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلاۃ، الباب العاشر فی قضا الفوائت: ٣٦٨/٤

[2] خیر الفتاوی، کتاب الصلاۃ، ما یتعلق بقضاء الفوائت: ٦١٦/٢

چوبیس گھنٹے کا صرف بہترواں حصہ ہے، اس لیے اگر صبح سے دوپہر تک یا عشا کے بعد سے صبح تک کسی وقت بھی یہ بیس منٹ صرف کرلیں تو سب نمازیں ادا ہو جائیں گی۔

دوسری تدبیر

ہر نماز سے پہلے یا بعد میں جو وقت مکروہ نہ ہو، ایک قضا پڑھ لیں، سب آسانی سے ادا ہو جائیں گی۔

تیسری تدبیر

بیس رکعات کی تین قسطیں کرلیں، فجر اور ظہر کی چھ رکعتیں ظہر کے بعد اور عصر مغرب کی سات رکعتیں مغرب کے بعد اور عشاء، وتر کی سات رکعتیں عشا کے بعد پڑھ لیں، اس طرح ہر نماز کے بعد صرف سات سات منٹ زائد صرف ہوئے۔ (خوب سوچ لیجیے کہ ایسے ادا کرنا آسان ہے، ورنہ مرنے کے وقت کیا خبر ہم وصیت کرسکیں یا نہ کرسکیں، جیسے ایکسیڈنٹ یا ہارٹ فیل وغیرہ میں بہت ہوتا ہے۔ ورنہ عذاب سر لینا ہوگا) اگر زندگی میں نمازیں نہ پڑھیں تو فدیہ دینے کی وصیت کرنا ضروری ہے۔

نمازیں ایک دن کی چھ ہیں: پانچ فرض اور وتر واجب اور ہر نماز کا فدیہ پونے دو کلو گندم یا اس کی قیمت ہے، چھ نمازوں کا فدیہ ساڑھے دس کلو گندم یا اس کی قیمت ہوئی اور مہینہ کے احتیاطاً تیس دن کے ۳۱۵ کلو گویا ۷ من ۳۵ کلو گندم بنی پھر اس کو بارہ ماہ کے لیے بارہ سے ضرب دیں تو ۸۸ من ۲۰ کلو گندم ہوئی، یہ صرف ایک سال کی نماز کا فدیہ ہے۔

اب جتنے سال کی نمازیں رہ گئیں ہوں، ان کو اتنے سے ضرب دے کر معلوم کریں، کتنے من گندم اور کتنے لاکھ روپے بنتے ہیں۔

فرض کریں اگر دس سال کی نمازوں کا فدیہ گندم سے ادا کرنا ہے تو ۸۸۔۲۰

سے ضرب ۱۰=۸۸۲ من گندم ہوئی۔

اگر وارث لوگ بہت نیک بھی ہوئے تو یہ اتنی کثیر رقم بنتی ہے کہ ان کے لیے بھی اس کو برداشت کرنے کی کم ہی امید ہے، شاید ہی وہ اس کو ادا کرسکیں۔ اس لیے ہر مرد اور عورت کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی قضا نمازوں کی ادائیگی کی خود ہی فکر کریں۔

جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم

❶ پانچوں وقت کی نمازیں جماعت سے ادا کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔

❷ نمازِ تراویح اور سورج گرہن کی نماز کے لیے جماعت سنتِ موکدہ ہے۔

❸ رمضان میں وتر کی نماز جماعت سے پڑھنا افضل ہے۔

❹ نفل نماز کو جماعت سے پڑھنے کے لیے لوگوں کو دعوت دے کر جمع کرنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر دو تین افراد خود جمع ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں۔[1]

اگر کوئی شخص اپنے محلے کی مسجد میں ایسے وقت پہنچا کہ وہاں جماعت ہو چکی ہو تو اس کے لیے بہتر ہے کہ دوسری مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھے، اگر چاہے تو اپنے گھر والوں کو جمع کر کے گھر میں جماعت سے نماز پڑھ لے جس کی ترتیب یہ ہوگی کہ مرد آگے کھڑا ہو اس کے پیچھے بچے صف بنائیں ان کے پیچھے عورت یا عورتیں ہوں۔[2]

اگر کسی شخص نے فرض نماز پڑھ لی ہو اور اس کے بعد مسجد میں پہنچ کر دیکھا کہ وہی فرض نماز جماعت سے ہو رہی ہے تو اسے ظہر اور عشا میں نفل کی نیت سے جماعت میں شریک ہو جانا چاہیے۔

اگر فرض نماز جماعت سے ہو رہی ہو تو پھر سنت شروع نہ کی جائے۔ ظہر اور

---

[1] عالمگیری، الصلاة، الباب الخامس فی الامامة، الفصل الاول: ۸۲/۱.

[2] عالمگیری، کتاب الصلاة، الباب الخامس فی الامامة، الفصل الاول: ۸۳/۱

جمعہ سے پہلے کی چھوٹی ہوئی چار سنتیں بعد میں پڑھے، اختیار ہے کہ ان سنتوں کو بقیہ سنتوں کے بعد پڑھے یا پہلے پڑھے۔

اگر ظہر کی نماز میں چوتھی رکعت میں کوئی شخص شریک ہو تو اسے چاہیے کہ امام کے سلام پھیر دینے کے بعد کھڑا ہو جائے اور باقی تین رکعتیں اس طرح ادا کرے کہ پہلی رکعت میں ثنا، سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملا کر رکوع سجدہ کر کے بیٹھ جائے، پھر دوسری رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملائے اور رکوع سجدہ کر کے نہ بیٹھے، بل کہ کھڑا ہو جائے، پھر تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت نہ ملائے اور پھر اپنی نماز پوری کرے۔[1]

اگر مغرب کی تیسری رکعت ملے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو جائے، سورۂ فاتحہ اور سورت ملا کر رکوع میں سجدہ کر کے بیٹھ جائے، پھر کھڑا ہو کر سورۂ فاتحہ اور سورت ملائے اور رکوع سجدہ کر کے ''اَلتَّحِیَّات'' میں بیٹھے اور درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیرے۔

مندرجہ ذیل صورتوں میں مسجد میں دوسری جماعت جائز ہے:

1. مسجد عام راہ گزر پر ہو، محلے کی نہ ہو کہ جس میں امام ومؤذن اور وقتِ نماز طے ہوتا ہے۔
2. پچھلی جماعت اہلِ محلّہ نے نہ پڑھی ہو۔ (محلے والے امورِ مسجد کا خیال بھی رکھتے ہوں)
3. پہلی جماعت بلند آواز سے اذان واقامت کہہ کر نہ پڑھی گئی ہو۔[2]

نمازی کے آگے سے گزرنا

بڑی مسجد اور کھلے میدان میں نمازی کے کھڑے ہونے کی جگہ سے دو صف

[1] خیر الفتاوی، کتاب الصلاۃ، ماجاء فی المسبوق: ۲/۴۰۵

[2] درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ: ۱/۵۵۲، ۵۵۳

(تقریباً آٹھ فٹ = 2.44) چھوڑ کر آگے سے گزرا جا سکتا ہے، بڑی مسجد وہ کہلاتی ہے جس کا طول اور عرض ہر ایک بیس گز سے کم نہ ہو۔[1]

اونچی جگہ، مثلاً: چبوترہ یا تخت وغیرہ پر نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرنا اس صورت میں جائز ہے، جب کہ نماز پڑھنے والے کی جگہ گزرنے والے کے قد سے اونچی ہو۔ اسی طرح اس صورت میں بھی گزرنا جائز ہے، جب کہ نماز پڑھنے والا نیچے ہو اور گزرنے والا اتنا اونچا ہو کہ اس کے پاؤں نمازی کے سر کے سامنے نہ ہوتے ہوں۔

اگر اگلی صف میں خالی جگہ چھوڑ کر کوئی شخص پچھلی صف میں کھڑا ہوگیا تو بعد میں آنے والے شخص کے لیے جائز ہے کہ اگر وہ کوئی اور جگہ نہ پائے تو نمازی کے سامنے سے گزر کر اگلی صف کی خالی جگہ کو پر کرلے۔ نمازی کے بالکل سامنے بیٹھنے والا شخص دائیں، بائیں سے نکل سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزرنا چاہتا ہے اور اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جو سترہ بن سکتی ہے، مثلاً: کرسی، چھڑی، کپڑا وغیرہ تو اسے نمازی کے سامنے رکھ کر اس کے آگے سے گزر جائے، پھر اس چیز کو اٹھا لے۔

نمازی کے سامنے کوئی شخص پشت کیے بیٹھا ہو تو بیٹھے ہوئے شخص کے سامنے سے لوگ گزر سکتے ہیں، کیوں کہ بیٹھا ہوا شخص گزرنے والوں کے لیے سترہ بن جائے گا۔

امام اور منفرد کے لیے گھر یا میدان میں نماز پڑھنے کی صورت میں بہتر یہ ہے کہ اپنے سامنے کوئی ایسی چیز کھڑی کرلے جو کم از کم ایک ہاتھ کہنی تک اونچی اور ایک انگلی کے برابر موٹی ہو، اگر ایسی کوئی چیز نہ ہو جس کی اونچائی ایک ہاتھ کے بقدر ہو تو اس سے کم بھی کافی ہے۔ امام کے آگے سترہ ہونے کی صورت میں مقتدیوں کے

---

[1] احسن الفتاوی، کتاب الصلاۃ، باب مفسدات الصلاۃ: ۳/۴۰۹

آگے سے گزرا جا سکتا ہے۔

مسجدِ حرام میں سترہ کے یہی مسائل ہیں، البتہ طواف کرنے والا نمازی کے سجدہ کی جگہ کو چھوڑ کر آگے سے گزر سکتا ہے۔[1]

جمعے کی نماز

ہر مسلمان کو چاہیے کہ جمعے کے دن کا اہتمام کرے، اچھی طرح غسل کرے، صاف ستھرے کپڑے پہنے، اگر خوش بو ہو تو اسے استعمال کرے، جلدی مسجد جانے کی کوشش کرے، پیدل جائے، جمعے کی نماز سے پہلے یا جمعے کی نماز کے بعد ''سورۂ کہف'' پڑھے، اس کی وجہ سے دجال کے فتنے سے حفاظت رہے گی۔

حدیث میں ہے: ''جب جمعے کا دن ہوتا ہے، فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں، پہلے آنے والا کا نام پہلے، اس کے بعد آنے والے کا نام اس کے بعد لکھتے ہیں (اسی طرح آنے والوں کے نام ان کے آنے کی ترتیب سے لکھتے رہتے ہیں) جو جمعے کی نماز کے لیے سویرے جاتا ہے، اسے اونٹ صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے، اس کے بعد آنے والے کو گائے، اس کے بعد آنے والے کو مینڈھا، اس کے بعد آنے والے کو مرغی، اس کے بعد آنے والے کو انڈا صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

جب امام خطبہ دینے کے لیے آتا ہے تو فرشتے اپنے وہ رجسٹر جن میں آنے والوں کے نام لکھے گئے ہیں، لپیٹ دیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔''[2]

ایک اور حدیث میں ہے کہ ''جو شخص جمعے کے دن خوب اچھی طرح غسل کرتا

---

[1] احسن الفتاوی، کتاب الصلاۃ، باب مفسدات الصلوۃ: ۳/۴۰۸، ۴۱۱؛ مسائل نماز، مدلل، نمازی کے آگے سے گزرنے کا بیان: ۴/۱۱۶، ۱۱۸

[2] مشکاۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب التنظیف والتکبیر: ۱/۱۲۲

ہے، بہت سویرے مسجد جاتا ہے، پیدل جاتا ہے، سواری پر نہیں ہوتا، امام سے قریب ہوکر بیٹھتا ہے اور توجہ سے خطبہ سنتا ہے، اس دوران کسی قسم کی کوئی بات نہیں کرتا تو وہ جمعے کے لیے جتنے قدم چل کر آتا ہے، اسے ہر ہر قدم کے بدلے ایک سال کے روزوں کا ثواب اور ایک سال کی راتوں کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔''[1]

جمعے کے خطبے کے مسائل

❶ جب خطبہ شروع ہو جائے تو تمام حاضرین کو خطبہ سننا واجب ہے، اگر چہ خطبہ سنائی نہ دے رہا ہو، تب بھی خاموش رہنا ضروری ہے، دورانِ خطبہ کھانا پینا، بات چیت کرنا، سلام کرنا یا اس کا جواب دینا، تسبیح پڑھنا، کسی کو شرعی مسئلہ بتانا منع ہے۔

اگر بچے شور کر رہے ہوں تو ان کو سر اور ہاتھ کے اشارے سے روکا جا سکتا ہے، زبان سے روکنا صحیح نہیں، البتہ خطیب زبان سے بھی روک سکتا ہے۔

❷ دونوں خطبوں کے درمیان دو زانو بیٹھے رہنا مستحب ہے۔[2]

❸ جس مسجد میں جمعے کی نماز پڑھنے کا ارادہ ہے، اس مسجد کی پہلی اذان کے بعد جمعے کی تیاری کے علاوہ کسی بھی کام میں مشغول ہونا جائز نہیں، خواہ وہ دینی کام ہی کیوں نہ ہو، جمعے کی تیاری میں غسل کرنا، کپڑے وغیرہ پہننا شامل ہے، البتہ مسجد جاتے ہوئے راستے میں رکے بغیر آپس میں کچھ خرید و فروخت کرنا یا چلتے ہوئے کچھ کھا پی لینا جائز ہے، لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ ایسا نہ کیا جائے۔[3]

---

[1] جامع الترمذی، ابواب الجمعة، باب فی فضل الغسل یوم الجمعة: ۱۱۱/۱

[2] البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعة: ۱۴۸/۲، ۱۴۹، حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة: ص ۴۲۳، ۴۲۴

[3] البحر الرائق کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعة: ۱۵۶/۲

نمازِ تراویح

تراویح کی نماز مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے سنتِ مؤکدہ ہے، اس کا چھوڑنا گناہ ہے۔ عشا کے فرض اور سنتوں کے بعد بیس رکعت تراویح دو دو رکعت کی نیت سے بھی پڑھی جاسکتی ہیں اور چار چار رکعت کی نیت سے بھی پڑھی جاسکتی ہیں، مگر دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے، بیس رکعات کے بعد وتر پڑھے جائیں۔[1]

تراویح کا رمضان کے پورے مہینے میں پڑھنا سنت ہے، اگرچہ قرآن مجید رمضان کا مہینہ ختم ہونے سے پہلے ہی پورا ہوجائے۔

اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچے کہ عشا کی نماز ہوچکی ہو تو اسے چاہیے کہ پہلے عشا کی نماز پڑھ لے، پھر تراویح میں شریک ہو، اگر تراویح کی کچھ رکعتیں چھوٹ جائیں تو وتر کو جماعت سے پڑھنے کے بعد چھوٹی ہوئی رکعتیں ادا کی جائیں۔[2]

جس کی داڑھی ایک مشت سے کم ہو، ایسے شخص کو فرض نماز میں یا تراویح میں امام نہ بنایا جائے۔[3]

نوافل

تحیة الوضو

وضو کرنے کے بعد کم از کم دو رکعت نفل پڑھنے کو "تحیة الوضوء" کہا جاتا ہے۔

تحیة المسجد

مسجد میں داخل ہونے کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کو "تحیة المسجد" کہا

---

[1] حاشية الطحطاوی، کتاب الصلاة، فصل فی الصلاة التراویح: ۳۳۴، ۳۳۸

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلاة، الباب الثامن فی الوتر: ۱۵۴/۴

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلاة، باب الامامة: ۲۴۰/۳

جاتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں بیٹھنے سے پہلے پڑھ لی جائیں۔

اگر نمازوں کے اوقات کے علاوہ مسجد میں کئی مرتبہ جانا ہو تو صرف ایک مرتبہ ''تحیة المسجد'' پڑھ لینا کافی ہے، خواہ پہلی مرتبہ پڑھ لے یا اخیر میں۔[1]

اگر نفل پڑھنے کا وقت نہ ہو تو مسجد میں داخل ہونے کے بعد چار مرتبہ یہ کلمات کہے جائیں:

''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ''[2] پھر درود شریف پڑھا جائے۔[3]

استخارے کی نماز

جب کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی مصلحتیں برابر ہوں اور کسی ایک جانب کا متعین کرنا ممکن نہ ہو لیکن اس کام کا کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہو، یعنی اس کام کا کرنا ناجائز نہ ہو، اسی طرح اس کا کرنا فرض اور واجب بھی نہ ہو، صرف بہتر صورت اختیار کرنا ہو تو اس وقت استخارہ کیا جاتا ہے۔

استخارے کا فائدہ تسلی ہے کہ ضرور خیر عطا ہوگی، خواہ دنیا میں یا آخرت میں، دنیا کی خیر یہ ہے کہ وہی چیز مل جائے جس کے لیے استخارہ کیا ہے یا اس کا نعم البدل (متبادل) مل جائے اور آخرت کی خیر یہ ہے کہ ثواب مل جائے اور مطلوبہ چیز نہ ملنے پر صبر کا اجر مل جائے۔

جب کوئی آدمی کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے اس کام میں خیر مانگے، اسے استخارہ کہتے ہیں۔

---

[1] حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في بيان النوافل: ص ۳۲۰، ۳۲۱

[2] سنن ابي داود، الصلاة، صلاة التسبيح: ۱/۱۸۳

[3] احسن الفتاوى، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۳/۴۸۳

''حدیث میں ہے کہ استخارہ نہ کرنا بدبختی اور کم نصیبی کی بات ہے۔[1]''
استخارے کے بعد کیے ہوئے کام پر کبھی پشیمانی نہ ہوگی۔

استخارے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دو رکعت نفل نماز پڑھے، اس کے بعد خوب دل لگا کر دعا پڑھے، دعا کے شروع و آخر میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور درود شریف پڑھے۔

دعا یہ ہے:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ؕ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْهُ لِیْ، وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ.''[2]

جب ''هٰذَا الْاَمْر'' پر پہنچے تو اپنی اس ضرورت کا دھیان کرے جس کے لیے استخارہ کر رہا ہے، اس کے بعد جو بات دل میں مضبوطی سے آئے وہی بہتر ہے، اسی کو کرنا چاہیے۔

استخارہ دن رات میں کسی وقت بھی کیا جا سکتا ہے، ایک دن میں کئی مرتبہ بھی استخارہ کیا جا سکتا ہے اور اس کے لیے سونا بھی ضروری نہیں۔

اگر ایک دن میں کچھ معلوم نہ ہو اور دل کی کھٹک دور نہ ہو تو دوسرے دن پھر ایسا ہی کرے، اسی طرح سات دن تک کرے۔ ''اِنْ شَاءَ اللّٰهُ'' ضرور اس کام کی

---

[1] صحیح البخاری، الدعوات، الدعاء عند الاستخارة: ۲/۹٤٤

[2] صحیح البخاری، الدعوات، الدعاء عند الاستخارة: ۲/۹٤٤

اچھائی یا برائی معلوم ہو جائے گی۔

استخارے کے لیے خواب میں کچھ نظر آنا ضروری نہیں ہے، لیکن کبھی خواب دیکھنے سے بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔

فرض کام، مثلاً: حج کرنے کے لیے استخارہ نہیں ہوگا، البتہ استخارہ حج پر جانے کی تاریخ کے بارے میں ہوسکتا ہے۔

استخارہ ارادے سے پہلے کرنا چاہیے، پھر استخارے کے بعد جس طرف قلبی میلان ہو جائے، وہی کام کرنا چاہیے۔

استخارہ کرنے سے پہلے اگر کسی طرف رائے کا میلان ہو تو اسے ختم کر دیا جائے جب طبیعت یکسو ہو جائے تو استخارہ کیا جائے اور یوں دعا کی جائے:

اے اللہ! جو میرے لیے بہتر ہے وہ ہو جائے، ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگنا بھی درست ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول کلمات سے دعا مانگنا زیادہ بہتر ہے۔

سجدہ سہو کا بیان

نماز میں بھول جانے سے کوئی ایسی کمی یا زیادتی ہو جائے جس سے نماز تو نہیں ٹوٹتی، لیکن نماز میں نقصان آجاتا ہے، اس کمی کو دور کرنے کے لیے نماز کے آخر میں سلام سے پہلے دو سجدے کیے جاتے ہیں، ان دو سجدوں کو سجدہ سہو کہتے ہیں۔

سجدہ سہو کرنے کا طریقہ

سجدہ سہو کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آخری رکعت میں التحیات پڑھ کر دائیں طرف سلام پھیر کر دو سجدے کیے جائیں، پھر بیٹھ کر التحیات، درود شریف اور دعا پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیرا جائے۔

کسی نے بھول کر سلام پھیرنے سے پہلے ہی سجدہ سہو کر لیا، تب بھی نماز صحیح

ہوگئی، لیکن اس طرح کرنا مکروہ ہے۔ اگر دونوں طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو کر لیا تب بھی نماز صحیح ہوگئی۔

سجدہ سہو واجب تھا، لیکن سجدہ سہو کرنا بھول گیا اور دونوں طرف سلام پھیر دیا، لیکن ابھی اسی جگہ بیٹھا ہے اور سینہ قبلہ کی طرح سے نہیں پھیرا، نہ کسی سے کوئی بات کی بل کہ خاموش بیٹھا رہا یا بیٹھے بیٹھے درود شریف وغیرہ پڑھتا رہا تو اب سجدہ سہو کر لے۔[1]

سجدہ سہو کے چند مسائل

❶ جن چیزوں کو بھول کر کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، ان کو جان کر کرنے کی صورت میں نماز دوبارہ سے پڑھنی ہوگی۔ اگر سجدہ سہو کر بھی لیا، تب بھی نماز دوبارہ سے پڑھنی ہوگی۔[2]

❷ اگر نماز میں کئی باتیں ایسی ہوگئیں جن سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے تو ایک ہی سجدہ سہو کافی ہے۔ ایک نماز میں دو مرتبہ سجدہ سہو نہیں کیا جاتا۔

❸ سجدہ سہو کرنے کے بعد پھر کوئی ایسی بات ہوگئی جس سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے تو وہی پہلا سجدہ کافی ہے، اب پھر سجدہ سہو نہ کرے۔[3]

مندرجہ ذیل صورتوں میں سجدہ سہو کیا جائے

❶ فرض نماز کی پہلی یا دوسری رکعت میں سورت ملانے کو بھول جانا۔

❷ واجب، سنت اور نفل کی کسی رکعت میں سورت ملانا بھول جانا۔

❸ سورۂ فاتحہ کے بعد بھولے سے التحیات، مسنون دعا پڑھ لینا یا ذکر کر لینا۔

---

[1] فتاویٰ ہندیہ، کتاب الصلاۃ، الباب الثانی عشر فی سجود السہو: ۱/۱۲۵

[2] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الثانی عشر فی سجود السہو: ۱/۱۲۵، ۱۲۶

[3] البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو: ۲/۹۲، ۹۳

❹ سری نماز میں تیس (۳۰) حروف کے بقدر بلند آواز سے قراءت کرنا یا جہری نماز میں تیس (۳۰) حروف کے بقدر آہستہ آواز سے قراءت کرنا۔

❺ بھولے سے ایک رکعت میں دو رکوع کر لینا۔

❻ بھولے سے ایک رکعت میں سجدہ کر لینا۔

❼ رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ میں ایک مرتبہ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' کہنے کی مقدار نہ ٹھہرنا۔

❽ پہلے قعدہ میں التحیات دو مرتبہ پڑھ لینا۔

❾ نفل اور سنتِ غیر مؤکدہ کے علاوہ اور نمازوں کے پہلے قعدے میں التحیات کے بعد ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ'' یا اس سے زیادہ پڑھ لینا۔

❿ تشہد میں التحیات سے پہلے بھولے سے ''مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' تک سورۂ فاتحہ پڑھ لینا۔

⓫ وتر میں دعائے قنوت پڑھے بغیر رکوع میں چلے جانا۔[1]

سجدہ سہو کرنے یا نہ کرنے کی تفصیل

تین یا چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پڑھ کر تشہد میں بیٹھے بغیر تیسری رکعت کے لیے اگر پورا کھڑا ہو چکا ہو تو پھر نہ بیٹھے اور نماز کے آخر میں سجدہ سہو کر لے اور اگر پورا کھڑا ہوا ہو، یعنی گھٹنوں سے اونچا نہ ہوا ہو تو بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ کر کھڑا ہو جائے، سجدہ سہو کی ضرورت نہیں۔[2]

ظہر، عصر یا عشا کی چوتھی رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور ابھی سیدھا کھڑا نہیں ہوا تو بیٹھ جائے اور التحیات، درود وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر لے، سجدہ سہو کی ضرورت

---

[1] البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۹۳، ۹۹، فتاوی تاتارخانیه علی هامش الهندیة، الصلاة، فصل فیما یوجب السهو: ۱/۱۲۱

[2] حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۳۸۰

نہیں، اگر سیدھا کھڑا ہوگیا تو جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ کر سجدہ سہو کر لے۔[1]

اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو چھٹی رکعت ملا کر نماز پوری کر لے، یہ چھ رکعتیں نفل ہوگئیں، سجدہ سہو کی ضرورت نہیں، فرض دوبارہ پڑھے۔

اگر پانچویں رکعت پر ہی سلام پھیر دیا تو چار رکعتیں نفل ہوگئیں اور ایک رکعت ضائع ہوئی۔ اگر فجر کے فرض میں یہ صورت پیش آجائے تو چار رکعت پوری کر لے اور فجر دوبارہ پڑھے۔

اگر مغرب میں یہ صورت پیش آجائے تو بھی چار رکعتوں کے بعد سلام پھیر لے اور مغرب کے فرض دوبارہ پڑھے۔

اگر فرض نماز کی چوتھی رکعت میں التحیات پڑھ کر کھڑا ہوگیا تو پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے جب یاد آئے بیٹھ جائے اور التحیات نہ پڑھے، بل کہ بیٹھ کر فوراً سلام پھیر کر سجدہ سہو کرے۔

اگر پانچویں رکعت کے سجدے کے بعد یاد آیا تو ایک رکعت اور ملا لے اور سجدہ سہو کر لے، چار فرض ہو جائیں گے اور دو نفل۔[2]

اگر پانچویں رکعت پر سلام پھیر کر سجدہ سہو کر لیا تو اچھا نہیں کیا، اس صورت میں چار رکعتیں فرض ہوئیں اور ایک رکعت بے کار گئی۔ اگر مغرب میں یہی صورت پیش آجائے تو دو رکعتیں مزید پڑھ لے، تین رکعتیں فرض ہو جائیں گی اور دو رکعتیں نفل۔

آخری تشہد کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدہ سہو واجب نہیں۔[3]

---

[1] فتاویٰ قاضی خان، علی هامش الهندية، كتاب الصلاة، فصل فيما يوجب: ۱۲۰/۱

[2] خير الفتاوى، كتاب الصلاة، ما يتعلق بالسجود السهو: ۶۲۵/۲

[3] عالمگیری، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود: ۱۲۷/۱

نماز میں سوچنے کے مسائل

سورۂ فاتحہ پڑھ کر تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" پڑھنے کی مقدار اس سوچ میں لگ گیا کہ کون سی سورت پڑھی جائے تو بھی سجدہ سہو کیا جائے، اسی طرح اگر پڑھتے پڑھتے درمیان میں رک گیا اور کچھ سوچنے لگا اور سوچنے میں اتنی دیر لگ گئی جتنی دیر میں تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" کہہ سکتا ہے تو بھی سجدہ سہو کیا جائے۔

اسی طرح جب التحیات کے لیے بیٹھا تو فوراً التحیات شروع نہیں کی، بل کہ کچھ سوچتا رہا یا جب رکوع سے اٹھا تو کھڑا سوچتا رہا یا دونوں سجدوں کے درمیان میں بیٹھ کر کچھ سوچنے لگا اور سوچنے میں تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" کہنے کی مقدار گزر گئی تو ان سب صورتوں میں سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔[1]

نماز میں شک کے مسائل

❶ اگر نماز میں شک ہوگیا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں تو اگر یہ شک عام طور سے نہیں ہوتا تو دوبارہ نماز پڑھے، اگر ایسا شک ہوتا رہتا ہے تو سوچے، اگر دل کا رجحان یہ ہے کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں تو ایک رکعت اور پڑھ لے، سجدہ سہو کرنا واجب نہیں۔

❷ اگر دل کا رجحان یہ ہے کہ میں نے چاروں رکعتیں پڑھ لی ہیں تو سلام پھیر لے، سجدہ سہو بھی نہ کرے، اگر سوچنے کے بعد بھی شک رہے کہ تین رکعتیں ہوئیں یا چار رکعتیں ہوئیں تو تین رکعتیں سمجھ کر ایک رکعت اور ملا لے۔

اس صورت میں تیسری رکعت میں بھی بیٹھے اور التحیات پڑھے، پھر چوتھی رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کرے۔[2]

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الصلاۃ، احکام سجدہ سہو: ۱۹۷/۵

[2] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الثانی عشر فی السجود السہو، ومما یتصل بذلك المسائل: ۱۳۰/۱، ۱۳۷

اقتدا کے مسائل

❶ امام کی غلطی سے مقتدی کو بھی امام کے ساتھ سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔[1]

❷ مقتدی کی اپنی غلطی سے نہ اس پر سجدہ سہو واجب ہے اور نہ اس کے امام پر۔[2]

❸ جس مقتدی کی کچھ رکعتیں رہ گئی ہوں تو وہ امام کے ساتھ سجدہ سہو کے لیے سلام نہ پھیرے، بل کہ قعدہ میں بیٹھا رہے اور امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے، امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ مقتدی اپنی باقی نماز کو پورا کرنے کے لیے کھڑا ہو۔[3]

❹ باقی نماز کو پورا کرنے کے دوران کوئی بھول ہو جائے تو سجدہ سہو واجب ہے۔

سجدۂ تلاوت کا بیان

❶ قرآن مجید میں چودہ آیتیں ایسی ہیں جن میں سے کسی آیت کے پڑھنے یا سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے۔

❷ سجدۂ تلاوت کے لیے باوضو ہونا شرط ہے۔

❸ اگر آیتِ سجدہ کا ترجمہ لفظ بلفظ کسی بھی زبان میں پڑھا یا سنا تو پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہوگا۔[4]

❹ تلاوت کرنے والے کے لیے بہتر یہ ہے کہ سجدہ کی آیت کو آہستہ پڑھے، تاکہ سننے والا سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار نہ ہو۔[5]

---

[1] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الثانی عشر: ۱۲۸/۱

[2] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الثانی عشر: ۱۲۸/۱

[3] فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الصلاۃ، احکام سجدہ سہو: ۱۹۱/۵

[4] فتاویٰ عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر: ۱۳۲/۱، ۱۳۳، فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الصلاۃ، احکام سجدۂ تلاوت: ۲۰۴/۵

[5] طحطاوی، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ: ص ۴۰۶

۵ سجدہ کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ کھڑے ہوکر ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہہ کر سجدہ میں جائے۔ ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہتے وقت ہاتھ نہ اٹھائے، سجدہ میں کم سے کم تین مرتبہ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' کہے، پھر ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہہ کر سر اٹھا لے اور اگر بیٹھے بیٹھے سجدہ میں چلا گیا تو بھی کوئی حرج نہیں۔

۶ آیتِ سجدہ پڑھ کر فوراً سجدہ کرنا بہتر ہے، اگر اس وقت سجدہ کرنے کا ارادہ نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس وقت یہ کلمات پڑھ لے:
''سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ.''[1]

۷ اگر کسی کے ذمے کئی سجدے تلاوت کے باقی ہوں تو اسے ادا کر لے، ادا نہ کرنے کی صورت میں وصیت کرنا واجب ہوگا، ایک سجدہ کا فدیہ پونے دو کلو گندم ہے، ادا کیے بغیر اور وصیت کیے بغیر مر گیا تو گناہ گار ہوگا۔

۸ اگر نماز میں سجدہ کی آیت پڑھے تو وہ آیت پڑھنے کے بعد فوراً نماز ہی میں سجدہ کر لے، پھر باقی سورت پڑھ کر رکوع میں جائے، اگر آیت سجدہ کو پڑھ کر فوراً سجدہ نہ کیا، بل کہ اس کے بعد دو یا تین آیتیں اور پڑھ لیں پھر سجدہ کیا تو بھی درست ہے۔ اگر تین آیتوں سے زیادہ پڑھ کر سجدہ کیا تو سجدہ ادا ہوگیا، لیکن گناہ گار ہوا، اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھنے کے بعد سجدہ نہیں کیا تو اب یہ سجدہ نماز کے باہر ادا کرنے سے بھی ادا نہ ہوگا توبہ واستغفار کرنے کی ضرورت ہوگی۔[2]

۹ کسی شخص نے نماز میں شامل ہونے سے پہلے امام سے آیت سجدہ سنی اور امام کے سجدۂ تلاوت کرنے کے بعد یہ اسی رکعت میں شامل ہوگیا تو اسے سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر دوسری رکعت میں شامل ہوا تو اسے نماز سے

---

[1] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الصلاۃ، الباب الثانی عشر فی السجود التلاوۃ: ٤/٤٣٠

[2] حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ: ٣٩٧

فارغ ہونے کے بعد سجدہ کرنا ضروری ہے۔

⑩ ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے بار بار ایک ہی آیتِ سجدہ کو دوہرانے سے ایک مرتبہ سجدہ کرنا واجب ہے، چاہے پہلی مرتبہ پڑھنے کے بعد سجدہ کرے یا اخیر میں۔ اگر ایک آیت کو بار بار مختلف جگہوں میں دوہرایا تو جتنی مرتبہ دوہرانے گا، اتنی ہی مرتبہ سجدہ کرنا واجب ہوگا۔

⑪ ایک جگہ بیٹھے بیٹھے سجدہ کی کوئی آیت پڑھی، پھر اسی جگہ بیٹھے بیٹھے کسی اور کام میں لگ گیا، اس کے بعد پھر وہی آیت اسی جگہ پڑھی تو اب دو سجدے واجب ہوئے۔ (مطلب یہ ہے کہ جب کوئی اور کام کرنے لگے تو ایسا سمجھیں گے کہ جگہ بدل گئی ہے)

⑫ ایک کوٹھری یا کمرے میں یا دالان کے ایک کونے میں سجدہ کی کوئی آیت پڑھی اور پھر دوسرے کونے میں جا کر وہی آیت پڑھی، تب بھی ایک سجدہ کافی ہے، چاہے جتنی مرتبہ پڑھے۔

⑬ اگر مسجد میں سجدہ کی آیت کئی بار مسجد کی مختلف جگہوں میں پڑھے تو ایک ہی سجدہ واجب ہے۔[1]

⑭ اگر بڑا گھر ہو تو دوسرے کونے میں جا کر دوہرانے سے دوسرا سجدہ واجب ہوگا اور تیسرے کونے میں تیسرا سجدہ۔

⑮ پڑھنے والے نے ایک ہی جگہ ایک ہی آیت کو بار بار پڑھا، لیکن سننے والے نے مختلف جگہوں میں سنا، اس صورت میں پڑھنے والے پر ایک ہی سجدہ واجب ہے اور سننے والے پر جتنی مرتبہ اس نے مختلف جگہوں میں سنا ہے، اتنے سجدے واجب ہیں۔[2]

---

[1] عالمگیری، کتاب الصلاة، الباب الثالث عشر فی السجود التلاوة: ۱۳۴/۱

[2] البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۱۲۶/۲

⑯ سجدے کی کوئی آیت پڑھی اور سجدہ نہیں کیا پھر اسی جگہ نیت باندھ لی اور وہی آیت پھر نماز میں پڑھی اور نماز میں سجدہ تلاوت کیا تو یہی ایک سجدہ کافی ہے، دونوں سجدے اسی سے ادا ہو جائیں گے، لیکن اگر جگہ بدل کر نماز پڑھی تو پھر نماز سے پہلے واجب ہونے والا سجدہ الگ سے کرنا ضروری ہے۔[1]

⑰ اگر سواری خود نہ چلا رہا ہو تو ایک آیت کو بار بار پڑھنے سے ایک سجدہ واجب ہوگا اور اگر خود چلا رہا ہو تو ہر بار پڑھنے پر الگ سجدہ واجب ہوگا۔

⑱ لاؤڈ اسپیکر پر آیت سجدہ پڑھی گئی ہو تو سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔

⑲ جو آیتِ سجدہ ٹیپ سے سنی گئی ہو اس سے سننے والے پر سجدہ واجب نہیں ہوتا۔[2]

⑳ حالتِ جنابت میں آیتِ سجدہ پڑھی یا سنی تو سجدہ تلاوت واجب ہے۔

㉑ حیض یا نفاس والی عورت اور سمجھ دار بچے سے آیتِ سجدہ سننے والے پر سجدہ واجب ہے، خود ان پر واجب نہیں۔

نماز کے بعد سجدہ

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ میں چلے جاتے ہیں ایسا کرنا درست نہیں۔[3]

سجدۂ شکر

سجدۂ شکر صرف اس وقت مستحب ہے جب کوئی خاص نئی نعمت ملتی ہو۔[4]

---

[1] البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ: ۲/۱۲٤

[2] خیر الفتاوی، کتاب الصلاۃ، ما یتعلق بالسجود التلاوۃ: ۲/٦٥٥

[3] الهندية، الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی السجود التلاوۃ: ۱/۱۳٦

[4] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر، فی سجود التلاوۃ: ۱/۱۳٦

مسجد سے متعلق فضائل واحکام

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں مسجدوں کے بارے میں فرمایا ہے:

ترجمہ: ''ان گھروں کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔'' [۱]

حدیث میں ہے جس کا مفہوم ہے: ''اللہ تعالیٰ کو سب جگہوں سے زیادہ محبوب مساجد ہیں۔[۲]'' مساجد زمین میں اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں۔

علما نے فرمایا ہے کہ مساجد کا ادب یہ ہے کہ ان میں جنابت کی حالت میں داخل نہ ہو جائے، کوئی ناپاک چیز داخل نہ کی جائے، شور نہ مچایا جائے، دنیا کے کام اور دنیا کی باتیں نہ کی جائیں، بدبودار چیز کھا کر نہ جایا جائے۔[۳]

مسجد میں گم شدہ چیز کے لیے اعلان کرنا ناجائز ہے، البتہ اگر مسجد ہی میں کوئی چیز گم ہوگئی ہو تو اس کا اعلان کیا جا سکتا ہے۔[۴]

گم شدہ بچے کے لیے مسجد سے اعلان کرنے کی گنجائش ہے، لیکن اس کے لیے بہتر ہے کہ علاقے والے چندہ کر کے ایک لاؤڈ اسپیکر مسجد کی حدود سے باہر لگا لیں اور اس میں اعلان کیا کریں۔[۵]

مسجد میں خرید و فروخت اور دیگر معاملات کرنا ناجائز ہے، البتہ معتکف کے لیے بقدرِ حاجت خرید و فروخت کرنا جائز ہے بشرطیکہ فروخت کا سامان مسجد میں داخل نہ

---

[۱] النور: ۳۶

[۲] مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع: ٦٨

[۳] مسائل بهشتی زیور حصه اول: ص ۵۹۸، ۵۹۹

[۴] در مختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب فى احكام المسجد: ٦٦٠/١

[۵] مسائل بهشتی زیور حصه اول: ص ٦٠١

کیا جائے۔[1] مسجد میں سحری اور افطاری کے لیے سائرن بجانا جائز ہے، اسی طرح جب سائرن کی سہولت نہ ہو اور ضرورت ہو تو سحری اور افطاری کے وقت کی اطلاع دینے کے لیے اعلان بھی کیا جا سکتا ہے۔[2]

مسجد کے اندر کنگھی کرنا درست ہے، جب کہ بال مسجد میں نہ گریں۔[3]

مسافر کے لیے مسجد کی چٹائی استعمال کرنا جائز ہے، مگر احتیاط کرنا افضل ہے۔

اگر جماعت کا وقت قریب ہو اور نیند کا اثر ہو جس سے یہ خیال ہو کہ ایک جگہ بیٹھ کر انتظار کرنے سے نیند آ جائے گی یا اسی قسم کی کوئی اور ضرورت ہو تو مسجد میں ٹہلنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن مسجد میں ٹہلنے کا معمول بنانا صحیح نہیں، مسجد میں ورزش کرنا بھی درست نہیں۔[4]

مسجد کے لیے وقف شدہ رقم یا کوئی بھی چیز صرف مسجد کی ضروریات میں خرچ ہو سکتی ہے، اس کے علاوہ کسی اور مصرف میں اس کا خرچ کرنا مسجد کی کمیٹی کے لیے بھی جائز نہیں۔

اوقاتِ نماز کے علاوہ مسجد کی بجلی استعمال کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ استعمال شدہ بجلی کا خرچ مسجد میں جمع کرائیں۔[5]

مسجد میں دینی کتابیں پڑھنا، دینی معلومات کے لیے خط لکھنا درست ہے۔[6]

مسجد میں اپنے لیے کوئی جگہ مخصوص کرنا درست نہیں، البتہ اگر کوئی شخص کسی جگہ پر پہلے سے بیٹھا ہو، پھر وضو وغیرہ کے لیے رومال رکھ کر چلا جائے تو وہی اس جگہ کا

---

[1] ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، مطلب فی احکام المسجد ۱/ ۶۶۲

[2] بہشتی زیور حصہ اول: ص ۶۰۱، ۶۰۲

[3] خیر الفتاوی، کتاب الصلاۃ، ما یتعلق باحکام المساجد: ۲/ ۷۷۳

[4] امداد الاحکام، کتاب الصلاۃ، فصل فی احکام المسجد: ۱/ ۳۴۴

[5] فتاوی ہندیۃ، کتاب البیوع، الباب الهادی عشر فی المسجد ...... : ۲/ ۴۵۹

[6] عالمگیری، کتاب الکراهیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد: ۵/ ۳۲۱

زیادہ مستحق ہے۔[1]

اگر مسجد کی کوئی چیز کسی سے ضائع ہو جائے اور مسجد میں اس چیز کی ضرورت ہو تو وہی چیز دی جائے اور اگر ضرورت نہ ہو تو اس ضائع شدہ چیز کی قیمت مسجد میں جمع کرائی جائے، بتانے میں شرم محسوس ہو تو بغیر بتائے مسجد کے فنڈ میں پیسے جمع کرا دیے جائیں۔[2]

مسجد میں داخل ہونے والا فارغ بیٹھے ہوئے لوگوں کو اتنی آواز سے سلام کرے کہ وہی سنیں، تاکہ جو لوگ عبادت میں مشغول ہوں ان کی عبادت میں خلل نہ آئے۔[3]

غیر مسلم کا مسجد میں مسجد کا کام کرنے کے لیے داخل ہونا جائز ہے۔[4]

جن گھونسلوں کی وجہ سے مسجد میں صفائی نہ رہتی ہو انہیں ختم کرنا درست ہے، البتہ اگر گھونسلے میں انڈے یا بچے ہوں تو انتظار کرنا بہتر ہے۔[5]

مسجد میں کسی عالم کی تقریر ریکارڈ کرنے یا موبائل فون چارج کرنے کی صورت میں بجلی کا معاوضہ مسجد میں جمع کرا دیا جائے۔[6]

وضو کے اعضا سے ٹپکنے والا پانی مسجد میں نہ گرایا جائے، خود بخود گر جائے تو کوئی حرج نہیں۔[7]

دنیاوی باتیں کرنے ہی کی غرض سے مسجد میں جا کر دنیا کی باتیں کرنا جائز

---

[1] خیر الفتاوی، کتاب الصلاۃ، ما یتعلق باحکام المساجد: ۷۱۹/۲

[2] خیر الفتاوی، کتاب الصلاۃ، ما یتعلق باحکام المساجد: ۷۳۷/۲

[3] عالمگیری، کتاب الکراھیۃ، الباب السابع فی السلام: ۳۲۵/۵

[4] ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد: ۳۷۸/۴

[5] تقریرات الرافعی، علی ھامش ابن عابدین: ۸۶/۱

[6] خیر الفتاوی، کتاب الصلاۃ، ما یتعلق باحکام المساجد: ۷۷۰/۲

[7] خیر الفتاوی، کتاب الصلاۃ، ما یتعلق باحکام المساجد: ۷۷۶/۲، ۷۷۷

نہیں۔[1]

مسجد میں کھانا پینا اور سونا جائز نہیں لیکن مسافر اور معتکف کے لیے جائز ہے۔[2]

مسجد میں جنابت ہوتے ہی فوراً نکل جائے اور اگر کسی وجہ سے فوراً نکلنا ممکن نہ ہوتو تیمّم کرنا ضروری ہے، لیکن مسجد کی دیوار وغیرہ سے نہ کرے، بل کہ کوئی ڈھیلہ یا اینٹ وغیرہ باہر سے منگوا کر اس سے کر لے، اپنے ساتھ بھی ڈھیلا وغیرہ رکھ سکتا ہے۔

تعزیت کے لیے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے، البتہ اگر مسجد میں نماز کے لیے گیا اور وہاں کسی نے تعزیت کر لی تو کوئی حرج نہیں۔[3]

مسجد میں سوال کرنا اور مانگنے والے کو مسجد میں دینا مکروہ ہے۔[4]

مسجد کو راستہ بنالینا مکروہ ہے۔[5]

مسجد کی چھت کا حکم بھی وہی ہے جو مسجد کا ہے۔[6]

بدبو دار چیز مثلاً: کچا لہسن، پیاز، حقہ، سگریٹ، تمباکو، نسوار استعمال کرنے والے کا مسجد میں داخل ہونا اس وقت تک مکروہ تحریمی ہے جب تک بدبو دور نہ ہو جائے، یہی حکم بدبودار کپڑوں اور جسم کا بھی ہے۔[7]

ناپاک یا بدبودار تیل کا مسجد میں جلانا صحیح نہیں ہے۔ اگر کوئی اور صورت نہ ہوسکتی ہوتو مٹی کے تیل کا لیمپ مسجد سے باہر اتنی دور رکھا جائے کہ روشنی مسجد میں آتی

---

[1] عالمگیری، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد: ۳۲۱/۵

[2] الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد: ۳۲۱/۵

[3] مسائل بهشتی زیور حصہ اول: ص ۶۰۱

[4] درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی احکام المسجد: ۶۵۹/۱

[5] ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد: ۳۷۸/۴

[6] خیر الفتاوی: ۷۲۸/۲

[7] ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی احکام المسجد: ۶۶۶/۱

رہے۔[۱]

جوں، کھٹمل، مکھی، مچھر وغیرہ مار کر مسجد میں ڈال دینا مکروہ ہے۔[۲]

کسی مسجد میں اعتکاف کی نیت سے رہنا جس میں پانچ وقت کی باجماعت نماز ہوتی ہو باعثِ ثواب ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے بھی مسجد جانے کی صورت میں اعتکاف کی نیت کر لی جائے۔[۳]

مسجد میں معتکف کے لیے وضو کرنے کی اجازت اس صورت میں ہے، جب کہ مستعمل پانی مسجد میں نہ گرے۔[۴]

مسجد کے لیے وقف شدہ قرآنِ کریم یا دینی کتاب کو کسی دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں، البتہ اگر قرآن کریم یا دینی کتاب مسجد میں اس لیے رکھی ہے کہ لوگ اسے گھر میں لے جا کر پڑھیں تو اسے گھر میں لے جانا درست ہے۔[۵]

مسجد کا کوئی بھی سامان خواہ قرض کی ہی نیت سے ہو، باہر لے جا کر استعمال کرنا درست نہیں۔

مسجد میں اپنا گھریلو سامان، صابون، گڑ، مٹھائی، کپڑے وغیرہ نہ رکھے جائیں۔ مسجد کے درخت میں لگا ہوا پھول توڑا نہ جائے۔

ناک سنک کر مسجد کی دیوار سے انگلی پونچھنا خلافِ تہذیب ہے اور دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث ہے۔[۶]

---

[۱] فتاوی محمودیہ، باب احکام المساجد: ۱۰/ ۱۷۳

[۲] مسائل بهشتی زیور حصه اول: ۵۹۹

[۳] ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی احکام المسجد: ۶۶۱/۱

[۴] مسائل بهشتی زیور حصه اول: ص ۵۹۹

[۵] درمختار، کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد: ۳۶۵/۴، مسائل بهشتی زیور حصه اول: ص ۶۰۲

[۶] عالمگیری، کتاب الصلاة، الباب السابع ...... الفصل الثانی ۱۱۰/۱

مسجد کی دیوار یا مسجد کی زمین سے تیمم کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر تیمم کر لیا ہو تو ہو جائے گا۔[1]

مسجد کی چٹائی جس پر نماز ادا کی جاتی ہے، ہاتھ سے کھولنی چاہیے، پیروں سے ٹھوکر مار کر کھولنا اور بچھانا بے ادبی ہے۔

مسجد کے کوڑے کرکٹ کو ناپاک اور بے ادبی کی جگہ پر نہ ڈالا جائے۔[2]

مستقل طور پر مسجد کی الماری کو ذاتی کتب کے لیے استعمال کرنا درست نہیں۔[3]

دھلے ہوئے کپڑوں کو خشک کرنے کے لیے مسجد کے صحن میں یا مسجد کی صفوں پر بچھانا درست نہیں۔[4]

مسجد میں انگلیاں چٹخانا ناپسندیدہ عمل ہے۔[5]

عیدگاہ اور جنازہ گاہ

یہ دو جگہیں مسجد کی طرح نہیں ہیں:

ان میں صفوں کے درمیان زیادہ فاصلہ بھی ہو تب بھی ان دو جگہوں میں مسجد کی طرح اقتدا درست ہے، ان میں جنبی اور حائضہ وغیرہ داخل ہو سکتے ہیں، لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ یہ لوگ اس میں داخل ہونے سے پرہیز کریں۔[6]

ان میں پیشاب پاخانہ وغیرہ کرنا جائز نہیں، عیدگاہ یا جنازہ گاہ میں کھیلنا کودنا جائز نہیں۔

---

[1] امداد الاحکام، کتاب الصلاۃ، فصل فی احکام المسجد: ۱/۳٤۸

[2] خیر الفتاوی، کتاب الصلاۃ، ما یتعلق باحکام المساجد: ۲/۷٦٦

[3] خیر الفتاوی، کتاب الصلاۃ، ما یتعلق باحکام المساجد: ۲/۷۲۱

[4] خیر الفتاوی، کتاب الصلاۃ، ما یتعلق باحکام المساجد: ۲/۷۷۲

[5] عالمگیری، کتاب الکراھیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد: ٥/۳۲۱

[6] رد المحتار، کتاب الصلاۃ، مطلب فی احکام المسجد: ۱/٦٥۷

آداب واحکامِ سفر

مناسب یہ ہے کہ سفر تنہا نہ کیا جائے، پیر یا جمعرات کو سفر کرنا بہتر ہے۔

بہتر یہ ہے کہ صبح سویرے سفر کی ابتدا کی جائے، یہ بابرکت وقت ہے، گھر سے روانہ ہونے سے پہلے دو رکعتیں نفل پڑھ لی جائیں۔

دورانِ سفر ''سورۂ کافرون، سورۂ نصر، سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس'' اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر سورت سے پہلے ''بِسْمِ اللّٰہِ'' اور سورۂ ناس کے بعد بھی ''بِسْمِ اللّٰہِ'' پڑھی جائے، یہ خیر وبرکت، خوش حالی وفراخی کا ذریعہ ہے۔

اگر کسی قسم کا خوف ہو یا سواری ملنے میں دشواری ہو تو ''سورۂ قریش'' پڑھنی چاہیے۔

تین کام سفر میں شرافت وانسانیت کے ہیں:

① اپنا توشہ غریب پر خرچ کرنا ② اچھے اخلاق سے پیش آنا ③ رفقاءِ سفر کے ساتھ مہذب خوش طبعی کا طرزِ عمل رکھنا۔

وطنِ اصلی کا مفہوم اور اس کے احکام

وطنِ اصلی انسان کا وہ آبائی وطن ہے جہاں وہ مقیم ہو یا وہ جگہ جہاں اس نے اہل وعیال کے ساتھ اس ارادے سے رہائش اختیار کر لی ہو کہ اب مجھے یہاں سے جانا نہیں ہے۔[۱]

اگر کسی شخص کے آبائی وطن میں صرف مکانات یا زمینیں ہوں اور اس نے کسی اور شہر میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ مستقل رہائش اختیار کر لی ہو تو اب آبائی وطن اس کے لیے وطنِ اصلی نہیں رہا۔[۲]

اگر کسی شخص نے دو جگہ شادی کی اور دونوں جگہ اس کے اہل وعیال ہیں تو وہ

---

[۱] طحطاوی، کتاب الصلاۃ، صلاۃ المسافر: ص ۳۴۹

[۲] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الخامس عشر فی صلاۃ المسافر: ۱۴۲/۱

دونوں جگہیں اس کے لیے وطن اصلی ہیں۔[1]

جس شخص نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے قدیمی وطن کو چھوڑ کر کسی اور شہر کو اپنا وطن بنا لیا، مگر بعد میں اپنے اہل وعیال اور ساز وسامان کے ساتھ قدیم وطن چلا گیا اور جس شہر کو وطن بنایا تھا وہاں کے مکان وزمین کو کرایہ پر دے دیا تو اب یہ شہر بھی اس کا وطن ہے اور وہاں مقیم شمار ہوگا۔

قدیم وطنِ اصلی میں بعض موسم راس (موافق) نہیں آتے، اس لیے کسی نے ایسے علاقے میں مکان بنایا جہاں کا موسم موافق ہو، تاکہ بعض موسموں میں وہاں قیام کیا کرے تو ایسے مکان میں اگر ایک مرتبہ اہل وعیال کے ساتھ کچھ وقت گزار لیا تو وہ علاقہ وطن اصلی کے حکم میں ہو جائے گا، لہٰذا وہاں پہنچنے کے بعد قصر نہیں، بل کہ پوری نماز پڑھنی ہوگی۔[2]

موجودہ دور میں عام طور پر لوگ شہروں میں بطور ملکیت اور پراپرٹی زمین خریدتے ہیں یا مکان بنا لیتے ہیں، تاکہ اس کی آمدنی آتی رہے یا اچھی خاصی ملکیت شہر میں محفوظ رہے، ایسی جائداد کے ہونے سے وہ جگہ وطن اصلی میں شمار نہ ہوگی، کیوں کہ کسی بھی نئی جگہ کے وطن اصلی ہونے کے لیے اس کو وطن بنا کر بود و باش (رہائش) اختیار کرنا ضروری ہے، صرف مکان وجائداد کا حاصل کر لینا کافی نہیں۔[3]

اگر اپنے وطن کے علاوہ کسی اور جگہ کاروبار ہو اور وہاں اہل وعیال نہ ہوں، لیکن وہاں ہمیشہ رہنے کا ارادہ ہو تو وہ جگہ اس کے لیے وطن اصلی ہوگی۔

وطنِ اقامت کا مفہوم

وطنِ اقامت کا مفہوم یہ ہے کہ ایسی جگہ کم از کم پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرنا

[1] بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة المسافر: ۱/۱۰۳

[2] البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب المسافر: ۲/۱۳۶

[3] بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة المسافر: ۱/۱۰۳

جہاں ٹھہرا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص ملازمت کی جگہ پر اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہتا ہو اور یہ ارادہ بھی ہو کہ اگر ملازمت ختم ہوگئی یا تبادلہ ہوگیا تو یہاں سے چلا جائے گا اس صورت میں وہ جگہ اس کے لیے وطنِ اقامت ہوگی۔[1]

مسافر کی نماز کے مسائل

۴۸ میل یعنی ۷۷.۲۵ کلو میٹر کی مسافت کے ارادے سے نکلنے والا شخص شرعاً مسافر ہے، اس کے لیے قصر کرنا ضروری ہے، لہٰذا اگر جان بوجھ کر چار رکعتیں پڑھیں اور قصر نہیں کیا تو نماز کا دوہرانا ضروری ہوگا، اس سے کم مسافت کا سفر ہو تو قصر جائز نہیں۔

مسافر بننے کے لیے ضروری ہے کہ ۷۷.۲۵ کلو میٹر سفر کرنے کی نیت سے گھر سے نکلے، لہٰذا اگر صرف چند کلو میٹر کے ارادے سے نکلا اور وہاں سے پھر چند کلو میٹر کا ارادہ کر کے آگے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ ۷۷.۲۵ کلو میٹر سے بھی زیادہ سفر کرلیا، پھر بھی مسافر نہیں بنے گا، البتہ واپسی میں قصر کرے گا۔[2]

مسافتِ سفر کا حساب

مسافتِ سفر (۷۷.۲۵ کلو میٹر) کی ابتدا کا حساب اس جگہ سے کیا جائے گا جہاں سے سفر شروع کیا جا رہا ہے، اسی طرح مسافت سفر کی انتہا کا حساب مسافر کے ٹھہرنے کی جگہ تک ہوگا، اس شہر کی حدود کا اعتبار نہیں ہوگا، البتہ قصر حدودِ شہر سے نکلنے کے بعد شروع کیا جائے گا، خواہ شہر ۷۷.۲۵ کلو میٹر سے زیادہ لمبا ہو۔[3]

کسی شہر کی آبادی مختلف سمتوں میں پھیلی ہوئی ہو تو مسافر شہر کی جس سمت سے

---

[1] البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب المسافر: ۱۳۶/۲

[2] البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب المسافر: ۱۲۸/۲، ۱۳۰

[3] البحر الرائق، باب المسافر: ۱۲۸/۲

سفر کرے گا، اسی سمت کی آبادی سے نکلنے کے بعد قصر کرے گا۔

اسٹیشن، ائرپورٹ، بندرگاہ اگر حدود شہر میں داخل ہوں تو وہاں سے قصر نہیں کیا جائے گا اور اگر حدود شہر سے باہر ہوں تو قصر کیا جائے گا۔[1]

شہر کے تعین میں بلدیہ کی مقرر کردہ حدود کا اعتبار ہوگا۔

سفر سے واپسی میں جب تک اپنے گاؤں یا شہر کی حدود میں داخل نہ ہو جائے، اس وقت تک قصر کرے اور داخل ہونے کے بعد قصر نہ کرے۔[2]

اگر دو آبادیوں کے درمیان ۱۶۔۱۳۷ کلو میٹر کے بقدر یا اس سے زائد فاصلہ ہو تو یہ دونوں مستقل آبادیاں شمار ہوں گی، لہٰذا صرف اپنی آبادی سے نکلنے پر قصر کرے اور اگر دونوں آبادیاں ملی ہوئی ہوں کہ دونوں کے درمیان ۱۶۔۱۳۷ کلو میٹر کا فاصلہ نہ ہو یا عرف میں دونوں آبادیاں ایک ہی شہر کے حصے سمجھے جاتے ہوں تو دونوں آبادیاں ایک ہی شہر کے حکم میں ہوں گی، لہٰذا دونوں آبادیوں سے نکلنے کے بعد قصر کیا جائے گا۔[3]

مسافر نے کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لی، لیکن بعد میں ارادہ ہوا کہ اس دوران سفر بھی کرنا ہے تو جب تک ۴۵۔۷۷ کلو میٹر جانے کی نیت سے سفر شروع نہیں کرے گا مقیم ہی رہے گا۔

اگر کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی، ارادہ آج کل میں جانے کا ہے اور اس تردد کی کیفیت میں سال بھی گزر گیا تو بھی مسافر ہی رہے گا۔[4]

ایک شہر کے مختلف محلے مختلف بستیوں کے حکم میں نہ ہوں گے، بل کہ ایک ہی جگہ سمجھی جائے گی، لہٰذا ایک شہر کے مختلف محلوں میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرنے

---

[1] احکام مسافر، قصر کا بیان: ۶۹

[2] البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب المسافر: ۱۲۸/۲

[3] احکام سفر، قصر کا بیان: ۷۲

[4] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الخامس عشر فی صلاۃ المسافر: ۱۳۹/۱

والا مقیم سمجھا جائے گا، لیکن اگر ایسی مختلف بستیوں میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی جن کے نام اور کاروبار جدا جدا ہیں تو وہ ایک جگہ نہ سمجھی جائے گی، لہٰذا ان مختلف بستیوں میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرنے والا مسافر رہے گا۔

کوئی شخص کسی دوسرے مقام سے اپنے وطن کی سمت کسی اور شہر کا سفر کر رہا ہے اور اس مقام سے اس کے شہر تک مسافتِ سفر پوری ہو جاتی ہے تو راستے میں قصر کرے گا، البتہ اپنے شہر سے گزرنے کے دوران پوری نماز پڑھے گا اور اگر اپنے شہر تک مسافت سفر پوری نہیں ہوتی تو راستے میں اور اپنے شہر میں پوری نماز پڑھے گا، اپنے شہر سے گزرنے کے بعد اگر منزل تک مسافتِ سفر پوری ہوتی ہو تو راستے میں قصر کرے گا، ورنہ پوری نماز پڑھے گا۔[1]

عورت کا سفر حالتِ حیض میں شروع ہوا، دورانِ سفر ایسی جگہ پاک ہوئی کہ وہاں سے منزلِ مقصود کی مسافت ۷۷.۲۵ کلومیٹر سے کم ہے تو اس صورت میں وہ مسافر نہ ہوگی اور قصر کرنا جائز نہ ہوگا، نماز پوری پڑھنی ہوگی اور اگر پاکی کی حالت میں سفر کی ابتدا ہوئی اور درمیانِ سفر حیض شروع ہوا تو چوں کہ حیض آنے سے پہلے ہی وہ شرعاً مسافر بن چکی ہے، اس لیے حیض ختم ہونے کے بعد قصر کرے گی۔

سفر شرعی کے ارادے سے نکلا مگر شرعی مسافت طے کرنے سے پہلے جگہ جگہ چند دن قیام کرتا رہا تو یہ شخص ہر جگہ قصر ہی کرے گا، خواہ ایک ہی عرصہ کیوں نہ گزر جائے۔

اگر کسی شخص نے ایک جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت اس طرح کی کہ رات ایک جگہ رہوں گا اور دن میں مختلف جگہوں میں جاؤں گا تو اگر وہ مختلف جگہیں مسافتِ شرعی سے کم ہوں تو یہ شخص مقیم ہوگا۔[2]

---

[1] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الخامس عشر فی صلاۃ المسافر: ۱۴۲/۱

[2] البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر: ۱۳۲/۲

ایسے افراد جو کسی دوسرے کے تابع ہوں، مثلاً: بیوی، نوکر، سرکاری خدام، ڈرائیور، حفاظتی دستے وغیرہ، ان میں ان کے شوہر، افسر یا حاکم کی نیت کا اعتبار ہوگا۔[1]

وہ ملازمین جن کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ افسرانِ بالا کب اور کہاں کتنے عرصے کے لیے بھیجیں گے، ایسی صورت اگر عام طور سے اس طرح پیش آتی ہے کہ ان کو پندرہ دن سے پہلے سفر میں بھیجا جاتا ہو تو ایسے ملازمین اپنے وطنِ اقامت میں ہمیشہ قصر کریں گے اور اگر ایسی صورت اکثر پیش نہ آتی ہو اور عام طور سے اپنے مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کا موقع ملتا ہو تو پھر اپنے مقام پر پوری نماز پڑھیں گے۔[2]

اگر شوہر اپنے سسرال جائے اور بیوی بھی وہیں مستقلاً رہتی ہو تو شوہر وہاں پہنچ کر پوری نماز پڑھے گا۔

باپ اور بیٹے دونوں مسافتِ سفر کے فاصلے پر رہتے ہوں اور دونوں کا وطن الگ الگ ہو، لڑکے نے آبائی وطن کو بالکل چھوڑ دیا ہو تو دونوں ہر ایک کے ہاں قصر کریں گے۔[3]

سفر میں اذان و جماعت

سفر میں باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے اسٹیشن، ریل اور ہوائی جہاز میں اذان دینی چاہیے، اگر ریل میں ایک ڈبے سے دوسرے ڈبے میں جانا ممکن ہو تو ایک ڈبے کی اذان دوسرے ڈبے والوں کے لیے بھی کافی ہوگی۔[4]

مقیم کی نماز مسافر کی امامت میں جائز ہے، لیکن مسافر نماز سے پہلے مقتدیوں کو اطلاع دے دے کہ میں مسافر ہوں دو رکعتیں پڑھوں گا، آپ اپنی نماز پوری کر لینا

---

[1] عالمگیری، کتاب الصلاة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱۴۱/۱

[2] احکام سفر، تابع و متبوع: ص ۹۵

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلاة، مسائل صلاة المسافر: ۴۶۹/۴

[4] احسن الفتاوی، کتاب الصلاة، باب الاذان والاقامة: ۲۹۴/۲

اور سلام کے بعد بھی یہ اعلان کر دے۔

مقیم مقتدی اپنی باقی دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ قیام میں ''سورۂ فاتحہ'' نہ پڑھیں، بل کہ اتنی دیر خاموش کھڑے رہیں جتنی دیر میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔[1]

مسافر مقیم کی امامت میں پوری نماز پڑھے۔

سفر میں ایک مثل کے بعد عصر کی نماز پڑھنا

اگر سفر میں دو مثل کے بعد عصر کی نماز پڑھنا مشکل ہو تو ایک مثل کے بعد بھی پڑھی جا سکتی ہے۔[2]

سفر میں سمتِ قبلہ ضروری ہے

سواری میں قبلہ رو ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے، اگر سمتِ قبلہ معلوم نہ ہو تو کسی سے معلوم کرنا ضروری ہے اور اگر کوئی بتلانے والا نہ ہو تو قطب نما یا چاند وغیرہ کو دیکھ کر قبلہ رخ نماز پڑھے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو خوب غور فکر کرنے کے بعد جس طرف دل کا میلان ہو اس طرف رخ کر کے نماز پڑھے، اگر نماز غور فکر کرنے کے بعد شروع کی، پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ حقیقتاً قبلہ نہ تھا تو بھی نماز ہو گئی۔[3] اگر ریل وغیرہ میں اس قدر ازدحام ہو کہ رکوع سجدہ کرنا ممکن نہ ہو اور ریل سے اتر کر باہر نماز پڑھنا مشکل ہو تو اس صورت میں جس طرح ممکن ہو نماز ادا کرے، بعد میں اس نماز کو دوہرانا ضروری ہوگا۔[4]

دورانِ نماز سواری کا رخ قبلہ سے پھر جانا

نماز کے دوران سواری سمت قبلہ سے پھر گئی اور رخ سے پھرنے کا احساس

---

[1] الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر ۱/۱۴۲

[2] احکام سفر، وقت کا بیان ص ۱۲۷

[3] بحر الرائق، كتاب الصلاة باب شروط الصلاة ۱/۲۸۶، ۲۸۸

[4] احکام سفر، قبلہ کا بیان: ص ۱۲۹

ہو گیا تو فوراً ہی قبلہ کی طرف گھوم جائے، لیکن اگر گھومنا ممکن نہ ہو یا جان بوجھ کر نہ گھوما تو نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی، البتہ اگر نماز پڑھنے کے بعد دورانِ نماز قبلہ سے رخ پھرنے کا علم ہوا تو نماز دوہرانے کی ضرورت نہیں، اسی طرح اگر سواری قبلہ کے رخ سے ۴۵ ڈگری سے کم پھرے تو نماز ہو جائے گی۔[1]

ظہر، عصر اور عشا میں قصر کرنا ضروری ہے۔ وتر کی نماز کا حالتِ سفر میں بھی پڑھنا ضروری ہے، اگر مسافر ٹھہرا ہوا ہو اور سفر کرنے کی جلدی نہ ہو اور نہ ہی ساتھیوں کے یا سواری کے چھوٹنے کا اندیشہ ہو اور نہ ہی ساتھیوں کو انتظار کی زحمت ہو تو سنتِ مؤکدہ کا اہتمام کیا جائے، خصوصاً فجر اور مغرب کی سنتوں کی پابندی زیادہ کرنی چاہیے، اگر تراویح پڑھنے میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو تو تراویح پڑھنا افضل ہے۔[2]

مسافر کا بھولے سے چار رکعتیں پڑھنا

مسافر نے بھولے سے چار رکعتیں پڑھ لیں اور دو رکعت کے بعد نہیں بیٹھا تو اس صورت میں چار رکعت کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کر لے، یہ چار رکعتیں نفل ہو جائیں گی اور دو رکعتیں فرض دوبارہ پڑھنی ہوں گی اور اگر دو رکعت کے بعد بیٹھ کر تیسری اور چوتھی رکعت بھولے سے پڑھ لی تو اخیر میں سجدہ سہو کر لے، دو رکعت فرض اور دو رکعت نفل ہو جائیں گی اور اگر سجدہ سہو نہیں کیا تو نماز کا دوبارہ پڑھنا ضروری ہوگا۔[3]

۷۷.۲۵ کلومیٹر سے ایک دو کلومیٹر کم سفر تھا اور مسافر نے غلطی سے قصر کر لیا تو نماز ہو جائے گی۔

---

[1] احکام سفر، قبلہ کا بیان: ص ۱۳۰

[2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الصلاۃ، مسائل صلوۃ المسافر: ۴/۴۵۳، ۴۹۱

[3] طحطاوی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر: ص ۳۴۵

ایک شخص نے مغرب کی نماز ادا کی اور مغرب پڑھنے کے بعد جہاز کے مغرب کی جانب تیزی سے بڑھنے کی وجہ سے سورج دوبارہ نظر آنے لگا اور اس کے سامنے غروب ہوا تو اسے دوبارہ مغرب کی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔[۱]

جب امام مسافر ہو اور مقتدی مقیم ہو تو مسافر امام کے سلام پھیرنے پر مقتدی سلام نہ پھیرے، بل کہ اپنی دو رکعتیں اس طرح پوری کرے کہ کھڑے ہونے کی حالت میں سورۂ فاتحہ کے بقدر یا کم از کم تین تسبیح کے بعد خاموش رہے، اگر قراءت کر لی تو برا کیا، مگر سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں۔[۲]

پانی کے جہاز میں نمازِ جمعہ یا نمازِ عید پڑھنے کا حکم

نمازِ جمعہ یا عیدین کی صحیح ہونے کے لیے ایک شرط بڑی بستی کا ہونا بھی ہے، لہٰذا یہ دونوں نمازیں جہاز میں صحیح نہ ہوں گی، جمعہ کے بجائے ظہر باجماعت ادا کریں۔[۳]

مسافر پر جمعہ اگرچہ فرض نہیں، لیکن جب جمعہ پڑھتا ہے تو فرض ہی ادا ہوتا ہے، لہٰذا جس طرح وہ جمعہ پڑھ سکتا ہے، اسی طرح جمعہ کی امامت بھی کرسکتا ہے۔[۴]

جہاں جمعہ ہوتا ہو وہاں جمعہ ہونے سے پہلے اور جمعہ ہونے کے بعد بھی مسافروں کو ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔[۵]

جمعہ کے دن زوال کے بعد سفر کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر زوال کے بعد سفر کرنا ضروری ہو تو اس صورت میں جمعہ واجب نہ ہوگا۔[۶]

مسافر دورانِ نماز اسٹیشن یا بس اڈے پر سواری چلنے کی صورت میں نماز کی نیت

---

[۱] احکام مسافر، نماز کا بیان: ص ۱۳۸

[۲] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الخامس عشر فی صلاۃ المسافر: ۱/۱۴۲

[۳] فتاویٰ محمودیہ، باب صلاۃ المسافر: ۱۴/۲۲۶

[۴] بحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۴۰

[۵] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعۃ: ۱/۱۴۸

[۶] الهندیة، کتاب الصلاۃ، الباب الخامس عشر فی صلاۃ المسافر: ۱/۱۴۲

توڑ سکتا ہے، بشرطیکہ اس وقت سفر نہ کرنے میں حرج ہو۔

اگر نماز پڑھنے میں سواری کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو اور اس وقت سفر کرنا بھی ضروری ہو تو نماز کو قضا کرنے کی گنجائش ہے، بعد میں خوب توبہ و استغفار کرے۔[1]

سفر میں قضا ہونے والی نماز کی ادائیگی سفر سے واپس آ کر سفر کی نماز کی طرح ہوگی اور وطن میں قضا ہونے والی نماز کی ادائیگی سفر میں وطن کی نماز کی طرح ہوگی۔[2]

جہاز میں بحالتِ پرواز اگر قیام، رکوع، سجود اور سمتِ قبلہ پر قدرت ہو تو نماز بلاشبہ درست ہو جائے گی۔

ریل اور بس میں نماز کا طریقہ

ریل یا بس میں فرض یا واجب نماز قبلہ رخ کھڑے ہو کر پڑھنا ضروری ہے، اگر بھیڑ اس قدر ہو کہ قبلہ رو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو اور وقت کے اندر اندر ریل میں ہی یا کسی اسٹیشن پر اتر کر قبلہ رخ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بھی ممکن نہ ہو تو دو سیٹوں کے درمیان قبلہ رخ کھڑے ہو کر نماز پڑھے اور سجدہ کے لیے پچھلی سیٹ پر اس طرح بیٹھ جائے کہ پاؤں نیچے ہی رہیں اور سامنے کی سیٹ پر سجدہ کرے، اس صورت میں عذر کی وجہ سے نماز ہو جائے گی۔[3]

بس کے سفر کے دوران بھی نماز قضا نہیں کرنی چاہیے، سوار ہونے سے پہلے ڈرائیور سے معاہدہ کر لیا جائے کہ وہ نماز پڑھانے کے لیے بس کھڑی کرے گا، ورنہ ٹکٹ ہی اس جگہ کا لیا جائے جہاں پہنچ کر نماز اپنے وقت پر پڑھنے کی امید ہو۔

بس میں بیٹھ کر نماز نہیں ہوتی، بس والوں سے یہ طے کر لیا جائے کہ نماز کے

---

[1] احکام سفر، قضاء نماز کا بیان: ص ۱۶۹

[2] البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب المسافر: ۲/۱۳۷

[3] احسن الفتاوی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر: ۴/۸۸

وقت کسی مناسب جگہ پر بس روک دیں، اگر وہ نہ روکیں تو نماز قضا پڑھنا ضروری ہے بہتر یہ ہوگا کہ بس میں جیسے ممکن ہو نماز ادا کر لی جائے، بعد میں اس نماز کو لوٹا لیا جائے۔

مسافر کے روزے کے مسائل

اگر سفر میں روزہ رکھنے میں زیادہ مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے، ورنہ مکروہ ہے۔[1]

اگر صبح صادق کے بعد سفر شروع کیا تو اس دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے۔[2]

مسافر جہاز میں اس وقت افطار کرے جب جہاز میں سورج کا غروب ہونا یقینی ہو جائے۔[3]

مسافر کے لیے زکاۃ، صدقہ فطر اور قربانی کے مسائل

مسافر کو بھی مقیم کی طرح زکاۃ، صدقہ فطر ادا کرنا ضروری ہے۔[4]

جو مسافر قربانی کے تینوں دن سفر میں ہو تو اس پر قربانی واجب نہیں، نہ حالت سفر میں اور نہ ہی واپس آنے کے بعد، اگر چہ دوران سفر بقدر نصاب مال بھی اس کے پاس موجود ہو۔[5]

فرض نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کا پڑھنا مسافر پر واجب نہیں، مگر بہتر ہے اور اگر مسافر نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی تو اس پر بھی تکبیر تشریق واجب ہو جائے گی۔[6]

---

[1] الهندية، كتاب الصوم، الباب الثالث فيما يكره ۲۰۱/۱

[2] احسن الفتاوی، کتاب الصوم: ۴۴۷/۴

[3] احکام سفر، روزے کا بیان: ص ۱۹۸

[4] عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب الاول ۱۷۲/۱

[5] احکام سفر، قربانی کا بیان: ص ۲۰۶

[6] عالمگیری، الباب السابع عشر فی صلاۃ العیدین: ۱۵۲/۱

سفر سے متعلق چند ضروری احکام

اسٹیشن پر اگر کوئی چیز خریدی اور گاڑی چلی گئی اور قیمت ادا نہ ہوسکی تو اس چیز کو کھانا اور استعمال کرنا جائز ہے، لیکن جس طرح ممکن ہو اس کی قیمت مالک کو پہنچا دی جائے، اگر باوجود پوری کوشش کے مالک نہ مل سکے تو وہ قیمت مالک کی طرف سے صدقہ سمجھ کر کسی مسکین غریب کو دے دی جائے، لیکن اگر مالک بعد میں مل جائے اور مطالبہ کرے تو قیمت دوبارہ دینی ہوگی۔

جب تک گاڑی میں جگہ ہو، بلاوجہ لوگوں کو روکنا جائز نہیں لیکن جب تعداد پوری ہو جائے تو روکنا جائز ہے، لیکن کم زور غریب پریشان مسافر کے ساتھ نرمی کرنا اور تنگی کے باوجود جگہ دے دینا، بہت ثواب ہے۔

ریل والوں کی طرف سے جس قدر سامان بلامحصول (ٹیکس) لے جانے کی اجازت ہو اس سے زیادہ لے جانا جائز نہیں۔

اپنے حق سے زیادہ جگہ گھیرنا جائز نہیں، مثلاً: ایک سیٹ پر چار آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے تو ہر شخص کا حق سیٹ کا چوتھائی حصہ ہے اور اس سے زیادہ جگہ پر ساتھ بیٹھنے والوں کی رضامندی کے بغیر قبضہ درست نہیں۔

ریل، جہاز، پلیٹ فارم، انتظار گاہ میں کوئی ایسا کام کرنا جس سے دوسرے مسافروں کو تکلیف ہو جائز نہیں، مثلاً: گندگی پھیلانا، پھلوں کے چھلکے بکھیرنا، پان کی پیک یا سگریٹ کا دھواں اس طرح چھوڑنا جس سے دوسروں کو تکلیف ہو، سخت گناہ ہے۔

ریل کی کھڑکیوں سے پان کی پیک یا پانی وغیرہ اس طرح پھینکنا جس سے پچھلی کھڑکیوں میں بیٹھنے والوں پر چھینٹا پڑ جائے، ایذا رسانی میں داخل ہے اور حرام ہے۔

ریل اور جہاز کے باتھ روموں کو استعمال کرنے کے بعد صاف کر دینا چاہیے؛ تا کہ بعد میں آنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔

پلیٹ فارم پر جانے کے لیے جو طریقہ قانوناً رائج ہو، اس کے خلاف کرنا جائز نہیں، مثلاً: اگر کسی اسٹیشن کا یہ قانون ہے کہ اسٹیشن ماسٹر کی اجازت ضروری ہے تو بغیر اس کی اجازت کے جانا جائز نہ ہوگا، اسی طرح اگر کسی اسٹیشن کا یہ قانون ہو کہ پلیٹ فارم پر جانے کے لیے ٹکٹ لینا ضروری ہو تو وہاں ٹکٹ لینا ضروری ہے۔

مصافحہ اور معانقہ کا بیان

جب دو مسلمان آپس میں ملیں تو سلام کے بعد دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا مسنون ہے۔[1]

بوقتِ رخصت بھی مصافحہ جائز ہے، بوقت مصافحہ اپنا ہاتھ چومنے یا سینے پر رکھنے کی کوئی حقیقت نہیں۔

سفر سے آنے پر معانقہ کرنا مسنون ہے، بغیر سفر بھی الفت و محبت کی وجہ سے معانقہ کرنا جائز ہے۔[2]

سفر سے واپسی کا مستحب طریقہ

لمبے سفر سے واپسی پر اہل وعیال کو پہلے سے مطلع کر دینا چاہیے، پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز تحیۃ المسجد ادا کرنی چاہیے اور اپنی وسعت کے مطابق اپنے تعلق والوں کی ضیافت کرنی چاہیے اور گھر والوں کے لیے کچھ نہ کچھ تحفہ لانا چاہیے۔[3]

---

[1] ابو داود، کتاب الادب، باب فی المصافحة: ۲/۳۵۲

[2] فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحظر والاباحة، باب السلام والمصافحہ: ۱۰/۱۲۱، ۱۲۵

[3] احکام سفر، سفر سے واپسی کا بیان، ص ۲۳۴

میت کے احکام[1]

علاج کا اہتمام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مرض بھی اتارا اور دوا بھی اتاری اور ہر مرض کے لیے دوا بھی پیدا کی، اس لیے علاج کرو، البتہ حرام چیز سے علاج مت کرو۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماری میں خود بھی دوا کا استعمال فرمایا کرتے تھے۔[3]

بیماری کی حالت میں دعا

جو شخص بیماری میں درج ذیل دعا چالیس مرتبہ پڑھے، اگر مرا تو شہید کے برابر ثواب ملے گا اور اگر اچھا ہو گیا تو اس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔

''لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ۔''[4]

تَرجَمَہ: ''تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے بے شک میں ہی ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔''

بیمار کی عیادت اور اس کے فضائل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کا مفہوم ہے:

---

[1] میت کو شرعی طریقے پر غسل دینا اور شریعت کے مطابق اس کو کفن دفن کرنا، یہ اس کی آخری خدمت ہے اور زندوں پر اس کا حق ہے۔ لہٰذا اس آخری خدمت کو شریعت کے مطابق کرنے کے لیے بیت العلم ٹرسٹ نے ''میت کو سنت کے مطابق رخصت کیجیے'' کے نام سے ایک کتاب طبع کی ہے جس میں مرد و عورت اور بچوں کے کفنانے دفنانے اور نمازِ جنازے کا سنت طریقہ اور اسی طرح زیارتِ قبور اور ایصالِ ثواب کے مسائل ذکر کیے ہیں، اس کا ضرور مطالعہ کیجیے۔

[2] ابو داود، کتاب الطب، باب فی الادویة المکروهة: ۲/۱۸۵

[3] احکام میت، باب اول: ۱۵

[4] مستدرك حاكم، الدعاء والتكبير ...... ۱/۶۹۱، رقم الحديث: ۱۹۱۷

''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عیادت اگر صبح کے وقت کرے تو شام تک اور اگر شام کو کرے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔'' [۱]

• رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کا مفہوم ہے: ''مؤمن بندہ جب اپنے مؤمن بھائی کی عیادت کرتا ہے تو واپس آنے تک وہ گویا جنت کے باغ میں ہوتا ہے۔'' [۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کا مفہوم ہے:

''جب تم مریض کے پاس جاؤ یا کسی قریب المرگ شخص کے پاس جاؤ تو اس کے سامنے بھلائی کا کلمہ زبان سے نکالو، کیوں کہ تم جو کچھ کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔'' [۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور ارشاد کا مفہوم ہے:

''جب تم کسی مریض کی عیادت کو جاؤ تو اس سے کہو کہ وہ تمہارے لیے دعا کرے اس لیے کہ اس کی دعا فرشتوں کی دعا کی طرح ہوتی ہے۔'' [۴]

تسلی اور ہمدردی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کا مفہوم ہے:

''جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی عمر کے بارے میں اس کے دل کو خوش کرو (یعنی اس کی عمر اور اس کی زندگی کے بارے میں امید پیدا کرنے والی باتیں کرو) اس طرح کی باتیں، کسی ہونے والی چیز کو رد تو نہ کرسکیں گی، لیکن اس سے

[۱] سنن ابی داؤد، الجنائز، باب فی فضل العیادة ...... الرقم: ۳۰۹۸

[۲] مشکاة المصابیح، کتاب الجنائز، باب عیادة المریض: ۱/۱۳۵

[۳] جامع الترمذی، الجنائز، باب ماجاء فی تلقین ...... الرقم: ۹۷۷

[۴] ابن ماجه، ابواب ماجاء فی الجنائز، باب ماجاء فی عیادة المریض: ص ۱۰۴

اس کا دل خوش ہوگا اور یہ ہی عیادت کا مقصد ہے۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

''مریضوں کے پاس عیادت کرنے میں شور و شغب نہ کرنا اور کم بیٹھنا بھی سنت ہے۔''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مریض کے قریب تشریف لے جاتے اور اس کے سرہانے بیٹھتے، اس کا حال دریافت کرتے اور پوچھتے طبیعت کیسی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ بیمار کی پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے، اگر وہ کچھ مانگتا تو اس کے لیے وہ چیز منگواتے اور فرماتے: ''مریض جو مانگے وہ اس کو دو۔''[3] (بشرطیکہ مضر نہ ہو)

کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مریض کی پیشانی پر اپنا ہاتھ مبارک رکھتے پھر اس کے سینے اور پیٹ پر ہاتھ پھیرتے اور دعا کرتے، اے اللہ! اسے شفا دے اور فرماتے کوئی فکر کی بات نہیں ''اِنْ شَاءَاللّٰہُ'' سب ٹھیک ہو جائے گا۔[4] بسا اوقات آپ فرماتے: ''یہ بیماری گناہوں کا کفارہ بن جائے گی۔''[5]

جس شخص نے کسی ایسے مریض کی عیادت کی جس کی موت کا وقت نہ آیا ہو اور یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس مریض کو اس مرض سے ضرور شفا دے گا، دعا یہ ہے:

''اَسْأَلُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَّشْفِیَكَ''۔[6]

تَرجَمۂ: ''میں اللہ بزرگ و برتر سے دعا کرتا ہوں جو عرشِ عظیم کا مالک ہے کہ

---

[1] ابن ماجه، ابواب ماجاء فی الجنائز: ص ١٠٤

[2] مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض: ١/١٣٨

[3] سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء فی عيادة المريض، رقم: ١٤٣٩

[4] بخاری، كتاب المرضٰى ...... باب دعا العائد للمريض: ٢/٨٤٧

[5] مشكاة، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض: ١/١٣٨

[6] ابوداود، كتاب الجنائز، باب الدعاء للمريض: ٢/٨٦

وہ تجھے شفا دے۔''

جب موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں

جب کسی پر موت کا اثر ظاہر ہو تو اس کو چت لٹا دیا جائے، اس طرح کہ قبلہ اس کی دائیں طرف ہو اور سر کو ذرا قبلہ کی طرف گھما دیا جائے یا اس کے پاؤں قبلہ کی طرف کر دیے جائیں اور سر کے نیچے تکیہ وغیرہ رکھ کر ذرا اونچا کر دیا جائے، اس طرح بھی قبلہ رخ ہو جائے گا، لیکن اگر مریض کو قبلہ رخ کرنے سے تکلیف ہو تو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، پھر اس کے پاس بیٹھ کر کلمۂ شہادت کی تلقین اس طرح کی جائے کہ کوئی اس کے پاس بلند آواز سے کہے:

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

لیکن اسے کلمہ پڑھنے کے لیے نہ کہا جائے، کیوں کہ وہ وقت بڑا مشکل ہے، نہ معلوم اس کے منہ سے کیا نکل جائے۔ جب وہ ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لے تو اس کی کوشش نہ کی جائے کہ وہ کلمہ پڑھتا ہی رہے، البتہ اگر کلمہ پڑھنے کے بعد کوئی بات کرے تو پھر کلمہ پڑھا جائے تا کہ اس کا آخری کلام کلمہ ہو۔

اس کے سرہانے یا اس کے پاس بیٹھ کر ''سورۂ یٰسین'' پڑھی جائے، تا کہ موت کی سختی کم ہو، اس وقت کوئی بات ایسی نہ کی جائے کہ اس کا دل دنیا کی طرف مائل ہو جائے۔[1]

اگر مرتے وقت اللہ نہ کرے منہ سے کوئی کفر کی بات نکلے تو اس کا چرچا نہ کیا جائے، بل کہ یہ سمجھا جائے کہ موت کی سختی سے عقل ٹھکانے نہ رہی اور اللہ تعالیٰ سے اس کی بخشش کی دعا کی جائے۔

---

[1] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز ۱/۱۵۷

مرنے کے بعد اہلِ تعلق یہ دعا پڑھیں:

﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ ﴿١٥٦﴾﴾[1]

"اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا."[2]

کپڑے کی ایک چوڑی پٹی لے کر میت کی ٹھوڑی کے نیچے سے نکال کر سر پر لا کر گرہ لگا دی جائے اور نرمی سے آنکھیں بند کر دی جائیں اور پیر کے دونوں انگوٹھے ملا کر باندھ دیے جائیں اور بازو پہلوؤں کی جانب کر دیے جائیں۔ پھر کوئی چادر اوڑھا کر چار پائی یا چوکی پر رکھی جائے، زمین پر نہ چھوڑا جائے اور پیٹ پر کوئی لمبا لوہا یا بھاری چیز رکھ دیں، تاکہ پیٹ نہ پھلے غسل کی حاجت والے آدمی اور حیض یا نفاس والی عورت کو اس کے پاس نہ آنے دیا جائے، پھر اس کے دوست احباب کو خبر دی جائے، تاکہ نماز میں زیادہ سے زیادہ لوگ شریک ہوں اور اس کے لیے دعا کریں۔

غسل سے پہلے میت کے پاس قرآنِ کریم پڑھنا درست نہیں، اگر میسر ہو تو خوش بو (اگر بتی وغیرہ) جلا کر میت کے قریب رکھ دی جائے۔

میت پر نوحہ و ماتم نہیں کرنا چاہیے، البتہ میت کے لیے آنسو بہانا جائز ہے۔ نہلانے اور کفنانے میں جہاں تک ہو سکے جلدی کی جائے۔[3]

غسل دینے کے بعد میت کو محبت یا عقیدت سے بوسہ دینا جائز ہے۔[4]

تجہیز و تکفین کے اخراجات کس کے ذمہ ہیں

غسل، خوش بو، کفن، جنازہ اور دفن کے اخراجات کی تفصیل یہ ہیں:

❶ اگر میت نے اپنی ملکیت میں اتنا مال (ترکہ) چھوڑا ہو کہ ان اخراجات کے

---

[1] البقرة: ١٥٦

[2] صحيح مسلم، الجنائز، باب ما يقال عند المصيبة، الرقم: ٩١٨

[3] عالمگیری، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون: ١٥٧، ١٥٨

[4] ابو داود، کتاب الجنائز: ٨٨/٢ تا ٩٤، طحطاوی، کتاب الصلاة، باب احکام الجنائز: ٤٧٢

لیے کافی ہو تو یہ خرچ میت کے ترکہ میں سے کیا جائے گا، لیکن اگر کوئی شخص بخوشی یہ اخراجات اپنے پاس سے ادا کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، خواہ یہ شخص میت کا وارث ہو یا اجنبی، البتہ عاقل بالغ ہونا ضروری ہے۔[1]

۲ جس میت نے بالکل مال نہیں چھوڑا، اس کی تجہیز و تکفین کے اخراجات اس شخص کے ذمے ہیں جس پر میت کی زندگی میں اس کا خرچ واجب تھا، اگر میت کا خرچ اس کی زندگی میں شرعاً ایک سے زیادہ افراد پر مشترک طور پر واجب تھا تو تجہیز و تکفین کے اخراجات بھی ان پر مشترک طور پر واجب ہوں گے، یعنی ان وارثوں سے ان کے حصہ میراث کے مطابق چندہ جمع کیا جائے گا، یعنی اگر یہ میت کچھ مال چھوڑ کر مرتا تو جس شخص کو جتنی میراث ملتی اس سے اسی حساب سے کفن دفن کا خرچ لیا جائے گا۔[2]

۳ اگر میت نے مال نہیں چھوڑا اور ایسا بھی کوئی شخص زندہ نہیں جس پر اس کا نفقہ واجب ہوتا تو اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ تجہیز و تکفین کے اخراجات سرکاری خزانہ سے ادا کرے، اگر حکومت بھی یہ فریضہ ادا نہیں کرتی تو جن جن مسلمانوں کو ایسی میت کی اطلاع ہو، ان سب پر فرض کفایہ کے طور پر لازم ہے کہ مل کر یہ خرچ برداشت کریں، ورنہ سب گناہ گار ہوں گے۔[3]

۴ میت اگر شادی شدہ عورت ہو تو اس کی تجہیز و تکفین کے اخراجات اس کے شوہر کے ذمے ہیں، خواہ عورت نے مال چھوڑا ہو یا نہ چھوڑا ہو۔[4]

میت کو نہلانے اور کفنانے کا ثواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کا مفہوم ہے:

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الصلاۃ، باب احکام الجنائز، ص ۴۷۲

[2] حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الصلاۃ، باب احکام الجنائز: ۲۷۲

[3] طحطاوی، کتاب الصلاۃ، باب احکام الجنائز، ص ۴۷۳

[4] طحطاوی، کتاب الصلاۃ، باب احکام الجنائز: ۴۷۲، احکام میت، باب دوم: ۳۳، ۳۴

''جو شخص میت کو غسل دے وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے اب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو اور جو میت پر کفن ڈالے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا جوڑا پہنائیں گے۔''[1]

میت کو کون نہلائے؟

میت کو نہلانے کا سب سے پہلے حق تو اس کے قریب ترین رشتہ داروں کو ہے، بہتر ہے کہ وہ خود نہلائیں اور عورت کی میت کو قریبی رشتہ دار عورت نہلائے، کیوں کہ یہ اپنے عزیز کی آخری خدمت ہے۔[2]

کوئی دوسرا شخص بھی نہلا سکتا ہے، لیکن مرد کو مرد اور عورت کو عورت غسل دے، جو ضروری مسائل سے واقف اور دین دار ہو۔[3]

کسی کو اجرت دے کر بھی میت کو غسل دلایا جا سکتا ہے، لیکن اجرت لے کر غسل دینے والا ثواب کا مستحق نہیں ہوتا، اگر چہ اجرت لینا جائز ہے۔[4]

کسی کا شوہر مر گیا تو بیوی کو اس کا چہرہ دیکھنا، نہلانا اور کفنانا درست ہے اور اگر بیوی مر جائے تو شوہر کو اسے نہلانا، اس کا بدن چھونا اور ہاتھ لگانا درست نہیں، البتہ دیکھنا درست ہے اور کپڑے کے اوپر سے ہاتھ لگانا اور جنازہ اٹھانا بھی جائز ہے۔

غسل دینے والا باوضو ہو تو بہتر ہے۔ جو شخص حالتِ جنابت میں ہو یا جو عورت حیض یا نفاس میں ہو اس کا میت کو غسل دینا مکروہ ہے۔[5]

---

[1] الترغیب والترهیب، الترغیب فی حفر القبور وتغسیل الموتی: ۱۷۴/۴

[2] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۱۷۵/۲

[3] عالمگیری، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون: ۱۶۰/۱

[4] عالمگیری، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون: ۱۵۹/۱

[5] الهندیة، کتاب الصلاة، باب الحاوی والعشرون فی الجنائز: ۱۵۹/۱

غسل دینے والوں کے لیے چند ہدایات

❶ غسل دینے کے لیے بیری کے پتے ڈال کر گرم پانی تیار کیا جائے، جب نیم گرم رہ جائے، اس سے غسل دیا جائے، اگر بیری کے پتے میسر نہ ہوں تو یہی سادہ نیم گرم پانی کافی ہے۔[1]

❷ بہت تیز گرم پانی سے غسل نہ دیا جائے۔

❸ غسل دینے کے لیے گھر کے برتن استعمال کیے جاسکتے ہیں، نئے برتن منگوانا ضروری نہیں۔

❹ جس جگہ غسل دیا جائے، وہ ایسی ہو کہ پانی بہہ کر پھیل نہ جائے، ورنہ لوگوں کو چلنے پھرنے میں مشکل ہوگی۔

❺ جس جگہ غسل دیا جائے وہاں پردہ ہونا چاہیے۔

❻ میت کے بالوں میں نہ کنگھی کی جائے، نہ ناخن کاٹے جائیں اور نہ بال تراشے جائیں۔

❼ اگر نہلانے میں میت کا کوئی عیب نظر آئے تو کسی سے نہ کہے، اگر اللہ نہ کرے مرنے سے اس کا چہرہ بگڑ گیا یا کالا ہوگیا تو یہ بھی نہ کہے۔

❽ اگر کوئی اچھی علامت دیکھی جائے، مثلاً: چہرہ کی نورانیت وغیرہ تو اسے ظاہر کر دینا مستحب ہے۔[2]

طریقۂ غسل

کسی تختے کو پاک کر کے چاروں طرف کسی خوش بودار چیز کی دھونی طاق عدد

---

[1] طحطاوی، کتاب الصلاۃ، باب احکام الجنائز: ص ٤٦٧

[2] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، باب الحادی والعشرون فی الجنائز: ١/١٥٨، ١٥٩، احکام میت باب دوم: ص ١٤٢، ١٤٤

میں دی جائے، پھر مردہ کو اس پر اس طرح لٹایا جائے کہ قبلہ اس کے دائیں طرف ہو، اگر موقع نہ ہو اور کچھ مشکل ہو تو جس طرف چاہے لٹا دیا جائے، پھر میت کے بدن کے کپڑے چاک کر لیے جائیں اور ایک تہ بند اس کے ستر پر ڈال کر اندر ہی اندر وہ کپڑے اتار لیے جائیں، یہ تہ بند موٹے کپڑے کا ناف سے پنڈلی تک ہونا چاہیے، تاکہ بھیگنے کے بعد اندر کا بدن نظر نہ آئے۔[1]

غسل شروع کرنے سے پہلے بائیں ہاتھ میں دستانہ پہن کر مٹی کے تین یا پانچ ڈھیلوں سے استنجا کرایا جائے، پھر پانی سے پاک کیا جائے پھر وضو کرایا جائے، لیکن اس میں نہ کلی کرائی جائے، نہ ہی ناک میں پانی ڈالا جائے اور نہ پہنچوں تک ہاتھ دھلائے جائیں، بل کہ تین مرتبہ روئی کا پھایا تر کر کے ہونٹوں، دانتوں اور مسوڑھوں پر پھیر کر پھینک دیا جائے، اسی طرح ناک کے دونوں سوراخوں کو روئی کے پھایا سے صاف کر دیا جائے، البتہ اگر میت کی موت ناپاکی کی حالت میں یا حیض ونفاس میں ہوئی ہو، تو منہ اور ناک میں پانی پہنچانا ضروری ہے، پانی ڈال کر کپڑے سے نکال لیا جائے، پھر ناک، کان اور منہ میں روئی رکھ دی جائے، تاکہ وضو اور غسل کراتے وقت پانی اندر نہ جائے۔ پھر وضو کرایا جائے، وضو کرانے کے بعد میت کے سر کو اور اگر مرد ہے تو ڈاڑھی کو بھی گل وخیر یا صابن یا بیسن یا کھلی یا کسی صفائی والی چیز سے مل کر دھویا جائے۔ پھر اسے بائیں کروٹ پر لٹا کر بیری کے پتے ڈال کر پکایا ہوا نیم گرم پانی تین مرتبہ سر سے پیر تک اتنا ڈالا جائے کہ نیچے کی جانب بائیں کروٹ تک پہنچ جائے، پھر دائیں کروٹ پر لٹا کر اسی طرح سر سے پیر تک اتنا پانی ڈالا جائے کہ نیچے کی جانب دائیں کروٹ تک پہنچ جائے۔

اس کے بعد میت کو اپنے بدن سے ٹیک لگا کر ذرا بٹھا دیا جائے اور اس کے پیٹ کو اوپر سے نیچے کی طرف آہستہ آہستہ ملا جائے اور دبایا جائے، اگر گندگی وغیرہ

---

[1] الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون: ١٥٨/١

نکلے تو اس کو صاف کر کے دھو دیا جائے، گندگی کے نکلنے کے بعد وضو اور غسل دوبارہ کرانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد پھر اسے بائیں کروٹ پر لٹایا جائے اور کافور ملا ہوا پانی دائیں کروٹ پر سر سے پاؤں تک تین مرتبہ اتنا ڈالا جائے کہ نیچے بائیں کروٹ بھی خوب تر ہو جائے، پھر دوسرا دستانہ پہن کر سارا بدن کسی کپڑے سے خشک کر کے دوسرا تہ بند بدل دیا جائے، پھر چارپائی پر کفن کے کپڑے بچھا کر میت کو آرام سے غسل کے تختے سے اٹھا کر کفن کے اوپر لٹا دیا جائے اور ناک، کان اور منہ سے روئی نکال دی جائے۔ میت کو ناف سے لے کر زانوں تک دیکھنا جائز نہیں ایسی جگہ ہاتھ لگانا بھی ناجائز ہے۔ میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنے والے کو خود غسل کر لینا مستحب ہے۔[1]

میت کو غسل دینے سے متعلق اہم مسائل

1. شوہر کو کوئی نہلانے والا نہ ہو تو بیوی غسل دے۔[2]
2. چھوٹے بچے کو عورت اور چھوٹی بچی کو مرد غسل دے سکتا ہے۔[3]
3. اگر کسی کی لاش پانی میں ڈوبنے یا کسی اور وجہ سے اتنی پھول جائے کہ ہاتھ لگانے سے پھٹ جانے کا اندیشہ ہو تو اس لاش پر صرف پانی بہا دینا کافی ہے، کیوں کہ غسل میں ملنا وغیرہ ضروری نہیں ہے اور پھر باقاعدہ کفنا کر نماز جنازہ کے بعد دفن کرنا چاہیے، لیکن اگر نماز سے پہلے لاش پھٹ جائے تو نماز پڑھے بغیر ہی دفن کر دیا جائے۔[4]
4. جس لاش کا گوشت وغیرہ سب علاحدہ ہو گیا ہو اور اس کی صرف ہڈیوں کا

---

[1] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۱۷۱/۲ تا ۱۷۵

[2] بحر الرائق، کتاب الجنائز: ۱۷٤/۲

[3] طحطاوی، کتاب الصلاۃ، باب احکام الجنائز: ص ٤٧١

[4] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون: ۱۵۸/۱

ڈھانچہ برآمد ہوا ہو تو اس ڈھانچہ کو غسل دینے کی ضرورت نہیں، نہ ہی اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، بل کہ ویسے ہی کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے۔[1]

۵ جو شخص آگ یا بجلی وغیرہ سے جل کر مر جائے، اسے باقاعدہ غسل وکفن دے کر اور نماز جنازہ پڑھ کر سنت کے مطابق دفن کیا جائے، لیکن اگر لاش پھول یا پھٹ گئی ہو تو اس کا حکم اوپر بیان ہو چکا ہے۔

۶ جو شخص جل کر بالکل کوئلہ بن گیا یا بدن کا اکثر حصہ جل کر خاک ستر ہو گیا تو اس کو غسل وکفن دینا اور جنازہ کی نماز پڑھنا کچھ واجب نہیں، یوں ہی کسی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دینا چاہیے اور اگر بدن کا اکثر حصہ جلنے سے محفوظ ہو، اگرچہ سر کے بغیر ہو یا آدھا بدن سر کے ساتھ محفوظ ہو یا پورا جسم جلا ہو، مگر معمولی جلا ہو گوشت پوست اور ہڈیاں سالم ہوں تو اس کو باقاعدہ غسل وکفن دے کر اور جنازہ کی نماز پڑھ کر دفن کرنا چاہیے۔[2]

۷ حمل کا گرا ہوا بچہ جس کے ہاتھ، پاؤ، منہ، ناک نہ ہوں، اسے نماز جنازہ پڑھے بغیر کسی کپڑے میں ڈال کر گڑھے میں دفن کر دیا جائے اور اس کا نام بھی نہ رکھا جائے۔

۸ اگر کچھ اعضا بن گئے ہوں، پورے اعضا نہ بنے ہوں تو اس کا نام رکھا جائے، نہلایا جائے، باقاعدہ کفن نہ دیا جائے، بل کہ کسی کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور جنازہ کی نماز بھی نہ پڑھی جائے یوں ہی دفن کر دیا جائے۔[3]

---

[1] احکام میت، باب پنجم: ص ۱۲۱

[2] فتاوی دار العلوم دیو بند، کتاب الصلاۃ، کتاب الجنائز: ۳۴۴/۵

[3] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون، الفصل الثانی فی الغسل: ۱۵۹/۱

کفنانے کا بیان

جیسا کہ میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے، اسی طرح اسے کفن دینا بھی فرض کفایہ ہے۔[1]

کفن کا کپڑا اسی حیثیت کا ہونا چاہیے جیسا مردہ اکثر اپنی زندگی میں استعمال کرتا تھا۔ مرد و عورت دونوں کے لیے سب سے اچھا کفن سفید کپڑے کا ہے، نیا پرانا یکساں ہے۔[2]

اپنے لیے پہلے سے کفن تیار رکھنا مکروہ نہیں، قبر کا تیار رکھنا مکروہ ہے۔[3]

برکت کے طور پر آبِ زمزم میں تر کیا ہوا کفن دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، بل کہ باعثِ برکت ہے۔

کفن میں یا قبر کے اندر عہد نامہ یا کسی بزرگ کا شجرہ یا قرآنی آیات یا کوئی دعا رکھنا درست نہیں، اسی طرح کفن پر یا سینہ پر کافور سے یا روشنائی سے کلمہ وغیرہ یا کوئی دعا لکھنا بھی درست نہیں۔

کسی بزرگ کا استعمال کیا ہوا کپڑا یا غلاف کعبہ کے نیچے کا کپڑا ہو تو یہ کفن کے لیے بغیر دھلے، نئے کپڑے سے بہتر ہے، اس کپڑے کا اگر کرتہ ہو سکے تو کرتہ دیا جائے اور اگر چھوٹا ہو تو کرتے ہی میں سی دیا جائے۔

خانہ کعبہ کے غلاف کے اوپر کا کپڑا جس پر کلمہ یا قرآنی آیات لکھی ہوں، وہ کفن یا قبر میں رکھنا درست نہیں۔[4]

مرد کے کفن کے کپڑے تین ہیں:

---

[1] عالمگیری، الباب الحادی والعشرون، الفصل الثانی: ۱/۱۶۰

[2] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۲/۱۷۶

[3] احکام میت، کفن کا بیان: ۴۸

[4] احکام میت، باب سوم، کفن کا بیان: ۴۸، ۴۹

❶ **ازار:** سر سے پاؤں تک جو ڈھائی گز لمبا اور سوا گز سے ڈیڑھ گز تک چوڑا ہوگا۔

❷ **لفافہ:** اسے چادر بھی کہتے ہیں، ازار سے لمبائی میں چار گرہ زیادہ جو پونے تین گز لمبا اور سوا گز سے ڈیڑھ گز تک چوڑا ہوگا۔

❸ **کرتہ:** بغیر آستین اور بغیر کلی کا (اسے قمیض یا کفنی بھی کہتے ہیں) گردن سے پاؤں تک جو ڈھائی گز سے پونے تین گز تک لمبا اور ایک گز چوڑا ہوگا۔[1]

مرد کے کفن میں اگر صرف ازار اور لفافہ ہو تو بھی جائز ہے اور اتنا کفن بھی کافی ہے، البتہ دو سے کم کپڑوں میں کفن دینا بغیر کسی مجبوری کے مکروہ ہے۔[2]

جو لڑکا بالغ ہونے کے قریب ہو، اس کا کفن بالغ کے کفن کی طرح ہے اور جو لڑکا بہت چھوٹا ہو، اس کے لیے کفن کا ایک کپڑا بھی جائز ہے، لیکن زیادہ بہتر یہی ہے کہ اس کو بھی تین کپڑوں میں کفن دیا جائے۔[3]

عورت کے لیے سنت کفن پانچ کپڑے ہیں، تین کپڑے تو وہی ہیں جو مردوں کے لیے ہیں، اس کے علاوہ دو کپڑے اور ہیں:

❶ **سینہ بند:** زیر بغل سے رانوں تک جو دو گز لمبا اور سوا گز چوڑا ہوگا۔

❷ **سر بند:** جسے اوڑھنی کہتے ہیں، ڈیڑھ گز لمبا اور بارہ گرہ چوڑا ہوگا۔[4]

بعض کپڑے کفن مسنون میں شامل نہیں، اس لیے میت کے ترکہ میں سے جو کہ سب وارثوں میں مشترک ہے اور ممکن ہے کہ ان میں بعض نابالغ بھی ہوں یا بعض یہاں حاضر نہ ہوں ان کپڑوں کا خریدنا ان کے مال میں ناجائز تصرف کرنا ہے، اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔

---

[1] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۱۷۵/۲

[2] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۱۷٦/۲

[3] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون، الفصل الثالث: ۱٦۰/۱

[4] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون الفصل الثالث: ۱٦۰/۱

وہ زائد کپڑے یہ ہیں: ① امام کے لیے جائے نماز ② پٹکا یہ مردہ کو قبر میں اتارنے کے لیے ہوتا ہے ③ بچھونا یہ چارپائی کے لیے ہوتا ہے ان کپڑوں کو اگر کوئی بالغ شخص خاص اپنے مال سے کسی مصلحت کے تحت خریدے تو مضائقہ نہیں۔[1]

کفنانے کا مستحب طریقہ

پہلے کفن کو تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ لوبان وغیرہ کی دھونی دی جائے، پھر اس میں مردے کو کفنایا جائے۔[2]

مرد کو کفنانے کا طریقہ

مرد کو کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ چارپائی پر پہلے لفافہ بچھا کر اس پر ازار بچھائی جائے، پھر کرتے کا نچلا آدھا حصہ بچھایا جائے اور اوپر کا باقی حصہ سمیٹ کر سرہانے کی طرف رکھ دیا جائے، پھر میت کو غسل کے تختے سے آرام سے اٹھا کر اس بچھے ہوئے کفن پر لٹا دیا جائے اور کرتہ کا جو حصہ سرہانے کی طرف رکھا تھا، اس کو سر کی طرف الٹ دیا جائے کہ کرتے کا سوراخ گلے میں آجائے اور پیروں کی طرف بڑھا دیا جائے، اس کے بعد جو تہ بند غسل کے بعد میت کے بدن پر ڈالا گیا تھا، وہ نکال لیا جائے اور اس کے سر اور داڑھی پر عطر وغیرہ کوئی خوش بو لگادی جائے، زعفران نہ لگائی جائے، پھر پیشانی ناک اور دونوں ہتھیلیوں اور دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر کافور مل دی جائے، اس کے بعد ازار کا بایاں کنارہ میت کے اوپر لپیٹ دیا جائے، پھر دایاں لپیٹ دیا جائے، یعنی بایاں کنارہ نیچے رہے اور دایاں اوپر رہے، پھر لفافہ اسی طرح لپیٹا جائے کہ بایاں کنارہ نیچے اور دایاں اوپر رہے، پھر کپڑے کی دھجی لے کے کفن کو سر اور پاؤں کی طرف سے باندھ دیا جائے اور بیچ میں سے کمر کے نیچے کو بھی

---

[1] احکام میت: ۵۷، ۵۸

[2] البحرائق، کتاب الجنائز: ۲/ ۱۷۷

ایک دھجی نکال کر باندھ دی جائے تاکہ ہوا سے یا ہلنے جلنے سے کھل نہ جائے۔[۱]

بعض لوگ کفن پر بھی عطر لگاتے ہیں اور عطر کی پھریری میت کے کان میں رکھ دیتے ہیں، یہ درست نہیں۔[۲]

مذکورہ بالا طریقے سے جنازہ تیار کرکے اس آخرت کے مسافر کو نمازِ جنازہ کے لیے صبر وتحمل کے ساتھ رخصت کیا جائے، کسی کو منہ دکھلانا ہو تو دکھلا دیا جائے۔[۳]

تجہیز وتکفین سے بچا ہوا سامان

غسل اور کفن دفن کے سامان میں سے اگر کچھ کپڑا وغیرہ بچ جائے تو وہ یوں ہی کسی کو دے دینا یا ضائع کر دینا جائز نہیں، بل کہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ میت کے ترکے سے لیا گیا تھا، تب تو اسے ترکے ہی میں رکھنا واجب ہے، تاکہ شریعت کے مطابق ترکہ کی تقسیم میں وہ بچا ہوا سامان بھی شامل ہو جائے اور اگر کسی اور شخص نے اپنی طرف سے دیا تھا تو بچا ہوا سامان اسی کو واپس کر دیا جائے۔[۴]

جنازہ اٹھانے کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کا مفہوم ہے:

”جو آدمی ایمان کی صفت کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے اور اس وقت تک جنازے کے ساتھ رہے جب تک اس پر نماز نہ پڑھی جائے اور اس کے دفن سے فارغ نہ ہو جائے تو وہ ثواب کے دو قیراط لے کر واپس ہوا، جن میں سے ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور جو آدمی صرف نمازِ جنازہ پڑھ کر واپس آ جائے، دفن ہونے تک ساتھ نہ رہے تو وہ ثواب کا (ایسا ہی)

۱؎ عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون، الفصل الثالث: ۱/۱۶۱

۲؎ عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون، الفصل الثالث: ۱/۱۶۱

۳؎ احکام میت، باب ۲م: ص ۵۷، ۶۱

۴؎ عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون، الفصل الثالث: ص ۱/۱۶۱

ایک قیراط لے کر واپس ہوگا۔“ [1]

ایک حدیث میں ہے جس کا مفہوم ہے:

”جو شخص (جنازے کی) چارپائی چاروں طرف سے اٹھائے، یعنی چاروں طرف سے کندھا دے تو اس کے چالیس (۴۰) کبیرہ گناہ (جو صغائر میں بڑے ہوں) بخش دیے جائیں گے۔“ [2]

جنازے کو اٹھانے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ پہلے میت کے دائیں طرف کا اگلا پایا اپنے دائیں کندھے پر رکھ کر کم از کم دس قدم چلے، اس کے بعد اسی طرف کا پچھلا پایا اپنے دائیں کندھے پر رکھ کر کم از کم دس قدم چلے، اس کے بعد میت کے بائیں طرف کا اگلا پایا اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر پھر پچھلا پایا اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر کم از کم دس دس قدم چلے، تاکہ چاروں پایوں کو ملا کر چالیس (۴۰) قدم ہو جائیں۔ [3]

جنازے کو تیز قدم لے جانا مسنون ہے، مگر نہ اتنا تیز کہ لاش کو حرکت ہونے لگے۔ [4]

جنازے کے ساتھ پیدل چلنا مستحب ہے، اگر کسی سواری پر ہو تو جنازے کے پیچھے چلے۔ جو لوگ جنازے کے ساتھ ہوں انہیں جنازے کے دائیں یا بائیں نہیں چلنا چاہیے بل کہ پیچھے چلنا چاہیے۔ [5]

جنازے کے ہم راہ جو لوگ ہوں ان کا کوئی دعا یا ذکر بلند آواز سے پڑھنا مکروہ ہے۔ [6]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب فضل اتباع الجنائز: ۱۷۶/۱

[2] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۱۹۳/۲

[3] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۱۹۱/۲

[4] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۱۹۱/۲

[5] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۱۹۲/۲

[6] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۱۹۲/۲

جو لوگ جنازے کے ساتھ نہ ہوں اور نہ ان کا ارادہ جنازہ کے ساتھ جانے کا ہو، انہیں جنازہ دیکھ کر کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔[1]

جو لوگ جنازے کے ہم راہ جائیں انہیں جنازہ کو کندھوں سے اتارنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے۔[2]

نمازِ جنازے کا بیان

اگر جمعے کے دن کسی کا انتقال ہوگیا تو اگر جمعے کی نماز سے پہلے کفن، نماز اور دفن وغیرہ ہو سکے تو ضرور کرلیں، صرف اس خیال سے جنازہ روکے رکھنا کہ جمعے کی نماز میں مجمع زیادہ ہوگا، مکروہ ہے۔

اگر جنازہ اس وقت آیا جب کہ فرض نماز کی جماعت تیار ہو تو پہلے فرض اور سنتیں پڑھ لیں، پھر جنازے کی نماز پڑھیں۔

اگر نمازِ عید کے وقت جنازہ آیا ہے تو پہلے عید کی نماز پڑھیں، پھر عید کا خطبہ پڑھا جائے، اس کے بعد جنازے کی نماز پڑھی جائے۔

مرنے والے نے وصیت کی کہ میری نمازِ جنازہ فلاں شخص پڑھائے تو یہ وصیت معتبر نہیں اور شرعاً اس پر عمل کرنا ضروری نہیں۔[3]

نمازِ جنازے کا وقت

نمازِ جنازہ طلوع، زوال، غروب کے علاوہ ہر وقت بلا کراہت جائز ہے اور ان تین اوقات میں بھی اس صورت میں جائز ہے جب کہ جنازہ خاص ان ہی اوقات

---

[1] بہشتی زیور مدلل، دفن کے مسائل۔ ص ۹۴۹

[2] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الرابع: ۱/۱۶۲

[3] عالمگیری، الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون ...... الفصل الخامس فی الصلاۃ علی المیت: ۱/۱۶۳

میں آیا ہو۔[1]

نمازِ جنازے سے متعلق اہم مسائل

نمازِ جنازے کے لیے تیمم نماز نہ ملنے کے خوف سے جائز ہے، اگر چہ پانی موجود ہو۔[2]

جو لوگ جنازے کی نماز جوتے پہنے ہوئے پڑھتے ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس جگہ کھڑے ہوں، وہ جگہ اور جوتے دونوں پاک ہوں، ورنہ ان کی نماز نہ ہوگی۔

اور اگر جوتا پیر سے نکال دیا جائے اور اس پر کھڑے ہوں تو صرف جوتے کے اوپر کا حصہ جو پیر سے لگا ہوا ہو اس کا پاک ہونا ضروری ہے، اگر چہ تلا ناپاک ہو، نیز اس صورت میں اگر وہ زمین بھی ناپاک ہو تو کوئی حرج نہیں۔[3]

جس شخص نے خودکشی کی، اسے غسل دیا جائے گا اور نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔[4]

نمازِ جنازے کے فرائض

نمازِ جنازے میں دو چیزیں فرض ہیں:

1. چار مرتبہ "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" کہنا۔
2. قیام یعنی کھڑے ہو کر نمازِ جنازہ پڑھنا۔[5]

---

[1] احکامِ میت، باب چہارم، نمازِ جنازہ کا بیان: ص ۶۸، ۶۹

[2] درمختار مع رد المحتار، کتاب الطھارۃ، باب التیمم: ۲۴۱/۱

[3] احکامِ میت، باب چہارم، نمازِ جنازہ کا بیان: ص ۷۰

[4] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون، الفصل الخامس فی صلاۃ الجنازۃ: ۱۶۳/۱

[5] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۱۸۰/۲

نمازِ جنازے کا طریقہ

نمازِ جنازے کا مسنون اور مستحب طریقہ یہ ہے کہ میت کو آگے رکھ کر امام اس کے سینے کے بالمقابل (سامنے) کھڑا ہو جائے اور سب لوگ جنازہ پڑھنے کی نیت کر لیں، نیت کر کے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر ایک مرتبہ ''اَللّٰهُ اَکْبَرُ'' کہہ کر دونوں ہاتھ باندھ لیں، پھر ''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ'' آخر تک پڑھیں، اس کے بعد پھر ایک بار ''اَللّٰهُ اَکْبَرُ'' کہیں، مگر اس مرتبہ ہاتھ نہ اٹھائیں، اس کے بعد درود پڑھیں اور بہتر یہ ہے کہ وہی درود شریف پڑھا جائے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے، پھر ایک مرتبہ ''اَللّٰهُ اَکْبَرُ'' کہیں، اس مرتبہ بھی ہاتھ نہ اٹھائیں، اس تکبیر کے بعد میت کے لیے دعا کریں اور یہ دعا پڑھیں:

''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ.''[1]

ترجمہ: ''اے اللہ! ہمارے زندوں کی اور مردوں کی، حاضروں کی اور غائبوں کی، چھوٹوں کی اور بڑوں کی، مردوں کی اور عورتوں کی، سب کی مغفرت فرما، اے اللہ! جس کو تو ہم میں سے زندہ رکھے اس کو اسلام پر قائم رکھتے ہوئے زندہ رکھ، جس کو تو اس عالم سے اٹھائے اس کو ایمان کی حالت میں اٹھا۔''

اور اگر میت نابالغ لڑکا ہو تو یہ دعا پڑھیں:

''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا.''[2]

---

[1] جامع الترمذی، الجنائز، باب ما يقول فی الصلوة علی الميت: ۱/۱۹۸

[2] عالمگیری، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون، الفصل الخامس: ۱/۱۶۴

تَرجَمۃ: ''اے اللہ! اس (لڑکے) کو ہمارے لیے آگے سامان کرنے والا بنادے اور اس کو ہمارے لیے اجر کا موجب اور وقت پر کام آنے والا بنادے اور اس کو ہماری سفارش کرنے والا بنادے جس کی سفارش منظور ہو جائے۔''

اور اگر میت نابالغ لڑکی ہو تو بھی یہی دعا ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ ''اِجْعَلْهُ'' کی جگہ ''اِجْعَلْهَا'' اور ''شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا'' کی جگہ ''شَافِعَةً وَّ مُشَفَّعَةً'' پڑھیں، جب یہ دعا پڑھ چکیں تو پھر ایک مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہیں اور اس مرتبہ بھی ہاتھ نہ اٹھائیں اور اس تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیر دیں۔

اگر کسی کو نماز جنازے کی دعا یاد نہ ہو تو صرف ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ'' پڑھ لیں، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو صرف چار تکبیریں کہہ دینے سے بھی نماز ہو جائے گی۔[1]

نماز جنازے کے بعد وہیں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مکروہ ہے۔[2]

جنازے کی نماز میں مستحب ہے کہ حاضرین کی تین صفیں کر دی جائیں، یہاں تک کہ اگر صرف سات آدمی ہوں تو ایک آدمی ان میں سے امام بنا دیا جائے اور پہلی صف میں تین آدمی کھڑے ہوں اور دوسری میں دو اور تیسری میں ایک۔[3]

جنازے کی نماز اس مسجد میں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جو پانچ وقت کی نمازوں یا جمعہ یا عیدین کی نماز کے لیے بنائی گئی ہو، خواہ جنازہ مسجد کے اندر ہو یا مسجد سے باہر ہو اور نماز پڑھنے والے اندر ہوں، جو جگہ خاص جنازہ کی نماز کے لیے بنائی گئی ہو اس میں مکروہ نہیں۔[4]

---

[1] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۱۸۳/۲

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلاۃ، مسائل نماز جنازہ: ۳٤۱/۵

[3] طحطاوی، باب احکام الجنائز: ص ٤۸۸، احکام میت: ص ۷۵، تا ۷۷

[4] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۱۸٦/۲

اگر مسجد کے باہر کوئی جگہ نہ ہو تو مسجد میں پڑھنا مکروہ نہیں۔[1]

اور اگر یہ صورت ہو کہ جنازہ اور امام مع کچھ مقتدیوں کے مسجد سے باہر ہوں اور باقی مقتدی اندر ہوں تو اس صورت کو بعض علما نے مکروہ اور بعض نے جائز لکھا ہے، لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ بلا عذر اس صورت سے بھی بچا جائے۔[2]

عام راستے پر نمازِ جنازہ پڑھنا کہ جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہو، مکروہ ہے۔[3]

اگر کوئی شخص جنازہ کی نماز میں ایسے وقت پہنچا کہ کچھ تکبیریں اس کے آنے سے پہلے ہو چکیں ہوں تو اس کو چاہیے کہ امام کی اگلی تکبیر کا انتظار کرے، جب امام تکبیر کہے تو اس کے ساتھ یہ بھی تکبیر کہے، پھر جب امام سلام پھیر دے تو یہ شخص اپنی فوت شدہ تکبیروں کو ادا کر لے، لیکن اگر وہ شخص امام کی اگلی تکبیر کا انتظار کیے بغیر فوراً آتے ہی اللہ اکبر کہہ کر نماز میں شریک ہو گیا تو پھر بھی نماز درست ہو جائے گی، البتہ شریک ہوتے وقت جو تکبیر اس نے کہی، وہ ان چار تکبیروں میں شمار نہ ہوگی جو نماز جنازہ میں فرض ہیں، لہٰذا جب امام سلام پھیر دے تو اس شخص پر لازم ہے کہ جو تکبیریں اس کے نماز میں شامل ہونے سے پہلے ہو چکیں تھیں، وہ کہہ کر پھر سلام پھیرے۔

اگر کوئی شخص ایسے وقت پہنچے کہ امام چوتھی تکبیر بھی کہہ چکا ہو تو اس کو چاہیے کہ فوراً تکبیر کہہ کر امام کے سلام سے پہلے شریک ہو جائے اور نماز ختم ہونے کے بعد اپنی چھوٹی ہوئی تین تکبیروں کو ادا کر لے۔[4]

جنازہ کی نماز کئی مرتبہ پڑھنا جائز نہیں، البتہ اگر میت کے ولی کی اجازت کے

---

[1] عالمگیری، الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون ...... الفصل الخامس: ۱/۱۶۵

[2] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۲/۱۸۶

[3] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون، الفصل الخامس: ۱/۱۶۵

[4] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۲/۱۸۵، ۱۸۶

بغیر کسی ایسے شخص نے جنازے کی نماز پڑھادی جس کا حق نماز پڑھانے کا نہیں بنتا تھا تو دوبارہ پڑھنا درست ہے۔[۱]

جنازے کی نماز میں امامت کا حق سب سے زیادہ حاکمِ وقت کا ہے، اگر حاکمِ وقت نہ ہو تو اس کے نائب کا ہے، اگر وہ بھی نہ ہو تو قاضی شہر کا ہے، وہ بھی نہ ہو تو اس کے نائب کا ہے، ان لوگوں کے ہوتے ہوئے ان کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو امام بنانا جائز نہیں، اگر یہ لوگ وہاں موجود نہ ہوں تو میت کے اعزہ میں سے جو شخص محلے کے امام سے افضل ہو، اس کا ہے، ورنہ محلے کا امام مستحق ہے۔[۲]

جنازے کا امام کے سامنے موجود ہونا نماز جنازے کے صحیح ہونے کی شرط ہے، لہٰذا غائبانہ نمازِ جنازہ درست نہیں۔[۳]

دفن کے احکام

میت کی قبر کم از کم اس کے آدھے قد کے برابر گہری کھودی جائے اور پورے قد کے برابر گہری ہو تو زیادہ بہتر ہے اور زیادہ سے زیادہ میت کے قد کے برابر لمبی ہو اور چوڑائی میت کے آدھے قد کے برابر ہو، بغلی قبر (لحد) بہ نسبت صندوقی قبر (شق) کے بہتر ہے، ہاں اگر زمین بہت نرم ہو کہ بغلی قبر کھودنے میں قبر کے بیٹھ جانے کا اندیشہ ہو تو پھر بغلی نہ کھودی جائے۔[۴]

قبر میں اتارنا

جب قبر تیار ہو جائے تو جنازے کو قبلہ کی جانب قبر کے کنارے اس طرح رکھا جائے کہ قبلہ میت کے دائیں طرف ہو اور اتارنے والے قبلہ رو ہو کر میت کو اٹھا کر

[۱] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۱۷۹/۲

[۲] عالمگیری، کتاب الصلاۃ الباب الحادی والعشرون، الفصل الخامس: ۱۶۳/۱

[۳] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۱۷۹/۲

[۴] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۱۹۳/۲

احتیاط سے قبر میں رکھ دیں، اس طرح سے اتارنا مستحب ہے۔

قبر میں میت کو رکھتے وقت "بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ"[1]

تَرجَمہ: "ہم اس میت کو اللہ کے نام کے ساتھ اور اس کی مدد سے اور اس کے نبی کے طریقے پر سپردِ خاک کرتے ہیں۔" کہنا مستحب ہے۔ قبر میں اتارنے والوں کا طاق یا جفت ہونا مسنون نہیں، میت کو قبر میں رکھ کر اس کو داہنے پہلو پر قبلہ رو کر دینا مسنون ہے اور اس میت کی پیٹھ کی طرف مٹی یا اس کے ڈھیلے رکھ دیں، تاکہ میت داہنی کروٹ پر قائم رہے۔ اسی طرح میت کے سر کے نیچے بھی کچھ مٹی یا ڈھیلا رکھ دینا چاہیے۔

قبر میں میت کو اتارتے وقت یا دفن کے بعد اذان کہنا بدعت ہے۔ قبر میں رکھنے کے بعد کفن کی وہ گرہ جو کفن کھل جانے کے خوف سے لگائی گئی تھی کھول دی جائے، قبر میں مٹی ڈالتے وقت مستحب ہے کہ سرہانے کی طرف سے ابتدا کی جائے، ہر شخص تین مرتبہ اپنے دونوں ہاتھوں میں مٹی بھر کر قبر میں ڈال دے، پہلی مرتبہ "مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ" اور دوسری مرتبہ "وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ" اور تیسری مرتبہ "وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى" پڑھے۔

جس قدر مٹی اس کی قبر سے نکلی ہو وہ سب اس پر ڈال دیں، اس سے زیادہ مٹی ڈالنا مکروہ ہے، جب کہ بہت زیادہ ہو کہ قبر ایک بالشت سے بہت زیادہ اونچی ہو جائے اور اگر باہر کی مٹی تھوڑی سی ہو تو مکروہ نہیں۔

مستحب یہ ہے کہ قبر اونٹ کے کوہان کی طرح اٹھی ہوئی بنائی جائے، اس کی بلندی ایک بالشت یا اس سے کچھ زیادہ ہونی چاہیے۔ مٹی ڈالنے کے بعد قبر پر پانی چھڑک دینا مستحب ہے۔[2]

---

[1] جامع الترمذی، الجنازہ، باب ماجاء ما یقول ......، رقم: ١٠٤٦

[2] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون، الفصل السادس: ١/١٦٦

دفن کے بعد تھوڑی دیر تک قبر پر ٹھہرنا اور میت کے لیے قبلہ رخ ہو کر دعائے مغفرت کرنا یا قرآنِ مجید پڑھ کر اس کا ثواب میت کو پہنچانا مستحب ہے۔ اسی طرح قبر کے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات "مُفْلِحُوْنَ" تک اور پائنتی کی طرف سورۂ بقرہ کی آخری آیات "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ" سے ختم سورت تک پڑھنا مستحب ہے، لیکن یہ پڑھتے ہوئے قبر پر انگلی نہ رکھی جائے۔[1]

قبر پر زینت کی غرض سے پھول ڈالنا یا پھولوں کی چادر ڈالنا، قبر پر چلنا بیٹھنا، ٹیک لگانا، قبر کو بوسہ دینا، قبر پر قرآنِ مجید کی آیت یا کوئی شعر یا میت کی مدح لکھنا منع ہے۔

ضرورت ہو تو قبر پر علامت کے لیے کتبہ لگانا اس پر میت کا نام اور تاریخ وفات لکھنا جائز ہے، احتیاط اس میں ہے کہ کتبہ میت کے سرہانے سے ذرا ہٹا کر لگایا جائے۔

قبر پر کوئی عمارت بنانا منع ہے۔[2]

قبر بیٹھ جائے تو اس پر دوبارہ مٹی ڈالنا جائز ہے۔[3]

تعزیت کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کا مفہوم ہے:

"جس شخص نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت (تسلی) کی، اس کے لیے ایسا ہی اجر وثواب ہے جیسا اس مصیبت زدہ کے لیے ہے۔"[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تعزیت کے لیے تشریف لے جایا کرتے

---

[1] احکام میت، دفن کا بیان: ص ۹۲

[2] البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۱۹۴/۲، ۱۹۵

[3] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون: ۱۶۶/۱

[4] سنن ابن ماجۃ، ابواب ماجاء فی الجنائز، باب ماجاء فی ثواب: ۱۱۵

تھے۔

جس گھر میں غمی ہو، ان کے یہاں تیسرے دن تک ایک بار تعزیت کے لیے جانا مستحب ہے، تین دن کے بعد تعزیت کرنا مکروہ تنزیہی ہے، لیکن اگر تعزیت کرنے والا سفر میں ہو یا جن کے پاس تعزیت کے لیے جانا چاہیے، وہ سفر میں ہوں اور تین دن کے بعد آئیں تو اس صورت میں تین دن کے بعد بھی تعزیت کو جانا، مکروہ نہیں۔

دفن سے پہلے بھی تعزیت جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ دفن کے بعد ہو، البتہ اگر اہلِ میت دفن سے پہلے ہی بے قرار ہوں تو ان کو تسلی دینے کے لیے دفن سے پہلے تعزیت کر لی جائے۔ مستحب یہ ہے کہ تعزیت میت کے سب رشتے داروں سے کی جائے، خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے۔[1]

تعزیت میں مندرجہ ذیل کلمات یا اس طرح کے کوئی دوسرے الفاظ کہنا مستحب ہے:

"اَعْظَمَ اللّٰهُ اَجْرَكَ وَاَحْسَنَ اللّٰهُ عَزائَكَ وَغَفَرَ لِمَيِّتِكَ."[2]

تَرجَمہ: "اللہ تعالیٰ تمہارے اجر کو زیادہ کرے اور تمہیں اچھے صبر کی توفیق دے اور تمہاری میت کی بخشش کرے۔"

کافر کی صرف تعزیت جائز ہے، اس کے جنازہ میں شریک ہونا یا اس کے لیے دعائے مغفرت کرنا ناجائز ہے۔ اس کی تعزیت میں یہ الفاظ کہے جائیں:

"اَخْلَفَ اللّٰهُ عَلَيْكَ خَيْرًا مِنْهُ وَاَصْلَحَكَ"[3]

تَرجَمہ: "اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بہتر عطا فرمائے (کہ وہ مسلمان ہو) اور

---

[1] عالمگیری، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون، الفصل السادس: ۱/۱۶۷

[2] عالمگیری، الصلاة، الباب الحادی والعشرون، الفصل السادس: ۱/۱۶۷

[3] الهدية، الصلاة، الباب الحادی والعشرون، الفصل السادس: ۱/۱۶۷

تمہاری اصلاح فرمائے یعنی تمہیں اسلام کی توفیق ہو۔“

تعزیت کی دعا میں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔ گھر کے باہر تعزیت کرنے والوں کے لیے کوئی جگہ مقرر کرلینا صحیح ہے بشرطیکہ آنے جانے والوں کا راستہ نہ رکے۔

اہلِ میت کے پڑوسیوں اور دور کے رشتہ داروں کے لیے مستحب ہے کہ وہ ایک دن ایک رات کا کھانا تیار کرکے میت والوں کے یہاں بھیجیں اور اگر وہ غم کی وجہ سے نہ کھائیں تو اصرار کرکے ان کو کھلائیں۔[1]

جو لوگ میت کی تجہیز و تکفین اور دفن کے کاموں میں مصروف ہوں، ان کو بھی یہ کھانا کھلانا جائز ہے۔[2]

قبرستان جانا اور ایصالِ ثواب کرنا

مَردوں کے لیے قبرستان جانا مستحب ہے۔ بہتر ہے کہ ہر ہفتے میں کم از کم ایک مرتبہ قبرستان جایا جائے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ جمعے کا دن ہو۔

قبرستان میں داخل ہونے کے بعد سب قبر والوں کی نیت کرکے ان کو ایک مرتبہ سلام ان الفاظ سے کیا جائے:

”اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ.“[3]

تَرجَمہ: ”سلام ہو تم پر اے قبر والو! اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے، تم ہم سے آگے جانے والے ہو اور ہم پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔“

سلام کے بعد قبلہ کی طرف پشت کرکے اور قبر کی جانب منہ کرکے جتنا ہوسکے

---

[1] الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون، الفصل السادس: ١٦٧/١

[2] احکامِ میت، باب چہارم، دفن کا بیان: ص ۹۹

[3] جامع الترمذی، ابواب الجنائز، باب ما يقول الرجل ......: ٢٠٣/١

قرآنِ مجید پڑھ کر میت کو ثواب پہنچادیں، مثلاً: ''سورۂ فاتحہ، سورۂ یاسین، سورۂ ملک، سورۂ تکاثر یا سورۂ اخلاص'' گیارہ بار یا سات بار یا جس قدر آسانی کے ساتھ پڑھا جا سکے، پڑھ کر دعا کریں کہ یا اللہ! اس کا ثواب صاحبِ قبر کو پہنچا دیں۔ اس عمل کو ایصالِ ثواب کہتے ہیں۔[1]

ایصالِ ثواب کی حقیقت یہ ہے کہ کسی نے کوئی نیک کام کیا اس پر اس کو جو کچھ ثواب ملا اس نے اپنی طرف سے وہ ثواب کسی دوسرے کو دے دیا، خواہ اس کا انتقال ہوا ہو یا زندہ ہو، وہ اس طرح کہ یا اللہ! میرے اس عمل کا ثواب جو آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ فلاں شخص کو دے دیجیے اور پہنچا دیجیے۔

ایصالِ ثواب کے لیے نہ کوئی خاص وقت یا دن مقرر ہے، نہ کوئی خاص جگہ مقرر ہے، نہ کوئی خاص عبادت، نہ یہ ضروری ہے کہ ایصالِ ثواب کے لیے آدمی جمع ہوں۔ شریعت میں ایصالِ ثواب اتنا آسان ہے کہ جو شخص جس وقت جس دن چاہے کوئی سی بھی نفلی عبادت کر کے اس کا ثواب میت کو پہنچا سکتا ہے اور ایک عبادت کا ثواب کئی لوگوں کو مشترک طور پر بھی بخشا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت سے یہ امید رکھی جائے کہ وہ ہر ایک کو اس عمل کا ثواب پورا پورا عطا فرمائیں گے۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا انتقال ایسے وقت ہوا کہ خود حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہیں تھے، جب واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا وہ ان کے لیے فائدہ مند ہوگا اور ان کو اس کا ثواب پہنچے گا؟''

---

[1] ردالمحتار، باب صلاۃ الجنائز: ۲/ ۲۴۳

[2] احکام میت، باب چہارم: ص ۱۰۱، ۱۰۳

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں پہنچے گا۔'' انہوں نے عرض کیا: ''تو میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ اپنا باغ میں نے اپنی والدہ (کے ثواب) کے لیے صدقہ کر دیا۔'' [1]

آج کل کے حالات میں عورتوں کا قبرستان جانا بعض فقہا کے نزدیک تو بالکل ناجائز ہے، لیکن فتویٰ اس پر ہے کہ جوان عورت کا جانا تو جائز ہی نہیں اور بوڑھی عورت کو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ پردہ کے ساتھ جائے، بن سنور کر یا خوش بو لگا کر نہ جائے اور اس بات کا یقین ہو کہ کوئی کام خلافِ شریعت نہ کرے گی، مثلاً: رونا پیٹنا۔ [2]

زندگی میں ایک مرتبہ شبِ براءت میں قبرستان جانا اور اہلِ قبور کے لیے دعائے مغفرت کرنا سنت سے ثابت ہے۔ [3]

ترکہ اور اس کی تقسیم

مرنے والا انتقال کے وقت اپنی ملکیت میں جو کچھ منقولہ و غیر منقولہ مال و جائداد، نقد روپیہ، زیورات، کپڑے اور کسی بھی طرح کا چھوٹا بڑا سامان چھوڑتا ہے، خواہ سوئی دھاگہ ہی ہو، وہ سب اس کا ترکہ ہے، انتقال کے وقت اس کے بدن پر جو کپڑے ہوں، وہ بھی اس میں داخل ہیں، نیز میت کے جو قرضے کسی کے ذمہ رہ گئے ہوں اور میت کی وفات کے بعد وصول ہوئے ہوں، وہ بھی اس کے ترکے میں داخل ہیں۔

میت کے کل ترکے میں ترتیب وار چار حقوق واجب ہیں:

1. تجہیز و تکفین۔

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب اذا قال ارضی وبستانی صدقة ۱/۳۸۶

[2] ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی زیارة القبور ۲/۲٤۲

[3] احکام میت، باب چہارم، زیارت قبور، ص ۱۰۰

❷ قرض، اگر میت کے ذمہ کسی کا رہ گیا ہو۔

❸ جائز وصیت اگر میت نے کی ہو۔

❹ وارثوں پر میراث کی تقسیم۔

یعنی ترکہ میں سب سے پہلے تجہیز وتکفین اور تدفین کے اخراجات ادا کیے جائیں، پھر اگر کچھ ترکہ بچے تو میت کے ذمہ جو لوگوں کے قرضے ہوں، وہ سب ادا کیے جائیں، اس کے بعد اگر کچھ ترکہ باقی رہے تو اس کے ایک تہائی کی حد تک میت کی جائز وصیت پر عمل کیا جائے اور بقیہ دو تہائی بطورِ میراث سب وارثوں کو شرعی حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے، اگر میت کے ذمہ نہ کوئی قرض تھا، نہ اس نے ترکہ کے متعلق کوئی وصیت کی تھی تو تجہیز وتکفین اور تدفین کے بعد جو ترکہ بچے، وہ سب کا سب وارثوں کا ہے۔[1]

وہ چیزیں جو ترکے میں داخل نہیں

میت کے پاس جو چیزیں ایسی تھیں کہ شرعاً وہ ان کا مالک نہ تھا، اگرچہ بلا تکلف ان کو مالکوں کی طرح استعمال کرتا رہا ہو، وہ اس کے ترکہ میں داخل نہ ہوں گی، مثلاً: جو چیزیں میت نے کسی سے عارضی طور پر استعمال کے لیے لی تھیں یا کسی نے اس کے پاس امانت رکھ دی تھیں۔[2]

میت کی پنشن کی جتنی رقم اس کی موت کے بعد وصول ہو، وہ ترکے میں شمار نہ ہوگی بل کہ حکومت یا وہ کمپنی جس سے پنشن ملی ہے وہ جس کو یہ رقم دے گی وہی اس کا مالک ہو جائے گا۔[3]

---

[1] عالمگیری، كتاب الفرائض، الباب الأول: ٤٤٧/٦، ايضًا، الدرمختار، كتاب الفرائض ٧٦١/٦، ٧٦٢

[2] احکامِ میت، باب ہشتم: ١٥٢

[3] امداد الفتاوى، كتاب الفرائض: ٣٤٢/٤

حکومت یا ادارے کی جانب سے ہمدردی کی بنیادوں پر ملے ہوئے فیملی پنشن یا کوئی اور فنڈ ان افراد کا حق ہے جو میت کے زیرِ کفالت تھے اور وہ رقم ان افراد میں برابر برابر تقسیم ہوگی اور ترکے میں شامل نہیں ہوگی۔

اگر یہ وضاحت کی گئی ہو کہ یہ فنڈ فلاں شخص، مثلاً: باپ کے لیے ہے تو پھر اسی کا حق ہے۔

حکومت یا ادارے کی طرف سے لکھوالیا جاتا ہے کہ وفات کی صورت میں فلاں عزیز کو واجبات ادا کیے جائیں، اس سے تنہا وہ شخص ان واجبات کا مالک نہیں بنتا، بل کہ وہ صرف واسطہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے سے حق داروں کو ان کا حق پہنچ جائے، اب اگر وہ رقم میت کی موت سے پہلے واجب الادا ہو چکی تھی تو تمام وارثوں میں ان کے شرعی حصوں کے مطابق تقسیم ہوگی اور اگر وہ میت کی موت سے پہلے واجب الادا نہ تھی تو صرف زیرِ کفالت افراد میں اس کو برابر تقسیم کیا جائے گا۔[1]

وہ چیزیں جو ترکے میں شامل ہیں

اگر کسی نے زندگی میں اپنی اولاد کی شادی کے لیے نقد روپیہ یا کپڑا اور زیورات وغیرہ جمع کیا تھا اور ارادہ تھا کہ اس کو فلاں بیٹے یا بیٹی کی شادی میں خرچ کروں گا یا بیٹی کے جہیز میں دوں گا، مگر تقدیر سے اس شخص کا انتقال ہوگیا اور وہ چیزیں اس اولاد کو مالکانہ طور پر قبضے میں نہیں دی تھیں تو یہ سب مال ترکے میں داخل ہوگا۔[2]

اگر میت نے اس بیماری سے پہلے جس میں اس کا انتقال ہوا ہے اپنی کوئی چیز زبانی یا تحریری طور پر کسی کو دی تھی اور یہ کہا تھا کہ یہ چیز تم کو دیتا ہوں اور قبضہ نہیں کرایا

---

[1] احسن الفتاوی، کتاب الوصیۃ والفرائض: ۳۰۱/۹، فتاویٰ حقانیہ، کتاب الفرائض: ۵۴۱/۶

[2] احکام میت: ص ۱۷۶

تھا تو وہ چیز ترکے میں شامل ہوگی۔[1]

بعض ناواقف لوگ ترکہ کی تقسیم سے پہلے میت کے ترکے میں سے غلہ، پیسے، کپڑے وغیرہ خیرات کر دیتے ہیں، یہ درست نہیں۔[2]

مکان یا کسی اور جائداد کی رجسٹری و کاغذات میں محض کسی عزیز کا نام لکھنے سے وہ اس کا مالک نہیں بن جاتا، جب تک مالک اس عزیز کو اس جائداد پر قبضہ نہ کرا دے، لہٰذا قبضے سے پہلے یہ جائداد میراث میں تقسیم ہوگی۔[3]

قرضوں کی ادائیگی

تجہیز و تکفین اور تدفین کے اخراجات ادا کرنے کے بعد سب سے اہم کام ان قرضوں کی ادائیگی ہے جو میت کے ذمہ رہ گئے ہیں، خواہ میت نے قرضے ادا کرنے کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو اور خواہ یہ باقی ماندہ ترکہ قرضوں ہی کی ادائیگی میں ختم ہو جائے، اگر میت نے بیوی کا مہر ادا نہ کیا تھا تو وہ بھی قرض ہے۔[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کے متعلق نہایت سخت تاکید اور تنبیہ فرمائی ہے، جو لوگ اپنے ذمہ قرض چھوڑ جاتے اور اس کی ادائیگی کے لیے ترکہ میں مال بھی نہ چھوڑتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کی نماز جنازہ خود نہ پڑھاتے تھے، بل کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرما دیتے کہ تم لوگ نماز پڑھا دو اور اپنی نماز سے ان کو محروم رکھتے تھے۔[5]

اگر تجہیز و تکفین اور تدفین کے بعد ترکہ بالکل نہ بچا، یا اتنا تھوڑا بچا کہ سب

---

[1] درمختار مع رد المحتار، کتاب الهبة. ۶۹۰/۵، احکام میت: ص ۱۸۲

[2] خیر الفتاوی: ۲۱۹/۲

[3] درمختار مع ردالمحتار، کتاب الهبة: ۶۹۰/۵

[4] احکام میت: ص ۱۶۰، ۱۶۱

[5] صحیح مسلم، کتاب الفرائض: ۳۵/۲

قرض اس سے ادا نہ ہوسکے تو باقی قرضوں کا ادا کرنا وارثوں کے ذمہ واجب نہیں، بہتر یہی ہے کہ جتنا ہوسکے میت کی طرف سے قرضے ادا کرکے اس کو راحت پہنچائیں اور حق داروں کے لیے بھی بہتر یہی ہے کہ وہ اپنا حق معاف کردیں، اس معافی سے ان کو اتنا بڑا ثواب حاصل ہوگا، اگر قیامت کے دن مقروض کی نیکیاں بھی ان کو دلوادی جائیں تو بھی اتنا بڑا ثواب نہ ہوگا۔[1]

اللہ تعالیٰ کے قرضوں کی ادائیگی

اگر کسی کے ذمہ نمازیں، روزے، زکاۃ، حج یا سجدۂ تلاوت ہو یا قسم کا کفارہ ذمہ رہ گیا ہو اور اتنا مال بھی موجود ہو کہ اس میں سے کفارہ ادا کیا جاسکتا ہو تو مرتے وقت اس کے لیے وصیت کرجانا ضروری ہے، بچے ہوئے مال کے ایک تہائی میں سے ان حقوق کو ادا کیا جائے، اگر ایک تہائی میں وہ پورے ادا نہ ہوسکیں تو جتنے ادا ہوسکیں، ادا کردیں، تہائی سے زیادہ مال خرچ کرکے ان کو ادا کرنا وارثوں پر لازم نہیں، کیوں کہ باقی دو تہائی مال وارثوں کا ہے۔

لہٰذا عاقل بالغ وارثوں کو اختیار ہے کہ چاہیں تو اپنے اپنے حصہ اور مال میں سے خرچ کرکے ان باقی حقوق کو بھی ادا کردیں اور میت کو آخرت کے عذاب سے بچائیں اور خود بھی ثواب کمائیں۔[2]

اگر وہ تہائی مال اتنا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سب حقوق اس سے ادا ہوسکتے ہوں، لیکن مرنے والے نے صرف بعض حقوق ادا کرنے کی وصیت کی ہو یا اتنے کم مال کی وصیت کی ہو کہ اس سے وہ سب حقوق ادا نہ ہوسکتے ہوں تو وارثوں پر ادائیگی صرف وصیت کی حد تک لازم ہوگی، البتہ مرنے والا پورے حقوق کی وصیت نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔[3]

---

[1] احکام میت، ص ۱۶۳ [2] احکام میت، باب ہفتم، ص ۱۶٤

[3] البحر الرائق، کتاب الوصایا ۸/ ٤٤۰، عالمگیری، کتاب الوصایا، الباب الاول: ۶/ ۹۰، ۹٤

جائز وصیتوں کی تعمیل[1]

میت کے ترکہ میں تجہیز وتکفین اور قرضوں کی ادائیگی کے بعد تیسری چیز جائز وصیت کو پورا کرنا ہے۔

یہ کہنا کہ ''میں اتنے مال کی فلاں کے لیے وصیت کرتا ہوں'' یا یہ کہنا کہ ''میرے مرنے کے بعد میرا اتنا مال فلاں شخص کو دے دینا یا فلاں کام میں لگا دینا'' وصیت ہے، خواہ بیماری میں کہا ہو یا تن درستی میں اور خواہ کہنے والا اسی بیماری میں مرا ہو یا بعد میں۔[2]

اگر میت کے ذمے قرض اتنا زیادہ ہو کہ ادا ہونے کے بعد کچھ ترکہ باقی ہی نہ رہے تو ہر قسم کی وصیت بے کار ہے۔[3]

میت نے اگر اپنے کسی وارث کے لیے وصیت کی تو یہ وصیت بھی باطل ہے، البتہ اگر میت کا اس وارث کے علاوہ کوئی اور وارث ہی نہ ہو یا باقی سب وارث راضی ہوں تو ان کی اجازت سے دے دینا جائز ہے، لیکن نابالغ یا مجنون کی اجازت معتبر نہیں۔[4]

کسی گناہ کے کام میں مال خرچ کرنے کی وصیت بھی باطل ہے اور اس میں ترکہ کو خرچ کرنا وارثوں کی اجازت سے بھی جائز نہیں ہے۔[5]

اگر وصیت کرنے والے نے اپنی زندگی میں وصیت سے رجوع کر لیا تو وہ

---

[1] مزید تفصیل کے لیے ''طریقۂ وصیت'' مطبوعہ بیت العلم ٹرسٹ کا مطالعہ فرمائیں۔ اس کتاب کے ذریعے ① حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اہمیت ② اُن کی ادائیگی کی وصیت کا طریقہ ③ صدقہ جاریہ وغیرہ کی اہمیت اور ان کی وصیت کا طریقہ معلوم ہوگا۔

[2] بہشتی زیور، وصیت کا بیان: ص ۴۳۳

[3] عالمگیری، کتاب الفرائض، الباب الاول: ٦/٤٤٧

[4] عالمگیری، کتاب الفرائض، الباب الاول: ٦/٤٤٧

[5] عالمگیری، کتاب الفرائض، الباب الاول: ٦/٤٤٧

وصیت باطل ہو جائے گی، گویا کہ کی ہی نہیں تھی۔[1]

اگر میت نے چند وصیتیں کی تھیں جو ایک تہائی مال میں پوری نہیں ہوسکتیں اور زیادہ خرچ کرنے کی وارثوں نے اجازت نہیں دی تو جو وصیتیں شرعاً زیادہ ضروری ہیں، ان کو پہلے پورا کیا جائے، مثلاً: قضا روزوں کے فدیہ کی بھی وصیت کی اور صدقۂ فطر ادا کرنے کی بھی اور کنواں بنوانے کی بھی تو سب سے پہلے روزوں کا فدیہ ادا کیا جائے، کیوں کہ روزے فرض ہیں، پھر اگر کچھ مال بچے تو اس سے صدقۂ فطر جتنا ادا ہوسکے کر دیا جائے، کیوں کہ یہ واجب ہے۔[2]

اگر کسی کا کچھ قرض ہو یا کوئی امانت اس کے پاس رکھی ہو، اس کی وصیت کر دینا ضروری ہے۔[3]

اگر کچھ غریب رشتہ دار ہوں جن کا میراث میں حصہ نہ بنتا ہو اور اس کے پاس بہت مال دولت ہو تو ان کے لیے وصیت کر جانا مستحب ہے، باقی اور لوگوں کے لیے وصیت کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔[4]

اگر بہت زیادہ مال دار نہ ہو تو وصیت ہی نہ کرے، کیوں کہ اپنے وارثوں کے لیے مال چھوڑ جانے میں بھی ثواب ملتا ہے اور اگر مال دار ہو تو بہتر یہ ہے کہ پوری تہائی کی وصیت نہ کرے، بل کہ کم کی وصیت کرے۔[5]

---

[1] الفقه الاسلامی وادلته، المبحث الرابع مبطلات الوصية: ۸/۱۱٤

[2] درمختار مع رد المحتار، کتاب الوصایا: ٥/٥٨٠، ٥٨١

[3] احکام میت، باب ہفتم: ص ١٧٦

[4] بہشتی زیور مدلل، وصیت کا بیان: ص ٤٣٤

[5] وصیت کرنے میں دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی ہے۔ اس کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ادارہ بیت العلم ٹرسٹ کے علما نے ایک کتاب بنام ''وصیت لکھئے'' مرتب کی ہے۔ اس کتاب میں وصیت لکھنے کے لیے فارم کی صورت بنائی گئی ہے جس سے عوام کے لیے کافی آسانی ہوگئی ہے۔ صرف خالی جگہیں پر کرنے سے وصیت تیار ہو جائے گی۔

اگر کسی کا وارث نہ ہو تو اس کو پورے مال کی وصیت کر دینا بھی درست ہے اور اگر صرف بیوی ہو تو تین چوتھائی کی وصیت کر دینا بھی درست ہے، اسی طرح اگر کسی کا صرف شوہر ہے تو آدھے مال کی وصیت درست ہے۔[1]

اگر وصیت کی کہ فلاں جگہ مجھے دفن کیا جائے، یا فلاں کپڑے میں کفن دیا جائے تو ان وصیتوں کا پورا کرنا ضروری نہیں۔[2]

وصیت نامہ

وصیت کے لیے بہتر اور آسان صورت یہ ہے کہ ایک بڑی کاپی تیار کر لیں، اس کے سرورق پر وصیت نامہ اور ضروری یادداشتیں لکھ دیا جائے اور اندر مندرجہ ذیل عنوانات میں سے ہر عنوان کے لیے کئی کئی ورق خاص کر لیے جائیں:

1. نمازیں جو میرے ذمے باقی ہیں۔
2. زکاۃ جو میرے ذمے باقی ہے۔
3. رمضان اور منت کے روزے جو میرے ذمے باقی ہیں۔
4. حج کا فریضہ جو میرے ذمے باقی ہے۔
5. صدقۃ الفطر جو میرے ذمے اپنے اور بچوں کے باقی ہیں۔
6. قربانیاں جن برسوں کی میرے ذمے باقی ہیں، ان کی قیمت کا صدقہ کرنا۔
7. سجدۂ تلاوت جو میرے ذمے باقی ہیں۔
8. قسم کے کفارے جو میرے ذمے باقی ہیں۔
9. دوسروں کا قرض جو میرے ذمے ہے۔
10. میرا قرض جو دوسروں کے ذمے ہے۔

---

[1] احکام میت: ص ۱۷۸

[2] بہشتی زیور، مدلل، وصیت کا بیان: ص ٤٢٥، احکام میت: ص ۱۷۸

⓫ میری امانتیں جو دوسروں کے پاس ہیں۔

⓬ وصیت نامہ۔

اسی طرح عنوانات قائم کرنے کے بعد ہر عنوان کے تحت جو صورت حال ہو تحریر کرتے رہیں، اگر اس عنوان سے متعلق کوئی چیز آپ کے ذمہ نہیں تو یہ ہی لکھ دیں، اگر ذمہ ہے تو اس کی تفصیل لکھ دیں، پھر اس میں سے جتنی جتنی ادائیگی زندگی میں ہوتی جائے، اس کو منہا کرتے جائیں، کوئی چیز مزید واجب ہو جائے تو اس کا اضافہ کر دیں اور اپنے کسی قابلِ اعتماد کو بتا دیا جائے کہ یہ کاپی فلاں جگہ رکھی ہے، تاکہ کسی وقت بھی پیغام اجل آ جائے تو اللہ اور بندوں کے حقوق ادا ہو سکیں اور اپنے اوپر دنیا و آخرت کا بار نہ رہے۔[1]

مرض الموت سے متعلق اہم مسائل

موت کی بیماری کی حالت میں اپنا مال اپنے ضروری خرچ، کھانے پینے، دوا دارو وغیرہ کے علاوہ خرچ کرنا درست نہیں۔

اگر موت کی بیماری کی حالت میں کسی کو تہائی سے زیادہ دے دیا یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیا تو وارثوں کی اجازت کے بغیر یہ دینا صحیح نہیں ہوگا، تہائی سے جتنا زیادہ دیا ہوگا، وارثوں کو اس کے لینے کا اختیار ہوگا۔[2]

ایسی بیماری کی حالت میں جس میں بیمار مر جائے، اپنا قرض معاف کرنے کا بھی اختیار نہیں ہے۔ اکثر دستور ہے کہ بیوی مرتے وقت اپنا مہر معاف کر دیتی ہے، یہ معاف کرنا صحیح نہیں۔[3]

اپنی اولاد کو عاق کرنا درست نہیں اور نہ شرعاً اس کی اجازت ہے اگرچہ عوام میں

---

[1] احکام میت، باب ہفتم: ص ۱۷۸ تا ۱۸۰

[2] جوهرة النيرة، كتاب الوصايا: ۲/۳۶۷

[3] احکام میت، باب ہفتم: ص ۱۸۳

یہ بات مشہور ہے۔[۱]

وارثوں پر میراث کی تقسیم[۲]

اگر میت پر نہ کوئی قرض تھا، نہ اس نے کوئی وصیت کی تھی تو تجہیز و تکفین سے بچا ہوا سارا مال وارثوں میں تقسیم ہوگا اور اگر قرض تھا وصیت نہ تھی تو قرض سے جتنا مال بچا وہ وارثوں کو ملے گا۔[۳]

شریعت نے ہر وارث کا حصہ مقرر کر دیا ہے جس کی تفصیلات علم میراث کی کتابوں میں مذکور ہیں، یہاں بیان نہیں کی جاسکتیں، اس لیے جب کسی کا انتقال ہو تو انتقال کے وقت اس کے ماں باپ، لڑکے، لڑکیاں اور بیوی یا شوہر میں سے جو زندہ ہو ان کی مکمل فہرست، تعداد اور رشتہ لکھ کر کسی معتبر عالم و مفتی سے جو میراث کے مسائل میں مہارت رکھتا ہو وارثوں کے حصے دریافت کر لیے جائیں، اگر میت کے انتقال کے وقت مذکورہ بالا وارثوں میں سے بعض زندہ ہوں بعض نہ ہوں تو میت کے دوسرے زندہ رشتہ داروں کی تعداد بھی مع رشتہ لکھیں، میت کے جو حقیقی بھائی بہن ہوں یا صرف باپ شریک ہوں یا صرف ماں شریک ہوں، ان کی بھی الگ الگ ضرور وضاحت کریں، سوتیلے ماں باپ اور ساس سسر اور سسرالی رشتہ دار شرعاً وارث نہیں ان کو فہرست میں شامل نہ کیا جائے۔[۴]

---

[۱] کفایت المفتی، کتاب الفرائض، متفرقات: ۸/۳۶۵

[۲] حدیث میں علم میراث کو نصف علم کہا گیا ہے اس لیے علم میراث کو سمجھانے کے لیے مختلف کتابیں لکھی گئی ہیں، بیت العلم ٹرسٹ نے بھی ایک کتاب ''آسان میراث'' کے نام سے طبع کی ہے، اس میں بہت آسان طریقے سے علم میراث سمجھایا گیا ہے، یہ ایک اچھی کتاب ہے، ائمہ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنی مسجد میں نوجوان مقتدیوں کو یہ کتاب درساً پڑھائیں تاکہ امت کے اندر علم میراث (جس کو نصف علم قرار دیا گیا ہے) کا علم عام ہو اور لوگ آپس کے جھگڑوں سے بچ سکیں۔

[۳] احکام میت، باب ہفتم: ص ۱۸۸

[۴] احکام میت: ص ۱۸۸

عورتوں کو میراث سے محروم کرنا اور یہ سمجھنا کہ شادی وغیرہ میں جو کچھ دے دیا تھا کافی ہو گیا صحیح نہیں۔[1]

وارث کا اپنے حصے پر قبضہ کرنے سے پہلے اس سے دست بردار ہونا اور دوسروں کے لیے اس کے حصہ میراث کو استعمال میں لانا صحیح نہیں۔

[1] احکام میت، باب ہفتم: ص ۱۹۷

زکاۃ کا بیان[1]

زکاۃ کی اہمیت

اسلام میں شہادتِ توحید باری تعالیٰ، رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور اقامتِ صلوٰۃ کے بعد زکاۃ کا درجہ ہے، گویا ادائے زکاۃ دین اسلام کا تیسرا بنیادی رکن ہے۔ قرآنِ مجید میں جہاں نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا تو ساتھ ساتھ زکاۃ ادا کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''نمازیں قائم رکھنا اور زکاۃ دیتے رہا کرنا'' [2]

اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

ترجمہ: ''بے شک جو لوگ ایمان کے ساتھ (سنت کے مطابق) نیک عمل کرتے ہیں اور نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں ان کا اجران کے رب کے پاس ہے، ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ اداسی اور غم۔'' [3]

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اور نماز کی پابندی رکھو اور زکاۃ دیتے رہا کرو اور اللہ تعالیٰ کو

---

[1] زکاۃ اسلام کے ارکان میں سے تیسرا اہم رکن ہے، ہر مسلمان مرد و عورت کو اس کے مسائل سیکھنے چاہئیں، اگر خود اس پر زکاۃ فرض ہے تو صحیح طریقے پر تمام قواعد و ضوابط کے مطابق ادا کر سکے گا، ورنہ دوسرے مسلمان کو صحیح طریقہ بتا سکے گا۔

چناں چہ اسی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے بیت العلم ٹرسٹ نے ''مسائل زکاۃ'' کے نام سے ایک بہت عمدہ کتاب طبع کی ہے، ہر مسلمان مرد و عورت کو پڑھنا چاہیے۔

[2] البقرہ: ۸۳ [3] البقرہ: ۲۷۷

اچھا قرض دو۔'' [1]

سورۂ توبہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اب بھی اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہوجائیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔'' [2]

چناں چہ اس طرح قرآنِ کریم میں ستر (۷۰) سے زیادہ مقامات پر نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ دینِ اسلام میں ان دونوں کا مقام و اہمیت تقریباً ایک ہی ہے۔ احادیث مبارکہ میں بھی جہاں نماز کا ذکر و حکم ہے، وہاں پر زکاۃ کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

ایک حدیث شریف میں وارد ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے ① اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے (بندے اور) رسول ہیں۔ ② نماز (پنجگانہ) قائم کرنا ③ زکاۃ ادا کرنا ④ یہ کہ حج کرنا (یعنی اگر طاقت ہو تو زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا) اور ⑤ رمضان المبارک کا روزہ رکھنا۔'' [3]

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اپنی پانچ وقت کی نمازیں پڑھا کرو اور

---

[1] المزمل: ۲۰

[2] التوبۃ: ۱۱

[3] صحیح البخاری، کتاب الایمان: ۶/۱

رمضان کا روزہ رکھو اور اپنے مال کی زکاۃ ادا کرو اور اپنے حاکم کی اطاعت کرو تو جنت میں جاؤ گے۔‘‘ [1]

بہر حال قرآنِ کریم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وخطبات میں نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے کا ذکر اس طرح ساتھ ساتھ کیا گیا، جس سے زکاۃ کی اہمیت خوب واضح ہوتی ہے، گویا پنجگانہ نماز کے بعد زکاۃ کا درجہ ہے۔

زکاۃ کا معنی وتعریف

زکاۃ کا لغوی معنی ’’بڑھنا اور پاک ہونا ہے۔‘‘

اصطلاحِ شریعت میں زکاۃ مال کے اس حصے کو کہتے ہیں ’’جس کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا انسان پر فرض قرار دیا گیا ہے، یعنی اپنے مال کی مقدار معین ایک خاص مقدار کا کسی فقیر وغریب غیر سیّد کو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی عوض کے بغیر مالک بنا کر دینا۔‘‘

زکاۃ کو زکاۃ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مال کے باقی ماندہ حصے کو پاک وصاف کر دیتا ہے، اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے برکت عنایت فرمائی جاتی ہے اور اس کا وہ مال نہ صرف یہ کہ دنیا میں بڑھتا اور زیادہ ہوتا ہے، بل کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کے ثواب میں اضافہ کرتا ہے اور اس کے مالک کو گناہوں سے اور دیگر بری عادتوں سے مثلاً بخل، کنجوسی وغیرہ سے پاک وصاف کر دیتا ہے۔ اس لیے اس فعل کو زکاۃ کہا جاتا ہے۔

بعضوں نے یہ کہا: ’’کہ زکاۃ حقیقت میں اس معنوی زیادتی کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے برکت کے طور پر ہوتی ہے‘‘ چناں چہ فتاویٰ شامی میں زکاۃ کی لغوی واصطلاحی تعریف علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یوں کی ہے:

---

[1] جامع الترمذی، ابواب الصلوۃ: ۱/۱۳۲

''هِيَ لُغَةً أَلطَّهَارَةُ وَالنَّمَاءُ وَشَرْعًا تَمْلِيْكُ جُزْءِ مَالٍ عَيْنِهِ الشَّارِعِ مِنْ مُسْلِمٍ فَقِيْرٍ غَيْرِ هَاشَمِيٍّ وَلاَ مَوْلاَهُ مَعَ قَطْعِ الْمَنفَعَهِ عَنِ الْمُمَلِّكِ مِنْ كُلِّ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى.''[1]

مشروعیت زکاۃ

احادیثِ مبارکہ اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے پانچ وقت کی نمازیں شبِ معراج میں فرض ہوئیں، پھر مدینہ منورہ میں ۲ھ میں روزے فرض ہوئے اور اس کے ساتھ ہی زکاۃ اور دیگر صدقاتِ واجبہ فرض ہوئیں۔

چناں چہ زکاۃ کی فرضیت کا حکم اوائلِ اسلام ہی میں مکہ مکرمہ کے اندر نازل ہو چکا تھا، البتہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں زکاۃ کے لیے کوئی خاص نصاب یا خاص مقدار مقرر نہ تھی، بل کہ جو کچھ مسلمانوں کی اپنی ضرورتوں سے بچ جاتے وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاتا تھا، بعد میں نصابِ زکاۃ اور مقدار کا تفصیلی حکم ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں نازل ہوا اور پھر زکاۃ و دیگر صدقات کی وصول یابی کا مستقل نظام فتح مکہ کے بعد عمل میں آیا۔[2]

مکی دور میں زکاۃ کا مطلب

مکی دور میں زکاۃ کا مطلب صرف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حاجت مند بندوں پر اور خیر کی دوسری راہوں میں اپنی کمائی صرف کی جائے۔ نظام زکاۃ کے تفصیلی احکام اس وقت نہیں آئے تھے وہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں آئے، گویا مکی دور میں جو زکاۃ تھی، وہ مطلق تھی اور اس میں زکاۃ کی تفصیل اور حدود و قیود نہیں تھیں۔[3]

---

[1] شامي، كتاب الزكاة: ٢/٢٥٦ تا ٢٥٨

[2] فتاویٰ دارالعلوم ديوبند، كتاب الزكاة: ٦/٤١، معارف القرآن: ٤/٣٩٤

[3] ماخذہ: معارف الحديث، كتاب الزكاة: ٤/٢٤

زکاۃ کا حکم پہلی شریعتوں میں

زکاۃ کی اہمیت اور افادیت کی وجہ سے اس کا حکم پہلے پیغمبروں کی شریعتوں میں بھی نماز کے ساتھ ہی ساتھ برابر رہا ہے۔ چناں چہ سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحب زادے حضرت اسحٰق علیہ السلام اور پھر ان کے صاحب زادے حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

تَرجَمہ: ''اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نمازوں کے قائم رکھنے اور زکاۃ دینے کی وحی (تلقین) کی اور وہ سب کے سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔'' [1]

اسی طرح ''سورۂ مریم'' میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا:

تَرجَمہ: ''وہ اپنے گھر والوں کو برابر نماز اور زکاۃ کا حکم دیا کرتے تھے۔'' [2]

قرآنِ کریم کی آیات سے ظاہر ہے کہ نماز اور زکاۃ ہمیشہ سے آسمانی شریعتوں کے خاص ارکان اور شعائر رہے ہیں، البتہ ان کے حدود اور تفصیلی احکام وتعینات میں فرق رہا ہے۔ [3]

زکاۃ ادا کرنے کے فوائد

زکاۃ میں نیکی اور افادیت کے تین پہلو ہیں:

❶ ایک یہ کہ مؤمن بندہ جس طرح نماز کے قیام اور رکوع اور سجود کے ذریعے اللہ

---

[1] الانبیاء: ۷۳

[2] مریم: ۵۵

[3] معارف الحدیث، کتاب الزکاۃ: ۲۱/۴، ۲۲

تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی اور تذلل و نیاز مندی کا مظاہرہ جسم و جان اور زبان سے کرتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا قرب اس کو حاصل ہو، اسی طرح زکاۃ ادا کر کے وہ اللہ تعالیٰ کے بارگاہ میں اپنی مالی نذر اسی غرض سے اور اس بات کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اپنا نہیں، بل کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، وہ ان کو اللہ کا سمجھتا اور یقین کرتا ہے اور اس کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے وہ اس کو قربان کرتا ہے، زکاۃ کا شمار عبادات میں اسی پہلو سے ہے۔

❷ دوسرا پہلو زکاۃ میں افادیت کا یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے ضرورت مند اور پریشان حال بندوں کی خدمت و اعانت ہوتی ہے، اس پہلو کے اعتبار سے زکاۃ اخلاقیات کا نہایت ہی اہم باب ہے۔

❸ تیسرا پہلو اس میں افادیت کا یہ ہے کہ حب مال (مال کی محبت) اور دولت پرستی جو ایک ایمان کش اور نہایت مہلک ''روحانی بیماری'' ہے، زکاۃ کی ادائیگی اس کا علاج ہے، اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس کی پاکی اور تزکیہ کا ذریعہ ہے۔

زکاۃ و صدقات کی ادائیگی میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے وہ مصائب اور آفات ٹل جاتے ہیں جو انسان پر نازل ہوتے رہتے ہیں، اسی بنا پر بہت سی احادیث میں بیان فرمایا گیا ہے کہ صدقہ کے ذریعے مصیبت دور ہوتی ہے اور انسان کی جان و مال آفات سے محفوظ رہتی ہے۔

زکاۃ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے مال و دولت میں برکت ہوتی ہے، بخل اور کنجوسی کا خاتمہ ہوتا ہے۔[1]

---

[1] معارف الحدیث، کتاب الزکاۃ: ۲۰/۲، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲۳۶/۳

زکاۃ ادا نہ کرنے پر وعیدیں

قرآنِ کریم اور احادیث مبارکہ میں جہاں زکاۃ ادا کرنے کی ثواب و فوائد بیان کیے گئے ہیں، وہاں زکاۃ ادا نہ کرنے پر سخت عذاب وعیدیں بھی آئی ہیں۔ چناں چہ قرآنِ کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لیے بہتر خیال نہ کریں، بل کہ وہ ان کے لیے نہایت بدتر ہے، عن قریب قیامت والے دن یہ اپنی کنجوسی کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے۔''[1]

اسی طرح احادیث میں بھی بہت سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، ایک حدیث میں ہے:

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے دولت عطا فرمائی، پھر اس نے اس کی زکاۃ ادا نہیں کی تو وہ دولت قیامت کے دن اس آدمی کے سامنے ایسے زہریلے ناگ (سانپ) کی شکل میں آئے گی کہ جس کے انتہائی زہریلے پن سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے ہوں اور اس کے آنکھوں اوپر دو سفید نقطے ہوں، پھر وہ سانپ اس (زکاۃ ادا نہ کرنے والے کے گلے طوق بنا دیا جائے گا (یعنی اس کے گلے میں لپٹ جائے گا) پھر اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا اور کہے گا: ''میں تیری دولت ہوں، یا تیرا خزانہ ہوں۔''[2]

---

[1] آل عمران: ۱۸۰

[2] بخاری: کتاب الزکاۃ، باب اثم مانع الزکاۃ: ۱/۱۸۸

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

تَرجَمَہ: ''شبِ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قوم پر گزر ہوا، ان کی شرم گاہ پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے اور وہ مواشی کی طرح چر رہے تھے اور وہ جہنم کے پتھر کھا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''یہ کون لوگ ہیں؟''

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکاۃ ادا نہیں کرتے تھے اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا اور آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔''[1]

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

تَرجَمَہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے: ''مالِ زکاۃ جب دوسرے مال میں مخلوط ہوگا تو وہ ضرور اس کو تباہ کردے گا۔''[2]

اسی طرح اور بھی متعدد احادیث میں زکاۃ ادا نہ کرنے پر بہت سخت قسم کی وعیدیں آئی ہیں۔

لہٰذا سب کو چاہیے کہ زکاۃ صحیح طریقے سے ادا کرے۔

منکرینِ زکاۃ اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض علاقوں کے ایسے لوگ جو بظاہر اسلام قبول کرچکے تھے اور توحید و رسالت کا اقرار کرتے اور نمازیں پڑھتے تھے، جب زکاۃ سے انکار کیا تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کا فیصلہ کیا۔

---

[1] مسائل زکاۃ: ۴۱/۱۰، بحوالہ نشر الطیب: ص ۵۱

[2] مشکاۃ المصابیح، کتاب الزکاۃ، الفصل الثالث ۵۷/۱

فرمایا: ''یہ نماز اور زکاۃ کے حکم میں تفریق کرتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے انحراف اور ارتداد ہے۔''

بخاری اور مسلم کی مشہور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جواب دیتے ہوئے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''وَاللّٰهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ.''[1]

ترجمہ: ''اللہ کی قسم! نماز اور زکاۃ کے درمیان جو لوگ تفریق کریں گے، میں ضرور ان کے خلاف جہاد (قتال) کروں گا۔''

پھر تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کے اس نقطۂ نظر کو قبول کر لیا اور اس پر سب کا اجماع ہوگیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زکاۃ نہ دینے والوں سے جہاد کرنا اس لحاظ سے بھی بہت اہمیت رکھتا ہے کہ انسانی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی حکومت یا ریاست نے معاشرے کے کم زور افراد اور فقراء و مساکین کے حقوق انہیں دلانے کے لیے جہاد کا باقاعدہ اعلان کیا۔[2]

ادائیگی زکاۃ کی شرطیں

ادائیگی زکاۃ کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

1. زکاۃ دینے والا مسلمان ہو، غیر مسلم کافر و مشرک نہ ہو، کیوں کہ کافر پر شرعاً زکاۃ فرض نہیں۔
2. بالغ ہو، نابالغ بچے بچی کی ملکیت میں کتنا ہی مال ہو اس پر زکاۃ نہیں۔
3. عاقل ہو، مجنون کے مال پر زکاۃ فرض نہیں، جب کہ اس کا جنون سال بھر مسلسل رہے۔
4. مال کا مکمل مالک ہو، اگر مال قبضے میں تو ہے، لیکن مالک نہیں تو اس صورت

[1] صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة، رقم: ١٤٠٠

[2] معارف الحديث، كتاب الزكاة: ١٩/٤، ايضا، مسائل زكاة: ٣٣/١٠

میں زکاۃ فرض نہیں۔

۵ مال نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو، نصاب سے کم مال پر زکاۃ فرض نہیں۔

۶ مال ضرورتِ اصلیہ سے زائد ہو، جو چیزیں انسان کی زندگی کی ضروریات میں داخل ہیں، مثلاً: رہنے کا مکان، خدمت کے لیے خادم، پہننے کے کپڑے استعمال کے برتن، فرنیچر، سواری کی گاڑی، حفاظت کے لیے اسلحہ، مطالعہ کی کتابیں وغیرہ ان پر زکاۃ فرض نہیں۔ واضح رہے کہ ضرورت ہر شخص کی مختلف ہوتی ہے۔

۷ مال پر پورا ایک سال گزر جائے، سال پورا ہونے سے پہلے زکاۃ واجب نہیں۔

۸ مال بڑھنے والا ہو، جیسے تجارتی مال یا سونا چاندی یا مویشی وغیرہ۔ جو مال بڑھنے والا نہیں، اگرچہ ضرورت سے زائد بھی ہو، اس پر زکاۃ نہیں، جیسے زائد مکان یا استعمال کی گاڑی، برتن، فرنیچر وغیرہ۔[1]

زکاۃ کی ادائیگی میں ہجری سال معتبر ہے

زکاۃ اور دیگر امور میں قمری سال کا اعتبار ہے۔ زکاۃ کا وجوب بھی قمری سال سے ہوگا۔ جس دن سے ایک شخص نصاب کا مالک ہوتا ہے، اس دن سے قمری سال پورا کر کے زکاۃ کی ادائیگی واجب ہو جائے گی۔[2]

زکاۃ کی ادائیگی میں تاریخ کا تعین کرنا

ادائے زکاۃ کے لیے شرعاً کوئی تاریخ، مہینہ یا کوئی دن مقرر نہیں، البتہ بعض مہینوں اور دنوں کی فضیلت کو اس میں دخل ضرور ہے، یعنی جو مہینہ فی نفسہ متبرک ہے،

---

[1] روزے کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا، حرف شین: ص ۲۸۰، مسائل زکاۃ: ۵۰/۱۰

[2] خیر الفتاوی، کتاب الزکاۃ: ۳۸۰/۳، کفایت المفتی، کتاب الزکوۃ: ۳۰۲/۴

جیسے رمضان کہ اس میں صدقات وغیرہ کی ادائیگی بھی افضل ہے۔ وہاں ضرورت اس کی ہے کہ جس مہینے میں ادائے زکاۃ واجب ہے اس مہینے میں ادا کرے اور پھر اس مہینہ کو مقرر کر لے۔[1]

زکاۃ میں مہینے کا اعتبار ہے یا تاریخ کا؟

زکاۃ کے حساب کے لیے تاریخ کا اعتبار ہے، جس تاریخ کو سال پورا ہو جائے اسی تاریخ میں زکاۃ واجب ہوگی، جس وقت بھی زکاۃ ادا کرے گا اعتبار اسی تاریخ وجوب کا رہے گا۔ اگلے سال اسی تاریخ میں زکاۃ واجب ہو جائے گی جس تاریخ کو پچھلے سال واجب ہوئی تھی۔[2]

سال شمار کرنے کا اصول

جس تاریخ کو کسی شخص کے پاس نصاب کے بقدر مال آ جائے، اسی تاریخ سے چاند کے حساب سے پورا سال گزرنے پر جتنی رقم اس کی ملکیت میں ہو اس کی زکاۃ واجب ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ سال کے کسی مہینے میں بھی جس تاریخ کو کوئی شخص نصاب کا مالک ہوا ہو، ایک سال گزرنے کے بعد اسی تاریخ کو اس پر زکاۃ واجب ہو جائے گی، خواہ محرم کا مہینہ ہو یا کوئی اور مہینہ ہو اور اس شخص کو سال پورا ہونے کے بعد زکاۃ ادا کرنا لازم ہے۔[3]

اختتام سال کا اعتبار

قمری سال کے ختم ہونے پر جس کے پاس جتنا مال ہو اس پر زکاۃ واجب ہو

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، مسائل صفت زکاۃ: ۷۱/۶

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ: ۷۵/۶

[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل، مسائل زکاۃ: ۳۶۸/۳

جائے گی، مثلاً: کسی کا سالِ زکاۃ یکم محرم سے شروع ہوتا ہے تو اگلے سال یکم محرم کو اس کے پاس جتنا مال ہو اس پر زکاۃ ادا کرے، خواہ اس میں کچھ حصہ دو مہینے پہلے ملا ہو یا دو دن پہلے، الغرض سال کے دوران جو مال آتا رہا اس پر سال گزرنے کا حساب الگ سے نہیں لگایا جائے گا، بل کہ جب اصل نصاب پر سال پورا ہوگا تو سال کے اختتام پر جس قدر بھی سرمایہ ہو اس پورے سرمایہ پر زکاۃ واجب ہو جائے گی، خواہ اس کے کچھ حصوں پر سال پورا نہ ہوا ہو۔[1]

کیا رمضان ہی میں زکاۃ دینا چاہیے؟

رمضان کے علاوہ اور مہینوں اور دنوں میں زکاۃ دینا درست ہے، رمضان کی اس میں کچھ تخصیص نہیں ہے، بل کہ جس وقت بھی مال پر سال پورا ہو اسی وقت زکاۃ دینا بہتر ہے۔

البتہ جن کا سالِ زکاۃ رمضان المبارک میں پورا ہو، وہ رمضان میں زکاۃ دے دے۔ یہ ضرور ہے کہ رمضان المبارک میں زکاۃ دینے میں ثواب ستر گنا زیادہ ہوتا ہے۔[2]

صاحبِ نصاب کو اگر تاریخ یاد نہ رہے

اگر صاحبِ نصاب بننے کی قمری تاریخ یاد نہ ہو تو غور وفکر اور خوب تحقیق کے بعد جس تاریخ کا ظن غالب ہو وہ متعین ہوگی، اگر کسی بھی تاریخ کا ظن غالب نہ ہو تو خود کوئی قمری تاریخ متعین کرلیں اور زکاۃ ادا کرے تو زکاۃ ادا ہو جائے گی۔[3]

گزشتہ سال کی غیر ادا شدہ زکاۃ

اگر کسی صاحبِ نصاب آدمی نے گزشتہ سالوں کی زکاۃ ادا نہیں کی تو وہ زکاۃ

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل، مسائل زکاۃ: ۳/۳٦۲

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، مسائل ادائیگی زکاۃ: ٦/۱۰۰

[3] احسن الفتاوی، کتاب الزکاۃ: ٤/۲٦٥

معاف نہیں ہوگی، بل کہ وہ زکاۃ اس کے ذمے ہے، لہٰذا گزشتہ تمام سالوں کی زکاۃ کا حساب کر کے ادا کرنا لازم ہے، ورنہ آخرت میں پکڑ ہوگی۔

اب گزشتہ زکاۃ ادا کرنے کی صورت یہ ہے کہ گزشتہ سالوں میں ہر سال کتنی رقم تھی یا نصاب کی مالیت کی مقدار کیا تھی معلوم ہے تو اس حساب سے ہر سال کی رقم سے ڈھائی فی صد زکاۃ ادا کر دے اور اگر گزشتہ سالوں کی رقم یا نصاب کی مالیت کی مقدار معلوم نہیں تو اندازہ لگا کر تعین کرے کہ گزشتہ سالوں میں سے ہر سال کتنی رقم تھی یا نصاب کی مالیت کی مقدار کیا تھی، اس پر زکاۃ ادا کرے۔

اگر نصاب یا رقم کی مالیت کا اندازہ لگانا مشکل ہو تو اس صورت میں اتنا معلوم کرے کہ کتنے سال کی زکاۃ باقی ہے، مثلاً: اندازہ یہ ہوا کہ دس سال کی زکاۃ ذمہ میں باقی ہے تو موجودہ مال سے دس مرتبہ زکاۃ نکالی جائے، اگر آخر تک مالِ نصاب کم نہ ہو، مثلاً: ایک لاکھ رقم دس سال سے ہے اور دس سال تک زکاۃ ادا نہیں کی تو سب سے پہلے پہلے سال کے لیے ڈھائی فی صد زکاۃ نکالے تو ڈھائی ہزار روپے زکاۃ میں نکل گیا، پھر اس کے بعد دوسرے سال کے لیے بقیہ ۹۷۵۰۰ روپے سے دوبارہ ڈھائی فی صد زکاۃ نکالی تو ۲۴۳۷ روپے زکاۃ میں نکلے، پھر تیسرے سال کے لیے ۹۵۰۶۲ روپے تیسری مرتبہ زکاۃ نکالے تو ۲۳۷۶/۵۶۱۴ روپے زکاۃ میں نکل گئے۔ اسی طرح دس سالوں کے زکاۃ نکال لے اور ادا کر دے، جتنی جلدی ادا کر سکے بہتر ہے، کیوں کہ موت کا کچھ پتا نہیں۔[1]

نصابِ زکاۃ

سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ: ۸۷.۴۷۹ گرام ہے، یہ اس شخص کے لیے ہے جس کے پاس صرف سونا ہو، چاندی، مالِ تجارت اور نقدی میں سے کچھ بھی

---

[1] احسن الفتاوی، کتاب الزکاۃ: ۲۷۵/۴، فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ: ۹۹/۶

نہ ہو۔

چاندی کا نصاب ½ ۵۲ تولہ: ۶۱۲.۳۵ گرام ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ صرف چاندی ہو، سونا، مال تجارت اور نقدی بالکل نہ ہو، اگر سونے یا چاندی کے ساتھ کوئی دوسرا مالِ تجارت وغیرہ ہو تو سب کی قیمت لگائی جائے گی، اگر سب کی مالیت ۸۷.۴۷۹ گرام سونے یا ۶۱۲.۳۵ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو زکاۃ فرض ہے۔

نصابِ زکاۃ کا خلاصہ یہ ہے کہ سونا ساڑھے سات ½ ۷ تولہ یعنی ستاسی (۸۷) گرام چار سو اناسی (۴۷۹) ملی گرام، یا چاندی ساڑھے باون تولہ ½ ۵۲ یعنی چھ سو بارہ (۶۱۲) گرام پینتیس (۳۵) ملی گرام، یا مال تجارت یا نقدی یا ان چاروں چیزوں (سونا، چاندی، مالِ تجارت، نقدی) میں بعض کا مجموعہ سونے یا چاندی کے وزنِ مذکور کی قیمت کے برابر ہو۔[1]

سونے اور چاندی کے نصاب کی تحقیق

چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے، بوزنِ سبعہ یعنی دس درہم برابر سات مثقال کے ہوں، اس کے وزن کا جو حساب روپیہ اور تولہ ماشہ سے کیا گیا تو ساڑھے باون تولہ ہوتا ہے۔ پس اگر روپے کا وزن پورا ایک تولہ کا ہے تو ساڑھے باون روپے نصاب زکاۃ کا ہے۔ موجودہ وزن کے اعتبار سے چھ سو بارہ گرام پینتیس ملی گرام چاندی ہے۔

سونے کا نصاب بیس مثقال ہے جو ساڑھے سات تولہ کے برابر ہوتا ہے، یعنی ساڑھے سات تولہ سونا ہو تو نصاب پورا ہے اور یہ حساب اس طرح کیا گیا ہے کہ مثقال کو ساڑھے چار ماشہ کا قرار دیا گیا جیسا کہ معروف ہے، پس دو سو درہم بوزن

[1] احسن الفتاوی، کتاب الزکاۃ: ٤/٢٦٤، فتاوی دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، مسائل صفت زکاۃ: ٦/٤٣، ٧٩، کفایت المفتی، کتاب الزکاۃ، نصاب زکاۃ: ٤/٢٦٧، ٢٧

سبعہ ۱۴۰ مثقال کے برابر ہوگئے اور باعتبار ماشہ کے ۶۳۰ ماشہ ہوگئے، اس کو بارہ پر تقسیم کرنے سے ساڑھے باون تولہ خارج قسمت ہوئی، یعنی حاصل ہوئی۔

موجودہ اوزان کے اعتبار سے ساڑھے سات تولہ سونے کا وزن ستاسی گرام چار سو اناسی ملی گرام سونا ہے۔ سونا اور چاندی کے مذکورہ نصابوں کے برابر سونا اور چاندی کسی کے پاس ایک سال تک رہیں تو سال مکمل ہونے پر زکاۃ ادا کرنا لازم ہے۔[1]

چاندی کا نصاب

چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی ہے۔ موجودہ وزن کے اعتبار سے چھ سو بارہ گرام پینتیس ملی گرام چاندی ہے، اگر چاندی کے نصاب پر ایک سال گزر جائے تو ڈھائی فی صد زکاۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔

اگر کسی کے پاس صرف چاندی ہے اور وہ ساڑھے باون تولہ سے کم ہے اس کے ساتھ سونا، نقد رقم، مالِ تجارت اور دیگر قابلِ زکاۃ چیزیں نہ ہوں تو ساڑھے باون تولہ سے کم چاندی پر زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔

اگر چاندی نصاب سے کم ہے، لیکن اس کے ساتھ کچھ سونا یا نقد رقم یا زیورات وغیرہ ہیں اور سب کی قیمتِ فروخت کو جمع کیا جائے تو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جاتی ہے تو نصاب پورا ہو جائے گا اور سال گزرنے کے بعد کل قیمت سے ڈھائی فی صد زکاۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔[2]

چاندی کے تار

عورتوں کے قیمتی کپڑے جس میں چاندی کے تار ہوتے ہیں، ایسے کپڑوں کی

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، مسائل سونا اور چاندی: ٦/١١١، ١١٢، احسن الفتاوی، کتاب الزکاۃ: ٤/٢٦٤

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، مسائل سونا چاندی اور نقد کی زکاۃ: ٦/١٠٨، ١٢٣

زکاۃ نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ چاندی کے تاروں کا اندازہ کرلیا جائے، اگر وہ نصاب کے برابر ہے تو زکاۃ ادا کرنا لازم ہے اور اگر نصاب سے کم ہے تو زکاۃ لازم نہیں ہوگی۔[1]

زکاۃ میں چاندی کا نصاب معیار کیوں؟

زکاۃ میں چاندی کا نصاب معیار ہونے کی دو وجہیں ہیں:

1. ایک یہ کہ زکاۃ فقرا کے نفع کے لیے ہے اور اس میں فقرا کا نفع زیادہ ہے اور چاندی کے نصاب سے حساب کرنے کی صورت میں فقرا کو زکاۃ زیادہ ملتی ہے، جب کہ سونے کے حساب سے کم ملتی ہے، کیوں کہ سونے کے نصاب کے حساب سے کم آدمیوں پر زکاۃ واجب ہوتی ہے، چناں چہ زکاۃ کے معاملے میں فقرا کا زیادہ خیال کیا گیا ہے، تاکہ معاشرے سے غربت ختم ہو جائے۔
2. دوسرا یہ کہ اس میں احتیاط بھی زیادہ ہے کہ کیش وغیرہ چاندی کے نصاب کے ساتھ پورا ہو جاتا ہے اور سونے کے ساتھ نصاب پورا نہیں ہوتا تو احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ جس نصاب کے ساتھ زکاۃ پوری ہو جاتی ہے، اس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔[2]

سونا

سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے، موجودہ اوزان کے اعتبار سے ستاسی (۸۷) گرام چار سو اناسی (۴۷۹) ملی گرام سونا ہے۔ اگر نصاب کے برابر سونا ایک سال تک رہے تو سال مکمل ہونے پر زکاۃ ادا کرنا لازم ہے۔

اگر کسی مرد یا عورت کے پاس سونا ہے اور وہ نصاب سے کم ہے لیکن اس کے

---

[1] زکاۃ کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا، ص ۱۴۲

[2] آپ کے مسائل اور ان کا حل، زکاۃ کا بیان، ۳/۳۵۶

ساتھ چاندی یا کیش رقم وغیرہ بھی ہے اور قیمت کے اعتبار سے چاندی کا نصاب پورا ہو جاتا ہے تو اس صورت میں مجموعی قیمت پر زکاۃ واجب ہوگی، ڈھائی فی صد زکاۃ ادا کرنا لازم ہوگا اور اگر تمام چیزوں کی مجموعی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر نہیں ہے تو اس صورت میں زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔

سونے چاندی کی ہر چیز پر زکاۃ واجب ہے، زیور، برتن، حتیٰ کہ سچا گوٹہ، ٹھپہ، اصلی زری، سونے چاندی کے بٹن وغیرہ ان سب پر زکاۃ فرض ہے، اگرچہ ٹھپہ گوٹہ اور زری کپڑے میں لگے ہوئے ہوں۔[1]

سونے چاندی کے زیورات

جس طرح سونے چاندی پر زکاۃ فرض ہے، اسی طرح سونے چاندی کے زیورات میں بھی زکاۃ ادا کرنا ضروری ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

''حضرت عمرو بن شعیب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو عورتیں آئیں اور دونوں کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے دریافت فرمایا: ''ان کنگنوں کی زکاۃ ادا کرتی ہو یا نہیں؟''

انہوں نے کہا: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے فرمایا: ''کیا تم یہ چاہتی ہو کہ اللہ تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟''

دونوں نے کہا: ''ہرگز نہیں'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم دونوں ان کی زکاۃ ادا کرو۔''[2]

احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیورات پر بہرحال زکاۃ واجب ہے، خواہ وہ

[1] احسن الفتاوی، کتاب الزکاۃ: ۲۶۴/۴، زکاۃ کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا: ص ۲۶۳

[2] جامع الترمذی، ابواب الزکاۃ، باب ماجاء فی زکاۃ الحلی: ۱۲۸/۱

مردوں کے ہوں یا عورتوں کے، تراش کر بنے ہوں یا پگھلا کر، برتن ہوں یا کچھ اور، استعمال میں آتے ہوں یا نہ آتے ہوں، یعنی اگر نصاب کے برابر ہوں گے (ساڑھے سات تولہ سونا اور ساڑھے باون تولہ چاندی) تو زکاۃ ہے۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

نقد روپیہ اور زیور، غرض سونے، چاندی کی ہر چیز اور سکہ پر زکاۃ ایک سال گزرنے کے بعد لازم وفرض ہے، اگرچہ وہ زیور، روپیہ، پیسہ بغرضِ حفاظت دفن ہو یا استعمال میں نہ آتا ہو۔[1]

اگر زیورات عورت کی ملکیت ہیں تو اسی پر زکاۃ ہے

جو زیور عورت کی ملک و قبضے میں ہے اور وہ نصاب کے برابر ہے، اس کی زکاۃ اس عورت ہی کے ذمہ واجب ہے، اگر شوہر تبرعاً بیوی کی طرف سے دے دے یا عورت شوہر سے لے کر دے دے یا جو خرچ شوہر اس کو دیتا ہے، اس میں سے بچا کر ادا کر دے تو یہ جائز ہے اور اگر کچھ بھی نہ ہو سکے تو عورت کو اسی زیور میں سے زکاۃ دینی پڑے گی۔[2]

اگر بیوی کے پاس زیورات ہوں اور شوہر پر قرضہ ہو

بیوی اگر صاحبِ نصاب ہو تو اس کی وجہ سے شوہر صاحبِ نصاب نہیں ہوتا، قربانی وزکاۃ وغیرہ شوہر کے ذمے واجب نہیں۔

اگر زیور بیوی کا ہے اور قرضہ مرد کے ذمے ہے تو زکاۃ ادا کرتے وقت اس قرض کو منہا وضع نہیں کیا جائے گا، بل کہ بیوی پوری زیور کی زکاۃ ادا کرے گی، البتہ اگر بیوی کے ذمے قرض ہو تو وہ منہا کیا جائے گا۔[3]

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، مسائل سونا چاندی اور نقد کی زکاۃ: ۶/۱۱۷

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، مسائل مصارف زکاۃ: ۶/۲۸۵

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ پہلا باب: ۶/۵۰

دلہن کو جو زیور دیا جاتا ہے اس کی زکاۃ کا حکم

دولہا کا باپ یا خود دولہا شادی کے وقت دلہن کو جو زیور دیتے ہیں، اس کے بارے میں تفصیل یہ ہے:

اگر دولہا کے باپ نے دلہن کو زیور دیتے وقت یہ کہہ دیا یا یہ لکھ دیا کہ یہ گفٹ اور ہدیہ کے طور پر ہے یا دلہن اس کی مالک ہے یا یہ مہر کا حصہ ہے، ان تمام صورتوں میں ان زیورات کی مالک دلہن ہے، اگر یہ نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہے تو سال گزرنے پر دلہن کے ذمے زکاۃ فرض ہو جائے گی۔ چاہے وہ خود زکاۃ ادا کرے یا اس کی طرف سے اس کی اجازت سے شوہر ادا کرے دونوں صورتوں میں زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

اگر دولہا کے باپ نے دلہن کو زیور دیتے وقت تحریری یا زبانی طور پر یہ کہہ دیا تھا کہ یہ صرف استعمال کے لیے دے رہا ہوں تو اس صورت میں ان زیورات کی مالک دلہن نہیں ہوگی، بل کہ دولہا کا باپ ہوگا اور زکاۃ ادا کرنے کی ذمہ داری دولہا کے باپ پر ہوگی، دلہن پر نہیں۔

اگر دولہا یا اس کے باپ نے دلہن کو زیور دیتے وقت تحریری یا زبانی طور پر کچھ نہیں کہا تو اس صورت میں عرف کا اعتبار ہوگا، اگر دولہا کی برادری کے عرف میں دلہن مالک ہوتی ہے تو اس کی زکاۃ دلہن کے ذمے فرض ہوگی اور اگر دولہا کی برادری کے عرف میں دلہن مالک نہیں ہوتی، بل کہ دینے والا یعنی سسر، شوہر مالک رہتا ہے تو اس کی زکاۃ سسر وغیرہ کے ذمے واجب ہوگی، دلہن پر نہیں۔

الغرض زکاۃ اس پر لازم ہے جو زیورات کا مالک ہے، لہٰذا اگر مالک متعین نہیں تو مالک متعین کر لیا جائے، تاکہ زکاۃ کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو جائے اور جہاں عرف میں وہ زیور دلہن کی ملک قرار پاتا ہے اس کی زکاۃ دلہن پر ہوگی۔[1]

---

[1] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ پہلا باب: ٧٤/٦

لڑکی کے والدین نے جو زیور دیا اس کی زکاۃ

لڑکی کے والدین جو زیور لڑکی کو دیتے ہیں، اس کی زکاۃ لڑکی پر ہے، کیوں کہ اس کی لڑکی ہی مالک ہوتی ہے، شوہر کے ذمے اس کی زکاۃ ادا کرنا لازم نہیں ہے، البتہ اگر شوہر صاحبِ مال ہے، وہ اپنی بیوی کی طرف سے زکاۃ دینا چاہے تو وہ دے سکتا ہے۔[1]

جو زیور مہر کے طور پر دیا گیا

جب عورت کو زیور مہر میں دیا گیا تو وہ مالک ہوگئی زیور کی، پس اس زیور کی زکاۃ اسی عورت کے ذمہ ہوگی، شوہر کے ذمے نہیں ہوگی، اگر وہ نصاب کے برابر ہے تو سال گزرنے پر عورت کے ذمہ اس کی زکاۃ ادا کرنا فرض ہے۔[2]

اگر لڑکی کے لیے زیور بنوا کر رکھا گیا ہے

جو زیور لڑکیوں کی شادی کے لیے بنوا کر رکھا گیا ہے، اگر وہ زیور لڑکی کی مِلک کر دیا گیا ہے، یعنی وہ اس کی ملکیت و قبضے میں ہے اور لڑکی عاقل بالغ ہے تو اس کی زکاۃ لڑکی پر فرض ہے، اگر لڑکی کی مِلک نہیں کیا گیا تو جس کی ملک ہے اس پر زکاۃ فرض ہوگی۔[3]

نگ جڑے ہوئے زیورات

جن زیورات میں نگ وغیرہ جڑے ہوئے ہوں، ان کی زکاۃ میں احتیاط کو مدنظر رکھ کر صحیح اندازہ کر کے زیور سونے وچاندی کی زکاۃ دینی چاہیے۔

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ: ٢٦٠/٦

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ پہلا باب: ٥٤/٦

[3] فتاویٰ محمودیہ، (جدید) کتاب الزکاۃ، باب الزکاۃ الذهب والفضة ...... : ٣٧٦/٩

مثلاً: زیادہ سے زیادہ جس قدر چاندی وسونا اس میں معلوم ہو، اس کا لیا جائے، ایسی صورت میں سونے کو چاندی کے ساتھ مل کر چاندی سے زکاۃ دی جائے اور ڈھائی فی صد کے حساب سے زکاۃ دی جائے اور اگر زکاۃ میں زیور ہی دے دیا جائے تو کچھ حرج نہیں ہے۔[1]

جس زیور میں جواہرات جڑے ہوں

جو زیور سونے اور چاندی کا ہو اور جس میں جواہرات جڑے ہوئے ہوں اس میں بقدر چاندی وسونے کے زکاۃ فرض ہے، یعنی اگر اس میں جواہرات ہوں تو ان کی مالیت پر زکاۃ فرض نہیں ہے، بل کہ صرف چاندی اور سونے کی مالیت پر زکاۃ ہے جو نصاب کے بقدر ہو۔[2]

خالص جواہرات کے زیورات کا حکم

جو زیور خالص جواہرات کے ہوں، ان کا حکم یہ ہے کہ زیورات جواہرات اگر تجارت کے لیے نہیں ہیں تو ان پر زکاۃ نہیں ہے، اسی طرح سچے موتیوں کے ہار پر زکاۃ نہیں ہے، مگر مالِ تجارت پر ہے۔

الغرض سونے، چاندی کے علاوہ دیگر اشیا کے زیورات مثلاً: جواہرات، مرجان، زبرجد اور الماس کے بنے ہوئے (بغیر سونے چاندی کے) زیورات پر زکاۃ نہیں ہے، کیوں کہ ان پتھروں میں بڑھوتری نہیں ہوتی۔[3]

جن زیورات میں کھوٹ ملایا گیا ہو

جن زیورات میں غش (کھوٹ) ملایا گیا ہو، ایسے زیورات کی زکاۃ میں غالب

---

[1] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، چوتھا باب: ۱۱۹/۶

[2] فتاویٰ شامی، کتاب الزکاۃ: ۴۲/۲

[3] فتاویٰ محمودیہ، کتاب الزکاۃ: ۷۱/۳، مسائل زکاۃ مدلل: ۹۸/۱۰

جز کا اعتبار ہوگا، مثلاً: جس میں غالب سونا ہو، یعنی نصف سے زائد سونا ہو تو وہ زیور سونے کے حکم میں ہے اور مثل خالص سونے کے اس میں زکاۃ واجب ہوگی اور اگر چاندی کی مقدار زیادہ ہے تو چاندی تصور کیا جائے گا، پس اگر نصاب پورا ہو جائے تو زکاۃ نکالی جائے۔[1]

سونے چاندی کی زکاۃ کس ریٹ پر دی جائے

سونے چاندی کی زکاۃ میں مارکیٹ ریٹ کا اعتبار ہے، جو نرخ (ریٹ) بازار میں ایسے سونے کا ہے اور جس قیمت پر دکان دار فروخت کرتے ہیں، اس کی قیمت لگا کر زکاۃ دی جائے گی اور اگر سونا چاندی ہی زکاۃ میں دینا ہو تو موجودہ سونے کا چالیسواں حصہ زکاۃ میں دے دے، یہ بھی درست ہے، زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ سونے و چاندی کی قیمت لگا کر اگر زکاۃ دینا ہے تو جو قیمت زکاۃ نکالنے کے وقت چاندی سونے کی وہاں کے بازار میں ہو، اسی حساب سے ادا کرے، کیوں کہ قیمت خرید کے دن کا اعتبار نہیں۔[2]

سونے چاندی کے مصنوعی اعضا پر زکاۃ

بعض حالات میں اور بعض خاص مصلحت کے پیشِ نظر سونے چاندی کے مصنوعی اعضا کا استعمال کیا جاتا ہے، جیسے ناک، دانت، کھوکھلے دانتوں کا سونے چاندی سے بھرنا، سونے کے تاروں سے دانت کو باندھنا وغیرہ، ان میں سے بعض کو بآسانی نکالا جا سکتا ہے۔ ان کو رکھا ہی اس طرح جاتا ہے کہ ان کو لگایا اور نکالا جاتا ہے، لیکن بعض اعضا میں یہ دھاتیں اس طرح فٹ کی جاتی ہیں کہ ان کو آسانی سے نکالا نہیں جا سکتا، جو اعضا نکالے جا سکتے ہیں جیسے ناک وغیرہ، ان میں زکاۃ واجب

---

[1] فتاویٰ محمودیہ، کتاب الزکاۃ: ۷۱/۳

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ: ۱۲۴/۶

ہوگی، اس کی نظیر زیورات وغیرہ ہیں، البتہ جو اس طرح نہ ہو ان میں زکاۃ واجب نہیں ہوگی، کیوں کہ مالِ زکاۃ کے لیے مال نامی یعنی نشو ونما کی گنجائش ہو، اس میں کوئی امکان نہیں، دوسرے جب وہ انسان کے جسم کا عضو بن جائے جس کا الگ کرنا ممکن نہ ہو تو اب وہ انسان کی بنیادی ضروریات میں داخل ہو گیا، ایسی چیزوں پر زکاۃ واجب نہیں۔[1]

قرض

اصطلاحِ شریعت میں قرض صرف اس مال کو کہا جاتا ہے جو بجنسہ (یعنی ایسی ہی چیز) واپسی کی شرط پر دیا گیا ہو اور جو رقم یا چیز کسی کے ذمے باقی ہو، اس کو ''دَین'' کہتے ہیں، یعنی ہر واجب الذمہ رقم کو شرعاً دَین کہا جاتا ہے۔

دَین

دَین کی تین قسمیں ہیں: (۱) دَین قوی (۲) دَین متوسط (۳) دَین ضعیف۔

(۱) دَین قوی: وہ قرض ہے جو کسی کو نقد دیا گیا ہو یا مال تجارت کے عوض میں واجب ہوا ہو یا ایسے مواشی کے عوض ہو جن پر زکاۃ فرض ہے۔

ایسے دَین پر زکاۃ فرض ہے، مگر زکاۃ کی ادائیگی جب فرض ہوگی کہ کل کی کل رقم ایک ساتھ وصول ہو جائے یا بقدر چالیس درہم (ایک درہم ۳،۶۲ گرام چاندی) کے برابر وصول ہو جائے تو وقت وجوبِ دَین سے سال پورا ہونے پر چالیس درہم میں ایک درہم زکاۃ واجب ہوگی۔

اور اگر کئی سالوں کے بعد وصول ہوئی تو گزشتہ تمام سالوں کی زکاۃ حساب کر کے ادا کرنا لازم ہوگا، اگر وصول شدہ رقم چاندی کے نصاب سے کم ہے، پھر اس پر زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔

---

[1] جدید فقہی مسائل، مسائل زکاۃ: ص ۱۱۱

❷ دَین متوسط: وہ دَین ہے جو مال کے عوض میں کسی پر واجب ہوا ہو، مگر یہ مال تجارت کا نہ ہو، یعنی ایسا مال یا سامان فروخت کر دیا جو اصلاً تجارت کے لیے نہیں تھا اور اس کی قیمت ذمہ میں باقی ہے، اس قرض کو دَین متوسط کہتے ہیں۔

اس دَین کا حکم یہ ہے کہ جب چاندی کے نصاب کے برابر رقم وصول ہو جائے گی تو فروخت کے دن سے ایک سال گزرنے کے بعد زکاۃ واجب ہوگی، اگر ایسی رقم وصول ہونے میں مثلاً: تین سال لگ گئے تو نصاب سے زیادہ ہونے کی صورت میں گزشتہ تین سالوں کی زکاۃ دینا لازم ہوگا، اگر نصاب سے کم رقم وصول ہوتی رہی تو اس میں زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔

❸ دَین ضعیف: وہ دین جو کسی مال کے عوض میں واجب الذمہ نہ ہو، یعنی ایسی رقمیں جو کسی مال کے بدلے میں باقی نہ ہو، جیسے مہر کی رقم، وہ کسی مال کے عوض میں باقی نہیں، بل کہ عورت کی عصمت کا معاوضہ ہے، ایسی رقم پر زکاۃ اس وقت واجب ہوگی، جب وصول ہوا اور اس پر قبضہ ہوا اور قبضے کے بعد ایک سال گزر جائے اور وہ نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو یا دوسرے اموال زکاۃ سے مل کر نصاب کے برابر ہو۔[1]

قرضِ حسنہ کی زکاۃ

جو رقم کسی کو قرضِ حسنہ کے طور پر دی گئی ہو تو وصول ہونے کے بعد اس رقم کی زکاۃ دی جائے گی، وصول ہونے سے قبل زکاۃ دے دی جائے تو یہ بھی درست ہے۔[2]

---

[1] احسن الفتاوی، کتاب الزکاۃ: ۲۷۱/۴، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، مسائل صفت زکاۃ و ادائیگی زکاۃ: ۹۵،۵۲/۶

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، مسائل صفت زکاۃ: ۴۵/۶

جس قرض کے وصول ہونے کی امید نہ ہو

جو روپیہ وصول نہ ہو اور اصول ہونے کی امید بھی نہ ہو، اس کی زکاۃ ادا کرنا لازم نہیں، تاہم جس وقت قرضہ وصول ہو جائے، اس وقت گزشتہ سالوں کی زکاۃ دینا واجب ہے۔[1]

اگر مقروض انکار کرے تو زکاۃ کا حکم

اگر مقروض قرضے سے منکر ہو اور قرض دہندہ کے پاس گواہ بھی نہ ہو تو اس صورت میں قرض وصول ہونے سے پہلے اس کی زکاۃ لازم نہیں اور وصول ہونے کے بعد بھی گزشتہ سالوں کی زکاۃ نہیں ہے۔[2]

جو قرض قسطوں میں وصول ہو

جو قرض قسطوں میں وصول ہو، اس میں زکاۃ ادا کرنے کا حکم یہ ہے کہ جس قدر وصول ہوتا جائے، اس کی زکاۃ ادا کرتا رہے اور اگر ایک مرتبہ کل کی زکاۃ دے دے خواہ پہلے دے یا بعد میں، یہ بھی درست ہے۔[3]

مہر اور ادائیگی زکاۃ

مہر وصول ہونے سے پہلے زکاۃ واجب نہیں، مہر کی رقم یا زیور وصول ہونے کے بعد اگر وہ نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہے تو سال گزرنے کے بعد ڈھائی فی صد بیوی کے ذمے لازم ہوگی، چاہے عورت خود ادا کرے یا اس کی اجازت سے اس کا شوہر دے دے۔[4]

---

[1] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ: ٦/ ٧٧

[2] الدر مختار، کتاب الزکاۃ: ٢/ ١٥

[3] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، مسائل ادائیگی زکاۃ: ٦/ ٩٦

[4] الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الزکاۃ، مطلب فی وجوب الزکاۃ فی دین ......: ٢/ ٣٠٦

شوہر کے ذمے دَین مہر واجب ہے، اگر وہ معجّل ہے، یعنی جس وقت بھی بیوی طلب کرے اس کا ادا کرنا ضروری ہے یا مہر مؤجل (فوری ادا کرنا نہیں) ہے، لیکن شوہر خود اس کو ادا کرنے کی فکر اور سعی میں لگا ہوا ہے اور جمع کر رہا ہے، تاکہ ادا کرے تو ایسا دَین (قرضہ) مانع عن وجوبِ زکاۃ ہے، اس مقدارِ دَین کے علاوہ اس کے پاس بقدرِ نصاب مال ہوگا تو اس پر زکاۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں اور اگر شوہر ادا کرنے کی فکر وسعی میں لگا ہوا نہیں ہے، بل کہ اس کو اطمینان ہے کہ ادا نہیں کرتا تو ایسا دَین مانع عن وجوبِ زکاۃ نہیں ہے۔[1]

اگر کسی عورت کو نکاح کے بعد پورا مہر مل جائے اور ایک سال اس کے قبضے میں رہے اور اس کے بعد اس کا شوہر خلوتِ صحیحہ سے پہلے اس عورت کو طلاق دے دے اور دیے ہوئے مہر میں سے نصف واپس کرے تو اگر وہ مہر نقد یعنی سونے چاندی کی قسم سے ہے تو اس عورت کو پورے مہر کی زکاۃ دینا ہوگی اور اگر وہ نقد کی قسم سے نہیں ہے تو پھر پورے مہر کی زکاۃ اس کے ذمے نہ ہوگی، بل کہ نصف کی ہوگی۔[2]

رہن کی رقم اور زکاۃ

اگر کسی نے اپنی کوئی چیز رہن رکھ کر قرض لیا ہو تو یہ مقروض ہے، اگر اس کے پاس قرض کی رقم کے علاوہ نصاب کے برابر رقم ہے تو زکاۃ واجب ہوگی، ورنہ قرض کی رقم پر زکاۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ قرض دینے والا رقم وصول کر کے بعد میں زکاۃ ادا کردے، اگر وصول ہونے سے پہلے زکاۃ ادا کرے، تب بھی درست ہے زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

گروی رکھی ہوئی یعنی رہن دی ہوئی چیز (مرہونہ) کی زکاۃ نہ دینے والے پر

---

[1] مسائل زکاۃ، مدلل: ۱۰/ ۹٦

[2] علم الفقه، زکاۃ کا بیان، حصه چهارم: ص ۵۰۱

ہے اور نہ رکھنے والے پر ہے۔[1]

مالِ ہبہ کی زکاۃ

ہبہ (کسی نے گفٹ دیا) اس کے لیے قبول لازم ہے، قبول کرنے کے بعد جو چیز دی گئی ہے اس پر مِلک حاصل ہوتی ہے اور اگر قبول نہ کیا گیا ہو تو ملکیت ثابت نہیں ہوئی، اس پر زکاۃ لازم نہیں، اگر قبول کیا تو اس وقت سے اس پر زکاۃ کا حساب ہوگا، اگر زکاۃ والی چیز ہے اور نصاب کے بقدر اور اس پر سال بھی گزر جائے۔[2]

مالِ حرام اور ادائیگی زکاۃ

حرام مال میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ مال حرام خالص ہو، تب تو اس میں زکاۃ واجب نہ ہوگی، کیوں کہ اس صورت میں اگر اس کے مالک معلوم ہیں تو وہ مال اصل مالک کو واپس کرنا واجب ہے اور اگر اصل مالک معلوم نہیں تو سب مال کا صدقہ کرنا واجب ہے، اگر حرام مال مخلوط (ملا ہوا) ہے، اس صورت میں دیکھا جائے گا اگر حرام مال کی مقدار اس میں سے نکالی جائے تو بقدر نصاب بچتا ہے یا نہیں، اگر بچتا ہے تو اس مقدارِ باقی میں زکاۃ واجب ہوگی اور اگر نہیں بچتا تو زکاۃ واجب نہ ہوگی۔[3]

غصب و رشوت کے مال

غصب و رشوت کے مال پر زکاۃ واجب نہیں ہے، وہ سب مال خیرات کرنا چاہیے، جب مالکوں اور وارثوں کا پتا نہ لگے۔[4]

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ: ٦/٥٣

[2] مسائل زکاۃ مدلل: ١٠/١١٢

[3] امداد الفتاوی، کتاب الزکاۃ والصدقات: ٢/١٤

[4] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ: ٦/٨٨

بینک کے سود

بینک کے خالص سودی رقم پر زکاۃ واجب نہیں، کیوں کہ وہ ساری رقم واجب الصدقہ ہے (یعنی صدقہ کرنا واجب ہے)۔[1]

پگڑی کی زکاۃ

موجودہ دور میں پگڑی کے طور پر جو رقم لی جاتی ہے، وہ واپس کرایہ دار کو نہیں ملتی ہے، بل کہ عرف ورواج کے اعتبار سے مکان اور دکان کا مالک اس رقم کا مالک ہو جاتا ہے اور زکاۃ مالک پر واجب ہوتی ہے، لہٰذا پگڑی کی رقم کی زکاۃ پگڑی دینے والے پر نہیں، بل کہ پگڑی لینے والے پر ہے۔[2]

متروکہ مال کی زکاۃ ورثا پر ہے

متروکہ اموال کی زکاۃ مالکوں کے ذمے لازم ہوتی ہے، امانت رکھنے والے کے ذمے زکاۃ نہیں، بل کہ اگر وہ مال سونا چاندی ہے تو وارثوں پر بقدر حصہ زکاۃ لازم ہے جس وقت ان کے پاس ان کا حصہ پہنچ جائے اور وہ نصاب کے برابر ہو تو زمانہ یعنی سال گزشتہ کی زکاۃ بھی ان کے ذمے لازم ہوگی۔[3]

حج کے جمع شدہ رقم پر زکاۃ

حج کے لیے کئی سالوں سے جمع شدہ رقم پر زکاۃ واجب ہے، جب تک وہ روپیہ خرچ نہ ہو جائے، اس وقت تک تمام سالہائے گزشتہ کی زکاۃ دینا لازم ہے اور اگر رقم حج کے لیے جمع کی گئی ہے تو آمد ورفت (یعنی آنے جانے) کے کرایہ اور معلم وغیرہ

---

[1] کفایت المفتی، کتاب الزکاۃ: ۲۵٦/٤

[2] زکاۃ کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا: ص ۱۰۳

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، مسائل صفت زکاۃ: ٤٨/٦

کی فیس کے لیے جو رقم دی گئی ہے اس پر زکاۃ نہیں ہے، اس سے زائد رقم جو کرنسی کی صورت میں اس کو واپس ملے گی اس میں سے یکم رمضان تک جتنی رقم بچے گی اس پر زکاۃ فرض ہے، جو خرچ ہوگئی اس پر نہیں۔[1]

زکاۃ کی رقم سے کسی کو حج کرانا

اگر زکاۃ کی رقم حج کرنے والے کی ملک کر دیا جائے، اگر وہ مستحق زکاۃ ہے تو اس کو اختیار حاصل ہے کہ وہ زکاۃ کی رقم سے اپنا حج کرے یا جس خرچ میں چاہے صرف کرے تو یہ درست ہے اور زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

البتہ اپنی زکاۃ کے روپے سے اپنا حج کرنا درست نہیں ہے، باقی ایک شخص کو اتنی زکاۃ کی رقم دینا کہ وہ صاحبِ نصاب ہو جائے، مکروہ ہے، لیکن زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، یہ اس وقت ہے کہ وہ غریب عیال دار نہ ہو۔

اگر عیال دار ہے، اس کو یک مشت اتنی رقم مدِ زکاۃ سے دی جا سکتی ہے۔[2]

امانت کی رقم پر زکاۃ کا حکم

اگر کسی کی امانت کی رقم آپ کے پاس ہے تو اس کی زکاۃ نکالنا آپ کے ذمے نہیں ہے، بل کہ اس کی زکاۃ امانت رکھوانے والے کے ذمے لازم ہے، اگر اس نے آپ کو زکاۃ ادا کرنے کا اختیار دیا ہے تو آپ بھی اس رقم سے زکاۃ ادا کر سکتے ہیں۔ مثلاً: زید کے پاس عمر کی کچھ امانت ہے اور عمر باہر چلا گیا اور وہ زید کو بذریعہ ٹیلیفون یا خط وغیرہ یہ اجازت دی کہ میری امانت کی رقم سے زکاۃ ادا کر دی جائے اور زید نے ادا کر دی تو اس صورت میں زکاۃ ادا ہو جائے گی۔[3]

---

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ: ۱۱۶/۶

[2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ: ۲۷۳/۶، ۲۷۸

[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل، مسائل زکاۃ: ۳۵۲/۳

بینک میں جمع شدہ مال پر زکاۃ

بینک میں جو رقم جمع کی جاتی ہے اس کی حیثیت امانت کی ہوتی ہے، صاحبِ مال کسی وقت بھی اپنا روپیہ وصول کر سکتا ہے اور اس میں تصرف کر سکتا ہے، زکاۃ واجب ہونے کے لیے عملی طور پر قبضہ ضروری نہیں ہے، بل کہ اگر وہ بروقت تصرف کرنے کے موقف میں ہو تو حکماً قابض سمجھا جائے گا، اس کی نظیر یہ ہے کہ خرید کیے ہوئے مال (سامان) پر قبضہ سے پہلے ہی زکاۃ واجب ہوتی ہے، جیسا کہ مبسوط میں ہے:

''أَمَّا الْمَبِيْعُ قَبْلَ الْقَبْضِ الصَّحِيْحِ أَنَّهُ يَكُوْنُ نِصَابًا.''[1]

لہٰذا بینک میں جمع شدہ رقم پر مکمل اور ہر سال زکاۃ واجب ہے۔[2]

بینک اور انشورنس کے انٹرسٹ میں زکاۃ

بینک اور انشورنس پر جو انٹرسٹ ملتا ہے وہ سود تو ہے ہی، بسا اوقات جوا بھی ہو جاتا ہے، اس لیے وہ مال حرام ہے، مالِ حرام کو صدقہ کی نیت سے نہیں دیا جا سکتا ہے، یہ کارِ ثواب نہیں ہے، بل کہ ایک کارِ خیر کی توہین ہے۔

''اگر پورا نصاب مالِ حرام ہی ہے تو اس کے ذمے زکاۃ نہیں ہوگی، کیوں کہ اس تمام کے تمام مال کو دے دینا ضروری ہے، جب کہ صاحبِ مال کو واپس کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہو، ورنہ صدقہ کر دے، جب کہ مالک نہ ملیں، اگر مال کا غالب حصہ حلال ہو اور کچھ حرام تو دونوں کے مجموعے پر زکاۃ واجب ہوگی۔''[3]

پراویڈنٹ فنڈ پر زکاۃ

سرکاری ملازمین کی ماہ وار تنخواہ میں جو روپیہ کٹتا ہے اور پھر اس میں مزید کچھ رقم

---

[1] المبسوط، للسرخسي، كتاب الزكاة: ۲/۱۹۰

[2] جدید فقہی مسائل، زکاۃ کے مسائل: ص ۱۱۹

[3] جدید فقہی مسائل، زکاۃ کے مسائل: ص ۱۲۱

ملا کر بوقت ختم ملازمت ملازموں کو ملتا ہے، وہ ایک سرکاری انعام سمجھا جاتا ہے، اس کی زکاۃ گزشتہ سالوں کی واجب نہیں ہوتی، بل کہ وصول ہونے کے بعد جب سال بھر نصاب پر گزر جائے، اس وقت زکاۃ دینا لازم ہوگی۔[1]

شیرز (حصص) پر زکاۃ کا حکم

واضح رہے کہ شیرز کی خرید وفروخت صحیح ہونے کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، ورنہ شیرز کی خرید وفروخت شرعاً درست نہیں ہوگی:

1. جس کمپنی کا شیرز خریدے جاتے ہیں، واقعتاً وہ کمپنی موجود بھی ہو۔
2. اس کمپنی کا کاروبار جائز ہو (یعنی ایسا کاروبار جو شرعاً جائز ہو)
3. جو سرمایہ لگایا گیا ہے، وہ حلال ہو، سودی قرضہ وغیرہ شامل نہ ہو۔
4. تمام شرکا پر نفع ان کے حصص کے بقدر تقسیم ہو۔

لہٰذا شیرز کی خرید وفروخت میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، تاکہ آدمی حرام سے بچ سکے۔

اگر شیرز کی زکاۃ کمپنی ادا کرے

اگر شیرز خریدنے والوں نے کمپنی کو زکاۃ نکالنے کی اجازت دی اور کمپنی نے سب کی طرف سے زکاۃ نکال کر غریبوں میں تقسیم کر دی تو زکاۃ ادا ہو جائے گی اور اگر شیرز کے حصہ داروں نے اجازت نہیں دی اور کمپنی نے اجازت کے بغیر اجتماعی طور پر زکاۃ ادا کر دی تو اس صورت میں زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔

فکسڈ ڈپازٹ پر زکاۃ

آج کل بینک میں رقم جمع کرنے کی ایک صورت وہ ہے، جس کو ''فکسڈ ڈپازٹ'' کہا جاتا ہے، اس طرح یہ رقم ایک مخصوص مدت تین، پانچ یا سات سال

---

[1] جدید فقہی مسائل، زکاۃ کے جدید مسائل: ص ۱۰۸

وغیرہ کے لیے نا قابلِ واپسی ہو جاتی ہے اور اس مدت کی تکمیل کے بعد ایک قابلِ لحاظ شرح سود کے ساتھ یہ رقم واپس ملتی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زکاۃ واجب ہونے کے لیے مکمل ملکیت کا ہونا ضروری ہے اور مکمل ملکیت یہ ہے کہ وہ چیز اس کی ملک میں بھی ہو اور اس کو اس پر قبضہ بھی حاصل ہو، ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بھی نہ پائی جائے تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زکاۃ واجب نہ ہوگی، لیکن فقہی نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جو سامان خود اپنے اختیار سے کسی دوسرے کے قبضہ میں دے دے، مگر اس چیز پر اس کی ملکیت باقی ہو تو اس صورت میں سردست قبضہ نہ ہونے کی صورت میں بھی زکاۃ واجب رہتی ہے، چناں چہ اس سے قبل گزر چکا ہے کہ قرض پر لگی ہوئی رقم پر زکاۃ واجب ہوتی ہے، اس لیے فکسڈ ڈپازٹ کی رقوم پر بھی زکاۃ واجب ہوگی، البتہ ایک ہی ساتھ تمام سالوں کی زکاۃ اس وقت ادا کی جائے گی جب یہ رقم صاحبِ مال کو وصول ہو جائے۔[1]

ڈیکوریشن پر زکاۃ

کسی نے برتن، شامیانے، فرنیچر، یا سائیکلیں وغیرہ یا اور کوئی سامان کرایہ پر دینے کے لیے خریدا اور کرایہ پر چلاتا رہا تو ان چیزوں پر بھی زکاۃ فرض نہیں ہے کیوں کہ کرایہ پر چلانے سے مال مالِ تجارت نہیں بنتا ہے اور اس پر زکاۃ فرض نہیں ہوگی، البتہ کرایہ سے وصول شدہ رقم اگر بقدرِ نصاب ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس روپے پر زکاۃ فرض ہوگی۔[2]

زکاۃ کی رقم پر زکاۃ

اگر کسی نے اپنے مال کی زکاۃ نکالی، لیکن اسے کسی مستحق کے حوالے نہیں کیا،

---

[1] جدید فقہی مسائل، زکاۃ کے جدید مسائل: ص ۱۱۰

[2] مسائل زکاۃ مدلل: ۱۰/ ۱۵۹

اب اگراس رقم زکاۃ پر سال گزر جائے تو اس زکاۃ پر زکاۃ نہیں، اس رقم کو زکاۃ میں ادا کرے، اسی طرح محلے کی وہ رقم جو جماعت (یا کمیٹی) کا مشترکہ روپیہ ہو اور لوگوں کے کام آنے کے لیے یا مسجد کا روپیہ ہو، اس پر زکاۃ نہیں ہے۔

اسی طرح مہتمم مدرسہ کے پاس جو رقم مدرسہ کی جمع رہتی ہے، اس پر زکاۃ فرض نہیں ہوگی، کیوں کہ جو رقم کسی کارِ خیر کے چندہ میں دی جائے، اس کی حیثیت مالِ وقف کی ہو جاتی ہے اور وہ چندہ دینے والے کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے، اس لیے اس پر زکاۃ نہیں۔[1]

نیتِ زکاۃ

قصدِ قلبی کو (یعنی دل کے ارادے کو) نیت کہتے ہیں۔ تمام اعمال کے اچھے اور برے ہونے کا دارومدار نیتوں پر ہے، نیت ہی کے تحت فعل کے اثرات ونتائج مرتب ہوتے ہیں جس طرح دیگر عبادات مثلاً: نماز، روزہ، حج وغیرہ میں نیت ضروری ہے اسی طرح ادائیگی زکاۃ کے لیے بھی نیت ضروری ہے، ورنہ زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔

نیت کی دو صورتیں ہیں:

1. زکاۃ ادا کرتے وقت دل میں نیت کرے کہ میں زکاۃ دے رہا ہوں۔
2. یا اپنے مال سے زکاۃ کی رقم الگ کرتے وقت یہ نیت کرے کہ یہ زکاۃ کی رقم ہے، چاہے مستحق آدمی کو دیتے وقت زکاۃ کی نیت ہو یا نہ ہو، ان دونوں صورتوں میں زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

جیسا کہ بہشتی زیور میں ہے:

”جس وقت زکاۃ کا روپیہ کسی غریب کو دے اس وقت اپنے دل میں اتنا ضرور خیال کرے کہ میں زکاۃ میں دیتا ہوں، اگر یہ نیت نہیں کی یوں ہی دے دیا تو زکاۃ ادا نہیں ہوئی، پھر سے دینا چاہیے۔

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ: ۵۱/۶

مجموعۃ الفتاویٰ میں ہے:

''ادائے زکاۃ میں ادا کرتے وقت یا اس مال کو اپنے مال سے جدا کرتے وقت زکاۃ ادا کرنے کی نیت ہونا ضروری ہے، اور ادائے زکاۃ کے وقت اگر کوئی پوچھے تم کیا دیتے ہو تو فوراً کہہ دے میں زکاۃ دیتا ہوں، لیکن اعلان واظہار ضروری نہیں[1]''

بغیر نیت کے زکاۃ دینا

جو رقم بلا نیتِ زکاۃ ادا کی گئی ہو، وہ زکاۃ میں شمار نہیں ہوگی اور زکاۃ ادا نہیں ہوگی، اگر فقیر کو دیتے وقت یہ نیت نہیں کی تو جب تک وہ مال فقیر کے پاس رہے اس وقت تک نیت کر لینا درست ہے اور نیت کرنے سے زکاۃ ادا ہو جائے گی، البتہ جب فقیر نے خرچ کر ڈالا، اس وقت نیت کرنے کا اعتبار نہیں، پھر سے زکاۃ ادا کرے۔

زکاۃ ادا کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنایا تو اس کو رقم دیتے وقت نیت کر لینا کافی ہے، اگر وکیل بنانے کے وقت نیت نہیں کی، البتہ زکاۃ کی رقم وکیل کو دیتے وقت نیت کر لی تو یہ صورت بھی درست ہے، زکاۃ میں موکل کی نیت معتبر ہے نہ کہ وکیل کی۔[2]

مالک کی طرف سے نیت کر کے زکاۃ ادا کرنا

اگر مالک صاحبِ نصاب نے پہلے سے اپنے گھر والوں کو اجازت دے رکھی ہے زکاۃ ادا کرنے کی، تب تو جس وقت اس کے گھر کے افراد نے بہ نیت زکاۃ کسی کو کچھ دیا تو زکاۃ ادا ہوگئی، اگر ایسا نہیں تو پھر مالک کی اجازت دینے تک اگر وہ زکاۃ کی رقم اس کے پاس موجود ہے جس کو دی گئی تو نیت زکاۃ صحیح ہوگی اور زکاۃ ادا ہوگئی اور اگر خرچ ہوگئی تو زکاۃ ادا نہیں ہوئی۔[3]

---

[1] مجموعة الفتاوى، كتاب الزكاة: ٣٦٢/١

[2] فتاوىٰ دار العلوم ديوبند، كتاب الزكاة: ٣٣٦/٦

[3] فتاوىٰ دار العلوم ديوبند، كتاب الزكاة، مسائل ادائیگی زکاۃ: ١٠١/٦

جانوروں کی زکاۃ

مویشیوں کی زکاۃ کی اہمیت

دینِ اسلام میں نماز کے بعد زکاۃ کے احکام بیان کیے جاتے ہیں تاکہ تعلق باللہ کے بعد تعلق بالعباد قائم ہو، چناں چہ بنیادی طور پر عرب نہ زراعتی ملک تھا نہ صنعتی، اہلِ عرب کا سرمایہ نقدی سے بڑھ کر ان کے مویشی تھے، اس لیے زکاۃ کا زیادہ زور مویشیوں (جانوروں) ہی پر رہا، اس کے بعد اور بھی چیزوں پر زکاۃ واجب ہوگئی، مگر مویشیوں کی اہمیت زیادہ تھی، اس لیے احادیث میں بھی ان سے متعلق بہت تفصیلات ملتی ہیں، اسی وجہ سے فقہا بھی زکاۃ کے بنیادی احکام بیان کرنے کے بعد بالعموم مویشیوں ہی کی زکاۃ کے بارے میں تفصیلات ذکر کیا کرتے ہیں۔ اب یہاں جانوروں کی زکاۃ کا بیان شروع کیا جاتا ہے:

سائمہ جانور کی تعریف اور اس میں زکاۃ کا حکم

سائمہ وہ جانور کہلاتے ہیں جو جنگل میں چرنے کے لیے خاص مقصد سے چھوڑے جاتے ہیں اور وہ مقصد یا تو ان سے دودھ حاصل کرنا ہوتا ہے یا ان کی نسلی بڑھوتری ہے یا اپنی بڑھوتری کی بنا پر وہ بیش قیمت قرار پائیں، جن جانوروں کو نسلی بڑھوتری اور شیر افزونی (یعنی دودھ حاصل کرنے) کے بجائے سواری کے لیے یا بار برداری کے لیے جنگل میں چرایا جائے، ان پر زکاۃ نہیں ہے۔

سائمہ خواہ نر ہوں یا مادہ خواہ ملے جلے ہوں، ان سب پر زکاۃ واجب ہوگی، ایسے ہی اگر شخص تجارتی مقصد سے جنگل میں چھوڑے جائیں تو ان پر زکاۃ واجب ہوگی، مگر تجارت کے حساب سے ہوگی، سائمہ کے حساب سے نہ ہوگی۔ ہاں اگر گوشت کھانے کے لیے (جانور پالے جائیں اور) جنگل میں چرنے کے لیے

چھوڑے تو ان پر زکاۃ واجب نہیں (اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ روزمرہ جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور کھانے کے کام آتے ہیں، ان کو جنگل میں اسی مقصد سے پالا جائے تو وہ زکاۃ سے فارغ ہیں، مطلب یہ ہے کہ ایسے جانوروں پر زکاۃ سائمہ جانوروں کے حساب سے عائد نہ ہوگی، بل کہ تجارتی قسم کی زکاۃ ہوگی۔ البتہ اگر کوئی شخص صرف اپنے ذاتی استعمال میں لائے اور خود گوشت کھانے کے لیے جنگل میں گائے بھینس وغیرہ کو چرنے کے لیے چھوڑتا ہے تو اس پر کسی قسم کی زکاۃ نہیں ہے۔[1]

اگر مویشی تجارت کے ہوں اور انہیں چھ ماہ یا کچھ زیادہ دن جنگل میں چرایا تو وہ سائمہ نہیں ہوں گے جب تک مالک انہیں خود سائمہ بنانے کی نیت نہ کرلے جس طرح وہ غلام جو تجارتی نوعیت کا ہو اور مالک اسے چند سال اپنی خدمت میں رکھنا چاہے تو وہ اس کی خدمت میں رہنے کے باوجود حسب سابق تجارتی غلام شمار ہوگا، جب تک اس کو تجارت سے نکال کر وہ خدمت کے لیے مخصوص کرنے کی نیت نہ کرے۔

اور اگر سائمہ جانور کے مالک کا یہ ارادہ ہو کہ وہ ان سے کام لے گا یا انہیں (جنگل میں چرانے کے بجائے) چارہ کھلائے گا، مگر وہ سال بھر تک اس ارادہ کے مطابق عمل نہ کرسکا اور سال پورا ہوگیا تو سائمہ کی زکاۃ واجب ہوجائے گی۔

اگر جانور تجارت کی غرض سے خریدے، پھر انہیں سائمہ بنا دیا تو سالِ نصاب اس وقت سے شمار ہوگا، جب سے انہیں سائمہ بنا دیا ہے۔[2]

سائمہ وہ جانور ہیں جن میں یہ تین باتیں پائی جائیں:

❶ سال کے اکثر حصے میں اپنے منہ سے چر کے اکتفا کرتے ہوں (یعنی چراگاہ میں بغیر پیسوں کے چرتے ہوں اور گھر میں ان کو کچھ نہ دیا جاتا ہو) اگر نصف

---

[1] الدر المختار، کتاب الزکاۃ، باب السائمۃ: ۲/۲۷۵

[2] فتاویٰ عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب الثانی فی صدقۃ السوائم: ۱/۱۷۶، ۱۷۸

سال اپنے منہ سے چر کر رہتے ہوں اور نصف سال ان کو گھر میں کھلایا جاتا ہو تو پھر وہ سائمہ نہیں ہیں، اسی طرح اگر گھاس وغیرہ ان کے لیے گھر میں منگائی جاتی ہو، خواہ وہ قیمتاً ہو یا بلا قیمت تو پھر وہ سائمہ نہیں ہیں۔[1]

۲ جو گھاس وہ چرتی ہوں اس کے چرنے کی کسی کی طرف سے ممانعت نہ ہو۔ اگر کسی کی منع کی ہوئی اور ناجائز گھاس ان کو چرائی جائے (کھلائی جائے) تب بھی وہ سائمہ نہ ہوں گے۔

۳ دودھ کی غرض سے یا نسل کے زیادہ ہونے کے لیے رکھے گئے ہوں، اگر دودھ اور نسل کی غرض سے نہ رکھے گئے ہوں، بل کہ گوشت کھانے کے لیے یا سواری کے لیے ہوں تو پھر وہ سائمہ نہ کہلائیں گے۔[2]

جو جانور سال کے درمیان حاصل ہو اس کا حکم

جو مال سال کے اندر حاصل ہوا ہو، خواہ خریدنے سے یا تناسل (جانوروں کے بچے دینے سے) یا وراثت سے یا ہبہ وغیرہ سے وہ اپنے ہم جنس نصاب کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور اس کے ساتھ اس کی بھی زکاۃ دی جائے گی، مثلاً: شروع سال میں پچیس اونٹنیاں تھیں، سال کے درمیان میں ان کے پچیس بچے ہوئے تو اب سال کے ختم پر یہ بچے بھی ان اونٹنیوں کے ساتھ ملا دیے جائیں اور کل اونٹوں کی زکاۃ میں چوتھے سال کا اونٹ دینا ہوگا، اگرچہ ان بچوں پر ابھی پورا سال نہیں گزرا، ہاں اگر اس مال کے ملا دینے سے ایک ہی سال پر دو مرتبہ زکاۃ دینا پڑے تو پھر نہ ملائیں گے، مثلاً: کوئی شخص اپنے مال کی زکاۃ دے چکا ہو، اس کے بعد روپے سے کچھ جانور خرید لیے تو وہ جانور اپنے ہم جنس نصاب کے ساتھ نہ ملائیں گے، ورنہ ان کی زکاۃ پھر دینی ہوگی اور ابھی ان کی قیمت کی زکاۃ دی جا چکی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص

[1] عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب الثانی فی صدقۃ السوائم ۱/۱۷۶

[2] عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب الثانی فی صدقۃ السوائم ۱/۱۷۶

جانوروں کی زکاۃ دے چکا ہو اس کے بعد ان جانوروں کو بیچ ڈالے تو ان کی قیمت کا روپیہ روپے کے نصاب کے ساتھ نہ ملایا جائے گا۔[1]

زکاۃ میں کیسے مویشی لیے جائیں؟

جب زکاۃ دہندہ مویشیوں کی زکاۃ ادا کرے اور وصول کنندہ وصول کرے تو جانوروں کی یہ خصوصیات مدنظر رکھنی چاہئیں:

جو جانور زکاۃ میں دیے جائیں ان میں کوئی عیب نہ ہو، یعنی وہ بیمار ہوں، نہ ان میں ٹوٹ پھوٹ ہو (مثلاً ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہو یا کان کٹا ہوا ہو) اور نہ ایسے بوڑھے ہوں کہ ان کے دانت گر گئے ہوں۔ غرض ان میں کوئی بھی عیب ایسا نہ ہو جس سے ان کی منفعت اور قیمت میں کمی آ جائے۔

البتہ ایک صورت میں عیب دار جانور زکاۃ میں وصول کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ اگر سارے ہی جانور بوڑھے ہوں یا سارے ہی جانور بیمار ہوں یا سارے ہی عیب دار ہوں اور زکاۃ وصول کنندہ ان ہی میں سے زکاۃ وصول کرے اور مالک کو بے عیب جانور خریدنے کا پابند نہ کرے، اس لیے کہ زکاۃ اسی مال میں سے ادا ہونی چاہیے جس مال پر زکاۃ عائد ہوتی ہے۔[2]

اصل بات یہ ہے کہ اگر زکاۃ میں عمدہ جانور ہی وصول کیے جائیں (یہ عام مویشیوں کا حکم ہے) تو اس میں مالکوں کا نقصان ہے اور اگر نکمے (خراب) جانور لیے جائیں تو یہ مستحقین کے حق میں مضرت رساں ہے اس لیے تقاضائے عدل یہی ہے کہ درمیانی اور متوسط قسم کے جانور لیے جائیں۔[3]

---

[1] الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم ۲/۲۸۸

[2] فقہ الزکاۃ ۱/۲۸۴

[3] البحر الرائق، کتاب الزکاۃ، فصل فی الغنم ۲/۲۲۱، ۲۲۲

مشترکہ جانوروں کی زکاۃ کا حکم

ایک شخص کی اسّی (۸۰) آدمیوں کے ساتھ کسی بکریوں میں نصف نصف کی شرکت ہے کہ ہر بکری میں نصف اس کی ہے، نصف دوسرے شخص کی گویا بحیثیت مجموعی اس کی چالیس (۴۰) بکریاں ہیں تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی تعداد (مشترکہ) میں زکاۃ واجب نہیں، یہی حکم اس وقت بھی ہوگا جب مثلاً ساٹھ (۶۰) آدمیوں کے ساتھ ایک شخص کے ساٹھ (۶۰) گایوں میں شرکت ہے۔[1]

دوشریکوں سے جب ان کے مشترک مال کی زکاۃ لی جائے تو اس صورت میں دونوں شریک ایک دوسرے سے اپنے اپنے حصے کے مطابق مال کا حساب کرلیں گے۔

جب دو آدمیوں کے پاس اونٹوں کے ایک مشترک گلے میں اکسٹھ (۶۱) اونٹ ہوں، ایک شخص کے پاس چھتیس (۳۶) ہوں، دوسرے کے پاس پچیس (۲۵) ہوں تو زکاۃ وصول کنندہ ان دونوں سے ایک پانچ سال کی عمر کی اور ایک تین سال کی عمر کی اونٹنی زکاۃ میں لے لے گا، اب جس شریک کے حصے میں جس قدر زائد زکاۃ میں چلا گیا ہے وہ اس سے بقدر دوسرے شریک سے لے لے گا۔[2]

جانور استعمال میں ہوں ان کی زکاۃ کا حکم

بیل جو زراعت کے اور گھوڑے سواری کے اور گائے دودھ پینے کے لیے ہیں تو ان جانوروں پر زکاۃ نہیں ہے۔[3]

---

[1] الهندية، كتاب الزكاة، مسائل شتى: ۱۸۱/۱

[2] فتاویٰ عالمگیری، کتاب الزکاۃ، مسائل شتی: ۱۸۱/۱

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، جانوروں کی زکاۃ: ۱۰۶/۶

زراعت کے لیے جو جانور پرورش کیے گئے ہوں، اگرچہ سائمہ ہوں، ان میں زکاۃ واجب نہیں ہے اور دودھ پینے اور نسل حاصل کرنے وغیرہ کے لیے جو جانور پالے جائیں اور وہ سائمہ ہوں، ان میں زکاۃ واجب ہے بشرطیکہ نصاب کو پہنچ جائیں۔[1]

اگر مختلف حیوانات کے متعدد نصاب ایک شخص کے پاس ہیں اور اس نے ان میں سے بعض کی زکاۃ پیشگی دے دی، مگر جن کی زکاۃ دی تھی وہ جانور ہلاک اور ختم ہوگئے تو اب دی ہوئی زکاۃ ان جانوروں کی جانب سے شمار نہ ہوسکے گی جو اس کے پاس اب موجود ہیں۔[2]

کن کن جانوروں پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی

گھوڑوں پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی اسی پر فتویٰ ہے۔ ہاں اگر گھوڑے تجارت کے لیے ہوں تو ان پر تجارتی نوعیت کی زکاۃ واجب ہوگی، گھوڑے تجارت کے لیے ہوں تو ان کی حیثیت تجارتی سامان کی ہوگی، ان کی قیمت مقدار نصاب تک پہنچ جائے تو زکاۃ لی جائے گی، خواہ وہ جنگل میں چرتے ہوں یا گھر پر گھاس دانہ کھاتے ہوں۔

گدھے پر، خچر پر، سدھائے ہوئے چیتے اور کتے پر اسی وقت زکاۃ واجب ہوگی جب وہ تجارت کے لیے ہوں۔[3]

بکری، اونٹ اور گائے کے بچے پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی، اگر ان میں سے ایک بھی نصاب کی عمر کو پہنچ جائے تو باقی بچے اس کے تابع ہوکر نصاب میں شمار ہوں گے، البتہ وہ زکاۃ میں نہیں لیے جائیں گے یعنی زکاۃ میں وہی پوری بکری یا اس کی

---

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ ۶/۱۰۵

[2] ماخذہ البحر الرائق، کتاب الزکاۃ، فصل فی الغنم ۲/۲۱۸، ۲۱۹

[3] الہندیۃ، کتاب الزکاۃ، الباب الثانی ۱/۱۷۸

قیمت لی جائے گی، یہ چھوٹے بچے نصاب کی تکمیل کا ذریعہ تو ضرور بنتے ہیں، مگر زکاۃ کی ادائیگی ان سے درست نہیں ہے۔

اگر بکری کے انتالیس (۳۹) بچے ہیں اور ان میں صرف ایک بکری پوری ہے (جسے شامل کر کے چالیس (۴۰) کی تعداد پوری ہوتی ہے) تو اس میں ایک اوسط درجے کی بکری زکاۃ میں دینی ہوگی، اگر وہی ایک (پوری عمر والی) بکری درمیانہ درجے کی یا اس سے کچھ کم ہے تو زکاۃ میں لے لی جائے گی۔

اگر سال پورا ہونے کے بعد وہ بکری نہ رہے تو زکاۃ ساقط ہو جائے گی۔ ایسے ہی اگر اونٹ کے پچاس (۵۰) بچے ہیں اور ان ہی میں درمیانہ درجے کی ایک اونٹنی بھی شامل ہے تو وہی زکاۃ میں دینا واجب ہے، اگر آدھے بچے ضائع ہو جائیں تو نصف اونٹنی کے بقدر زکاۃ بھی ساقط ہو جائے گی اور نصف اونٹنی کے بقدر زکاۃ واجب ہوگی، زکاۃ میں بچہ لینا جائز نہیں۔[1]

جنگلی اور وحشی جانوروں پر سائمہ ہونے کی حیثیت سے زکاۃ واجب نہیں ہوتی، اس لیے ایسے مخلوط النسل جانور پر جس کی ماں جنگلی اور وحشی ہو، زکاۃ عائد نہ ہوگی۔

بار برداری میں استعمال ہونے والے اور چارہ کھانے والے جانوروں پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی، کیوں کہ جس طرح آدمی کے آلات کارکردگی پر زکاۃ نہیں ہے، اسی طرح وہ جانور جو زراعت کے مقصد سے پالے گئے ہوں یا جن سے بوجھ ڈھونا مقصود ہو اور جنہیں گھر پر رکھ کر چارہ کھلایا جاتا ہو، ان تینوں قسم کے جانوروں پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی، لیکن گھر پر چارہ کھانے والے جانور اگر تجارتی نوعیت کے ہوں تو ان پر تجارتی زکاۃ عائد ہوگی۔[2]

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب الثانی۔ ۱۷۸/۱

[2] فتاویٰ عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب الثانی ۱۷۶/۱

مخلوط النسل جانوروں کی زکاۃ

سائمہ جانوروں کی زکاۃ میں یہ شرط ہے کہ وہ جنگلی نہ ہوں، جنگلی جانوروں پر زکاۃ فرض نہیں، ہاں اگر تجارت کی نیت سے رکھے جائیں تو ان پر تجارت کی زکاۃ فرض ہوگی۔

جو جانور کسی دیسی اور جنگلی جانور سے مل کر پیدا ہوں تو اگر ان کی ماں دیسی ہے تو وہ دیسی سمجھے جائیں گے اور اگر جنگلی ہے تو جنگلی سمجھے جائیں گے، مثلاً: بکری اور ہرن سے کوئی جانور پیدا ہوا تو وہ بکری کے حکم میں ہے اور نیل گائے اور گائے سے کوئی جانور پیدا ہوا تو وہ گائے کے حکم میں ہے۔[1]

جو جانور سائمہ ہو اور سال کے درمیان اس کی تجارت کی نیت کرلی جائے تو اس سال اس کی زکاۃ نہ دینی پڑے گی اور جب اس نے تجارت کی نیت کی ہے اس وقت سے اس کا تجارتی سال شروع ہوگا۔[2]

وقف کے جانور پر زکاۃ کا حکم

وقف کے جانوروں پر اور ان گھوڑوں پر جو دینی جہاد کے لیے رکھے گئے ہوں زکاۃ فرض نہیں، گھوڑوں پر خواہ وہ سائمہ ہوں یا غیر سائمہ اور گدھے اور خچر پر بشرطیکہ تجارت کے لیے نہ ہوں، زکاۃ فرض نہیں۔[3]

اونٹوں کی زکاۃ کے نصاب کی تفصیل

ایک اونٹ سے چار اونٹوں تک معاف ہے، ان پر زکاۃ نہیں، اس کے بعد بحساب ذیل زکاۃ فرض ہے:

---

[1] الهندية، كتاب الزكاة، الباب الثاني: ١٧٨/١

[2] الدر المختار، كتاب الزكاة، باب السائمة: ٢٧٧/٢

[3] الدر المختار، كتاب الزكاة، باب السائمة: ٢٧٧/٢

۵ سے ۹ تک ...... ایک سال والا ایک بکرا یا بکری۔

۲۰ سے ۱۴ تک ...... دو بکریاں یا بکرے۔

۱۵ سے ۱۹ تک ...... تین بکریاں یا بکرے۔

۲۰ سے ۲۴ تک ...... چار بکریاں یا بکرے۔

۲۵ سے ۳۵ تک ...... ایک سالہ اونٹنی (بنت مخاض)

۳۶ سے ۴۵ تک ...... دو سالہ اونٹنی (بنت لبون)

۴۶ سے ۶۰ تک ...... تین سالہ اونٹنی (حقہ)

۶۱ سے ۷۵ تک ...... چار سالہ اونٹنی (جذعہ)

۷۶ سے ۹۰ تک ...... دو سالہ دو اونٹنیاں

۹۱ سے ۱۲۴ تک ...... تین سالہ دو اونٹنیاں

۱۲۵ سے ۱۲۹ تک ...... تین سالہ دو اونٹنیاں اور ایک بکری۔

۱۳۰ سے ۱۳۴ تک ...... تین سالہ دو اونٹنیاں اور دو بکریاں۔

۱۳۵ سے ۱۳۹ تک ...... تین سالہ دو اونٹنیاں اور تین بکریاں۔

۱۴۰ سے ۱۴۴ تک ...... تین سالہ دو اونٹیاں اور چار بکریاں۔

۱۴۵ سے ۱۴۹ تک ...... تین سالہ دو اونٹنیاں اور ایک سالہ ایک اونٹنی۔

۱۵۰ سے ۱۵۴ تک ...... تین سالہ تین اونٹنیاں۔

۱۵۵ سے ۱۵۹ تک ...... تین سالہ تین اونٹنیاں اور ایک بکری۔

۱۶۰ سے ۱۶۴ تک ...... تین سالہ تین اونٹنیاں اور دو بکریاں۔

۱۶۵ سے ۱۶۹ تک ...... تین سالہ تین اونٹنیاں اور تین بکریاں۔

۱۷۰ سے ۱۷۴ تک ...... تین سالہ تین اونٹنیاں اور چار بکریاں۔

۱۷۵ سے ۱۸۵ تک ...... تین سالہ تین اونٹنیاں اور ایک سالہ ایک اونٹنی۔

۱۸۶ سے ۱۹۵ تک ...... تین سال تین اونٹنیاں اور دو سالہ ایک اونٹنی۔

۱۹۶ سے ۲۰۴ تک ...... تین سالہ چار اونٹنیاں یا دو سالہ پانچ اونٹنیاں۔

۲۰۵ سے ۲۰۹ تک ...... تین سالہ چار اونٹنیاں اور ایک بکری۔

۲۱۰ سے ۲۱۴ تک ...... تین سالہ چار اونٹنیاں دو بکریاں۔

۲۱۵ سے ۲۱۹ تک ...... تین سالہ چار اونٹنیاں اور تین بکریاں۔

۲۲۰ سے ۲۲۴ تک ...... تین سالہ چار اونٹنیاں اور چار بکریاں۔

۲۲۵ سے ۲۳۵ تک ...... تین سالہ چار اونٹنیاں اور ایک سالہ ایک اونٹنی۔

۲۳۶ سے ۲۴۵ تک ...... تین سالہ چار اونٹنیاں اور دو سالہ ایک اونٹنی۔

۲۴۶ سے ۲۵۴ تک ...... تین سالہ پانچ اونٹنیاں۔

۲۵۵ سے ۲۵۹ تک ...... تین سالہ پانچ اونٹنیاں اور ایک بکری۔

۲۶۰ سے ۲۶۴ تک ...... تین سالہ پانچ اونٹنیاں اور دو بکریاں۔

۲۶۵ سے ۲۶۹ تک ...... تین سالہ پانچ اونٹنیاں اور تین بکریاں۔

۲۷۰ سے ۲۷۴ تک ...... تین سالہ پانچ اونٹنیاں اور چار بکریاں۔

۲۷۵ سے ۲۸۵ تک ...... تین سالہ پانچ اونٹنیاں اور ایک سالہ ایک اونٹنی۔

۲۸۶ سے ۲۹۵ تک ...... تین سالہ پانچ اونٹنیاں اور دو سالہ ایک اونٹنی۔

۲۹۶ سے ۳۰۴ تک ...... تین سالہ چھ اونٹنیاں۔

مذکورہ بالا تفصیل میں ۱۵۰ سے آخر تک دیے گئے اعداد سے ایک کلیہ حاصل ہوا، اس کے مطابق جہاں تک چاہیں ہزاروں لاکھوں اونٹوں کی زکاۃ کا حساب لگا سکتے ہیں، اس کلیہ کا حاصل یہ ہے کہ ۱۵۰ کے بعد ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری، پھر ۲۵ سے ۳۵ تک ایک سالہ اونٹنی، پھر ۳۶ سے ۴۵ تک دو سالہ اونٹنی، پھر ۴۶ سے ۵۰ تک تین سالہ اونٹنی، اس کے بعد پھر نئے سرے سے ہر پانچ پر ایک بکری، ۲۵ پر ایک سالہ اونٹنی، ۳۶ پر دو سالہ، ۴۶ سے ۵۰ تک تین سالہ۔

ہدایات:

❶ جہاں بکری واجب ہے، اس میں ایک سال کی عمر لازم ہے اور مذکر و مونث میں اختیار ہے، چاہے بکری دے یا بکرا دے، مگر اونٹنی مؤنث ہی دینا لازم ہے، اونٹ دینا جائز نہیں، البتہ اونٹنی کی قیمت لگا کر اس قیمت سے برابر یا اس سے زائد قیمت کا اونٹ دے دینا جائز ہے۔

❷ جہاں تین سالہ چار اونٹنیاں واجب ہیں، وہاں اختیار ہے کہ ان کے بجائے دو سالہ پانچ اونٹنیاں دے دے۔

❸ زکاۃ کا حسابِ مذکور اس صورت میں ہے کہ اونٹ تجارت کے لیے نہ ہوں اور ان کا غالب چارہ باہر چرنا ہو، گھر میں چارہ نہ دیا جاتا ہو یا باہر چرنے کی بہ نسبت گھر کا چارہ کم ہو، اگر گھر کا چارہ زیادہ ہو یا دونوں برابر ہوں تو زکاۃ نہیں۔

❹ اگر اونٹ تجارت کے لیے ہوں تو ان پر حسابِ مذکور کے مطابق بکری یا اونٹنی واجب نہیں، بل کہ دوسرے اموالِ تجارت کی طرح ان کی قیمت پر زکاۃ فرض ہوگی، خواہ باہر چرتے ہوں یا گھر میں چارہ دیا جاتا ہو، تجارت کے لیے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خریدتے وقت ان کو فروخت کرنے کی نیت ہو، اگر خریدنے کے بعد بیچنے کی نیت کی یا اصل کو برقرار رکھتے ہوئے ان کی نسل کو بیچنے کی نیت ہو، خواہ اصل کو خریدتے وقت یہ نیت ہو یا بعد میں، ان سب صورتوں میں یہ مالِ تجارت نہیں۔

❺ جو اونٹ سواری یا بار برداری کے لیے ہوں ان پر کسی قسم کی زکاۃ نہیں۔[1]

گائے بھینس کی زکاۃ کا نصاب

گائے بھینس دونوں ایک ہی قسم میں ہیں، دونوں کا نصاب بھی ایک ہے اور

---

[1] احسن الفتاوی، کتاب الزکاۃ: ۴/ ۲۸۲ تا ۲۸۵

اگر دونوں کے ملانے سے نصاب پورا ہوتا ہو تو دونوں کو ملا لیں گے۔

مثلاً: بیس گائے ہوں اور دس بھینس تو دونوں کو ملا کر تیس کا نصاب پورا کر لیں گے، مگر زکاۃ میں وہی جانور دیا جائے گا جس کی تعداد زیادہ ہو، یعنی اگر گائے زیادہ ہیں تو زکاۃ میں گائے دی جائے گی اور اگر بھینس زیادہ ہیں تو زکاۃ میں بھینس دی جائے گی اور اگر دونوں برابر ہیں تو اختیار ہے۔

تیس گائے بھینس میں ایک گائے یا بھینس کا بچہ جو پورے ایک سال کا ہو، تیس سے کم میں کچھ نہیں اور تیس کے بعد انتالیس تک بھی کچھ نہیں (صرف ایک سالہ بچہ ہی ہے) چالیس گائے بھینس میں پورے دو سال کا بچہ۔ اکتالیس سے انسٹھ تک کچھ نہیں (یعنی صرف دو سالہ بچہ ہی رہے گا) جب ساٹھ ہو جائیں تو ایک ایک سال کے دو بچے دیے جائیں گے، پھر جب ساٹھ سے زیادہ ہو جائیں گے تو ہر تیس میں ایک سال کا بچہ اور ہر چالیس میں دو سال کا بچہ، مثلاً: ستر ہو جائیں تو ایک، ایک سال کا بچہ اور ایک دو سال کا بچہ، کیوں کہ ستر میں ایک تیس کا نصاب ہے اور ایک چالیس کا۔ اور جب اسی ہو جائیں تو دو سال کے دو بچے، کیوں کہ اس میں چالیس کے دو نصاب ہیں اور نوے میں ایک ایک سال کے تین بچے، کیوں کہ نوے میں تیس کے نصاب ہیں اور سو میں دو بچے ایک ایک سال کے اور ایک بچہ دو سال کا، کیوں کہ سو میں دو نصاب تیس کے اور ایک نصاب چالیس کا ہے۔ البتہ جہاں کہیں دونوں نصابوں کا حساب مختلف نتیجہ پیدا کرتا ہو، وہاں اختیار ہے چاہے جس کا اعتبار کریں، مثلاً: بیس میں چار کا نصاب تو تیس کے ہیں اور تین نصاب چالیس کے، پس اختیار ہے کہ تیس کے نصاب کا اعتبار کر کے ایک سال کے چار بچے دیں یا چالیس کے نصاب کا اعتبار کر کے دو سال کے تین بچے دیں۔

خلاصہ یہ کہ ساٹھ کے بعد پھر ہر دہائی سے نصاب بدلتا رہے گا، دہائی سے کم

بڑھے تو زکاۃ میں زیادتی نہ ہوگی، وہی زکاۃ دینا ہوگی جو اس سے پہلے دی جاتی تھی۔[1]

(نوٹ: گائے بھینس کے نصاب میں نر و مادہ یعنی بیل، بچھڑا، کٹڑا، جھوٹا بھینسا وغیرہ کا بھی یہ ہی حکم ہے)

بھیڑ بکریوں کی زکاۃ کا نصاب

چالیس بکریوں پر ایک بکری یا ایک بکرا واجب ہے، چالیس سے ایک سو بیس تک یہ ہی واجب ہے، پھر ایک سو اکیس سے دو سو تک دو بکریاں، پھر دو سو ایک سے تین سو ننانوے تک تین بکریاں، پھر چار سو پر چار بکریاں۔ اس کے بعد ہر سیکڑے پر ایک بکری واجب ہے۔

بھیڑوں کا بھی یہ ہی حکم ہے۔ مینڈھے بھی اسی میں شامل ہیں۔ بھیڑ بکری مخلوط (ملی ہوئی) ہوں تو بھی یہ ہی نصاب ہے، البتہ زکاۃ کی ادائیگی میں یہ فرق ہے کہ بھیڑ اور بکری میں سے جو زیادہ ہوں زکاۃ میں وہی جانور دیے جائیں اور اگر دونوں برابر ہوں تو اختیار ہے کہ اعلیٰ قسم سے ادنیٰ قیمت کا جانور دے یا ادنیٰ قسم سے اعلیٰ قیمت کا دے۔[2]

سال کے درمیان جانور کے مرنے پر زکاۃ کا حکم

ایک شخص کے پاس دو سو درہم کی مالیت (ساڑھے باون تولہ چاندی) کا بکریوں کا ریوڑ تھا، اتفاق سے وہ سال بھر گزرنے سے پہلے مر گئیں۔ اس شخص نے ان کی کھالیں اتار کر انہیں رنگ لیا اور اب ان کھالوں کی قیمت نصاب شرعی کے برابر ہوگئی، پھر بکریوں کا سال نصاب بھی پورا ہوگیا تو اب ان رنگی ہوئی کھالوں پر زکاۃ واجب ہوگئی۔

---

[1] علم الفقه: ٤/٢٥ واحسن الفتاوى، كتاب الزكاة: ٤/٢٨١

[2] احسن الفتاوى، كتاب الزكاة: ٤/٢٨٢

بکری کے بچوں پر زکاۃ کا حکم

اگر صرف بچے ہیں تو ان پر زکاۃ نہیں اور اگر ان کے ساتھ کوئی ایک سال کی یا اس سے بڑی بکری بھی ہے تو اس کے ساتھ مل کر نصاب میں بچوں کا اعتبار ہوگا اور مجموعہ چالیس پر ایک بڑی بکری فرض ہوگی۔[1]

جو مواشی جنگل میں بھی چریں اور گھر میں بھی

جو مواشی جنگل میں بھی چریں اور گھر میں بھی کھائیں تو ایسی صورت میں غالب خوراک کا اعتبار ہے، اگر جنگل میں چرنے کی خوراک غالب ہے تو زکاۃ فرض ہے (یعنی بغیر پیسوں کے چرنا) اور گھر کا چارہ غالب ہے یا دونوں برابر ہیں تو زکاۃ فرض نہیں، البتہ تجارت کے لیے ہوں تو مال تجارت کی زکاۃ فرض ہوگی۔

جن مواشی کا غالب چارہ گھر میں ہو یا باہر چرنا کم ہو، ان پر زکاۃ فرض نہیں، البتہ تجارت کی نیت سے خریدے ہوں تو ان کی قیمت پر زکاۃ فرض ہے۔[2]

دودھ فروخت کرنے کی نیت سے پالی ہوئی بھینسوں کا حکم

جو بھینس جنگل میں نہیں چرتیں، بل کہ ان کو خود گھر میں کھلایا جاتا ہے، اس لیے ان پر زکاۃ فرض نہیں، البتہ اگر بھینسوں کی تجارت بھی مقصود ہو، یعنی بھینس خریدتے وقت اس کا دودھ بیچنے کے ساتھ خود بھینس بیچنے کی نیت ہو تو ایسی بھینسوں کی قیمت پر زکاۃ فرض ہوگی۔[3]

عُشر کے مسائل

لفظ عُشر کے اصلی معنی دسواں حصہ ہے۔ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] احسن الفتاوی، کتاب الزکوۃ: ۲۷٦/٤

[2] احسن الفتاوی، کتاب الزکوۃ: ۲۸٦/٤، بحوالہ ردالمحتار، کتاب الزکاۃ، باب السائمۃ: ۲۰/۲

[3] احسن الفتاوی، کتاب الزکاۃ: ۲۷۷/٤

واجباتِ شرعیہ کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے، اس میں عُشری زمین کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک میں عُشر یعنی دسواں حصہ پیداوار کا ادا کرنا فرض ہوتا ہے اور دوسری میں نصف عُشر یعنی بیسواں حصہ، لیکن فقہائے کرام کی اصطلاح میں دونوں قسموں پر عائد ہونے والی زکاۃ کو عُشر ہی کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[1]

نصاب عُشر:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عُشر کا نصاب نہیں، بل کہ ہر قلیل وکثیر میں عُشر واجب ہے، پیداوار جتنی بھی ہو کم ہو زیادہ، ہر حال میں عُشر نکالنا واجب ہے، اس کے لیے زکاۃ کی طرح کوئی خاص نصاب نہیں ہے جس سے کم ہونے پر عُشر ساقط ہو جائے اس کی وجہ قرآن وحدیث کے الفاظ کا عموم ہے۔[2]

مَسْئَلہ: عُشر کل پیداوار پر واجب ہے اور جس وقت غلہ پیدا ہو، اسی وقت واجب ہوتا ہے، سال گزرنے کی قید اس میں نہیں ہے۔[3]

عُشر واجب ہونے کی شرطیں

عُشر واجب ہونے کے لیے درجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

1. مسلمان ہونا: کیوں کہ عُشر خالصتاً عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں۔
2. زمین کا عُشری ہونا: خراجی زمین پر عُشر واجب نہیں۔
3. زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا۔
4. ایسی پیداوار ہو جو بو کر حاصل ہو، خودرو گھاس یا درخت وغیرہ پر عشر نہیں۔[4]

---

[1] البحر الرائق، کتاب الزکاۃ، باب العشر: ۲/۲۳۶

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ: ۶/۷۶

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ چھٹا باب عشر: ۶/۱۸۷

[4] عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب السادس ۱/۱۸۵

زمین اگر عشری ہے تو اس کی آمدنی پر یعنی جس قدر غلہ اس زمین میں پیدا ہوا اس پر عشر واجب ہوتا ہے لیکن اگر زمین عشری نہ ہو تو کچھ واجب نہیں ہوتا۔[1]

حولانِ حول یعنی مال پر پورا سال گزر جانے کی شرط کھیتی اور پھلوں کے علاوہ دوسری اشیا کے لیے ہے، کھیتی اور پھلوں کے لیے سال گزر جانے کی شرط نہیں ہے (بل کہ ہر فصل پر سال میں جتنی بھی ہوں عشر ہوگا)۔[2]

کیا سرکاری مال گزاری ادا کرنے سے عشر ادا ہو جائے گا؟

عشر زکاۃ کی طرح ایک مالی عبادت ہے اور اس کا مصرف بھی وہی ہے جو زکاۃ کا ہے۔ اگر کوئی بھی حکومت خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اگر زمین داروں یا کاشت کاروں سے کوئی سرکاری ٹیکس وصول کرتی ہے تو اس ٹیکس کی ادائیگی سے عشر ادا نہ ہوگا، بل کہ مسلم مالکان کے ذمہ واجب ہوگا کہ وہ بطور خود عشر نکالیں اور اس کے مصرف میں خرچ کریں اور یہ بعینہ ایسا ہے جیسے حکومتوں کے انکم ٹیکس ادا کرنے سے اموال تجارت اور نقد کی زکاۃ ادا نہیں ہوتی۔[3]

جس غلے کا عشر نہ نکالا جائے اس کا حکم

جس نے غلے میں دسواں حصہ زکاۃ (عشر) نہیں نکالی وہ غلہ حلال ہے لیکن وہ شخص زمین کی زکاۃ (عشر) نہ دینے سے گناہ گار اور فاسق ہو جائے گا۔[4]

جن چیزوں میں عشر واجب ہے

اناج، ساگ، ترکاری، میوہ، پھل، پھول وغیرہ جو کچھ پیدا ہو سب کا یہ ہی حکم

---

[1] فتاویٰ دار العلوم، کتاب الزکاۃ، چھٹا باب عشر: ۱۸۱/۶

[2] کتاب الفقہ: ۹٦٤/۱

[3] جواہر الفقہ: ۲۷٦/۲

[4] فتاویٰ دار العلوم دیوبند کتاب الزکاۃ، چھٹا باب عشر: ۱۸۰/٦

ہے یعنی عشر ہے۔[۱]

عشری زمین یا پہاڑ یا جنگل میں سے اگر شہد نکلا تو اس میں بھی یہ صدقہ واجب ہے۔[۲]

السی کے پیڑوں اور بیجوں میں عشر واجب ہے۔ اسی طرح اخروٹ، بادام، زیرہ اور دھنیا میں بھی عشر واجب ہے۔ اسی طرح میتھی، مٹر، جوار، کنوار وغیرہ، ان میں بھی عشر لازم ہے۔[۳]

عشری زمین میں جو کچھ پیدا ہو خواہ غلہ، خواہ نیشکر و چری وغیرہ خواہ خشخاش خواہ تمباکو یا اور ادویہ یا پھول جو نفع حاصل کرنے کے لیے بوئے گئے ہوں یا اس میں باغ کسی قسم کے پھل کا ہو، ان سب میں بھی زکاۃ واجب ہے۔ اس زکاۃ کو عشر کہتے ہیں۔[۴]

تیاری سے پہلے جس قدر خرچ کرے گا اس سب کا حساب یاد رکھے اس کا بھی عشر دینا پڑے گا۔[۵]

الغرض عشر ہر زمینی پیداوار پر واجب ہے، مثلاً گندم، جو، باجرہ، جوار، نیز دوسری قسم کے دانے، سبزیاں، خوش بودار پھول گلاب، گنا، خربوزہ، کھیرا، ککڑی، بینگن، زعفران، کھجور اور انگور وغیرہ خواہ وہ پھل دیر پا ہوں یا نہ ہوں، تھوڑے ہوں یا بہت ہوں، ان کے لیے نہ نصاب کی شرط ہے اور نہ سال گزر جانے کی۔ پٹ سن اس کے بیج اخروٹ، بادام زیرہ اور دھنیا پر بھی زکاۃ ہے۔[۶]

---

[۱] فتاویٰ عالمگیری: ص ۱۸۳

[۲] عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب السادس ۱/۱۸۶

[۳] امداد: ص ۸۵، مسائل الزکاۃ بحوالہ اسلام کا مالیاتی نظام و فتاوی دارالعلوم: ۶/۱۷۰

[۴] امداد مسائل الزکاۃ: ص ۳۳

[۵] امداد الفتاوی: ۲/۶۹

[۶] فتاوی عالمگیری، کتاب الزکاۃ: ۱/۱۸۶

ایسے دانوں پر زکاۃ نہیں ہے جن کو زراعت کے کام میں نہیں لایا جاتا۔[1]

عشر کے چند ضروری مسائل

اگر اپنی زمین کا عشر بونے سے پہلے ادا کر دیا تو جائز نہیں اور اگر بونے کے بعد اگنے سے قبل ادا کیا، تب بھی جائز نہیں اور اگر پھلوں کا عشر پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ادا کر دیا تو جائز نہیں، اگر پھلوں کے ظاہر ہونے کے بعد دیا تو جائز ہے۔[2]

اگر کسی نے اپنی زمین کو نقد روپے کے عوض ٹھیکے پر دے دیا تو اس کا عشر ٹھیکہ دار کے ذمے ہے، جو زمین کاشت کر کے پیداوار حاصل کرتا ہے۔

اگر زمین دوسرے شخص کو مزارعت یعنی بٹائی پر دی ہے کہ پیداوار میں ایک معین حصہ مالک زمین کا اور دوسرا معین حصہ کاشت کار کا مثلاً: دونوں میں نصف نصف ہو یا ایک تہائی اور دو تہائی ہو تو اس صورت میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصہ پیداوار کے مطابق لازم ہوگا۔[3]

اگر کسی نے زمین تجارت کی نیت سے خریدی اور زمین کی پیداوار حاصل کر رہا ہے تو اس کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا، زکاۃ تجارت کی واجب نہیں ہوگی۔

مساجد، مدارس اور خانقاہوں پر وقف شدہ زمین کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہوگا۔

اگر بادشاہ وقت یا اس کا نائب عشری زمین کا عشر کسی شخص کو معاف کر دے تو نہ شرعاً اس کے لیے معاف کرنا جائز ہے اور نہ مالک زمین کے لیے یہ عشر اپنے خرچ میں لانا حلال ہے، بل کہ اس کے ذمے لازم ہے کہ خود مقدار عشر نکالے اور فقراو مساکین پر صدقہ کر دے۔

---

[1] كتاب الفقه: ١/ ١٠٠٤

[2] الدر المختار، كتاب الزكاة، باب العشر: ٢/ ٣٣١

[3] رد المحتار، كتاب الزكاة، باب العشر: ٢/ ٣٣٤، ٣٣٥

اگر کسی زمین کی آب پاشی کچھ بارش اور کچھ کنویں وغیرہ کے پانی سے ہو تو اس میں اکثر کا اعتبار کیا جائے، مثلاً: زیادہ بارانی ہو تو دسواں حصہ اور اگر کنویں وغیرہ سے ہو تو بیسواں حصہ اور اگر دونوں طریقوں سے برابر ہو تو آدھی پیداوار $\frac{1}{10}$ حصہ اور آدھی پیداوار کا $\frac{1}{20}$ حصہ۔

گزشتہ زمانے کا عشر اگر کسی کے ذمہ ہے، اس نے ادا نہیں کیا تو وہ ساقط نہیں ہوتا، بل کہ گزشتہ زمانے کا عشر ادا کرنا واجب ہے، مرنے لگے تو وصیت واجب ہے۔

عشر ادا کرنے سے پہلے جس قدر غلہ استعمال کرے گا یا کسی کو دے گا اجرت پر یا بغیر اجرت کے اس کے عشر کا ضامن ہوگا۔[1]

عشر زکاۃ کا جو حصہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے، اگر بجائے اس جنس کے اس کی قیمت دے دی جائے تو بھی جائز ہے۔ یعنی عشر وخراج میں پیداوار کی بجائے قیمت دینا جائز ہے۔[2]

افیون میں عشر واجب ہے اور اس کی قیمت بھی دے دینا جائز ہے۔[3]

اگر کسی شخص نے اپنی زمین میں تمباکو بویا تو اس کی پیداوار میں اگر زمین عشری ہے تو عشر (دسواں حصہ) اس میں لازم ہے۔[4]

اگر رہائشی پلاٹ کو مستقل باغ سے تبدیل کر دیا تو اس میں عشر یا خراج واجب ہوگا اور اگر کوئی عشری زمین اس سے زیادہ قریب ہوگی تو اس پر عشر ہوگا اور اگر خراجی زمین زیادہ قریب ہے تو اس پر خراج ہوگا اور اگر عشری وخراجی دونوں قسم کی اراضی قریب میں برابر ہوں تو اس باغ پر عشر واجب ہوگا۔[5]

---

[1] در مختار

[2] مسائل زکوٰۃ: ۱۹۲/۱۰

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، پیداوار کی زکاۃ: ۱۷۸/۶

[4] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، پیداوار کی زکاۃ: ۱۷۹/۶

[5] احسن الفتاوی، کتاب الزکاۃ، باب العشر والخراج: ۳۶۶/٤

زمین فروخت کی تو عشر وخراج کس پر ہے؟

اگر زمین ایسے وقت فروخت کی کہ سال ختم ہونے میں تین ماہ یا اس سے زیادہ مدت باقی تھی اور بائع (بیچنے والے) نے اس سال میں اس زمین سے کوئی فصل نہ اٹھائی تھی تو اس کا خراج خریدنے والے پر ہے اور اگر بیچنے والے نے کوئی فصل اٹھائی ہو تو خراج بائع اور مشتری دونوں پر تقسیم ہوگا اور اگر سال گزرنے میں تین ماہ سے کم مدت باقی تھی تو پورا خراج بائع پر ہے اور اگر بیچنے کے وقت زمین میں فصل بھی تھی، فصل تیار ہونے سے پہلے بیچنے کی صورت میں خراج خریدنے والے پر ہے، بشرط یہ کہ بائع نے اسی سال میں کوئی فصل نہ اٹھائی ہو، ورنہ خراج دونوں پر (تقسیم) ہوگا اور اگر فصل تیار ہونے کے بعد بیچے تو اس میں وہی تفصیل ہے۔[1]

عشری زمین کو تیار فصل کے ساتھ مالک نے فروخت کردیا یا صرف فصل بیچی تو عشر اس فروخت کنندہ پر واجب ہوگا، خریدنے والے پر نہ ہوگا اور اگر صرف زمین فروخت کی اور فصل بھی پختہ نہیں ہوئی اور اسی وقت خریدنے والے نے زمین سے فصل کی پیداوار کو الگ کردیا تو بیچنے والے پر عشر واجب ہے، لیکن خریدار نے فصل اس وقت جدا نہیں کی، بل کہ بدستور باقی رکھا اور زمین پر مع اس کی پیداوار کے قبضہ کرلیا تو اس خریدار پر عشر واجب ہے۔[2]

اگر کھڑے کھیت کو تیار ہونے سے پہلے فروخت کردیا گیا تو اس کی زکاۃ خریدار پر واجب ہوگی اور اگر دانہ پک جانے کے بعد بیچا تو اس کا عشر بیچنے والے کے ذمہ ہے۔[3]

---

[1] احسن الفتاوی، کتاب الزکوۃ، باب العشر والخراج ۳۶۸/٤

[2] عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب السادس فی زکاۃ الزرع .. ۱۸۷/۱

[3] کتاب الفقہ: ۱۰۰٤/۱

مندرجہ ذیل پیداوار میں عشر واجب نہیں ہے

زمین کی ایسی پیداوار جس کی مالیت مقصود نہیں، جیسے نرسل معمولی بے قیمت کی لکڑی، خودرو گھاس، بھوسہ، کھجور کے پتے، گوند، خطمی، روئی کی خالی ڈنڈی، بینگن کی بیل، تربوز اور خربوزہ کے بیج، دوائیں اور دھنیہ کے پتے وغیرہ، ان میں عشر واجب نہیں ہے، کیوں کہ ان کی مالیت مقصود نہیں ہے۔

ہاں اگر ان سے مالیت مقصود ہو، جیسا کہ آج کل کے زمین دار اپنی زمین میں نرسل، بانس وغیرہ بڑی حفاظت سے رکھتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک اس زمین کی پیداوار شمار کی جاتی ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔[1]

بھوسہ اگر دانہ سے اتارا جائے تو اس میں عشر نہیں کیوں کہ مقصودی پیداوار دانہ ہے، بھوسہ نہیں۔

جو گھانس تابع ہو کر کسی کھیت میں ہو، اس سے پیداوار مقصود نہیں تو اس میں عشر لازم نہیں ہوگا۔[2]

گندم اور جوار وغیرہ کی سبزی جو اوپر سے کاٹی جاتی ہے جس کو "خوید" کہتے ہیں اصل اس کی بدستور رہتی ہے جس سے پھر وہ بحال ہو جاتی ہے، اس سبزی میں عشر نہیں ہے۔

اگر کسی کے گھر میں پھل دار درخت ہو تو اس میں عشر واجب نہیں ہوگا اگر چہ وہ باغ (گھر میں باغیچہ) ہو، اس لیے کہ وہ گھر کے تابع ہے۔[3]

ہر پیداوار جو زمین کی مقصودی آمدنی نہ ہو، جیسے لکڑی، گھانس، جھاؤ، کھجور کے پتے، گوند، لاکھ، رال اور ادویہ جیسے ہلیلہ، کندر، اجوائن، کلونجی اور بھنگ صنوبر، انجیر

---

[1] در مختار، کتاب الزکاۃ، باب العشر: ۲/۳۲۷

[2] رد المحتار، کتاب الزکاۃ، باب العشر: ۲/۳۲۷

[3] الهندية، كتاب الزكاة، الباب السادس فى زكاة الزرع: ۱/۱۸۶

وغیرہ میں عشر واجب نہیں ہے۔

(اگر کسی کی مذکورہ چیزوں کی کاشت سے آمدنی مقصود ہو تو قاعدے کی رو سے ان اشیا میں بھی عشر واجب ہوگا)۔[1]

باغ کے پھل میں عشر واجب ہے۔ سوختہ یعنی لکڑیوں میں نہیں ہے۔[2]

کیا عشر کی رقم پر زکاۃ ہے؟

حکومت جو (بعض جگہ) فی ایکڑ کے حساب سے عشر وصول کرتی ہے، یہ صحیح نہیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ جتنی پیداوار ہو اس کا دسواں حصہ یا بیسواں حصہ لیا جائے۔ پورے علاقے کے لیے عشر کا فی ایکڑ ریٹ مقرر کر دینا غلط ہے۔[3]

عشر ادا کرنے کے بعد جو غلہ فروخت کیا اس کا حکم

ایک بار عشر ادا کر دینے کے بعد جب تک اس کو فروخت نہیں کیا جاتا، اس پر نہ دوبارہ عشر ہے، نہ زکاۃ اور جب عشر ادا کرنے کے بعد غلہ فروخت کر دیا تو اس سے حاصل شدہ رقم پر زکاۃ اس وقت واجب ہوگی جب اس پر سال گزر جائے گا یا اگر یہ شخص پہلے سے صاحبِ نصاب ہے تو جب اس کے نصاب پر سال پورا ہوگا، اس وقت اس رقم کی بھی زکاۃ ادا کرے گا۔[4]

جن صورتوں میں عشر ساقط ہو جاتا ہے

اگر پیداوار مالک کے اختیار کے بغیر ہلاک ہو جائے تو عشر ساقط ہو جائے گا اور اگر کچھ حصہ ہلاک ہو جائے تو ہلاک شدہ کا عشر ساقط ہو جائے گا، باقی کا دینا

---

[1] فتاوی عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب السادس فی زکاۃ الزرع، ۱/۱۸۶

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، پیداوار کی زکاۃ، ۶/۱۹۳

[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۴۱۰

[4] آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۴۱۰

واجب ہوگا۔

اگر مالک پیداوار کو ہلاک کر دے تو ہلاک شدہ پیداوار کے عشر کا ضامن ہوگا اور وہ اس کے ذمے قرض ہو جائے گا اور اگر مالک کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے پیداوار کو ہلاک کر دیا تو مالک اس سے ضمان لے کر اس میں عشر ادا کرے گا۔[1]

جس شخص کے ذمے عشر ہو، اس کی موت سے وہ ساقط نہیں ہوتا، بل کہ اس کے متروکہ غلہ میں وصول کیا جائے گا۔[2]

اگر کسی شخص نے باوجود طاقت کے زراعت نہیں کی تو اس پر عشر واجب نہ ہوگا۔[3]

اگر عشری زمین کی فصل کٹنے سے یا پھل توڑنے سے پہلے یا اس کے بعد ضائع ہوگئی یا چوری ہوگئی تو عشر ساقط ہو جائے گا۔[4]

اگر کچھ فصل ضائع یا چوری ہونے سے بچ گئی تو جتنی فصل باقی بچے اس میں عشر دینا ہوگا۔

ایسا مسکین جو خود عشر کا مصرف ہے، اس پر عشر نکالنا واجب نہیں۔[5]

عشر یا عشر کی رقم کا مصرف

عشر یا عشر کی رقم کے مصارف وہی ہیں جو زکاۃ کے ہیں اور جس طرح زکاۃ کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی مستحق زکاۃ کو بغیر کسی معاوضے کے مالکانہ طور پر قبضہ کرا دیا جائے، اسی طرح عشر کو بھی کسی مستحق کو مالک بنا کر دیا جائے۔[6]

---

[1] فتاوی عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب السادس ...... : ۱۸۶/۱

[2] ردالمحتار، کتاب الزکاۃ، باب العشر: ۳۳۲/۲

[3] درمختار، کتاب الزکاۃ، باب العشر: ۳۳۳/۲، حکومت کا مالیاتی نظام: ص ۵۱

[4] احسن الفتاوی، کتاب الزکاۃ، باب العشر والخراج: ۳٦٤/٤

[5] احسن الفتاوی: ۳٦٤/٤، امداد الفتاوی: ٦۹/۲

[6] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، چھٹا باب عشر: ۱٦۹/٦

مسائلِ صدقہ فطر

وجوبِ صدقۂ فطر

صدقۂ فطر ادا کرنا ہر اس شخص کے ذمہ واجب ہے جو صاحبِ نصاب مال دار ہو، یعنی ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے بقدر رقم کا مالک ہو تو اس پر صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے، تاہم اس نصاب کے لیے حولانِ حول (یعنی سال بھر ہونا) ضروری نہیں ہے، جیسا کہ زکاۃ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے، بل کہ کسی ایسے مال کے نصاب کا مالک ہونا جو اصلی ضرورتوں سے فارغ ہو اور قرض سے محفوظ ہو، اس مال پر سال گزرنا شرط نہیں تو ایسے صاحبِ نصاب پر صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔[1]

صدقۂ فطر واجب ہونے کی شرائط

صدقۂ فطر کے واجب ہونے کے لیے صرف تین چیزیں شرط ہیں:

1. آزاد ہونا۔
2. مسلمان ہونا۔
3. کسی ایسے مال کا مالک ہونا جو اصلی ضرورتوں سے فارغ ہو اور قرض بھی نہ ہو، صاحب نصاب کا عاقل بالغ ہونا شرط نہیں ہے یہاں تک کے بچوں اور مجنونوں پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے، ان کے اولیا کو ان کی طرف سے ادا کرنا چاہیے اور اگر ولی نہ ادا کرے اور وہ اس وقت خود مال دار ہوں تو بالغ ہو جانے کے بعد یا جنون زائل ہو جانے کے بعد خود ان کے عدم بلوغ یا جنون کے

[1] فتاویٰ حقانیہ، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر ۴/۳۳

زمانے کا صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیے۔[1]

مقدارِ صدقۂ فطر

صدقۂ فطر کی مقدار پونے دو سیر گندم ہے، اگر گندم دینا مشکل ہو تو پونے دو سیر گندم کی قیمت دینا جائز ہے، کیوں کہ قیمت ادا کرنے میں غریبوں کا فائدہ ہے، اس طرح قیمت دینے سے صدقہ فطر ادا ہو جائے گا۔

فقہ حنفی کی رو سے نصف صاع یعنی ایک سو چالیس تولہ گندم صدقۂ فطر کی مقدار ہے، البتہ جو یا کھجور سے ایک صاع یعنی دوسواسی تولہ ادا کیا جائے گا۔[2]

صدقۂ فطر کی ادائیگی

رمضان کے دوران صدقۂ فطر ادا کرنا

صدقۂ فطر کا وجوب عید الفطر کے دن طلوع فجر سے پہلے ہوتا ہے، فجر کے بعد ادا کرنا بہتر ہے، لیکن اگر کوئی شخص عید سے پہلے ادا کرے، یعنی رمضان کے کسی دن میں ادا کرے تو فطرانہ ادا ہو جائے گا، اگر چہ مستحب عید کے دن عید گاہ جانے سے قبل ادا کرنا ہے۔[3]

صدقۂ فطر کس کس کی طرف سے دینا واجب ہے

صدقہ فطر کا ادا کرنا اپنی طرف سے بھی واجب ہے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی اور اپنی خدمت گار لونڈی غلاموں کی طرف سے بھی اگر چہ وہ کافر ہوں، نابالغ اولاد اگر مال دار ہوں تو ان کے مال سے ادا کرے اور اگر مال دار نہیں تو

---

[1] فتاویٰ حقانیہ، کتاب الزکاۃ، باب صدقة الفطر: ٤٣/٤

[2] فتاویٰ حقانیہ، کتاب الزکاۃ باب صدقة الفطر: ٣٤/٤

[3] فتاویٰ حقانیہ، کتاب الزکاۃ، باب صدقة الفطر: ٣١/٤

اپنے مال سے ادا کرے۔

باپ اگر مر گیا ہو تو دادا باپ کے حکم میں ہے، یعنی پوتے اگر مال دار ہیں تو ان کے مال سے، ورنہ اپنے مال سے ان کا صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔[1]

بیوی کا صدقۂ فطر شوہر کے ذمہ واجب نہیں

اگر عورت صاحبِ نصاب ہو تو صدقۂ فطر کی ادائیگی کی وہ خود ذمہ دار ہوگی، شوہر کے ذمے بیوی کا صدقۂ فطر ادا کرنا لازم نہیں، تاہم اگر شوہر بیوی کی طرف سے ادا کرے تو صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا۔ اگر عورت نصاب کی مالک نہیں تو اس صورت میں اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں۔[2]

نابالغ شادی شدہ لڑکی کا فطرہ

اگر نابالغ شادی شدہ لڑکی مال دار ہے تو خود اس کے مال میں صدقۂ فطر واجب ہے اور اگر مال دار نہیں ہے اور بالغ ہے تو اس صورت میں کسی کے ذمے نہیں اور اگر مال دار نہیں اور نابالغ ہے اور رخصتی نہیں ہوئی تو باپ کے ذمے فطرہ ادا کرنا ہے اور اگر رخصتی ہوگئی ہے تو باپ کے ذمہ نہیں۔[3]

صدقۂ فطر کی ادائیگی میں اجازت لینا

کسی دوسرے کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنے کے لیے اس کی اجازت ضروری ہے، لیکن چوں کہ صدقۂ فطر کی مقدار کم اور معلوم ہے، اس لیے بیوی اور اولاد کی طرف سے جو اس کے زیرِ کفالت میں ہیں، شوہر ادا کر دیتا ہے اور عادتاً اس

---

[1] مسائل روزہ، صدقۂ فطر کے مسائل: ۲۰۹

[2] فتاویٰ حقانیہ، کتاب الزکاۃ، باب صدقة الفطر: ۳۷/۴، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مسائل صدقہ فطر: ۳۲۴/۶

[3] امداد الفتاوی، باب صدقة الفطر: ۸۰/۲

کی اجازت ہوتی ہے، اس لیے استحساناً جائز ہے، بخلافِ زکاۃ کے اس کی مقدار نامعلوم اور زیادہ ہوتی ہے، بغیر کہے ادا کرنے کی عادت نہیں ہے، اس لیے زکاۃ میں اجازت اور وکالت ضروری ہے۔[1]

جو روزہ نہ رکھے کیا اس پر صدقۂ فطر واجب ہے؟

جس شخص نے کسی وجہ سے رمضان کے روزے نہیں رکھے، اس پر بھی صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے اور جس نے روزے رکھے، اس پر بھی واجب ہے، جب تک ادا نہ کرے بری الذمہ نہ ہوگا۔[2]

مصارفِ صدقۂ فطر

مصارفِ صدقۃ الفطر اور مصارف زکاۃ دونوں ایک ہیں، یعنی جو زکاۃ کے مصرف ہیں وہ صدقۂ فطر کے بھی مصرف ہیں، جن لوگوں کو زکاۃ دینا درست نہیں ہے ان کو صدقہ فطر دینا بھی درست نہیں ہے۔[3]

صدقۂ فطر فقرا کو دینا مستحب ہے

صدقۂ فطر عید سے پہلے فقرا کو مالک بنا کر دینا مستحب ہے، پس اگر کسی نے صدقۂ فطر علاحدہ کر کے رکھ دیا اور فقرا کو نہ دیا تو مستحب ادا نہیں ہوگا، محض الگ کرنے سے صدقۂ فطر ادا نہیں ہوگا، بل کہ کسی فقیر کو باقاعدہ مالک بنا کر دے دیا جائے۔[4]

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ، باب صدقۃ الفطر: ۱۷۳/۵، طبع انڈیا، مسائل روزہ: ص ۲۱۰

[2] بہشتی زیور، حصہ سوم، صدقۂ فطر کا بیان: ص ۲۵۱، مسائل روزہ، فطرہ کے مسائل: ص ۲۱۰، آپ کے مسائل اور ان کا حل، کتاب الزکاۃ، صدقۂ فطر: ۳/ ۴۱۵

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، مسائل فطرہ: ۳۲۸/۶

[4] آپ کے مسائل اور ان کا حل، کتاب الزکاۃ، صدقۂ فطر: ۴۱۵/۳

قیدیوں کو صدقۂ فطر کی رقم دینا

اگر قیدیوں کے پاس بقدرِ نصاب مال نہ ہوں، یعنی وہ صاحبِ نصاب نہ ہوتو وہ مساکین ہیں، ان کو صدقۂ فطر دینا درست ہے۔[1]

امام مسجد کو صدقۂ فطر دینا

صدقۂ فطر کی ادائیگی میں یہ ضروری ہے کہ کسی خدمت کے عوض نہ ہو، صدقات واجبہ میں یہ ضروری ہے کہ غریب ومساکین کو بغیر کسی عوض دے دیا جائے۔ امامت یا اذان پر بذاتِ خود اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں، لیکن صدقۂ فطر امامت کی اجرت میں دینا جائز نہیں، اگر صدقۂ فطر اجرت پر دیا گیا تو اس صورت میں اجرت کی ادائیگی تو ہو جائے گی، صدقۂ فطر ذمہ باقی رہے گا، ہاں اگر امام غریب ہو تو اس صورت میں صدقۂ فطر امام کو دینے میں کوئی حرج نہیں، البتہ امامت کی وجہ سے اس کو فطرہ دینا جائز نہیں ہے۔[2]

سید کو صدقۂ فطر دینا

سادات کو زکاۃ اور صدقات واجبہ، مثلاً: چرمِ قربانی کی قیمت، صدقۂ فطر وغیرہ دینا حرام ہے، اس صورت میں زکاۃ، صدقۂ فطر ادا نہ ہوگی، حدیث میں ہے:

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِيَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ."[3]

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مسائل صدقۂ فطر: ۳۱۲/۶، فتاویٰ حقانیہ، کتاب الزکاۃ، صدقۃ الفطر: ۴۳/۴

[2] فتاویٰ حقانیہ، کتاب الزکاۃ، صدقۃ الفطر: ۳۶/۴، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، مسائل فطرہ: ۳۲۸/۷

[3] مشکاۃ المصابیح، باب لا تحل لہ للصدقۃ، فصل اول، ص ۱۶۱

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک یہ صدقات واجبہ لوگوں کے میل کچیل ہیں اور یہ محمد کے لیے اور اسی طرح آل محمد کے لیے حلال نہیں۔''

البتہ صدقاتِ نافلہ سادات کو دینا جائز ہے۔[1]

صدقۂ فطر کی رقم سے مدرسہ بنانا

صدقۂ فطر کے اصل حق دار فقرا و مساکین ہیں کہ ان کو تملیک بنا کر دیا جائے کسی مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں صدقۂ فطر کی رقم دینا درست نہیں۔ اضطراری (مجبوری والی) صورت میں اگر واقعتاً شرعی عذر ہو تو اس صورت میں حیلہ کر کے تعمیرات میں صدقہ کی رقم لگانے کی گنجائش ہے۔[2]

قرض معاف کرنے سے صدقۂ فطر ادا ہوگا؟

واضح رہے کہ صدقہ فطر صدقات واجبہ میں سے ہے جس میں تملیک شرط ہے بغیر مالک بنانے کے صدقہ فطر ادا نہیں ہوگا، اسی طرح قرضہ معاف کرنا بغیر مالک بنا کر درست نہیں ہے، کیوں کہ اس میں تملیک نہیں ہوتی، اس کی جائز صورت یہ ہے کہ پہلے غریب مقروض کو فطرانہ ادا کرے اور اس کے بعد اس سے اپنا قرض معاف کرے۔[3]

غیرِ مسلم کو صدقۂ فطر دینا

کافر کو صدقہ فطر دینا بالاتفاق ناجائز ہے، البتہ ذمی کے بارے میں اختلاف

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، مصارف زکاۃ: ۲۳۹/۶

[2] فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر: ۱۷۸/۵

[3] فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الزکاۃ، صدقہ فطر: ۳۷/۴، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مسائل صدقہ فطر: ۳۰۳/۶

ہے، بعض نے کراہت کے ساتھ جائز قرار دیا ہے اور بعض کے نزدیک ناجائز ہے۔[1]

غریب نابالغ کو فطرہ دینا

اگر غریب نابالغ ہو تو ان کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں، البتہ ان کے سرپرستوں کو دینا جائز ہے، ہاں اگر وہ بچے سمجھ دار ہیں تو اس صورت میں خود ان کو بھی دینا جائز ہے جب کہ وہ بچے مستحق ہوں، اگر وہ بچے مال دار کے ہیں تو ان کو صدقۂ فطر دینا درست نہیں۔[2]

صدقۂ فطر ایک ہی فقیر کو دینا ہے یا کئی فقیروں کو؟

ایک آدمی کا صدقۂ فطر ایک ہی فقیر کو دے دے یا تھوڑا کر کے کئی فقیروں کو دے دے دونوں باتیں جائز ہیں، نیز اگر کئی آدمیوں کا صدقۂ فطر ایک ہی مستحق کو دے دیا تو یہ بھی درست ہے، لیکن اس قدر زیادہ دینا کہ وہ زکاۃ یا نصاب فطرہ کا مالک بن جائے، مکروہ ہے، البتہ صدقہ فطر ادا ہو جائے گا۔[3]

صدقۂ فطر دوسرے شہر بھیجنا

جس طرح زکاۃ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ ہے، اسی طرح صدقہ فطر ایک شہر سے دوسرے شہر بھیجنا مکروہ ہے، البتہ دوسرے شہر کے لوگ زیادہ حاجت مند ہوں تو پھر منتقل کرنے میں کوئی کراہت نہیں۔[4]

غیر ممالک میں رہنے والوں کا فطرہ

غیر ممالک میں بسنے والوں کا فطرہ اگر یہاں کے حساب سے دیا جائے تو عمدہ

---

[1] احسن الفتاوی، کتاب الزکاۃ، باب صدقة الفطر: ۳۸۳/۴

[2] مسائل روزہ: ص ۲۲۰، بحوالہ فتاویٰ محمودیہ: ۲۶۹/۷

[3] بہشتی زیور، حصہ سوم: ص ۲۵۲، مسائل روزہ، صدقہ فطر کے مسائل: ص ۲۱۸

[4] فتاویٰ حقانیہ، کتاب الزکاۃ، صدقة الفطر: ۴۲/۴

قسم کے پونے دوکلو گندم ادا کرے یا وہاں کے حساب سے گندم کی قیمت دی جائے، اگر یہاں کے گندم کی قیمت زیادہ ہوتی ہے تو یہاں کے حساب سے فطرہ ادا کرے، بہتر یہی ہے کہ گندم دے دے اور اگر قیمت دی جائے تو وہ قیمت لگائی جائے کہ جس میں غریبوں کا فائدہ ہو۔[1]

صدقۂ فطر میں قیمت کہاں کی معتبر ہے

صدقۂ فطر کی ادائیگی میں اصل یہ ہے کہ پونے دوکلو گندم دیا جائے یا وہ چیز دی جائے جس کا اعتبار شریعت نے کیا ہے اور اگر اس کے بدلے میں کوئی قیمت دینا چاہیں تو اپنے شہر کی قیمت کا اعتبار کرکے دی جائے، دوسرے علاقے یا شہر کی قیمت کا اعتبار کرنا درست نہیں۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

''اپنی بستی کی قیمت کے حساب سے صدقہ فطر ادا کرنا چاہیے، اگر وہاں گندم نہ ملیں تو آٹے کی قیمت کا حساب کرنا چاہیے، الغرض جو چیز منصوص وہاں ملتی ہو، اس کی قیمت کا حساب کیا جائے۔''[2]

جو مختلف غلہ استعمال کرتا ہو وہ کیا دے؟

صدقۂ فطر اس غلے میں سے ادا کرے جو خود استعمال کرتا ہو، اگر کوئی شخص گندم استعمال کرتا ہے تو اس کے لیے جَو کا فطرہ دینا درست نہیں، اگر مختلف غلے استعمال کرتا ہو تو وہ غلہ دے جو سب سے اچھا ہو، اگر کوئی معمولی غلہ بھی دے دے گا تو صدقہ فطر ادا ہو جائے گا۔[3]

---

[1] مسائل روزہ، صدقہ فطر: ص ۲۱۷ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ: ۲/ ۱۱۳

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مسائل صدقہ فطر: ۶/ ۳۲۱

[3] مسائل روزہ، صدقہ فطر کے مسائل: ص ۲۱۴

صدقۂ فطر میں چاول دینا

فتاویٰ شامی میں ہے کہ اگر کوئی شخص صدقہ فطر میں چاول ادا کرنا چاہے تو اس چاول کا کوئی وزن پیمانہ معتبر نہیں، بل کہ وہ چاول اس قدر ہوں کہ قیمت میں برابر نصف صاع یعنی پونے دوکلو گندم یا ایک صاع جَو کے ہو تو اس وقت صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا، اگر کسی نے پونے دوکلو چاول دے دیا اور وہ قیمت کے اعتبار سے مذکورہ اشیا سے کم ہو تو صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا۔[1]

صدقۂ فطر میں کون سی کرنسی کا اعتبار ہوگا؟

آدمی جہاں بھی ہو صدقۂ فطر وہاں کی رائج الوقت کرنسی کے حساب سے ادا کیا جائے گا، اگر کوئی شخص برطانیہ میں رہتا ہے تو وہ پاؤنڈ کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کرے گا اور اگر پاکستان میں ہے تو پاکستانی روپیہ کے حساب سے ادا کرے گا۔[2]

[1] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، مسائل صدقۂ فطر: ۶/ ۳۲۳ تا ۳۲۵

[2] فتاویٰ حقانیہ، کتاب الزکاۃ، صدقۃ الفطر: ۴/ ۴۵

روزے کا بیان[1]

روزے کی فضیلت واہمیت

دین اسلام عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات، اور معاشرت کا مجموعہ ہے گویا دینِ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات کا نام ہے جو بنی نوع انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی دونوں پر محیط ہے، اس میں قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے احکامات اور رہنما اصول موجود ہیں، اس کے مطابق زندگی گزار کر انسانیت اللہ تعالیٰ کی خوش نودی اور دنیا وآخرت کی کام یابی سے سرفراز ہوسکتی ہے۔

اسلام میں عقائد کے بعد عبادات کا درجہ ہے، چناں چہ عبادات نماز، زکاۃ، روزہ، حج یہ دین کے عناصر اربعہ کہلاتے ہیں، من جملہ ان عبادات میں سے ایک عبادت ''روزہ'' ہے یعنی اقامتِ صلوٰۃ اور اداءِ زکاۃ کے بعد روزہ (صوم) دین اسلام کا چوتھا رکن ہے۔

چناں چہ قرآنِ کریم میں اس امت کو روزے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر صوم فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔''[2]

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس نے ان پر روزہ فرض کیا لیکن مذاہب کی تاریخ میں یہ کوئی نیا حکم نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلے سب اہل

---

[1] رمضان المبارک کا مہینہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس نعمت کی قدر کرنی چاہیے، اس کی قدر یہ ہے کہ رمضان المبارک کے قیمتی لمحات کو ضائع نہ کیا جائے، بل کہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کی جائے، دعائیں مانگی جائیں اور استغفار کیا جائے، اس کے لیے بیت العلم ٹرسٹ کی مستند مجموعہ وظائف (رمضان ایڈیشن) کا مطالعہ بڑا مفید ہوگا، اس کتاب میں مستند دعائیں جمع کی گئی ہیں۔

[2] البقرہ: ۱۸۳

کتاب اور دیگر مذہب اور شریعت کی حامل تمام قوموں پر روزہ فرض کیا تھا اور یہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ بلا وجہ مشقت یا آزمائش میں ڈالنا ہو، بل کہ روزہ کا اصل مقصد ایمانی اور روحانی تقاضوں کی تابع داری، ریاضت، تربیت، اصلاح وتزکیہ ہے، تاکہ نفس کی خواہشات کو قربان کر کے انسان تقویٰ اور پرہیزگاری کی اعلیٰ صفت سے متصف ہو۔

پھر اس مہینے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے جس میں روزہ فرض کیا گیا ارشاد ہے: یہ وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن کریم نازل ہوا نسل انسانی کو نئی زندگی کا یہ پیغام ملا اللہ تعالیٰ نے روزے رمضان میں فرض کیے اور ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم قرار دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں برکتوں اور سعادتوں کا اجتماع بڑی حکمت اور اہمیت کا حامل ہے۔

احادیث مبارکہ میں بھی روزے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

1. ”روزہ اور قرآن بندے کی سفارش کرتے ہیں (یعنی قیامت کے دن کریں گے)، روزہ کہتا ہے: اے رب! میں نے اس کو دن بھر کھانے پینے اور دیگر خواہشات سے روکے رکھا، لہٰذا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرمایئے اور قرآن کہتا ہے: کہ میں نے اس کو رات کی نیند سے محروم رکھا، اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرمایئے، چناں چہ دونوں کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔“ [1]

2. ایک اور حدیث میں روزے کی فضیلت اس طرح بیان کی گئی ہے:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس نے ایمان کے جذبے سے اور طلب ثواب کی نیت سے رمضان کا روزہ رکھا، اس کے گزشتہ گناہوں کی بخشش

---

[1] مشکاۃ، کتاب الصوم، الفصل الثالث: ۱/۱۷۳

ہوگئی۔'' [1]

اسلام نے روزہ کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ قوانین و مقاصد دونوں کے اعتبار سے مکمل ہے اور فائدہ کا سب سے زیادہ ضامن ہے اور اس میں عزیز و حکیم اور علیم و خبیر ذات کی حکمت و مشیت پوری شامل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ روزے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''روزہ چوں کہ ایک عمومی اور اجتماعی شکل کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے وہ رسوم کی دسترس سے محفوظ ہے اگر کوئی جماعت اور قوم اس کی پابندی کرتی ہے، اس کے لیے شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں، جنتوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔'' [2]

روزے کی فضیلت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جو کوئی رمضان میں ایک خاص خصلت اور عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا چاہے گا وہ دوسرے دنوں کے ادائیگی فرض کے برابر سمجھا جائے گا اور جو اس میں فرض ادا کرے گا، وہ اس طرح ہے جو غیر دنوں میں ستر فرض ادا کرے، گویا روزہ اور رمضان کا مہینہ نیکیوں اور برکتوں کے حصول کا سیزن ہے، جو جتنا چاہے اپنا دامن بھر لیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوش نودی کا حق دار بنے۔

❸ ایک حدیث قدسی میں ارشاد ہے:

''روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔'' [3]

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب من صام رمضان: ١/٢٥٥

[2] حجة الله البالغه: ١/٥٩

[3] صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب فضل الصوم ١/٢٥٤

❹ ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ''ریان'' ہے اس کے لیے صرف روزہ دار بلائے جائیں گے، جو روزہ داروں میں سے ہوگا، وہی اس میں داخل ہوگا اور جو اس میں ہوگا، وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔'' [1]

❺ ''حضرت طلحہ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک پراگندہ بالوں والا اعرابی (دیہاتی) شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے خبر دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کون سی نماز فرض قرار دی ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پانچ وقت کی نماز مگر کچھ تطوع (یعنی نفل)

اس نے کہا: ''مجھے خبر دیجیے کہ اللہ نے مجھ پر روزہ میں کیا فرض قرار دیا ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رمضان کے روزے الا یہ کہ کچھ نفلی روزے ......'' [2]

❻ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم پر رمضان کا مبارک مہینہ آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے تم پر اس کا روزہ فرض کیا ہے، اس میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور سرکش شیطان قید کر دیے جاتے ہیں، اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جو شخص اس کی خیر سے محروم رہا، وہ محروم ہی رہا۔'' [3]

❼ ''رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں دن کی عبادت روزہ ہے اور رات کی عبادت تراویح ہے۔'' [4]

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب فضل الصوم: ٢٥٤/١

[2] صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب وجوب الصوم: ٢٥٤/١

[3] مشكاة، كتاب الصوم، الفصل الثالث: ١٧٣/١

[4] مشكاة، كتاب الصوم، الفصل الثالث: ١٧٣/١

حدیث شریف میں دونوں کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

❽ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان کا روزہ فرض کیا ہے اور میں نے تمہارے لیے اس کے قیام کو سنت قرار دیا ہے پس جس نے ایمان کے جذبے سے اور ثواب کی نیت سے اس کا صیام و قیام کیا، وہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل جائے گا جیسا کہ جس دن اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔'' [1]

روزے کی فرضیت

روزے کی فرضیت کی آیت سن ۲ھ میں نازل ہوئی، چناں چہ ہجرت کے دوسرے سال روزہ فرض قرار دیا گیا، کیوں کہ عقیدۂ توحید مسلمانوں کے دلوں میں اچھی طرح پختہ ہو چکا تھا اور نماز سے بھی مسلمانوں کو غایت درجہ تعلق بل کہ عشق پیدا ہو گیا تھا، تمام مسلمان احکامِ الٰہی اور قوانینِ شریعت کے سامنے ہر لحہ سرِ تسلیم خم کرنے پر تیار تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام مسلمان پہلے سے اس کے منتظر ہوں کیوں کہ خواہشات سے انسان کو چھڑانا سب سے مشکل کام ہے۔ اس لیے روزے کی فرضیت کا حکم ہجرت کے بعد اس وقت تک نازل نہیں ہوا جب تک اس کا اطمینان نہیں ہو گیا کہ اب توحید اور نماز ان کے رگ و ریشے میں سرایت کر چکی ہے اور اوامر قرآنیہ سے ان کے دل پوری طرح مانوس ہیں۔ چناں چہ ہجرت کے دوسرے سال روزے کا حکم آیا اور یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٨٣﴾ ﴾ [2]

تَرجَمَہ: ''اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر صوم فرض کیا گیا، تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔''

---

[1] جامع الاصول، کتاب الصوم: ۹/۴۴۱

[2] البقرہ: آیت ۱۸۳

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں، تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پائے اسے روزہ رکھنا چاہیے، ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، سختی کا نہیں، وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو۔''[1]

روزے کی تعریف

روزے کی نیت سے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور اپنی منکوحہ کے ساتھ جماع (ہم بستری) سے رو کے رہنا شرعاً روزہ کہلاتا ہے۔

اور اسی طرح دل کو برے خیالات اور دیگر اعضا کو گناہوں سے بچانا روزے کی مقبولیت کے لیے ضروری ہیں، کیوں کہ روزہ کا اصل روح آنکھ، زبان، کان اور دیگر اعضا کو گناہوں سے بچانے میں پوشیدہ ہیں۔

لہٰذا روزے کو زیادہ مقبول اور زیادہ باعثِ اجر و ثواب بنانے کے لیے تمام گناہوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

بہشتی زیور میں ہے:

''جب سے فجر کی نماز کا وقت آتا ہے اس وقت سے لے کر سورج ڈوبنے تک روزے کی نیت سے کھانا اور پینا چھوڑے اور ہم بستری بھی نہ ہو، شرع میں اس کو روزہ کہتے ہیں۔''[2]

---

[1] البقرہ: ۱۸۵ [2] بہشتی زیور مدلل، حصہ سوم، روزے کا بیان: ص ۲۱۹

روزے کی اقسام

❶ فرض

رمضان المبارک کے ادا اور قضا روزے جیسا کہ بہشتی زیور میں ہے۔ رمضان کے روزے ہر مسلمان پر جو مجنون اور نابالغ نہ ہو فرض ہیں۔[1]

❷ واجب

① نذر کے روزے خواہ نذر معین ہو یا غیر معین ہو۔
② نذر معین اور توڑے ہوئے نفلی روزوں کی قضا۔
③ کفارے کے روزے۔

جب کوئی روزے کی نذر مانے تو اس کا پورا کرنا واجب ہے، اگر نہ رکھے گا تو گناہ گار ہوگا۔[2]

نذر ومنت کے روزے واجب ہوتے ہیں، ان کا ادا کرنا لازم ہے۔[3]

❸ نفل روزے

نفل روزے درجہ ذیل ہیں:

① عاشورہ، یعنی دس محرم کا روزہ۔
② ایام بیض، یعنی ہر مہینہ کی تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخ کا روزہ۔
③ شوال کے چھ روزے یعنی عیدالفطر کے بعد چھ روزے رکھنا۔
④ پندرہ شعبان کا روزہ۔

---

[1] بہشتی زیور مدلل، حصہ سوم روزے کا بیان: ص ۲۱۸
[2] بہشتی زیور مدلل، نذر کے روزے: ص ۲۲٤
[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۰۸/۳

⑤ پیر اور جمعرات کا روزہ۔

⑥ ذی الحجہ کے نو روزے۔

مکروہِ تحریمی

عید الفطر کے پہلے دن اور عید الاضحیٰ کے (۴) چار دن تک روزہ رکھنا۔

رؤیتِ ہلال

شریعتِ مطہرہ نے عبادات اور دیگر خاص اعمال کی ادائیگی کے لیے مخصوص اوقات دن اور زمانے مقرر کیے ہیں جس طرح زکاۃ، حج اور روزہ وغیرہ ان اعمال و عبادات کے لیے جن کا تعلق مہینے یا سال سے ہے چاند کو معیار قرار دیا گیا ہے، یعنی بجائے شمسی سال اور مہینوں کے، قمری سال اور مہینوں کا اعتبار کیا گیا، کیوں کہ عوام اپنے مشاہدہ سے قمری مہینوں کو جان سکتے ہیں، کیوں کہ قمری مہینوں کا آغاز چاند نکلنے سے ہوتا ہے، اس لیے ایک عام آدمی چاند دیکھ کر جان لیتا ہے کہ پہلا مہینہ ختم ہوا، اب دوسرا مہینہ شروع ہو گیا۔

بہرحال شریعتِ مطہرہ نے مہینے اور سال کے سلسلے میں نظامِ قمری کا جو اعتبار کیا ہے، اس کی ایک خاص حکمت عوام کی سہولت ہے، چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ماہ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کا حکم سنایا، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا کہ رمضان شروع ہونے کا ضابطہ یہ ہے کہ شعبان کے ۲۹ دن پورے ہونے کے بعد اگر چاند نظر آجائے تو رمضان کے روزے شروع کر دو اور اگر ۲۹ کو چاند نظر نہ آئے تو مہینہ کے تیس دن پورے کر کے روزے شروع کرو اور اسی طرح رمضان کے روزے ۲۹ یا ۳۰ رکھو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر رؤیتِ ہلال کے متعلق ضروری ہدایات دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیتِ ہلال

کے بارے میں یہ حکم ارشاد فرمایا:

❶ ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''رمضان کا روزہ اس وقت تک مت رکھو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو اور روزوں کا سلسلہ ختم نہ کرو جب تک کہ شوال کا چاند نہ دیکھ لو اور اگر ۲۹ کو چاند دکھائی نہ دے تو اس کا حساب پورا کرو (یعنی مہینے کو ۳۰ دن کا سمجھو)۔'' [1]

❷ ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ افطار کرو اور اگر (۲۹ تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو شعبان کی تیس گنتی پوری کرو۔'' [2]

مذکورۂ بالا احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رمضان کے شروع اور ختم ہونے کا دارومدار رؤیتِ ہلال (یعنی چاند دکھائی دینے) پر ہے، محض کسی حساب یا قیاس سے اس کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، پھر رؤیت ہلال کے ثبوت کی ایک صورت تو یہ ہے کہ خود ہم نے اپنی آنکھوں سے چاند کو دیکھا ہو، دوسری صورت یہ ہے کہ کسی دوسرے نے دیکھ کر ہم کو بتایا ہو اور وہ ہمارے نزدیک قابل اعتبار ہو، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دیکھنے والے کی اطلاع اور شہادت پر رؤیتِ ہلال کو مان لیا اور روزہ رکھنے یا عید کرنے کا حکم دے دیا، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے:

❸ ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم، رقم: ١٩٠٧

[2] صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم ..... رقم: ١٩٠٩

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رمضان کے لحاظ سے شعبان کے چاند کو خوب اچھی طرح گنو۔''[۱]

❹ ترجمہ: ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ شعبان کے دن اور اس کی تاریخیں جتنے اہتمام سے یاد رکھتے تھے، اتنے اہتمام سے کسی دوسرے مہینے کی تاریخیں یاد نہیں رکھتے تھے، پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزے رکھتے تھے اور اگر (۲۹ شعبان کو) چاند دکھائی نہ دیتا تو ۳۰ کی شمار کو پورا کر کے پھر روزہ رکھتے تھے۔''[۲]

❺ ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک بدوی (دیہاتی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بتایا: ''میں نے آج چاند دیکھا ہے۔'' (یعنی رمضان کا چاند) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: ''کیا تم ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کی شہادت دیتے ہو؟''

اس نے عرض کیا: ''ہاں! میں شہادت دیتا ہوں۔'' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اور کیا تم محمد رسول اللہ کی شہادت دیتے ہو؟''

اس نے کہا: ''میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں'' اس تصدیق کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں میں اس کا اعلان کردو کہ کل سے روزے رکھیں۔''[۳]

---

[۱] جامع الترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی إحصاء هلال ... رقم ۶۸۷

[۲] سنن ابی داود، کتاب الصیام، باب اذا غمی الشهر: ۳۱۸/۱

[۳] جامع الترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی الصوم بالشهادة: ۱۴۸/۱

چاند کی شہادت

شرعی ضابطۂ شہادت

جب چاند کی رؤیت عام نہ ہو سکے، صرف دو چار آدمیوں نے دیکھا ہو تو یہ صورتِ حال اگر ایسی فضا میں ہو کہ مطلع بالکل صاف ہو، چاند دیکھنے سے کوئی بادل یا دھواں غبار وغیرہ مانع نہ ہو تو ایسی صورت میں صرف دو تین آدمیوں کی رؤیت اور شہادت شرعاً قابلِ اعتماد نہیں ہوگی، جب تک مسلمانوں کی بڑی جماعت اپنے دیکھنے کی شہادت نہ دے، چاند کی رؤیت تسلیم نہ کی جائے گی جو دیکھنے کی شہادت دے رہے ہیں، اس کو ان کا مغالطہ، جھوٹ قرار دیا جائے گا۔

ہاں اگر مطلع (موسم) صاف نہیں تھا غبار، دھواں، بادل وغیرہ افق پر ایسا تھا جو چاند دیکھنے میں مانع ہو سکتا ہے تو ایسی صورت میں رمضان کے لیے ایک ثقہ (سچا پکا مسلمان) کی اور عیدین وغیرہ کے لیے دو ثقہ (سچے پکے) مسلمانوں کی شہادت کا اعتبار کیا جائے گا۔[1]

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

> ”مطلع اگر صاف ہو تو فطر (عیدالفطر) میں مجمع کثیر کی شہادت کی ضرورت ہے اور اگر غبار، ابر ہو تو دو مرد ثقہ یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کی ضرورت ہے۔“[2]

جب ایک شہر میں شرعی شہادت سے رؤیتِ ہلال کا ثبوت ہو جائے تو دوسرے شہروں میں اسی طرح پورے ملک میں اس کے واجب العمل ہونے کے لیے تین

---

[1] جواهر الفقه، رویت ہلال کے شرعی احکام: ۳۹۹، ۴۰۰

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل رویت هلال: ۳۶۶/۶، کفایت المفتی، کتاب الصوم، باب اول: ۲۱۱/۴

صورتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ اگر ان صورتوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے تو ایسی شہادت کی بنیاد پر عید کا اعلان کرنا حکومت کے لیے یا کسی ذمہ دار کمیٹی کے لیے جائز نہیں۔ وہ صورتیں یہ ہیں:

❶ شہادت علی الرؤیۃ

شہادت علی الرؤیۃ یہ ہے کہ شہادت دینے والے، عالم یا جماعتِ علما کے سامنے بذاتِ خود پیش ہوں اور یہ ایسے علما ہوں کہ جن کی احکامِ شرعیہ، فقہیہ اور اسلام کے ضابطۂ شہادت میں مہارت پر پورے ملک میں اعتماد کیا جاتا ہو اور یہ عالم یا علما کی کمیٹی متفقہ طور پر اس شہادت کو قبول کرنے کا فیصلہ کرے۔

❷ شہادت علی الشہادۃ

شہادت علی الشہادۃ یہ ہے کہ اگر یہ گواہ خود حاضر نہیں ہوئے یا نہیں ہو سکے تو ہر ایک کی گواہی پر دو گواہ ہوں اور وہ گواہ عالم یا علما کے سامنے یہ شہادت دیں کہ ہمارے سامنے فلاں شخص نے بیان کیا ہے کہ میں نے فلاں رات میں فلاں جگہ اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا ہے۔

❸ شہادت علی القضاء

شہادت علی القضاء یہ ہے کہ جس مقام پر چاند دیکھا گیا، اگر وہاں حکومت کی طرف سے کوئی ذیلی کمیٹی قائم ہے اور اس میں کچھ ایسے علما موجود ہیں جن کے فتویٰ پر علما اور عوام اعتماد کرتے ہیں اور چاند دیکھنے والے ان کے پاس پہنچ کر اپنی عینی شہادت پیش کریں اور وہ علما ان کی شہادت قبول کریں تو ان علما کا فیصلہ اس حلقے کے لیے تو کافی ہے جس میں شہادت پیش ہوئی ہے، مگر پورے ملک میں اس کے اعلان کے لیے ضروری ہے کہ حکومت کی نامزد کردہ مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے سامنے ان

علما کا فیصلہ بشرائط ذیل پیش ہو۔

یہ سب علما[1] یا ان کا امیر یہ تحریر کریں کہ فلاں وقت ہمارے سامنے دو یا زائد شاہدوں نے اپنی آنکھوں سے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور ہمارے نزدیک یہ گواہ ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں اس لیے ان کی شہادت پر چاند ہونے کا فیصلہ دے دیا۔ یہ تحریر دو گواہوں کے سامنے لکھ کر سر بمہر کی جائے اور گواہ یہ تحریر لے کر مرکزی کمیٹی کے علما کے سامنے اپنی شہادت کے ساتھ پیش کریں کہ فلاں علما نے یہ تحریر ہمارے سامنے لکھی ہے۔

مرکزی کمیٹی کے نزدیک اگر ان علما کا فیصلہ شرعی قواعد کے مطابق ہے تو اب یہ کمیٹی پورے ملک میں مرکزی حکومت کے دیے ہوئے اختیارات کے ماتحت اعلان کر سکتی ہے اور یہ اعلان سب مسلمانوں کے لیے واجب القبول ہوگا، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ یہ اعلان عام خبروں کی طرح نہ کیا جائے، بل کہ مرکزی ہلال کمیٹی کے سرکردہ کوئی عالم خود ریڈیو پر اس امر کا اعلان کریں کہ ہمارے پاس شہادت علی الرؤیۃ شہادت علی شہادۃ یا شہادت علی القضاء کی تین صورتوں میں سے فلاں صورت پیش ہوئی ہے۔ ہم نے تحقیقات ہونے کے بعد اس پر چاند ہونے کا فیصلہ کیا اور مرکزی حکومت کے دیے ہوئے اختیارات کی بنا پر ہم یہ اعلان پورے پاکستان کے لیے کر رہے ہیں۔

یہ چند اصولی باتیں ہیں جن کا رویتِ ہلال اور اس کے معاملے میں پیشِ نظر رہنا ضروری ہے۔

اس ضابطۂ شہادت میں عملی اور انتظامی طور پر اگر کوئی مشکل پیش آسکتی ہے تو وہ صرف آخری صورت یعنی شہادت علی القضاء میں ہے کہ اس میں ایک شہر کی ذیلی کمیٹی

---

[1] یہ صورت درحقیقت کتاب القاضی الی القاضی کی ہے چوں کہ شہادت علی القضا کی بہ نسبت یہ صورت زیادہ سہل ہے اور زیادہ قابلِ اعتماد ہے اس لیے اسے اختیار کیا گیا۔ ۱۲ رشید احمد

کے فیصلے کو مرکزی کمیٹی تک پہنچانے کے لیے دو گواہوں کا وہاں جانا ضروری ہے، جو اگرچہ ہوائی جہاز کے دور میں کچھ مشکل نہیں، تاہم ایک مشقت سے خالی نہیں۔

مذاہبِ اربعہ اور جمہور علما کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے علما اس نتیجہ پر پہنچے کہ اصولی طور پر تو ذیلی ہلال کمیٹی کا فیصلہ مرکزی ہلال کمیٹی کے لیے اسی وقت قابلِ تنفیذ ہوسکتا ہے، جب کہ وہ فیصلہ دوسرے قاضی کے پاس شرعی شہادت کے ساتھ دو گواہ لے کر پہنچیں، صرف ٹیلیفون وغیرہ پر اس کی خبر دے دینا کافی نہیں، جمہور فقہائے حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ کا اصل مذہب یہی ہے، "ھدایة، کتاب الام، مغنی لابن قدامة" وغیرہ میں اس کی تصریحات درج ہیں، اس لیے بہتر تو یہی ہے کہ حکومت اس اصول کے مطابق کوئی انتظام کرے۔

حکومت کو چاہیے کہ ہر بڑے شہر میں ذیلی کمیٹیاں قائم کرے۔ان میں سے ہر ایک میں کچھ مستند علما کو ضرور لیا جائے، جو شرعی ضابطہ شہادت کا تجربہ رکھتے ہیں اور ہر ذیلی کمیٹی کا کام صرف شہادت مہیا کرنا نہ ہو، بل کہ اس کو فیصلہ کرنے کا اختیار[1] دیا جائے یہ ذیلی کمیٹی اگر باقاعدہ شہادتیں لے کر کوئی فیصلہ کر دیتی ہے تو فیصلہ شہادت کی بنیاد پر ہو چکا، اب صرف اعلان کا کام باقی ہے، اس کے لیے شہادت ضروری نہیں بل کہ ذیلی کمیٹی کا کوئی ذمہ دار آدمی مرکزی کمیٹی کو ٹیلی فون پر محتاط طور پر جس میں کسی مداخلت کا خطرہ نہ رہے، ذیلی کمیٹی کے اس فیصلہ کی اطلاع دے دے اور مرکزی کمیٹی اس صورت میں اس کو اپنا فیصلہ کہہ کر نہیں، بل کہ ذیلی کمیٹی کا فیصلہ بتلا کر اس طرح نشر کرے کہ مرکزی کمیٹی کے سامنے اگرچہ کوئی شہادت نہیں آئی، بل کہ فلاں ذیلی کمیٹی نے جس میں فلاں فلاں علما شریک ہیں، شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہے، ہم اس فیصلہ پر اعتماد کر کے اعلان کر رہے ہیں، اس صورت میں مرکزی کمیٹی کا یہ اعلان ٹیلی

---

[1] یعنی اسے پورے ملک کے لیے فیصلے کا اختیار دیا جائے۔۱۲ رشید احمد عفا اللہ عنہ

فون سے آئی ہوئی اطلاع پر درست ہوسکتا ہے۔[1]

نصابِ شہادت

ہلالِ عید کے لیے باقاعدہ شہادت کی ضرورت ہے، یعنی دو مرد یا ایک مرد، دو عورتیں جو (مسلمان اور بظاہر پابند شریعت ہوں) قاضی یا مفتی کے سامنے چاند دیکھنے کی شہادت دیں تو قاضی یا مفتی ان کی شہادت قبول کرلیں تو اس سے بھی چاند ثابت ہوجاتا ہے۔[2]

فساق کی شہادت

کھلے فساق وفجار کی شہادت قابلِ اعتبار نہیں، ایسے کھلے فجار وفساق کی کبھی نہ سننی چاہیے۔[3]

ٹیلی فون کے ذریعے اطلاع

ٹیلی فون کی خبر پر رؤیت کے ثبوت کا حکم دینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ ٹیلی فون پر بات کرنا شہادتِ شرعیہ کی حدود میں داخل نہیں، اگرچہ آواز پہچانی جائے، تاہم اشتباہ سے خالی نہیں، قانونِ شہادت کی رو سے ٹیلی فون پر شہادت مقبول نہیں ہوسکتی، پس قانونِ شریعت میں بھی حکم کے لیے ٹیلی فون پر شہادت مقبول نہیں۔[4]

ریڈیو کی خبر واطلاع

ریڈیو کی خبر ایک اعلان کی حیثیت رکھتی ہے، اگر یہ اعلان رؤیتِ ہلال کی

---

[1] جواهر الفقه، رؤیت ہلال کے شرعی احکام: ص ٤٠٠ تا ٤٠٣، امداد الاحکام، کتاب الصوم، فصل فی رؤیة الهلال: ١١٥/٢ تا ١١٧

[2] فتاویٰ رحیمیه، کتاب الصوم، فصل فی رؤیة الهلال: ١٨٢/٥

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل رؤیت هلال: ٣٥٢/٦

[4] کفایت المفتی، کتاب الصوم، باب رؤیة الهلال: ٢١٥/٤، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل رؤیت هلال: ٣٨٢/٦

باضابطہ کمیٹی کے جانب سے ہو جو چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند کا فیصلہ کرتی ہے یا کسی ایسے شخص کی جانب سے ہو جس کو وہاں کے مسلمان نے قاضی یا امیرِ شرعی کی حیثیت سے مان رکھا ہے اور وہ باضابطہ شہادت لے کر فیصلہ کیا کرتا ہے اور اعلان کرنے والا خود قاضی یا امیر شریعت یا رؤیت ہلال کمیٹی کا صدر ہو تو مقامی کمیٹی یا قاضی یا امیر کے لیے جائز ہوگا کہ وہ اس پر اعتماد کر کے رؤیت ہلال کا فیصلہ کر دے۔[1]

روزے کی نیت

نیت دل کے قصد و ارادہ کو کہتے ہیں، زبان سے کچھ کہے یا نہ کہے، روزے کے لیے نیت شرط ہے، اگر روزے کا ارادہ نہ کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ نہ ہوگا۔[2]

فرض روزے کی نیت

رمضان کے روزے کی نیت اگر رات سے کر لے تو بھی فرض ادا ہو جاتا ہے اور اگر رات کو روزہ رکھنے کا ارادہ نہ تھا، بل کہ صبح ہوگئی، تب بھی یہی خیال رہا کہ میں آج کا روزہ نہ رکھوں گا، پھر دن چڑھے خیال آ گیا کہ فرض چھوڑ دینا بری بات ہے، اس لیے اب روزے کی نیت کر لی، تب بھی روزہ ہوگیا، یعنی اگر کچھ کھایا پیا نہ ہو تو دن کو ٹھیک دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے پہلے رمضان کے روزے کی نیت کر لینا درست ہے۔[3]

قضا روزے کی نیت

قضا روزے میں رات سے نیت کرنا ضروری ہے، اگر صبح ہو جانے کے بعد نیت

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ: ۱۸۶/۵

[2] جواھر الفقه، احکام رمضان: ۳۷۸/۱

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم، باب اول: ۳۴۴/۶

کی تو قضا صحیح نہیں ہوئی بل کہ وہ روزہ نفل ہوگیا، قضا روزہ پھر سے رکھے۔[1]

نذر کے روزے کی نیت

نذر دو طرح کی ہے: ایک تو یہ کہ دن تاریخ مقرر کر کے نذر مانی جائے، مثلاً: یہ کہے کہ یا اللہ! اگر آج فلاں کام ہو جائے تو کل ہی تیرا روزہ رکھوں گا، یا یوں کہے کہ یا اللہ! میری فلاں مراد پوری ہو جائے تو پرسوں جمعہ کے دن روزہ رکھوں گا تو ایسا روزہ (یعنی نذرِ معین میں) اگر رات سے نیت کرے تو بھی درست ہے اور اگر رات سے نیت نہ کی تو دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے پہلے نیت کرے۔ یہ بھی درست ہے، نذر ادا ہو جائے گی۔

دوسری نذر یہ ہے کہ دن تاریخ مقرر کر کے نذر نہیں مانی تو ایسی نذر (یعنی نذر مطلق) میں رات سے نیت کرنا شرط ہے، اگر صبح ہو جانے کے بعد نیت کی تو نذر کا روزہ نہیں ہوگا، بل کہ وہ روزہ نفل ہوگا۔[2]

نفلی روزے کی نیت

نفلی روزے کی نیت یہ مقرر کر کے کرے کہ میں نفل روزہ رکھتا ہوں تو یہ بھی صحیح ہے اور اگر فقط اتنی نیت کرے کہ میں روزہ رکھتا ہوں، تب بھی درست ہے، نفل روزے کی نیت رات سے کرنا بہتر ہے، اگر دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے تک نفل کی نیت کر لی تو تب بھی درست ہے۔[3]

اگر مسلسل روزے رکھنا واجب ہو تو سب کے لیے ایک مرتبہ نیت کر لینا کافی ہے جیسے ماہ رمضان کے روزے یا کفارۂ صوم یا کفارۂ ظہار کے روزے، یعنی جب

---

[1] بہشتی زیور، مدلل، حصہ سوم، روزے کا بیان، قضا روزے کا بیان: ص ۲۲۳

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل صوم: ۳٤٦/٦ تا ۳٤٧

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم: ۳٤٦/٦

تک یہ سلسلہ نہ ٹوٹے گا، وہی نیت جاری رہے گی اور اگر کوئی مرض یا سفر پیش آ جانے کی وجہ سے وہ تسلسل ٹوٹ گیا تو اب ہر روزے کے لیے رات کو نیت کرنا ضروری ہے، البتہ اگر سفر ختم ہو جائے یا مرض جاتا رہے تو باقی روزوں کے لیے ایک ہی بار نیت کافی ہوگی۔

رمضان کے مہینے میں مریض کے روزے کی نیت کا حکم مذہب مختار کے مطابق تن درست اور صحیح و مقیم کی نیت کے حکم کی مانند ہے، یعنی اگر کوئی مریض آدمی رمضان کے مہینے میں کسی دوسرے روزے کی نیت کرے تو اس کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا اور رمضان کا روزہ ہی تمام حالتوں میں سمجھا جائے گا۔[1]

اگر عیدین یا ایامِ تشریق یعنی ذی الحجہ کی گیارہ، بارہ، تیرہ تاریخ میں کوئی شخص روزے کی نیت کرے تو اس روزے کا پورا کرنا اس پر ضروری نہ ہوگا اور فاسد ہونے کی صورت میں اس کی قضا بھی لازم نہ ہوگی، بل کہ اس کا فاسد کر لینا واجب ہے، اس لیے کہ ان ایام میں روزہ رکھنا مکروہِ تحریمی ہے۔[2]

اگر روزے دار نے زوال سے پہلے تک نیت نہ کی تو اس کا روزہ صحیح نہیں ہوا، لیکن کھانا پینا رمضان کے احترام کی وجہ سے جائز نہیں اور اگر کھا لیا تو صرف قضا لازم آئے گی۔[3]

سونے سے پہلے روزے کی نیت کی اور صبح صادق کے بعد آنکھ کھلی تو روزہ شروع ہو گیا، اب اس کو توڑنے کا اختیار نہیں، اگر رمضان کا روزہ توڑ دے گا تو اس پر قضا و کفارہ دونوں لازم آئیں گے۔[4]

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم، باب اول: ۳۴۵/۶

[2] مسائل روزہ، تیسرا باب، مسائل نیت: ص ۵۰

[3] امداد الفتاوی، کتاب الصوم: ۱۷۳/۱

[4] آپ کے مسائل اور ان کا حل، کتاب الصوم: ۲۶۷/۳

رات کو روزے کی نیت کرنے کے بعد صبح صادق ہونے سے پہلے پہلے کھانا پینا اور قربت کرنا جائز ہے، صبح صادق ہونے سے پہلے کھانے پینے اور صحبت کرنے سے روزے کی نیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور ثواب میں بھی کمی نہیں ہوگی۔[1]

سحری

لغت میں سحری اس کھانے کو کہتے ہیں جو صبح صادق کے قریب کھایا جائے۔ سحری کھانا مسنون ہے، حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سحری کھایا کرو، کیوں کہ سحری میں برکت ہے۔''[2]

ایک اور حدیث میں ہے:

''حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور اہلِ کتاب کے روزوں کے درمیان فرق کرنے والی چیز سحری کھانا ہے۔''[3]

سحری کا مسنون وقت

روزہ دار کو آخر رات میں صبح صادق سے پہلے پہلے سحری کھانا مسنون اور باعثِ برکت وثواب ہے۔ نصف رات کے بعد جس وقت بھی کھائیں، سحری کی سنت ادا ہو جائے گی، لیکن بالکل آخر رات میں کھانا افضل ہے، اگر مؤذن نے صبح صادق سے پہلے اذان دے دی تو سحری کھانے کی ممانعت نہیں، جب تک صبح صادق نہ ہو جائے، سحری سے فارغ ہو کر روزے کی نیت دل میں کر لینا کافی ہے اور زبان

---

[1] روزے کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا، حرف نون: ص ۱۵۳

[2] صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب برکۃ فی السحور، ۲۵۷/۱

[3] مشکاۃ، کتاب الصوم، الباب الثالث: ۱۷۵/۱

سے یہ الفاظ کہہ لے تو اچھا ہے:

"بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ"[1]

سحری میں تاخیر کرنا مستحب ہے، سحری کھانے میں تاخیر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک صبح صادق کی یقین نہ ہو، اس وقت تک کھاتے پیتے رہنا چاہیے اور جب صبح صادق نمودار ہو جائے تو پھر کھانا پینا بند کرنا چاہیے۔[2]

سحری کے لیے ڈھول نقارہ بجانا

جس طرح نکاح اور اعلان جنگ کے لیے دف کا بجانا حدیثوں میں ثابت ہے اسی طرح چاند نظر آنے اور سحری و افطار کے وقت ضرورتاً بطورِ اعلان بجانا جائز ہے فقہا نے جائز لکھا ہے کہ افطار و سحور کے وقت بجانے میں کچھ حرج نہیں، مگر طبل وغیرہ داخل مسجد نہ ہو۔[3]

بغیر سحری کا روزہ

سحری کھانا روزے کے لیے مستحب ہے، پس بغیر سحری کے بھی روزہ ہو جاتا ہے۔[4]

جنابت میں سحری

حالت جنابت میں سحری کھانا خلافِ اولیٰ ہے، مگر اس سے روزے میں کچھ خلل نہیں آتا۔[5]

---

[1] جواهر الفقه، احكام رمضان المبارك: ۳۸۱/۱

[2] بہشتی زیور، حصہ سوم: ص ۲۳۰

[3] كفايت المفتى، كتاب الصوم، باب چهارم: ۲۴۸/۴

[4] فتاوى دار العلوم ديوبند، كتاب الصوم، مسائل متفرقات: ۴۹۶/۶

[5] كفايت المفتى، كتاب الصوم، باب چهارم سحرى ۲۴۹/۴

وقت ختم ہونے پر سحری کھانا

اگر اتنی دیر ہوگئی کہ صبح صادق ہو جانے کا شبہ پڑ گیا تو اب کچھ کھانا مکروہ ہے اور اگر ایسے وقت کچھ کھالیا یا پانی پی لیا تو برا کیا اور گناہ ہوا، پھر اگر معلوم ہوگیا کہ صبح ہوگئی تھی تو اس روزے کی قضا رکھے اور اگر کچھ معلوم نہ ہو شبہ ہی شبہ رہ جائے تو قضا رکھنا واجب نہیں ہے، لیکن احتیاطاً اس کی قضا رکھنا بہتر ہے۔[1]

سحری کے بعد بیوی سے صحبت

رمضان میں سحری کھانے کے بعد اگر صبح صادق ہونے میں دیر ہو تو اپنی زوجہ سے جماع کرنا درست ہے، صبح صادق سے پہلے پہلے جماع سے فراغت ہو جانی چاہیے، غسل چاہے صبح ہونے کے بعد ہو روزے میں کوئی خلل ونقصان نہیں آئے گا۔[2]

سحری کا اختتام سائرن پر ہوتا ہے یا اذان پر

سحری ختم ہونے کا وقت متعین ہے، سائرن، اذان اور اس کے لیے ایک علامت ہے، اگر سائرن وقت پر بجا ہے تو وقت ختم ہوگیا، اس وقت کچھ کھانا، پینا درست نہیں ہے۔[3]

سحری کے بعد کلی کرنا

سحری کے بعد خلال کر کے کلی کر لینی چاہیے، اگر ممکن ہو تو مسواک بھی کر لینا چاہیے، تاکہ منہ اور دانت صاف ہو جائیں، اگر دانتوں میں اٹکا ہوا کھانا چنے کی

---

[1] بہشتی زیور مدلل، حصہ سوم، سحری کا بیان: ص ۲۳۱

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل متفرقات: ۴۹۷/۶

[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل، سحری کا بیان: ۲۶۸/۳

مقدار یا اس سے زیادہ حلق میں گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر چنے کی مقدار سے کم ہو تو نہیں ٹوٹے گا۔[1]

روزہ نہ رکھنے کی جائز وجوہات

واضح ہو کہ رمضان المبارک کے روزے ہر عاقل، بالغ، مسلمان پر فرض ہیں، بغیر کسی شرعی عذر کے روزہ نہ رکھنا شرعاً حرام ہے۔

ذیل میں چند وجوہات بیان کیے جاتے ہیں کہ جن کی بنا پر روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

❶ بیماری

اگر بیماری ایسی ہو کہ اس کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا یا روزہ رکھنے سے بیماری بڑھ جانے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، مگر جب تندرست ہو جائے تو بعد میں ان روزوں کی قضا فرض ہے۔[2]

❷ شیخ فانی (ضعیف العمر)

جو شخص اتنا ضعیف العمر ہو کہ روزے کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ روزے کا فدیہ دے دیا کرے، یعنی صبح شام ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کرے۔[3]

❸ مسافر

اگر کوئی شخص سفر میں ہو اور روزہ رکھنے میں مشقت لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ بھی روزہ قضا کر سکتا ہے اور اگر سفر میں کوئی مشقت نہیں تو روزہ رکھ لینا بہتر ہے۔

---

[1] احسن الفتاوی: ۴/ ۴۴۳

[2] فتاوی دار العلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل عوارض ۶/ ۴۶۳

[3] فتاوی دار العلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل عوارض ۶/ ۴۶۸

اگر چہ روزہ نہ رکھنے اور بعد میں قضا کرنے کی بھی اس کو اجازت ہے۔[1]

❷ عورتوں کے اعذار

عورتوں کو حیض اور نفاس کی حالت میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے، مگر رمضان کے بعد تمام روزوں کی قضا ان پر لازم ہیں۔ اسی طرح وہ عورت جو اپنے یا کسی غیر کے بچے کو دودھ پلاتی ہے، اگر روزے سے بچے کو دودھ نہیں ملتا، تکلیف پہنچتی ہے تو روزہ نہ رکھے، بعد میں قضا کرے۔ اسی طرح حاملہ عورت کو اگر روزے میں بچے کو یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو وہ بھی روزہ نہ رکھے، بعد میں قضا کرے۔[2]

روزہ توڑنا کب جائز ہے؟

❶ اچانک ایسا بیمار پڑ جائے کہ اگر روزہ نہ توڑے گا تو جان خطرے میں ہو جائے گی یا بیماری بڑھ جائے گی تو اس صورت میں روزہ توڑ دینا بہتر ہے جیسے اچانک پیٹ میں درد ہوگیا کہ بے تاب ہو جائے یا سانپ نے کاٹ لیا تو ایسی صورت میں دوا پی لینا اور روزہ توڑ دینا درست ہے۔ اسی طرح اگر ایسی پیاس لگی کہ ہلاکت کا ڈر ہے تو بھی روزہ توڑ ڈالنا درست ہے۔[3]

❷ حاملہ عورت کو کوئی ایسی بات پیش آ گئی کہ اس سے اپنی جان یا بچے کی جان کا ڈر ہے تو روزہ توڑ نا نہ صرف جائز ہے بل کہ بہتر ہے۔[4]

❸ اگر کسی خاتون کو کھانا پکانے کی وجہ سے بے حد پیاس لگ گئی اور اتنی بے تابی ہوگئی کہ اب جان کا خوف ہے تو روزہ کھول ڈالنا درست ہے، لیکن اگر خود اس

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل عوارض: ۴۷۲/۶

[2] جواهر الفقه، احكام رمضان المبارك: ۳۸۰/۱

[3] بہشتی زیور، حصہ سوم: ص ۲۳۳

[4] بہشتی زیور مدلل، حصہ سوم: ص ۲۳۳

نے قصداً اتنا کام کیا جس کی وجہ سے ایسی حالت ہوگئی تو وہ گناہ گار ہوگی۔[1]

۲ روزے میں کام کی وجہ سے حالت مخدوش ہو جائے تو روزہ توڑ دے اس صورت میں بعد میں قضا لازم ہے، کفارہ لازم نہیں۔[2]

امتحان کے عذر کی وجہ سے روزہ چھوڑنا جائز نہیں۔[3]

کام کی وجہ سے روزے چھوڑنا شرعاً جائز نہیں، البتہ مالکوں کو حکم دیا گیا ہے کہ رمضان المبارک میں مزدوروں اور کارکنوں کا کام ہلکا کردیں۔[4]

وہ چیزیں جن سے روزہ مکروہ ہوجاتا ہے

۱ بلاضرورت کسی چیز کو چبانا، یا نمک وغیرہ چکھ کر تھوک دینا۔

۲ ٹوتھ پیسٹ، منجن یا کوئلہ سے دانت صاف کرنا بھی روزے میں مکروہ ہے۔

۳ تمام دن حالت جنابت میں بغیر غسل کیے رہنا۔

۴ فصد کرانا، مریض کے لیے اپنا خون دینا جو آج کل ڈاکٹروں میں رائج ہے، یہ بھی اس میں داخل ہے۔

۵ غیبت کرنا، یعنی کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا، یہ ہر حال میں حرام ہے، روزے میں اس کا گناہ اور بڑھ جاتا ہے۔

۶ روزے میں لڑنا جھگڑنا، گالی دینا خواہ انسان کو ہو یا کسی بے جان چیز کو یا جان

---

[1] بهشتی زیور مدلل، حصه سوم: ص ۲۳۳

[2] آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳/ ۲۷٤

[3] آپ کے مسائل اوران کا حل، روزے کے مسائل: ۳/ ۲۷۵

[4] آپ کے مسائل اور ان کا حل، روزے کے مسائل: ۳/ ۲۷٤، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل عوارض: ٦/ ٤٦٦

دار کو، ان سے بھی روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

۷ بیوی کا بوسہ لینا اور دوسری محرکاتِ جماع مثلاً چمٹنا، لپٹنا، ہاتھ پھیرنا اور بار بار دیکھنا جب کہ ان اشیا سے شہوت کی تحریک ہو مکروہ ہے اگر ایسا نہیں تو مکروہ نہیں ہے۔[1]

وہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

۱ مسواک کرنا۔

۲ سر یا مونچھوں پر تیل لگانا۔

۳ آنکھوں میں دوا یا سرمہ ڈالنا۔

۴ خوش بو سونگھنا۔

۵ گرمی اور پیاس کی وجہ سے غسل کرنا۔

۶ کسی قسم کا انجکشن یا ٹیکہ لگوانا۔

۷ بھول کر کھانا پینا۔

۸ حلق میں بلا اختیار دھواں یا گرد وغبار یا مکھی وغیرہ کا چلا جانا۔

۹ کان میں پانی ڈالنا یا بلا قصد چلا جانا۔

۱۰ خود بخود قے آجانا۔

۱۱ سوئے ہوئے احتلام ہو جانا۔

۱۲ دانتوں سے خون نکلے، مگر حلق میں نہ جائے تو روزے میں خلل نہیں آتا۔

۱۳ اگر خواب میں صحبت سے غسل کی ضرورت ہوگئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہ کیا اور ایسی حالت میں روزے کی نیت کر لی تو روزے میں خلل نہیں آیا۔[2]

---

[1] جواهر الفقه، احكام رمضان المبارك: ۳۷۹/۱، مسائل روزه، باب (۱۸): ص ۱۷۹ تا ۱۸۲

[2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، مسائل غیر مفسد صوم: ۴۰۸/۶

وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

❶ کان اور ناک میں دوا ڈالنا۔
❷ قصداً منہ بھر کے قے کرنا۔
❸ کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا۔
❹ عورت کو چھونے وغیرہ سے انزال ہو جانا۔
❺ کوئی ایسی چیز نگل جانا جو عادتاً کھائی نہیں جاتی ہے، جیسے لکڑی، لوہا، کچا گیہوں کا دانہ وغیرہ۔
❻ لوبان یا عود وغیرہ کا دھواں قصداً ناک یا حلق میں پہنچانا۔
❼ بیڑی، سگریٹ، حقہ پینا۔
❽ بھول کر کھا پی لیا اور یہ خیال کیا کہ روزہ ٹوٹ گیا، پھر قصداً کھا پی لیا۔
❾ رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھالی۔
❿ غلطی سے غروبِ آفتاب سے پہلے افطار کرنا۔
⓫ جان بوجھ کر بیوی سے صحبت کرنا یا کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔
⓬ ہاتھ سے منی نکالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔[1]

روزے کے آداب و درجات

روزے کے درجات

حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہ فرماتے ہیں: کہ روزے کے تین درجے ہیں، ① عام ② خاص ③ خاص الخاص۔

عام: روزہ تو یہی ہے کہ پیٹ اور شرم گاہ کے تقاضوں سے پرہیز کرے، جس

[1] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل مفسد صوم: ٦/٤١٥ تا ٤١٧

کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

خاص: روزہ یہ ہے کہ کان، آنکھ، زبان، ہاتھ، پاؤں اور دیگر اعضا کو گناہوں سے بچائے، یہ صالحین کا روزہ ہے اور اس میں چھ باتوں کا اہتمام لازم ہے۔

اول ـــــ آنکھ کی حفاظت: کہ آنکھ کو ہر مذموم ومکروہ اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرنے والی چیز سے بچائے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہر میں بجھا ہوا تیر ہے، پس جس نے اللہ تعالیٰ کے خوف سے نظرِ بد کو ترک کر دیا، اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ایمان نصیب فرمائیں گے کہ اس کی حلاوت (شیرینی) اپنے دل میں محسوس کرے گا۔'' [1]

دوم ـــــ زبان کی حفاظت: بے ہودہ گوئی، جھوٹ، غیبت، چغلی، جھوٹی قسم اور لڑائی جھگڑے سے اسے محفوظ رکھے، اسے خاموشی کا پابند بنائے اور ذکر و تلاوت میں مشغول رکھے، یہ زبان کا روزہ ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: ''غیبت اور جھوٹ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔''

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''روزہ ڈھال ہے پس جب تم میں کسی کا روزہ ہو تو نہ کوئی بے ہودہ بات کرے، نہ جہالت کا کوئی کام کرے اور اگر اس سے کوئی شخص لڑے جھگڑے یا اسے گالی دے تو کہہ دے کہ میرا روزہ ہے۔'' [2]

سوم ـــــ کان کی حفاظت: حرام اور مکروہ چیزوں کے سننے سے پرہیز رکھے، کیوں کہ جو بات زبان سے کہنا حرام ہے اس کا سننا بھی حرام ہے۔

---

[1] المستدرك على الصحيحين، الرقاق: ٤/٤٥٦، الرقم: ٧٩٥٦

[2] صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب هل يقول: إني صائم ...... رقم: ١٩٠٤

چہارم ـــــ باقی اعضا کی حفاظت: ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا کو حرام اور مکروہ کاموں سے محفوظ رکھے اور افطار کے وقت پیٹ میں کوئی مشتبہ چیز نہ ڈالے، کیوں کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں کہ دن بھر تو حلال سے روزہ رکھا اور شام کو حرام چیز سے روزہ کھولا۔

پنجم ـــــ: افطار کے وقت حلال کھانا بھی اس قدر نہ کھائے کہ ناک تک آجائے۔ کیوں کہ پیٹ سے بدتر کوئی برتن نہیں، جس کو آدمی بھرے اور جب شام کو دن بھر کی ساری کسر پوری کر لی تو روزہ سے شیطان کو مغلوب کرنے اور نفس کی شہوانی قوت توڑنے کا مقصد کیسے حاصل ہوگا؟

ششم ـــــ: افطار کے وقت اس کی حالت خوف ورجا (امید) کے درمیان مضطرب رہے کہ نہ معلوم اس کا روزہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوا یا نہیں؟ پہلی صورت میں یہ شخص مقرب بارگاہ بن گیا اور دوسری صورت میں مطرود ومردود ہوا، یہی کیفیت ہر عبادت کے بعد ہونی چاہیے۔

خاص الخاص: روزہ یہ ہے کہ دنیوی افکار سے قلب کا روزہ ہو اور ماسوا اللہ سے اس کو بالکل ہی روک دیا جائے، البتہ جو دنیا دین کے لیے مقصود ہو، وہ تو دنیا ہی نہیں، بل کہ توشۂ آخرت ہے۔ بہر حال ذکر الٰہی اور فکر آخرت کو چھوڑ کر دیگر امور میں قلب کے مشغول ہونے سے یہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

ارباب قلوب کا قول ہے: ''دن کے وقت کاروبار کی اس واسطے فکر کرنا کہ شام کو افطاری مہیا ہو جائے، یہ بھی ایک درجے کی خطا ہے، گویا اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے رزقِ موعود پر اس شخص کو وثوق اور اعتماد نہیں۔ یہ انبیاء، صدیقین اور مقربین کا روزہ ہے۔[1]

---

[1] إحياء علوم الدين، كتاب اسرار الصوم، الفصل الثاني في اسرار الصوم ۱/۳۲۹

افطار کا بیان

افطار کا وقت

آفتاب کے غروب ہونے کا یقین ہو جانے کے بعد افطار کا صحیح وقت ہو جاتا ہے، اس کے بعد افطار میں دیر کرنا مکروہ اور خلافِ سنت ہے، البتہ بادل وغیرہ کی وجہ سے اشتباہ ہو تو دو چار منٹ انتظار کر لینا بہتر ہے۔[1]

افطار کی دعا

افطار کے وقت یہ دعا پڑھنا مستحب ہے:

"اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ."[2]

تَرجَمہ: "اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق سے افطار کیا۔"

افطار میں جلدی

جب سورج غروب ہونا یقینی طور پر معلوم ہو جائے تو بلا تاخیر افطار کر لینا چاہیے اور یہ سنت ہے اور خیر و برکت کا باعث ہے، محض شبہ اور وہم کی بنا پر افطار میں دیر کرنا درست نہیں۔

حدیث میں آتا ہے:

تَرجَمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے بندوں میں مجھے وہ بندہ زیادہ محبوب ہے جو روزے کے افطار میں جلدی کرے

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مسائل متفرقات: ٥١١/٦

[2] سنن ابی داؤد، الصیام، باب القول عند الافطار، رقم: ٢٣٥٨

(یعنی غروب آفتاب کے بعد بالکل دیر نہ کرے)۔'' [1]

ایک اور حدیث میں ہے:

ترجمہ: ''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تک میری امت کے لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے وہ اچھے حال میں رہیں گے۔'' [2]

افطار و سحری میں مقامی وقت کا اعتبار ہوگا

روزہ دار کی سحری و افطار میں اسی جگہ کے وقت کا اعتبار ہوگا، جہاں وہ ہے پس جو شخص عرب ممالک سے روزہ رکھ کر کراچی آئے، اس کو کراچی کے وقت کے مطابق افطار کرنا ہوگا اور جو شخص پاکستان سے روزہ رکھ کر مثلاً: سعودی عرب گیا ہو، اس کو وہاں کے غروب کے بعد روزہ افطار کرنا ہوگا، اس کے لیے کراچی کے غروب کا اعتبار نہیں۔ [3]

افطار میں گھڑی اور جنتری کا استعمال

یہ امر تجربہ اور مشاہدہ پر موقوف ہے اور اس کے جاننے والے ہر وقت میں موجود رہتے ہیں اور صحیح گھڑی سے اور جنتری طلوع و غروب سے بھی اس میں مدد ملتی ہے، پس جو جنتری طلوع اور غروب کی صحیح ہو اور اس کا تجربہ ہو چکا ہو، صحیح گھڑی سے اس کے مطابق افطار اور مغرب کی نماز کا حکم کیا جائے گا اور اکثر زمانوں میں مشاہدہ اور علامات سے بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ [4]

---

[1] مشكاة المصابيح، كتاب الصوم، الباب الثالث: ١/١٧٥

[2] صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب تعجيل الافطار: ١/٢٦٣

[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل، روزے کے مسائل: ٣/٢٧٠

[4] فتاوىٰ دار العلوم، كتاب الصوم، مسائل متفرقات: ٦/٤٩٨

مغرب کی اذان ونماز اور افطار کا مدار غروبِ آفتاب پر ہے، نہ کہ گھڑی یا جنتری پر، گھڑی اور جنتری غروب کے تابع ہیں، یہ غلط بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا اگر آپ دیکھ لیں کہ آفتاب چھپ گیا یا دوسرے کے خبر دینے اور قرائن سے یقین ہوجائے کہ سورج غروب ہوگیا تو فوراً افطار کر لیجیے، اب احتیاط وغیرہ کے تصور (چکر) میں تاخیر کرنا درست نہیں ہے اور جب تک آپ کو خود اپنے مشاہدہ یا اعلان کی بنا پر یقین حاصل نہ ہو، بل کہ تردد ہو تو صرف جنتری یا گھڑی پر اعتماد کرکے نماز پڑھنا اور افطار کرنا درست نہیں ہے، لیکن اگر مطلع صاف نہ ہو، جس کی وجہ سے آفتاب کو غروب ہوتا ہوا نہ دیکھ سکیں تو پھر چند منٹ کی تاخیر کی جاسکتی ہے۔[1]

مسجد میں افطار وسحر کرنا

بہتر یہ ہے کہ ایسی صورت میں اعتکاف کی نیت کرے مسجد میں افطار کرنا یا سحری کھانا درست ہے،[2] لیکن جہاں تک ممکن ہو، مسجد کو ملوث (خراب) نہ کیا جائے۔

غروب سے قبل اذان پر افطار

اگر اذان کے صحیح وقت پر ہونے کا ظن غالب تھا تو صرف قضا واجب ہے کفارہ نہیں اور اگر شبہ تھا تو کفارہ بھی واجب ہے۔[3]

زکاۃ کے پیسے سے مسجد میں افطار کرانا

رمضان میں افطاری کے لیے زکاۃ کا دینا اس طرح جائز ہے کہ افطار کھانے والے مسکین ہوں اور تملیکاً (یعنی انہیں مالک بنا کر) ان کو افطار یا کھانا تقسیم کر دیا

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الصوم، باب ما یتعلق بالسحر والافطار: ۲۴۲/۷

[2] البحر الرائق، الصوم، باب الاعتکاف: ۵۳۰/۲

[3] احسن الفتاویٰ، کتاب الصوم: ۴۴۶/۴

جائے اور غنی مال دار ہوں گے تو جائز نہیں ہے۔[1]

افطاری کیا ہونی چاہیے

کھجور اور چھوہارے سے افطار کرنا افضل ہے۔[2]

تازہ کھجور سے افطار مستحب ہے، وہ نہ ہو تو خشک کھجور سے اور اگر وہ بھی نہ ہو تو پانی سے۔[3]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افطاری

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز سے پہلے چند تازہ کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر تازہ کھجور نہ ہوتی تھیں تو خشک کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو چند (یعنی تین) چلو پانی پی لیتے۔"[4]

فَائِدَۃ: کھجور یا پانی سے افطار کرنے میں بظاہر حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب معدہ خالی ہوتا ہے اور کھانے کی خواہش پوری طرح ہوتی ہے، اس صورت میں جو چیز کھائی جاتی ہے، اس کو معدہ اچھی طرح قبول وہضم کرتا ہے، لہٰذا ایسی حالت میں جب شیرینی معدہ میں پہنچتی ہے تو بدن کو بہت فائدہ پہنچاتا ہے، کیوں کہ شیرینی (مٹھاس) کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے جسم میں قوت جلد سرایت کرتی ہے، خصوصاً قوت باصرہ (نگاہ) کو شیرنی سے بہت فائدہ پہنچتا ہے اور چوں کہ عرب میں شیرینی اکثر کھجور ہی ہوتی تھی اور اہلِ عرب کے مزاج اس سے بہت زیادہ مانوس تھے، اس لیے کھجور سے افطار کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے اور کھجور نہ پانے کی صورت

[1] كفايت المفتى، كتاب الزكاة والصدقات، باب مصارف زكاة: ٢٧٤/٤

[2] فتاوىٰ دارالعلوم ديوبند، كتاب الصوم، مسائل متفرقات: ٤٩٤/٦

[3] احسن الفتاوى، كتاب الصوم: ٤٣٦/٤

[4] جامع الترمذى، ابواب الصوم، باب ماجاء يستحب عليه الافطار: ١٥٠/١

میں پانی سے افطار کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے، کیوں کہ یہ ظاہری اور باطنی طہارت وپاکیزگی کے لیے نیک فال ہے۔

افطاری کی وجہ سے جماعت میں تاخیر

افطاری کی وجہ سے مغرب کی نماز میں کچھ دیر کرنا جائز ہے، اس میں کچھ حرج نہیں ہے، اطمینان سے روزہ افطار کرکے اور پانی پی کر اور کچھ کھا کر جو موجود ہو نماز پڑھنی چاہیے۔[1]

مشترکہ افطاری کا ثواب کس کو ملے گا؟

مشترکہ افطاری سے سب کو ثواب ملے گا۔[2]

غیر مسلم کی چیز سے افطار کرنا

اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔[3]

غیر مسلم کی بھیجی ہوئی اشیا قبول کرنا اور ان چیزوں کو افطار کے وقت استعمال کرنا جائز ہے۔

غیر مسلم کے پانی سے روزہ کھولنا

روزہ دار کا ہندو یا کسی غیر مسلم سے پانی لے کر وقت پر روزہ افطار کرنا جائز اور حلال ہے۔[4]

نمک کی کنکری سے افطار کرنا

چھوہارے سے روزہ کھولنا بہتر ہے یا اور کوئی میٹھی چیز ہو اس سے افطار کر لے،

---

[1] مآخذہ فتاویٰ محمودیة، الصوم، فصل فی التسحر والافطار: ۲۱۲/۱۰

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل متفرقات: ٤٩٥/٦

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل متفرقات: ٤٩٤/٦

[4] کفایت المفتی، کتاب الصوم: ٢٤٧/٤

اگر وہ بھی نہ ہو تو پانی سے افطار کرلے، بعض حضرات نمک کی کنکری سے افطار کرتے ہیں اور اس میں ثواب سمجھتے ہیں، یہ غلط عقیدہ ہے۔[۱]

دوا سے روزہ افطار کرنا

مریض شخص دوا سے روزہ افطار کرسکتا ہے، اس میں کچھ حرج نہیں۔[۲]

حقہ سے افطار کرنا درست ہے، روزہ ہو جائے گا، اس لیے کہ روزہ صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک روزے کی نیت کے ساتھ کھانا پینا اور جماع کے چھوڑ دینے کا نام ہے۔[۳]

مؤذن پہلے افطار کرے یا اذان دے؟

مؤذن غروب آفتاب کے بعد افطار کرکے اذان دے، افطار کی وجہ سے جماعت میں پانچ سات منٹ تاخیر کی گنجائش ہے۔[۴]

افطار اور مغرب کی نماز کا وقت

افطار اور مغرب کی نماز کا وقت سورج غروب ہوتے ہی ہو جاتا ہے کچھ دیر کی ضرورت نہیں، اگرچہ جانب مغرب پہاڑ واقع ہو، کیوں کہ غروب کے یہ معنی نہیں کہ دنیا میں کہیں بھی سورج نظر نہ آئے، ایسا تو ممکن نہیں کہیں غروب ہوتا ہے اور کہیں طلوع۔

بل کہ غروب کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے افق سے غروب ہو جائے اور مشرق

---

[۱] بهشتي زيور مدلل، حصه سوم: ص ۲۳۱

[۲] فتاویٰ دارالعلوم ديوبند، كتاب الصوم، مسائل متفرقات: ۴۹۵/۶

[۳] فتاویٰ دارالعلوم ديوبند، كتاب الصوم، مسائل متفرقات: ۴۹۸/۶

[۴] فتاویٰ رحيمية، كتاب الصوم باب ما يتعلق بالسحر والافطار، افطار كے بعد اذان ۲۴۱/۷

میں تاریکی نمودار ہو جائے، ہاں اگر کوئی شخص پہاڑ پر کھڑا ہوا آفتاب دیکھ رہا ہے، اس کو افطار حلال نہیں، کیوں کہ اس کے افق سے آفتاب غائب نہیں ہوا ہے۔[1]

''شہروں میں آفتاب غروب ہونے کی علامت یہ ہے کہ مشرق کی جانب سیاہی بلند ہو جائے، یعنی جہاں سے صبح صادق شروع ہوتی ہے وہاں تک پہنچ جائے، آسمان کے بیچوں بیچ سیاہی کا پہنچنا شرط نہیں ہے۔''

قضا و کفارے کا بیان

وہ چیزیں جن سے صرف قضا لازم ہوتا ہے

روزے کو فاسد کرنے والی چیزیں دو قسم کی ہیں:

ایک وہ جن سے صرف قضا لازم ہوتی ہے۔

دوسرے وہ جن سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔ یعنی جن باتوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ان میں سے کچھ تو ایسی ہیں جن سے روزہ نہیں جاتا، مگر روزے کے بدلے صرف ایک ہی روزہ رکھنا پڑے گا، اس کو شرعاً قضا کہتے ہیں اور کچھ کام ایسے ہیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس کے بعد ایک روزہ قضا اور دو مہینے مسلسل روزے مزید رکھنے پڑیں گے، اس کو ''کفارہ'' کہتے ہیں۔ ذیل میں وہ صورتیں بیان کی جاتی ہیں جن سے صرف قضا لازم ہوتی ہے۔

قضا روزہ رکھنے کا طریقہ

قضا روزوں کا مسلسل رکھنا ضروری نہیں ہے، خواہ رمضان کے روزوں کی قضا ہو یا کسی اور قسم کے روزوں کی، قضا کے روزوں کا عذر زائل ہوتے ہی رکھنا ضروری نہیں، اختیار ہے، جب چاہے رکھے، نماز کی طرح اس میں ترتیب فرض نہیں، ادا

---

[1] امداد الفتاوی: ۱/۱۷۰، فتاویٰ شامی: ۲/۸۰

روزے بے قضا روزوں کے رکھے ہوئے رکھ سکتا ہے۔[1]

کسی عذر سے روزہ قضا ہوگیا ہوتو جب عذر جاتا رہے تو روزہ جلدی ادا کر لینا چاہیے۔ زندگی اور طاقت کا بھروسہ نہیں، قضا روزوں میں اختیار ہے کہ لگاتار رکھے یا ایک ایک، دو دو کرکے رکھے۔[2]

قضا روزوں میں سال کا مقرر کرنا

روزے کی قضا میں دن تاریخ مقرر کر کے قضا کی نیت کرنا کہ فلاں دن تاریخ کے روزے رکھتا ہوں یہ ضروری نہیں ہے، بل کہ جتنے روزے قضا ہوں، اتنے ہی روزے رکھ لینا چاہیے، البتہ اگر دو رمضان کے کچھ روزے قضا ہوگئے اور دونوں سال کے روزوں کی قضا کرنی ہے تو سال کا مقرر کرنا ضروری ہے، یعنی اس طرح سے نیت کرے کہ فلاں سال کے روزوں کی قضا رکھتا ہوں۔[3]

قضا رکھنے نہیں پائے تھے کہ دوسرا رمضان آ گیا

ابھی گزشتہ رمضان کے قضا روزے نہیں رکھے تھے کہ دوسرا رمضان آ گیا تو خیر اب رمضان کے ادا روزے رکھے، عید کے بعد قضا رکھے، لیکن اتنی دیر کرنا بری بات ہے۔[4]

رمضان میں بے ہوش ہو جانا

رمضان کے مہینے میں اگر کوئی دن میں بے ہوش رہا تو بے ہوش ہونے کے دن کے علاوہ جتنے دن بے ہوش رہا اتنے دنوں میں قضا رکھے، جس دن بے ہوش رہا،

---

[1] علم الفقہ: ۳۹/۳

[2] جواهر الفقہ، احکام رمضان: ۳۸۱/۱

[3] بهشتی زیور حصہ سوم: ص ۲۲۳

[4] بهشتی زیور حصہ سوم: ص ۲۲۳

اس ایک دن کی قضا واجب نہیں ہے، کیوں کہ اس دن کا روزہ نیت کی وجہ سے درست ہوگیا، ہاں اگر اس دن روزہ ہی نہیں رکھا تھا یا اس دن حلق میں کوئی دوائی ڈالی گئی اور حلق سے اتر گئی تو اس دن کی قضا واجب ہے۔

اگر کوئی رات کو بے ہوش ہوا، تب بھی جس رات کو بے ہوش ہوا، اس ایک دن کی قضا واجب نہیں ہے، باقی اور جتنے دن بے ہوش رہے، سب کی قضا واجب ہے، ہاں اگر اس رات کو صبح کا روزہ رکھنے کی نیت نہ تھی یا صبح کو کوئی دوائی حلق میں ڈالی گئی تو اس دن کا روزہ بھی قضا رکھے۔[1]

پورے رمضان بے ہوش رہنا

اگر کوئی پورے رمضان بے ہوش رہے، جب بھی قضا رکھنا چاہیے، یہ نہ سمجھے کہ سب روزے معاف ہوگئے، البتہ اگر جنون ہوگیا اور پورے رمضان دیوانگی رہی تو اس رمضان کے کسی بھی روزے کی قضا واجب نہیں اور اگر رمضان کے مہینے میں کسی دن جنون جاتا رہا اور عقل ٹھکانے ہوگئی تو اب سے روزے رکھنے شروع کرے اور جتنے روزے جنون میں گئے ہیں ان کی بھی قضا رکھنی پڑے گی اور اگر اس کو اپنے نیت کرنے یا نہ کرنے کا حال معلوم ہو تو پھر اپنے علم کے موافق عمل کرے، اگر نیت کرنے کا علم ہو تو اس دن کا روزہ قضا نہ کرے اور اگر نیت نہ کرنے کا علم ہو تو اس دن کا بھی روزہ قضا کرے۔[2]

جنون کی حالت میں روزہ

جنون کی حالت میں روزہ رکھنا معاف ہے (یعنی قضا فرض نہیں ہے، سب معاف ہیں) اگر ایسا جنون ہو کہ رات کو کسی وقت افاقہ نہ ہوتا ہو تو اس زمانے کے

---

[1] بهشتی زیور حصۂ سوم: ص ۲۲۳

[2] فتاوی هندیه، کتاب الصوم، الباب الخامس فی الاعذار: ۱/۲۰۸

روزوں کی قضا بھی لازم نہ ہوگی اور اگر کسی وقت افاقہ ہو جاتا ہے، خواہ رات کو یا دن کو تو پھر اس کی قضا کرنی پڑے گی۔

جنون کے سبب سے جو روزے قضا ہو گئے ہوں، ان میں نہ قضا کی ضرورت ہے نہ فدیہ کی۔ ہاں اگر کسی وقت افاقہ ہو جاتا ہے تو پھر اسی دن کی قضا ضروری ہے۔[1]

روزے میں دھوئیں کا سونگھنا

اگر کوئی شخص قصداً خوش بو کی کوئی چیز جلا کر اس کا دھواں اپنی طرف لے گا اور اس کو سونگھے گا تو روزہ یاد ہونے کے باوجود دھوئیں کو داخل کرنا خواہ کسی بھی صورت سے ہو، روزہ فاسد ہو جائے گا۔ دھواں عنبر کا ہو یا اگر بتی جلا کر اس کا ہو یا ان کے علاوہ کسی بھی چیز کا ہو، کیوں کہ روزہ دار کے لیے اس دھوئیں سے بچنا ممکن تھا اور اگر کسی روزہ دار کے منہ یا حلق میں بلا قصد و بلا اختیار دھواں چلا جائے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، کیوں کہ اس سے بچنا قطعاً ناممکن ہے، اس لیے کہ اگر منہ بھی بند کر لے تب بھی ناک کے ذریعے سے دھواں چلا جائے گا۔[2]

اور روزے کی حالت میں مردہ کو دھونی وغیرہ دینے کا مسئلہ اس میں شامل نہیں ہے، یعنی اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، کیوں کہ وہاں پر دھونی دینا ہے، دھونی کا لینا نہیں ہے اور دھونی کا دینا الگ ہے۔ اس مسئلہ سے اکثر حضرات غافل رہتے ہیں اس بارے میں احتیاط بہت ضروری ہے۔

وضاحت: یہ بات بھی سمجھ لینی ضروری ہے کہ اس مسئلہ کو مشک، گلاب اور دیگر خوش بو کے سونگھنے پر قیاس نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ محض خوش بو اور اس دھوئیں کے جو پکانے کے استعمال میں کیا جاتا ہے اس میں اور اس دھوئیں میں جو قصداً حلق میں داخل کیا جائے، بہت بڑا فرق ہے۔

---

[1] فتاوی عالمگیری، کتاب الصوم، الباب الخامس فی الاعذار ......: ۱/۲۰۸

[2] عالمگیری، کتاب الصوم، الباب الرابع ......: ۱/۲۰۳

روزے میں دوا سونگھنا

’’ٹلوس‘‘ ایک دوا ہے جو نوشادر اور چونا ملا کر بنتی ہے، اسے شیشی میں بھر کر ناک سے لگا کر سونگھا جاتا ہے، اس کی تیزی دماغ تک پہنچتی ہے، اس کے سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے قضا لازم ہے۔[1]

روزے میں بے اختیار منہ میں پانی چلا جانا

کلی کرتے وقت حلق میں پانی چلا گیا اور روزہ یاد تھا تو روزہ جاتا رہا، قضا واجب ہے کفارہ واجب نہیں۔[2]

جماہی لیتے وقت منہ میں پانی یا برف چلا جانا

اگر کسی شخص کو جماہی آئی اور اس نے اپنا سر اٹھایا، اس کے حلق میں پانی کا قطرہ کسی پرنالے وغیرہ سے ٹپک گیا تو اس کا روزہ فاسد ہوگیا، صرف قضا رکھے، اور اسی طرح سے اگر بارش کا پانی یا برف کسی کے منہ میں داخل ہوگئی تو اس کا روزہ فاسد ہوگیا، صرف قضا واجب ہوگی۔[3]

جان بوجھ کر کھانسنے سے کوئی چیز حلق کے اوپری حصے تک آ جانا

جان بوجھ کر کھانسنے اور کھنکھارنے سے کوئی چیز معدہ سے حلق کے اوپری حصہ تک آجائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، بلغم کو اندر سے باہر نکال کر تھوک دینا اس حکم میں داخل نہیں، کیوں کہ ایسا کرنے کی بار بار ضرورت پڑتی ہے، ہاں اگر وہ منہ میں آ کر رک جائے اور اس کو نگل لیا جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔[4]

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم، کتاب الصوم، مسائل مفسد الصوم: ٤١٨/٦

[2] عالمگیری، الصوم، الباب الرابع فیما یفسد ......: ٢٠٢/١

[3] عالمگیری، کتاب الصوم، الباب الرابع ......: ٢٠٣/١

[4] کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة: ٩٢٣/١

روزے میں خون کا حلق کے اندر چلا جانا

اگر روزے میں خون حلق میں چلا گیا تو اس سے روزہ ٹوٹ گیا۔ صرف قضا واجب ہے، کفارہ واجب نہیں ہے۔[1]

روزے میں کنکر یا لوہے کا ٹکڑا کھانا

کسی نے کنکری یا لوہے کا ٹکڑا وغیرہ یا کوئی ایسی چیز کھائی جس کو نہیں کھایا کرتے، نہ کوئی اس کو بطورِ دوا کھاتا ہے تو اس کا روزہ جاتا رہا، لیکن اس پر کفارہ واجب نہیں صرف قضا واجب ہے اور اگر ایسی چیز کھائی یا پی، جس کو لوگ کھایا کرتے ہیں یا کوئی ایسی چیز ہے کہ یوں تو نہیں کھاتے، لیکن بطورِ دوا کے ضرورت کے وقت کھاتے ہیں تو بھی روزہ جاتا رہا، قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔[2]

روزے میں رنگین دھاگہ منہ میں لے کر بٹنا

روزے کی حالت میں رنگین دھاگہ منہ میں لے کر بٹا، تھوک میں اس کا رنگ آ گیا تو اس تھوک کو اگر وہ نگل گیا تو روزہ ٹوٹ گیا، صرف قضا لازم ہے۔[3]

روزے میں دانت داڑھ نکلوانا یا دوا لگانا

شدید ضرورت کے تحت جائز ہے اور بلا ضرورت مکروہ ہے، اگر خون یا دوا پیٹ کے اندر چلا جائے اور تھوک پر غالب یا اس کے برابر ہو یا اس کا مزہ محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا صرف قضا واجب ہوگی۔[4]

---

[1] عالمگیری، کتاب الصوم، الباب الرابع ۱/۲۰۳

[2] بہشتی زیور حصہ سوم: ص ۲۲۸

[3] امداد الفتاوی، کتاب الصوم، حکم بقائے سرخی ۲/۱۳۱

[4] احسن الفتاویٰ، کتاب الصوم: ٤/٤٣٦

کیا دانت کا خون مفسد صوم ہے؟

خون کم مقدار میں ہو تھوک کا غلبہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا، ہاں اگر خون کا مزہ حلق میں محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اسی طرح خون تھوک سے زیادہ یا برابر ہو، تب بھی روزہ فاسد ہو جائے گا، قضا واجب ہے۔[1]

دانت میں پھنسی ہوئی چیز کا حکم

دانت کے درمیان پھنسی ہوئی چیز جس کو تھوکا یا نگلا جا سکتا ہے، اس کا کھا لینا بھی اسی حکم میں داخل ہے، یعنی اس سے روزہ جاتا رہے گا، اگرچہ اس کی مقدار چنے سے کم ہو۔[2]

ناک، کان اور آنکھ کے مسائل

1. ناک، کان میں تر دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر خشک چیز کا اندر تک پہنچنا یقینی ہے تو روزہ فاسد ہوگا ورنہ نہیں۔[3]
2. آنکھ میں دوا ڈالنے اور سر میں تیل وغیرہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اسی طرح پانی مذکورہ مقامات میں پہنچ جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔[4]
3. پانی میں ریح خارج کرنے اور غوطہ لگانے سے بھی کچھ نہیں ہوتا اور اگر پانی اندر تک پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، جس طرح سے استنجا کرنے میں مبالغہ کرنے سے اگر حقنہ میں پانی پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے، صرف قضا واجب ہوتی ہے۔[5]

---

[1] عالمگیری، کتاب الصوم، الباب الرابع فی ما یفسد ...... : ۲۰۳/۱

[2] الهندية، كتاب الصوم، الباب الرابع فی ما یفسد ......: ۲۰۲/۱

[3] ردالمحتار، كتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم ......: ۴۰۲/۲

[4] الدر المختار، كتاب الصوم: ۳۹۵/۲

[5] عالمگیری، کتاب الصوم، الباب الرابع ......: ۲۰۴/۱

غرغرہ کرنے میں اگر پانی حلق سے اتر گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر حلق سے نیچے پانی نہ اترے تو کوئی حرج نہیں ہے۔[1]

۴ سر وغیرہ پر لیپ کرنا جائز ہے اور اگر زخم یا پیٹ میں بہت گہرا اندر تک پہنچا ہوا ہو تو اس میں تر دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جائے گا اور باقی زخموں پر دوا ڈالنا مفسد نہیں ہے، اگر عمداً ہو خواہ مسئلہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو اور اگر بھولے سے ہو تو روزہ باقی رہتا ہے، کیوں کہ جب روزہ میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا تو ان صورتوں میں بھول کی وجہ سے بدرجہ اولیٰ فاسد نہ ہوگا۔[2]

روزے میں کان کے اندر تیل ڈالنا

کسی نے روزے میں کان میں تیل ڈالا یا ناس لیا (سونگھنی سونگھی) یا جلاب میں عمل لیا اور پینے کی دوا نہیں پی (یعنی اجابت کی دوا کھائی نہیں بل کہ دوا دبر کے راستہ سے اندر لے لی) تب بھی روزہ جاتا رہا، لیکن کفارہ واجب نہیں صرف قضا واجب ہے۔[3]

کان میں تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹنے کی وجہ

ہدایہ میں وجہ فرق یہ بیان کی ہے کہ کان میں پانی کا پہنچنا یا پہنچانا بدن کی اصلاح کے لیے نہیں ہے، بخلاف تیل کے اور یہ بھی وجہ فرق کی ہوسکتی ہے کہ پانی سے بچنا دشوار ہے اور اس میں ضرورت ہے۔[4]

روزے میں کان سلائی وغیرہ سے کھجانا

کسی تنکے وغیرہ کو لے کر کان کے اندرونی حصے میں داخل کرنے سے روزہ

---

[1] الهندية، كتاب الصوم، الباب الرابع في ما يفسد وما لا يفسد: ۱/۲۰۲

[2] امداد الفتاوی، کتاب الصوم، حکم ادخال صائم ......: ۲/۱۲۸

[3] بہشتی زیور حصہ سوم: ص ۲۲۸

[4] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل مفسد الصوم: ۶/۴۱۷

ٹوٹ جاتا ہے، کیوں کہ کان کا اندرونی حصہ شرعاً پیٹ کے حکم میں داخل ہے۔[۱]

منہ، کان، ناک، مقعد، فرج، شکم (پیٹ) اور کھوپڑی کے اندرونی زخم کی راہ سے روزے کے توڑنے والی چیزیں جوف معدہ یا دماغ تک پہنچ جائیں تو روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کان میں ڈالی ہوئی دوا اور تیل دماغ میں براہ راست یا بالواسطہ معدہ میں پہنچنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔[۲]

روزے میں صبح کے وقت رات سمجھ کر جماع کرنا

جب رات کے گمان سے جماع کیا اور بعد میں صبح کا ہونا معلوم ہوا تو یہ روزہ صحیح نہیں ہوا، لیکن تمام دن کھانا پینا نہ چاہیے اور کفارہ لازم نہ آئے گا۔

اور اگر دن میں پانی پی لیا تو رمضان کی تعظیم کا تارک ہوا، کفارہ لازم نہیں ہے۔ قضا ہر صورت میں ہے، خواہ پانی پیا ہو یا نہ پیا ہو۔[۳]

روزے میں پیار کرنے کی وجہ سے انزال ہوجانا

اس صورت میں صرف اس روزے کی قضا واجب ہے کفارہ واجب نہیں ہوتا، مگر اسی کے ساتھ رمضان کا احترام ضروری ہے اس کے بعد دن میں کچھ کھائے پیئے نہیں۔[۴]

روزے میں بیوی سے بغل گیر ہونے پر انزال ہونا

اس صورت میں محض روزے کی قضا لازم ہے، کفارہ واجب نہیں۔[۵]

---

[۱] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۱/۶۲۲

[۲] مراقی الفلاح: ص ۱۳۲

[۳] امداد الفتاوی، کتاب الصوم، حکم جماع کردن صائم بوقت فجر بظن شب: ۲/۱۲۸

[۴] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل مفسد الصوم: ۶/۴۱۷

[۵] فتاوی رحیمیہ، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم: ۷/۲۶۱

بیوی کے پاس صرف بیٹھنے سے انزال ہو جانا

اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں دن کے وقت اپنی بیوی کے پاس بیٹھے اور کم زوری کی وجہ سے اس کو انزال ہو جائے تو اس صورت میں اس روزے کی قضا لازم ہے، کفارہ نہیں۔[1]

مباشرتِ فاحشہ کا حکم

مباشرت فاحشہ یعنی شرم گاہوں کا آپس میں ملانا (بغیر دخول کے) اگر اس صورت میں اگر انزال ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، قضا واجب ہوگی، کفارہ نہیں ہوگا، اسی طرح بوسہ لینے اور چھونے سے انزال ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی۔[2]

ہاتھ سے منی نکالنا مفسدِ صوم ہے

ہاتھ سے منی نکالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا لازم ہوتی ہے، پھر یہ بھی واضح رہے کہ یہ فعل بہت برا ہے، اس پر لعنت بھیجی گئی ہے۔[3]

پاخانے کے راستے کانچ نکلنا

اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، کانچ کو تر کر کے چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس لیے کہ یہ مقام حقنہ تک پہنچ جاتی ہے۔[4]

استنجا کرنے میں مبالغہ کرنا

اگر کسی نے انگلی کو پانی یا تیل میں تر کر کے اپنی مقعد میں ڈالا یا استنجا کرنے میں

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل مفسد الصوم: ٤٢٤/٦، بحواله ردالمحتار: ١٤٢/٢

[2] عالمگیری، کتاب الصوم، الباب الرابع، فی ما یفسد ......: ٢٠٤/١

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل مفسد الصوم: ٤١٧/٦

[4] احسن الفتاویٰ، کتاب الصوم: ٤٣٩/٤

پانی اندرونی حصے میں پہنچ گیا تو روزہ اس وقت فاسد ہوگا، جب مقعد (پاخانے کے مقام) میں ڈالی جانے والی چیز حقنہ تک پہنچ جائے۔ (یعنی جہاں پر پچکاری وغیرہ کے ذریعے دوا پہنچائی جاتی ہے)

یہ اس وقت نہیں ہوسکتا جب تک ارادہ اور کوشش کے ساتھ نہ کیا جائے۔ (اگر ایسا ہوگیا تو روزہ ٹوٹ گیا صرف قضا لازم ہوگی)

یہی حکم اس صورت میں بھی ہے، جب کہ مقعد میں کوئی کپڑے کی دھجی یا لکڑی ڈالی (یعنی حقنہ کی طرح) اور اس کا سرا کچھ بھی باہر نہ رہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر اس کا کچھ حصہ باہر رہا ساری اندر نہیں گئی تو روزہ فاسد نہ ہوگا، اسی طرح اگر کسی عورت نے اپنی انگلی تیل یا پانی سے تر کرکے یا حقنہ کی لکڑی وغیرہ شرم گاہ کے اندر پوری داخل کردی تو ان سب صورتوں میں صرف قضا واجب ہوگی، کفارہ واجب نہ ہوگا۔[1]

بھوک پیاس کی وجہ سے روزہ توڑ دینا

جس شخص کو بھوک کا اس قدر غلبہ ہو کہ اگر کچھ نہ کھائے تو جان جاتی رہے گی یا عقل میں فتور آجائے گا تو اس کو بھی روزہ نہ رکھنا جائز ہے، اگر نیت کرلینے کے بعد ایسی حالت پیدا ہوجائے، تب بھی اس کو اختیار ہے کہ روزہ توڑے گا تو صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں ہوگا، یہی حکم پیاس کی شدت میں ہے کہ روزہ نہ رکھنا یا رکھے ہوئے کو توڑ دینا جائز ہے بشرط یہ کہ پیاس کی شدت اس درجہ کی ہو جس درجہ کی بھوک میں شرط لگائی گئی ہے۔[2]

ملازم کا کام کی شدت سے روزہ توڑ دینا

اگر شدت پیاس وغیرہ سے ہلاکت یا مرض کا اندیشہ تھا تو کفارہ نہیں ہے،

---

[1] الهندية، كتاب الصوم، الباب الرابع في ما يفسد ۱/ ۲۰۴

[2] عالمگیری، کتاب الصوم، الباب الخامس في الاعذار ۱/ ۲۰۶

صرف قضا ہے۔[1]

آتش زدگی کی وجہ سے روزہ توڑ دینا

اگر آتش زدگی میں شدت بھوک و پیاس یا خوف جان کی وجہ سے روزہ توڑا تو صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ واجب نہ ہوگا۔[2]

غروبِ آفتاب سمجھ کر افطار کرلیا، بعد میں سورج نظر آ گیا

اس روزے کی قضا لازم ہے، کفارہ واجب نہیں اور کچھ گناہ بھی نہیں ہوا، مگر روزے کی قضا لازم ہے، ضرور کرنی چاہیے۔[3]

رات سمجھ کر صبحِ صادق کے وقت سحری کھالینا

اگر کسی کو صبح صادق کا ہونا معلوم نہ تھا اور اس نے یہ سمجھ کر سحری کھائی کہ ابھی صبح نہیں ہوئی تو صرف قضا لازم ہے کفارہ واجب نہیں۔[4]

نفل روزے کا نیت کے بعد واجب ہو جانا

جو نفل روزہ قصداً شروع کیا گیا ہو، شروع کرنے کے بعد اس کا تمام کرنا ضروری ہے، فاسد ہونے کی صورت میں اس کی قضا ضروری ہے خواہ قصداً فاسد کر لے یا بلا قصد فاسد ہو جائے۔[5]

بھولے سے کھانے کی دو صورتیں

ایک شخص کو روزے کا خیال نہ رہا، جس کی وجہ سے اس نے کچھ کھا پی لیا یا جماع

---

[1] فتاوی دار العلوم دیوبند، کتاب الصوم: ۴۲۱/۶

[2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل قضا و کفارہ: ۴۴۵/۶

[3] فتاویٰ دار العلوم، کتاب الصوم، مسائل قضا و کفارہ: ۴۳۶/۶

[4] فتاوی دار العلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل قضا و کفارہ: ۴۳۹/۶

[5] عالمگیری، کتاب الصوم، المتفرقات: ۲۱۵/۱

کرلیا، بعد میں روزے کا خیال آیا اور سمجھا کہ میرا روزہ جاتا رہا، اس خیال سے پھر قصداً کچھ کھا پی لیا تو اس کا روزہ اس صورت میں فاسد ہو جائے گا کہ کفارہ لازم نہ ہوگا، صرف قضا واجب ہوگی اور اگر وہ مسئلہ جانتا ہے، پھر بھول کر ایسا کرنے کے بعد عمداً روزہ توڑے تو اب بعد میں جماع کرنے کی صورت میں کفارہ بھی لازم ہوگا اور محض کھانے کی صورت میں اس وقت بھی صرف قضا ہے۔[1]

قے اور احتلام ہونے کے بعد عمداً کھانا

کسی کو بے اختیار قے ہوگئی یا احتلام ہوگیا یا صرف عورت وغیرہ کو دیکھنے سے انزال ہوگیا اور مسئلہ نہ معلوم ہونے کے سبب وہ یہ سمجھا کہ میرا روزہ جاتا رہا، پھر اس نے عمداً کھا پی لیا تو روزہ فاسد ہوگیا، صرف قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں، اگر مسئلہ معلوم ہو کہ اس سے نہیں ٹوٹتا پھر عمداً افطار کیا تو اب جماع کرنے کی صورت میں کفارہ بھی لازم ہوگا اور صرف کھانے کی صورت میں قضا لازم ہوگی۔[2]

قضا کے چند مسائل:

1. کوئی مسافر نصف النہار (آدھے دن) کے بعد مقیم ہو جائے۔
2. کسی عورت کا حیض یا نفاس بعد نصف النہار بند ہو جائے۔
3. بعد نصف النہار کسی مجنون یا بے ہوش کو افاقہ ہو جائے۔
4. کوئی مریض بعد نصف النہار اچھا ہو جائے۔
5. کسی نے بحالت اکراہ روزہ فاسد کر دیا ہو اور بعض نصف النہار اس کی مجبوری جاتی رہے۔
6. کوئی نابالغ، بعد نصف النہار بالغ ہو جائے۔

[1] بهشتي زيور حصه ١١ ص: ٩٥٦

[2] بهشتي زيور حصه ١١: ص ١٠٤

❼ کوئی کافر بعد نصف النہار اسلام لائے تو ان سب لوگوں کو باقی دن میں روزے داروں کی طرح کھانے پینے سے اجتناب کرنا مستحب ہے اور اس دن کی قضا ان پر واجب ہوگی، علاوہ نابالغ اور کافر کے۔[1]

روزہ ٹوٹنے کے بعد کا حکم

رمضان میں اگر کسی کا روزہ ٹوٹ گیا تو روزہ ٹوٹنے کے بعد بھی دن میں کچھ کھانا پینا درست نہیں، سارے دن روزے داروں کی طرح رہنا واجب ہے۔[2]

جن چیزوں سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں

ایک حدیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ: ''جس نے بغیر کسی مجبوری یا بیماری کے رمضان کا روزہ چھوڑ دیا وہ اگر زندگی بھر روزے رکھے، تب بھی اس کا بدل نہیں ہوسکتا۔''[3]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب روزے کی قضا نہیں ہوسکتی، بل کہ مقصد یہ ہے کہ جو انعام و اکرام اور ثواب رمضان میں روزہ رکھنے سے ملتا ہے، وہ بعد میں ہرگز نہیں ملتا ہے، اپنے وقت پر کام کرنے میں کچھ بات ہی اور ہے۔

قضا کے مسائل (جن میں روزہ فاسد ہونے کی بنا پر ایک روزے کے بدلے صرف ایک ہی روزہ رکھنا پڑتا ہے) گزشتہ باب میں تفصیل کے ساتھ آچکے ہیں، اب یہاں ان صورتوں کا تذکرہ ہے، جن میں روزہ کے فاسد ہونے پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں۔

---

[1] الهندية، كتاب الصوم، المتفرقات: ۱/ ۲۱٤

[2] حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل يجب على الصحيح ......: ص ٦٧٨

[3] مشكاة المصابيح، كتاب الصوم: ۱/ ۱۷۷

کسی نے رمضان کا روزہ رکھ کر بغیر کسی مجبوری کے جان بوجھ کر توڑ دیا تو اس نے سخت غلطی کی اور حقوق اللہ کی خلاف ورزی کی۔ اب اس کو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے اور معافی کی صورت یہ ہے کہ ایک روزے کے بدلے ایک روزہ رکھے اور ایک غلام آزاد کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو دو ماہ کے متواتر روزے رکھے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر آخری صورت یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلادے، یا ساٹھ آدمیوں کو ایک ایک فطرہ کی قیمت دے۔[1]

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ کفارہ صرف اسی وقت آتا ہے، جب رمضان ہی کا روزہ جان بوجھ کر توڑ دیا جائے اور اگر رمضان کے مہینے کے علاوہ اور دنوں کا روزہ ہو یا رمضان کی قضا کا روزہ ہی کیوں نہ ہو، اس کو توڑ دیا جائے تو صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ جب کسی شبہ سے روزہ فاسد کیا جائے گا تو کفارہ واجب نہ ہوگا، اس لیے کفارہ ایک قسم کی سزا ہے اور سزا کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے جو دیدہ و دانستہ (یعنی جان بوجھ کر) خلاف ورزی کرے۔

صرف دو باتوں سے قضا اور کفارہ واجب ہوتا ہے

احناف کے نزدیک دو باتیں ہیں جن سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں:

اول یہ کہ بغیر کسی عذر شرعی کے کوئی غذا یا غذا جیسی کوئی چیز استعمال کی جائے، یعنی کھائی جائے یا پی جائے اور وہ ایسی ہو کہ اس کی جانب طبیعت راغب ہو اور پیٹ کی طلب پوری کی جائے۔

دوم یہ کہ اس سے خواہش نفسانی پوری کی جائے۔

---

[1] ردالمحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد: ۴۱۱/۲

پھر ان دونوں صورتوں میں قضا مع کفارہ واجب ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں:

❶ پہلی شرط یہ ہے کہ رمضان کا روزہ توڑا گیا ہو، اگر رمضان کے علاوہ اور کوئی روزہ ہو، مثلاً: قضائے رمضان کا یا نذر کا روزہ یا کفارے کا روزہ یا نفلی روزہ تو اس میں کفارہ واجب نہ ہوگا، ان صورتوں میں قضا لازم آئے گی۔

❷ دوسری شرط یہ ہے کہ روزہ قصداً توڑا گیا ہو اگر بھولے سے یا غلطی سے یا کسی عذر سے مثلاً مرض لاحق ہو جانے سے یا سفر پیش آ جانے کی وجہ سے روزہ توڑا تو صرف قضا واجب ہوگی۔[1]

کفارے کے لیے روزے کی تمام شرائط کا پایا جانا ضروری ہے

وہ شخص جس میں روزہ کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں، رمضان کے اس ادا روزے میں جس کی نیت صبح صادق سے پہلے کر چکا ہو، عمداً منہ کے ذریعے پیٹ میں کوئی ایسی چیز پہنچا دے جو انسان کی غذا یا دوا میں استعمال ہوتی ہو، یعنی اس کے استعمال سے کسی قسم کا نفع یا لذت مقصود ہو اور اس کے استعمال سے انسان کی طبیعت نفرت نہ کرتی ہو، اگرچہ وہ بہت ہی کم مقدار میں ہو، حتیٰ کہ ایک تل کے برابر یا جماع کرے یا کرائے (لواطت بھی اسی حکم میں ہے) جماع کے وقت عضو مخصوص سپاری کا داخل ہو جانا کافی ہے، منی کا نکلنا شرط نہیں ہے۔[2]

ان سب صورتوں میں قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے، مگر یہ بات شرط ہے کہ جماع (صحبت) ایسی عورت سے کیا جائے جو قابلِ جماع ہو، بہت کم عمر لڑکی نہ ہو، جس میں جماع کی بالکل قابلیت نہ پائی جائے۔

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل، روزے کے مسائل: ۳/ ۳۰۵

[2] خلاصة الفتاوى، كتاب الصوم، الفصل الثالث ۱/ ۲۵۹

نیت ہی پر کفارہ ہے

کسی نے رمضان میں روزہ کی نیت ہی نہیں کی، اس لیے کھا پی رہا ہے اس پر کفارہ واجب نہیں، کفارہ جب ہی ہے کہ نیت کر کے روزہ توڑ دے۔[1]

صحبت کرنے سے کفارہ واجب ہونا

صحبت کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس کی قضا بھی رکھے اور کفارہ بھی، جب مرد کے عضو مخصوص کی سپاری اندر چلی گئی تو روزہ ٹوٹ گیا، قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے، خواہ منی نکلے یا نہ نکلے، نیز اگر مرد نے پاخانے کی جگہ اپنا عضو کر دیا اور اس کی سپاری اندر چلی گئی، تب بھی عورت اور مرد دونوں کا روزہ جاتا رہا، قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔[2]

جس شخص نے دونوں راستوں میں سے کسی بھی راستے میں جان بوجھ کر مجامعت (ہم بستری) کی تو اس پر قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے اور ان دونوں مقاموں کی مجامعت میں انزال کا ہونا (منی کا نکلنا) شرط نہیں ہے۔[3]

جماع میں عاقل ہونا شرط نہیں

جماع میں عورت اور مرد دونوں کا عاقل ہونا شرط نہیں، یہاں تک کہ اگر ایک مجنون ہو، دوسرا عاقل تو عاقل پر کفارہ لازم ہے، مثلاً: مرد عاقل ہو اور عورت مجنون تو مرد پر یا بالعکس ہو تو عورت پر کفارہ لازم ہوگا۔

اگر عورت جماع کرائے تو کفارہ واجب ہونے کے لیے مرد کا بالغ ہونا شرط نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی عورت کسی نابالغ بچے یا مجنون سے جماع کرائے، تب بھی

---

[1] بہشتی زیور حصہ سوم: ص ۲۳۰

[2] بہشتی زیور حصہ دوم: ص ۷۰، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۰۶/۴

[3] فتاویٰ ہندیہ، کتاب الصوم، الباب الرابع ..... النوع الثانی .....: ۲۰۵/۱

عورت کو قضا اور کفارہ دونوں کا حکم ہے۔

اگر عورت جماع کرانے میں راضی ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور اگر زبردستی مجبور تھی تو صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہ ہوگا اور اگر ابتداء میں زبردستی تھی پھر رضامند ہوگئی تو بھی یہی حکم ہے یعنی قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔[1]

دن اور رات میں ہم بستری کا حکم

رمضان کے مہینے میں دن میں بیوی سے صحبت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

صحبت رات میں غروبِ آفتاب کے بعد سے صبح صادق سے پہلے پہلے تک درست ہے۔ غسل جنابت (ناپاکی کا غسل) صبح کے بعد بھی کرسکتا ہے۔[2]

تیسویں رمضان کو چاند دیکھ کر افطار کرلینا

تیسویں رمضان کا چاند اگلی رات کا ہے لہٰذا اس صورت میں روزہ توڑنا درست نہیں؟ توڑنے کی صورت میں قضا اور کفارہ واجب ہے، بعد زوال تو باتفاق ائمہ ثلاثہ قضا اور کفارہ واجب ہے اور زوال سے پہلے چاند دیکھنے میں امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ قضا و کفارہ واجب فرماتے ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔[3]

چھپ کر مسلمان ہونے والے کا روزہ توڑ دینا

جب کوئی شخص مسلمان ہوگیا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا اور تمام احکامِ اسلام کو قبول کرلیا تو وہ عنداللہ مسلمان ہوگیا، اگرچہ لوگوں پر اس کا اسلام ظاہر نہ ہوا ہو، پس اگر رمضان کا روزہ رکھ کر اس نے توڑ ڈالا تو کفارہ

---

[1] فتاویٰ هندیه، کتاب الصوم، الباب الرابع ...... النوع الثانی ......: ۲۰۵/۱

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل قضا و کفارہ: ٤٤٢/٦، بحوالہ ردالمحتار: ١٤٧/٢

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل قضا و کفارہ: ٤٣٤/٦

اس پر لازم آئے گا۔[1]

کچے چاول یا کچا گوشت کھالینا

جان بوجھ کر کچا گوشت یا چاول کھانے سے قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔[2]

روزے میں عمداً حقہ پینا

جولوگ حقہ پینے کے عادی ہوں وہ روزے کی حالت میں عمداً حقہ پئیں تو ان پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے، اس طرح اگر کوئی ایسا شخص جو اگرچہ حقے کا عادی نہیں ہے، لیکن کسی فائدے کے لیے روزے میں عمداً حقہ پئے تو اس پر بھی قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔[3]

فدیہ کے مسائل

شیخ فانی کی تعریف

عمر رسید نحیف و ناتواں بوڑھا یا بوڑھی، ایسا بڑھاپا آ گیا ہو کہ اب طاقت آنے کی کوئی امید بھی نہیں یا ایسا بیمار ہوگیا کہ اب صحت کے آثار نظر نہیں آتے جو زندگی کے آخری اسٹیج پر پہنچ چکا ہو، ادائے گی فرض سے قطعاً مجبور اور عاجز ہو اور جسمانی قوت و طاقت روز بروز گھٹتی چلی جارہی ہو، یہاں تک ضعف و ناتوانی کے سبب یہ قطعاً امید نہ ہو کہ آئندہ کبھی روزہ رکھ سکے، صرف شیخ فانی ہی کے لیے جائز ہے کہ اپنے روزوں کا فدیہ (مالی بدلہ) دے دے۔

---

[1] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل مفسد الصوم: ٤٢٥/٦

[2] فتاویٰ دار العلوم، کتاب الصوم، مسائل قضا و کفارہ: ٤٤١/٦

[3] بہشتی زیور، حصہ ۱۱ ص: ۱۰۵

البتہ اس شخص کے لیے بھی فدیہ دے دینا جائز ہے، جس نے ہمیشہ روزہ رکھنے کی نذر مانی ہو اور اس سے عاجز ہو، یعنی اسبابِ معیشت کے حصول یا کسی اور عذر کی وجہ سے اپنی نذر کو پورا نہ کر سکے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے، روزہ کے بدلے فدیہ دے دیا کرے۔

فدیہ کی مقدار ایک فطرے کی برابر ہے یا صبح و شام ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو پیٹ بھر کر کھلائے (فدیہ یعنی روزوں کا مالی بدلہ) ان کے علاوہ تمام عذر کا مسئلہ یہ ہے کہ عذر ختم ہو جانے کے بعد روزوں کی قضا ضروری ہے، فدیہ دینا درست نہیں ہے، یعنی فدیہ دینے سے روزہ معاف نہیں ہوگا۔

اگر کوئی معذور اپنے عذر کی حالت میں مر جائے تو اس پر ان روزوں کی فدیہ کی وصیت کرنا واجب نہیں ہے جو اس کے عذر کی وجہ سے فوت ہوئے ہیں اور نہ اس کے وارثوں پر یہ واجب ہوگا کہ وہ فدیہ ادا کریں، خواہ عذر بیماری کا ہو یا سفر کا یا کوئی شرعی عذر ہو، ہاں اگر کوئی اس حال میں انتقال کرے کہ اس کا عذر ختم ہو چکا تھا اور وہ قضا روزہ رکھ سکتا تھا، مگر اس نے قضا روزے نہیں رکھے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان دنوں کے روزوں کا فدیہ کی وصیت کر جائے، جن میں مرض سے نجات پا کر صحت مند رہا تھا یا سفر پورا کر کے مقیم تھا اور یا جو بھی عذر ہو وہ زائل ہو چکا تھا۔[1]

اگر کوئی شیخ فانی سفر کی حالت میں انتقال کر جائے تو اس کی طرف سے ان دنوں کے روزوں کا فدیہ دینا ضروری نہیں ہوگا جن میں وہ سفر میں رہا، کیوں کہ جس طرح اگر کوئی دوسرا شخص سفر کی حالت میں مر جائے تو اس کے ایامِ سفر کے روزے معاف ہوتے ہیں۔[2]

---

[1] الدر المختار، کتاب الصوم، فصل فی العوارض المبیحة ...: ۴۲۲/۲ تا ۴۲۷

[2] البحر الرائق، کتاب الصوم، الباب الخامس فی الاعذار ....: ۲۰۷/۱

فدیہ کا قاعدہ کلیہ

اگر قسم کے کفارے کے روزے تھے اور شیخ فانی ہونے کی وجہ سے روزے سے عاجز ہوگیا تھا تو ان کے بدلے کھانا کھلانا جائز نہیں اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو روزہ کہ خود اصل ہو اور کسی دوسرے کا عوض نہ ہو اس کے عوض میں جب روزہ رکھنے سے مایوس ہو تو کھانا دے سکتا ہے اور جو روزہ کہ دوسرے کا بدل ہو خواہ اصل نہ ہو، اس کی عوض کھانا نہیں دے سکتا، اگرچہ آئندہ روزہ رکھنے سے مایوس ہوگیا ہو۔

مثلاً: قسم کے کفارہ کے روزے کے بدلے میں کھانا دینا جائز نہیں، اس لیے کہ وہ خود دوسرے کے بدل ہیں اور کفارہ ظہار اور کفارہ رمضان میں اپنی غربت کی وجہ سے غلام آزاد کرنے سے یا بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے سے عاجز ہو تو اس کے عوض میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے اس لیے کہ یہ فدیہ روزے کے عوض میں نص سے ثابت ہوا ہے۔[1]

فدیہ رمضان سے پہلے دینا

فدیہ روزوں کا بدل ہے اور رمضان کے آنے سے واجب ہوتا ہے، لہٰذا رمضان شروع ہونے سے قبل فدیہ دینا وجود السبب ہونے کی وجہ سے درست نہیں، البتہ رمضان شروع ہونے پر آئندہ ایام کا فدیہ بھی ایک دم دے سکتے ہیں، اس کے برخلاف صدقۂ فطر کا وجوب افراد پر ہے، جو رمضان سے قبل دینا صحیح ہے، بل کہ کئی سالوں کا پیشگی بھی دے سکتے ہیں۔[2]

فدیہ کی مقدار

ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو صدقۂ فطر کے برابر غلہ دے دے یا صبح و

---

[1] مسائل روزہ: ۱۸٦

[2] احسن الفتاوی، کتاب الصوم: ٤/٤٣٦، خیر الفتاوی، کتاب الصوم: ٤/٨٩

شام پیٹ بھر کر کھانا اس کو کھلا دے، شریعت میں اس کو فدیہ کہتے ہیں۔[1]

اگر غلے کے بدلے اُس قدر غلے کی قیمت دے دے تب بھی جائز ہے۔[2]

مظاہر حق جدید میں قاعدہ کلیہ اس طرح لکھا ہے:

ہر اس روزے کے بدلے فدیہ کی مقدار نصف صاع میں ایک کلو ۶۳۳ گرام (پونے دو کلو) گیہوں یا اس کی قیمت ہے، فدیہ اور کفارہ میں جس طرح تملیک (مالک بنانا) جائز ہے، اسی طرح اباحت عام بھی جائز ہے، یعنی چاہے تو ہر دن کے بدلے مذکورہ بالا مقدار کسی محتاج کو دے دی جائے، دونوں صورتیں جائز ہیں، صدقہ فطر کے برخلاف کہ اس میں زکاۃ کی طرح تملیک ہی ضروری ہے اس بارے میں یہ اصول سمجھ لیجیے کہ جو صدقہ لفظ ''اطعام یا طعام'' (کھلانے) کے ساتھ مشروع ہے، اس میں تملیک اور اباحت دونوں جائز ہیں اور جو صدقہ لفظ ''ایتاء یا اداء'' (دینے) کے ساتھ مشروع ہے، اس میں تملیک شرط اور ضروری ہے، اباحت قطعاً جائز نہیں۔[3]

گزشتہ سالوں کے فدیہ میں قیمت کا اعتبار

فدیہ میں اصل واجب خود گیہوں (گندم) ہے، قیمت اس کے قائم مقام ہے، اس لیے بہر صورت ادا کے وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔[4]

بیمار کا فدیہ دینا

صحت کے بعد اس کی قضا رکھنا فرض ہے، البتہ اگر صحت کی کوئی امید نہیں رہی اور آخر دم تک روزہ رکھنے کی طاقت لوٹنے سے بالکل مایوسی ہے، چھوٹے اور

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۰۰/۳

[2] بهشتی زیور حصه سوم: ص ۲۰، خیر الفتاوی، کتاب الصوم: ۱۰۰/٤

[3] مظاهر حق، کتاب صوم: ۲۱/۲

[4] احسن الفتاوی، کتاب الصوم: ٤٤١/٤

ٹھنڈے دنوں میں بھی روزہ رکھنے کی طاقت نہیں تو ایک روزے کے عوض پونے دو کلو گیہوں کی قیمت کسی مسکین کو دے دے۔[1]

متعدد روزوں کا فدیہ ایک شخص کو دینا

ایک فدیے کے گیہوں تھوڑے تھوڑے متعدد مساکین کو دینا درست ہے، اسی طرح اس کی قیمت بھی اور اسی طرح سے متعدد روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینا بھی صحیح ہے، کفارہ کی طرح نہیں، بل کہ صدقہ فطر کی طرح ہے۔

لہٰذا متعدد روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینا درست ہے اور اس میں پریشانی سے سہولت ہے حفاظت ہے، ورنہ بڑی رقم میں بڑی دشواریوں کا سامنا ہوگا۔[2]

فدیہ کے مصارف

فدیہ واجبہ کے مصارف وہ ہی ہیں جو زکاۃ کے مصارف ہیں، اس میں محتاج و مفلس کو مالک بنانا ضروری ہے، خواہ وہ غربا و مساکین کسی بھی جگہ کے ہوں، ان کی ملک ہونا ضروری ہے، پس جن مصارف میں تملیک کسی کی نہیں ہوتی، ان مصارف میں رقم کا خرچ کرنا درست نہیں، جیسے تعمیر مسجد، مدرسہ و کنواں، کتب احادیث و فقہ وغیرہ اس میں صرف کرنا بلا کسی تملیک کے جائز نہیں ہے، مگر حیلہ کر کے کسی غیر مالک نصاب کو مالک بنا کر اس کی طرف سے مذکورہ بالا مصرف میں خرچ کر سکتے ہیں۔[3]

فدیہ کی رقم سے کسی مفلس کا قرض ادا کرنا

اس رقم سے خود قرض ادا کر دینا کسی مفلس مقروض کا، درست نہیں ہے، البتہ

---

[1] مسائل بہشتی زیور: ص ۳۸۲، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۹۸، خیر الفتاویٰ کتاب الصوم ۴/۷۷۵

[2] آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۰۱

[3] فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۶/۴۵۹، بحوالہ رد المحتار: ۲/۷۹ و ۸۵ باب المصرف

اس مقروض مفلس کو دے دینا درست ہے، کہ وہ اپنا قرض ادا کر لے۔[1]

فدیہ کی رقم یتیم خانے میں دینا

یتیم نابالغ مفلس کے مصارف میں صرف کرنے کے لیے اس کے ولی کو دے دینا درست ہے۔[2]

فدیہ کی رقم سے کپڑا خرید کر تقسیم کرنا

فدیہ میں گیہوں کی قیمت کے برابر کپڑا وغیرہ دینا بھی جائز ہے اور متعدد روزوں کے فدیہ کی رقم ایک فقیر کو دینا بھی جائز ہے، غلہ کی قیمت یا اتنی قیمت کا سامان دینا بھی جائز ہے نابالغ کا باپ اگر مسکین ہو تو اس کو صدقہ دینا جائز ہے، البتہ نابالغ کو کھانا کھلانا کافی نہیں ہے۔[3]

پیدائشی ضعیف فدیہ دے سکتا ہے

اگر کوئی شخص پیدائشی ایسا ضعیف و کمزور ہے کہ کسی طرح روزہ نہیں رکھ سکتا ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ روزہ نہ رکھے اور فدیہ دے دے۔[4]

فدیہ ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو

جو شخص روزہ بھی نہ رکھ سکتا ہو اور اس کے فدیہ ادا کرنے کے لیے بھی کچھ نہ ہو، وہ صرف استغفار کرے اور نیت رکھے کہ جب بھی اس کو گنجائش میسر آئے گی، وہ

---

[1] روزے کے مسائل کا انسائیکلو پیڈیا حرف (ف): ص ۱۳۰، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، مصارف زکاۃ: ۲۵۸/٦

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکاۃ، مسائل مصارف زکاۃ: ۲۵۸/٦، بحوالہ ردالمحتار: ۸۵/۲ باب المصرف

[3] احسن الفتاویٰ، کتاب الصوم: ٤۳۹/٤

[4] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل عوارض: ٤٦۸/٦

روزوں کا فدیہ ادا کرے گا۔[1]

اگر شدتِ مرض میں فوت ہو گیا

اگر کوئی شخص شدت مرض میں رمضان کے روزے نہ رکھ سکے اور اسی میں فوت ہو گیا تو ان روزوں کا فدیہ دینا واجب نہیں۔[2]

فدیہ کی وصیت

جو شخص ایسی حالت میں مرے کہ اس کے ذمہ روزے ہوں یا نمازیں ہوں تو اس پر فرض ہے کہ وصیت کر کے مرے کہ اس کے نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا کیا جائے، اگر اس نے وصیت نہیں کی تو گناہ گار ہوگا۔

اگر میت نے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کی ہو تو میت کے وارثوں پر فرض ہے کہ مرحوم کی تجہیز و تکفین اور ادائے قرض کے بعد اس کا جتنا ترکہ باقی رہا، اس کی ایک تہائی میں سے اس کی وصیت کے مطابق نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا کریں۔

اگر مرحوم نے وصیت نہیں کی یا اس نے مال نہیں چھوڑا، لیکن ورثا اپنی طرف سے مرحوم کی نماز روزوں کا فدیہ ادا کریں تو اللہ کی رحمت سے توقع ہے کہ یہ فدیہ قبول کر لیا جائے۔[3]

تراویح کا بیان

① تراویح عہدِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں قیام رمضان کی ترغیب

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل، روزے کے مسائل: ۳/۳۰۳

[2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الصوم، مسائل عوارض: ۶/۶۶۲

[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل، روزے کے مسائل، فدیہ کا بیان: ۳/۳۰۱ تا، بہشتی زیور مدلل، حصہ سوم، فدیہ کا بیان: ص ۲۳۶

دی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان کی ترغیب دیتے تھے بغیر اس کے کہ قطعیت کے ساتھ حکم دیں۔

چناں چہ فرماتے تھے: جس نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت رکھتے ہوئے رمضان میں قیام کیا، اس کے گزشتہ گناہ معاف ہوگئے، ابن شہاب زہری فرماتے ہیں: چناں چہ یہ معاملہ اسی حالت پر رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بھی یہی صورت حال رہی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے شروع میں بھی۔[1]

ایک اور حدیث میں ہے جس کا مفہوم ہے۔

''بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کیے ہیں اور میں نے تمہارے لیے اس کے قیام کو سنت قرار دیا ہے، پس جس نے ایمان کے جذبہ سے اور ثواب کی نیت سے دن میں اس کا روزہ رکھا اور رات میں قیام کیا، وہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل جائے گا جیسا کہ جس دن اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔''[2]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا بھی متعدد احادیث سے ثابت ہے مثلاً:

❶ حدیثِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ جس میں تین رات میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ پہلی رات تہائی رات تک، دوسری رات آدھی رات تک، تیسری رات

---

[1] صحیح البخاری، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، رقم: ۲۰۰۹

[2] سنن النسائی، الصیام، ثواب من قام رمضان ۔ ۔ ۔ رقم: ۲۲۱۲

سحر تک۔[1]

❷ حدیثِ ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جس میں ۲۳ ویں رات میں تہائی رات تک، ۲۵ ویں میں آدھی رات تک اور ۲۷ ویں شب میں اول فجر تک قیام کا ذکر ہے۔[2]

لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جماعت پر مداومت نہیں فرمائی اور اس اندیشہ کا اظہار فرمایا کہ تم پر فرض نہ ہو جائے اور اپنے طور پر گھروں میں پڑھنے کا حکم فرمایا۔

رمضان المبارک میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مجاہدہ بہت بڑھ جاتا تھا، خصوصاً آخری عشرے میں تو پوری رات کا قیام معمول تھا، ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں اضافہ ہو جاتا تھا۔[3]

⑵ تراویح عہدِ فاروقی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں تراویح کی باقاعدہ جماعت کا اہتمام نہیں تھا، بل کہ لوگ تنہا چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں پڑھا کرتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ایک امام پر جمع کیا۔[4]

اور یہ خلافت فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے سال یعنی ۱۴ھ کا واقعہ

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب فضل من قام رمضان: ۲۶۹

[2] جامع الاصول: ۱۲۰/۶

[3] فیض القدیر، شرح جامع صغیر: ۱۳۲/۵

دن رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا معمولات تھے۔ وہ تمام معمولات ہمارے معمولات بھی بن جائیں۔ ان معمولات کو جاننے کے لیے بیت العلم ٹرسٹ کی کتاب ''مستند معمولات صبح و شام'' پڑھیے۔

[4] صحیح البخاری، صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، الرقم: ۲۰۰۹

ہے۔[1]

''حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ۲۳ رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ان میں ۲۰ تراویح کی اور تین رکعتیں وتر کی ہوتی تھیں۔[2]''

حضرت سائب کے دوسرے راوی یزید بن خصیفہ کے تین شاگرد ہیں۔ ابن ابی ذئب، محمد بن جعفر اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ اور یہ تینوں بالاتفاق بیس رکعتیں روایت کرتے ہیں۔

ابن ابی ذئب کی روایت امام بیہقی کی سنن کبریٰ میں درج ذیل سند کے ساتھ مروی ہے......:

''کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں رمضان میں لوگ بیس (۲۰) رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں شدتِ قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔''[3]

اس کی سند کو امام نووی، امام عراقی اور حافظ سیوطی رحمہم اللہ تعالیٰ نے صحیح کہا ہے۔[4]

(۳) تراویح عہدِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بیس (۲۰) تراویح کا معمول شروع ہوا تو بعد میں کم از کم بیس (۲۰) کا معمول رہا۔ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے زیادہ کی روایات تو مروی ہے، لیکن کسی سے صرف آٹھ کی

---

[1] تاریخ الخلفاء: ص ۱۲۱

[2] عمدة القاري، كتاب التراويح، باب فضل من قام رمضان: ۱۷۹/۱۱

[3] السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب ما روى فى عدد ......: ۴۹۶/۲

[4] آثار السنن: ص ۲۵۱، تحفة الاحوذی: ۷۵/۲

روایت نہیں۔

حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اوپر گزر چکی ہے، جس میں انہوں نے عہد فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بیس (۲۰) کا معمول ذکر کرتے ہوئے اسی سیاق میں عہد عثمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا وصال عہد عثمانی کے اواخر میں ہوا ہے وہ بھی بیس (۲۰) پڑھا کرتے تھے۔[1]

''ابوعبدالرحمٰن سلمی فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا، پس ان میں ایک شخص کو حکم دیا کہ بیس (۲۰) رکعتیں پڑھایا کرے اور وتر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود پڑھایا کرتے تھے۔''[2]

ابوعبدالرحمٰن سلمی کی یہ روایت شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے منہاج السنۃ میں ذکر کی ہے اور اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جاری کردہ تراویح کو اپنے دورِ خلافت میں باقی رکھا۔[3]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''المنتقی مختصر منهاج السنة'' میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس استدلال کو بلا نکیر ذکر کیا ہے، اس سے واضح ہے کہ ان دونوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بیس (۲۰) رکعات تراویح کا معمول جاری تھا۔[4]

''عمرو بن قیس ابوالحسناء سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ

---

[1] قيام الليل، طبع جديد. ص ۱۵۷

[2] السنن الكبرى، للبيهقي، كتاب الصلاة، باب ما روى في عدد ۲/۴۹۶

[3] منهاج السنة: ۴/۲۲۴

[4] المنتقى. ص ۵۴۲

عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان میں بیس (۲۰) رکعتیں پڑھایا کرے۔''[1]

''شتیر بن شکل جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب میں سے تھے، رمضان المبارک میں لوگوں کو بیس (۲۰) رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔''[2]

بیس (۲۰) تراویح سنت مؤکدہ ہے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موجودگی میں بیس (۲۰) تراویح جاری کرنا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس پر نکیر نہ کرنا اور عہد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر آج تک شرقاً وغرباً بیس (۲۰) تراویح کا مسلسل زیر تعامل رہنا، اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین میں داخل ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ ﴾[3]

ترجمہ: ''اور یقیناً ان کے لیے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کے لیے وہ پسند فرما چکا ہے۔''[4]

''اسد بن عمرو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے تراویح کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: تراویح سنت مؤکدہ ہے اور حضرت عمر رضی

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۳۹۳

[2] السنن الکبری للبیہقی، کتاب الصلاۃ، باب ماروی فی عدد ...... ۲/ ۴۹۶، قیام اللیل: ص ۹۱، طبع جدید ص ۱۵۷

[3] النور: ۵۵

[4] کفایت المفتی، کتاب الصلوۃ، باب تراویح: ۳/ ۳۹۷

اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اپنی طرف سے ایجاد نہیں کیا۔ نہ وہ کوئی بدعت ایجاد کرنے والے تھے، انہوں نے جو حکم دیا وہ کسی اصل کی بنا پر تھا، جو ان کے پاس موجود تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عہد پر مبنی تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سنت جاری کی اور لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت پر جمع کیا، پس انہوں نے تراویح کی جماعت کرائی، اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کثیر تعداد میں موجود تھے، حضرات صحابہ کرام عثمان، علی، ابن مسعود، عباس، ابن عباس، طلحہ، زبیر، معاذ اور دیگر مہاجرین وانصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سب موجود تھے، مگر ایک نے بھی اس کو رد نہیں کیا، بل کہ سب نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موافقت کی اور اس کا حکم دیا۔"[1]

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ بیس (۲۰) تراویح تین خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت ہے اور سنت خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جس کا مفہوم ہے:

"جو شخص تم میں سے میرے بعد جیتا رہا وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا۔ پس میری سنت کو اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو، اسے مضبوطی سے تھام لو اور دانتوں سے مضبوط پکڑ لو اور نئی نئی باتوں سے احتراز کرو کیوں کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"[2]

---

[1] الاختیار لتعلیل المختار: ۶۸/۱

[2] جامع الترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی من دعا ۹۶/۲

اس حدیث پاک سے سنت خلفائے راشدین کی پیروی کی تاکید معلوم ہوتی ہے۔

بیس (۲۰) تراویح کا ثبوت صحیح حدیث سے

موطا امام مالک میں یزید بن رومان رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے:

''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں لوگ رمضان میں تیئیس (۲۳) رکعات پڑھتے تھے (یعنی بیس تراویح اور تین وتر)۔''[1]

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے بیس (۲۰) تراویح کا معمول چلا آرہا ہے اور یہی نصاب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محبوب وپسندیدہ ہے۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، خصوصاً حضرات خلفائے راشدین کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں ہوسکتی کہ وہ دین کے کسی معاملے میں کسی ایسی بات پر متفق ہوسکتے تھے جو منشائے خداوندی اور منشائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اجماع کا لفظ تم نے علما دین کی زبان سے سنا ہوگا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی زمانے میں تمام مجتہدین کسی مسئلہ پر اتفاق کریں۔ بایں طور کہ ایک بھی خارج نہ ہو، اس لیے کہ یہ صورت نہ صرف یہ کہ واقع نہیں، بل کہ عادتاً ممکن بھی نہیں، بل کہ اجماع کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ ذورائے (صاحب رائے) حضرات کے مشورے سے یا بغیر مشورے کے کسی چیز کا حکم کرے اور اسے نافذ کرے یہاں تک کہ وہ شائع ہو جائے اور دنیا میں مستحکم ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''لازم پکڑو میری سنت کو اور میرے بعد خلفائے راشدین کی

---

[1] الموطا، للامام مالك، كتاب الصلاة في رمضان، باب ماجاء في قيام رمضان: ۹۸

سنت کو۔'' [1]

آپ غور فرمائیں گے تو بیس (۲۰) تراویح کے مسئلہ میں یہی صورت پیش آئی، کہ خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امت کو بیس (۲۰) تراویح پر جمع کیا اور مسلمانوں نے اس کا التزام کیا، جیسا کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں: ''شائع شد و در عالم ممکن گشت'' یہی وجہ ہے کہ اکابر علما نے بیس (۲۰) تراویح کو بجا طور پر ''اجماع'' سے تعبیر کیا ہے۔

مَلِک العلما علامہ کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ماہ رمضان میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدا پر جمع کیا۔ وہ ان کو ہر رات بیس (۲۰) رکعتیں پڑھاتے تھے اور اس پر کسی نے نکیر نہیں کی، پس یہ ان کی جانب سے بیس (۲۰) رکعت تراویح پر اجماع ہوا۔'' [2]

مسائلِ تراویح

تراویح میں تیز رفتاری

تراویح کی نماز میں عام نمازوں کی نسبت ذرا تیز پڑھنے کا معمول تو ہے، مگر ایسا تیز پڑھنا کہ الفاظ صحیح طور پر ادا نہ ہوں اور سننے والوں کو سوائے ''يَعْلَمُوْنَ تَعْلَمُوْنَ'' کے کچھ سمجھ نہ آئے، حرام ہے، ایسے الفاظ کے بجائے ''اَلَمْ تَرَ كَيْفَ'' سے تراویح پڑھ لینا بہتر ہے۔ [3]

---

[1] ازالة الخفاء، ص ۲۶

[2] بدائع الصنائع، كتاب الصلاة: ۲۸۸/۱

[3] مسائل تراویح، بحوالہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ص ۳۹

بغیر عذر کے تراویح بیٹھ کر پڑھنا

تراویح بغیر عذر کے بیٹھ کر نہیں پڑھنی چاہیے، یہ خلاف استحباب ہے اور ثواب بھی آدھا ملے گا۔[1]

تراویح میں رکوع تک الگ بیٹھے رہنا

تراویح میں ایک بار پورا قرآن مجید سننا ضروری اور سنت مؤکدہ ہے، جو لوگ امام کے ساتھ شریک نہیں ہوتے، ان سے اتنا حصہ قرآنِ کریم کا فوت ہوجاتا ہے۔ اس لیے یہ لوگ نہ صرف ایک ثواب سے محروم رہتے ہیں، بل کہ نہایت مکروہ فعل کے مرتکب ہوتے ہیں، کیوں کہ ان کا یہ فعل قرآنِ کریم سے اعراض کے مشابہ ہے۔[2]

تراویح میں قراءت کی مقدار

تراویح میں کم از کم ایک قرآنِ مجید ختم کرنا سنت ہے، لہٰذا اتنا پڑھا جائے کہ (۲۹) رمضان کو قرآنِ کریم پورا ہوجائے۔[3]

دو تین راتوں میں مکمل قرآن کر کے بقیہ تراویح چھوڑ دینا

تراویح پڑھنا مستقل سنت ہے اور تراویح میں پورا قرآن کریم سننا الگ سنت ہے۔ جو شخص ان میں سے کسی ایک سنت کا تارک ہوگا وہ گناہ گار ہوگا۔[4]

تراویح میں صرف بھولی ہوئی آیات کو دوہرانا

پورا لوٹانا افضل ہے صرف اتنی آیتوں کا بھی پڑھ لینا جائز ہے۔[5]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل، نماز تراویح: ۶۲/۳

[2] فتاویٰ رحیمیه: ۳۵۴/۱، بحواله عالمگیری: ۱۱۹/۱، فتاویٰ محمودیه: ۳۵۴/۲

[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل، نماز تراویح: ۶۲/۳

[4] آپ کے مسائل اور ان کا حل، نماز تراویح: ۶۲/۳

[5] آپ کے مسائل اور ان کا حل، نماز تراویح: ۶۲/۳

تراویح میں خلافِ ترتیب سورتیں پڑھنا

نماز میں سورتوں کو قصداً خلافِ ترتیب پڑھنا مکروہ ہے، مگر اس سے سجدہ سہو لازم نہیں آتا اور اگر بھول کر خلافِ ترتیب پڑھ لے تو کراہت بھی نہیں۔[1]

تراویح میں ایک مرتبہ "بِسْمِ اللّٰہِ" بلند آواز سے پڑھنا

تراویح میں کسی سورت کے شروع میں ایک مرتبہ "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" کی آیت بھی بلند آواز سے پڑھ دینی چاہیے، کیوں کہ یہ قرآنِ کریم کی ایک مستقل آیت ہے، اگر اس کو جہراً نہ پڑھا گیا تو مقتدیوں کا قرآنِ کریم کا سماع (سننا) پورا نہیں ہوگا۔[2]

دورانِ تراویح "قُلْ هُوَ اللّٰهُ" کو تین بار پڑھنا

تراویح میں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" تین بار پڑھنا جائز ہے مگر بہتر نہیں، تاکہ اس کو سنت لازمہ نہ بنا لیا جائے۔[3]

تراویح میں ختمِ قرآن کا صحیح طریقہ

ویسے تو قرآنِ مجید "سورۃ الناس" پر ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر کوئی حافظ "سورۃ الناس" آخری رکعت میں پڑھیں اور "سورۃ البقرہ" شروع نہ کریں تو یہ درست ہے، لیکن جو حفاظ کرام "سورۃ الناس" کے بعد بیسویں رکعت میں "سورۃ البقرہ" شروع کر دیتے ہیں یا انیسویں رکعت میں سورۃ البقرہ اور بیسویں رکعت میں "سورۃ الصافات" کی آخری دعائیہ آیات پڑھتے ہیں تو اگر اس طریقہ کو وہ لازمی نہیں سمجھتے

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل، نماز تراویح: ۳/ ۶۲

[2] آپ کے مسائل اور ان کا حل، نماز تراویح: ۳/ ۶۳

[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل، نماز تراویح: ۳/ ۶۳

ہیں تو اس طرح سے ختمِ قرآن میں کوئی حرج نہیں، بل کہ ''سورۃ الناس'' کے بعد ''سورۃ البقرۃ'' شروع کرنے میں اس بات کی طرف لطیف سا اشارہ ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن میں تسلسل ہونا چاہیے اور حدیث میں اس کی تعریف آتی ہے کہ آدمی قرآن کریم ختم کرکے دوبارہ شروع کردے۔ اس لیے یہ بہتر ہے کہ ایک قرآن ختم کرکے فوراً دوسرا قرآن شروع کردیا جائے، البتہ اس طریقہ کو اگر لازمی سمجھا جائے تو درست نہیں۔[1]

تراویح میں مقتدی کا رکوع چھوٹنے پر نماز کا حکم

مقتدی کو چاہیے کہ وہ اپنا رکوع کرکے امام کے ساتھ سجدے میں شریک ہو جائے۔ بہرحال رکوع نماز میں فرض ہے جب وہ چھوٹ گیا تو نماز نہیں ہوگی۔[2]

تراویح کے دوران وقفہ

نماز تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد اتنی دیر بیٹھنا جتنی دیر میں چار رکعتیں پڑھی گئی تھیں، مستحب ہے لیکن اگر اتنی دیر بیٹھنے میں لوگوں کو تنگی ہو تو کم وقفہ کیا جائے۔[3]

تراویح میں امامت کا حق

اگر امامِ مسجد خود تراویح پڑھانا چاہے تو تراویح بھی امامت کا حق اسی کو حاصل ہے اور اگر کسی اور کو مقرر کرلے تو وہ تراویح پڑھا سکتا ہے، البتہ امام مسجد کی اجازت کے بغیر کسی اور کو حق حاصل نہیں۔[4]

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل، نماز تراویح: ۶۴/۳

[2] آپ کے مسائل اور ان کا حل، نماز تراویح: ۶۵/۳

[3] الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح: ص ٤٠٤

[4] فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ٢٨٢/٤، بحواله ردالمحتار، باب الامامة: ٥٥٩/١

تراویح کے لیے حافظ کا تقرر

چوں کہ مسئلہ یہ ہے کہ ''اَلْاُمُوْرُ بِمَقَاصِدِھَا'' اور یہ بھی ہے کہ ''اَلْمَعْرُوْفُ کَالْمَشْرُوْطِ'' پس اگر کسی حافظ کو ختمِ قرآن کے لیے تراویح کا امام بنایا جائے تو ظاہر ہے اس سے مقصود امامت نہیں ہے، بل کہ قرآن شریف کا ختم ہے۔ لہٰذا اس پر جو اجرت دی یا لی جائے گی، ختمِ قرآن کی وجہ سے ہے، نہ کہ محض امامت کی وجہ سے پس حسبِ قاعدہ ''لَا یَجُوْزُ اَخْذُ الْاُجْرَۃِ عَلٰی قِرَاءَۃِ الْقُرْآن''

تَرجَمہ: ''قراءتِ قرآن پر اجرت لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔'' لہٰذا تراویح میں ختمِ قرآن پر اجرت لینا اور دینا جائز نہ ہوگا۔[1]

ایک شخص کا دو جگہ تراویح پڑھانا

اگر دونوں جگہ پوری پوری تراویح پڑھائے تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق دوسری مسجد والوں کی تراویح درست نہیں ہوگی، عالمگیری میں صراحت موجود ہے۔[2]

وضاحت: اس کی ایک صورت یہ نکل سکتی ہے کہ حافظ صاحب دس رکعت ایک مسجد میں تراویح پڑھائیں اور بقیہ تراویح بجائے حافظ صاحب کے مقتدیوں میں سے کوئی صاحب دوسری سورتوں سے پوری کردیں۔

تراویح میں معاوضے کی شرعی حیثیت

اجرت پر قرآنِ مجید پڑھنا درست نہیں ہے اور اس میں ثواب بھی نہیں ہے۔ اور ''اَلْمَعْرُوْفُ کَالْمَشْرُوْطِ'' جس کی نیت لینے دینے کی ہے وہ بھی اجرت کے

[1] مأخذہ، ردالمحتار، الإجارۃ، باب الإجارۃ الفاسدۃ: ٦/٥٦

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلاۃ، مسائلِ تراویح: ٤/٢٨٨

حکم میں ہے اور ناجائز ہے۔[1]

اس حالت میں صرف تراویح پڑھنا اور اجرت پر قرآن نہ سننا بہتر ہے اور صرف تراویح ادا کر لینے سے قیام رمضان کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔[2]

تراویح کی اجرت بطورِ نذرانہ

فقہا نے یہ قاعدہ لکھ دیا ہے کہ ''اَلْمَعْرُوْفُ كَالْمَشْرُوْطِ'' پس اگر حافظ صاحب کو معلوم ہے کہ ان کے قرآن سنانے پر مسجد سے روپیہ ملے گا اور لینا دینا معروف ہے تو ان حافظ صاحب کو قرآن ختم کر کے کچھ لینا درست نہیں ہے، ورنہ پڑھنے اور سننے والے دونوں ثواب سے محروم ہیں۔[3]

حافظِ تراویح کو آمد ورفت کا کرایہ پیش کرنا اور کھانا کھلانا

آمد ورفت کا کرایہ دے کر حافظ کو باہر سے بلانا اور اس کا قرآن بلا معاوضہ سننا جائز اور موجبِ ثواب ہے، جب کہ وہ باہر سے آیا ہوا اور بلایا ہوا مہمان ہے تو اس کو عمدہ کھانا کھلانا جائز ہے۔[4]

تراویح پر معاوضے کی گنجائش

تراویح میں اجرت لینا دینا ناجائز ہے، لینے دینے والے دونوں گناہ گار ہوتے ہیں، اس سے اچھا یہ ہے کہ ''اَلَمْ تَرَ كَيْفَ'' سے پڑھائی جائے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھنا اور اللہ تعالیٰ کے لیے امداد کرنا جائز ہے، مگر اس زمانہ میں یہ کہاں ہے؟ ایک مرتبہ پیسے نہ دیے جائیں تو حافظ صاحب دوسری مرتبہ نہیں

---

[1] ردالمحتار، الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب فی الاستیجار ٦/٥٥

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلاۃ، مسائل تراویح: ٤/٢٤٦

[3] کفایت المفتی، کتاب الصلوٰۃ، باب الامامۃ: ٣/١٠٨، ١٠٩

[4] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلاۃ، مسائل تراویح: ٤/٢٩٥

آ ئیں گے۔

اصل مسئلہ یہی ہے، مگر وہ مشکلات بھی نظر انداز نہ ہونی چاہئیں، جو ہر سال اور تقریباً ہر ایک مسجد کے نمازی کو پیش آتی ہیں، قابلِ عمل حل یہ ہے کہ جہاں لوجہ اللہ (اللہ کے لیے) تراویح پڑھانے والا حافظ نہ ملے، وہاں تراویح پڑھانے والے کو ماہ رمضان کے لیے نائب امام بنایا جائے اور اس کے ذمے ایک یا دو نماز سپرد کر دی جائیں تو مذکورہ حیلے سے تنخواہ لینا جائز ہوگا، کیوں کہ امامت کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے۔

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر رمضان المبارک کے مہینے کے لیے حافظ کو تنخواہ پر رکھ لیا جائے اور ایک دو نمازوں میں سے اس کی امامت متعین کر دی جائے تو یہ صورت جواز کی ہے، کیوں کہ امامت کی اجرت کی فقہا نے اجازت دی ہے۔[1]

حضرت مفتی محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اصل مذہب تو عدم جواز ہی ہے، لیکن حالتِ مذکورہ میں حیلہ مذکورہ کی گنجائش ہے۔[2]

نیز ایک صورت یہ بھی نکل سکتی ہے کہ نمازیوں میں سے اگر کوئی صاحب خیر حافظ صاحب کے افطار وسحری کا انتظام کر دیں اور آخیر میں بطورِ ہدیہ بطورِ امداد کچھ پیش کر دیں تو یہ قابلِ اعتراض نہیں ہے، بطورِ اجرت دینا ممنوع ہے۔[3]

بچے کے پیچھے تراویح کا مسئلہ

بچے کی تراویح صرف نفل ہے اور بالغ کی سنت مؤکدہ۔ دوسرے بچے کی نفل شروع کرنے سے بھی واجب نہیں ہوتی اور بالغ پر واجب ہو جاتی ہے پس بچے کی

[1] کفایت المفتی، کتاب الصلاۃ، باب التراویح: ۴۱۰/۳

[2] مسائل تراویح، تراویح پر معاوضہ کی گنجائش: ۳۰/۱۱

[3] مسائل تراویح، تراویح پر معاوضہ کی گنجائش: ۳۰/۱۱

ضعیف ہوگئی اس پر بالغ کی قوی نماز کا بنا کرنا خلافِ اصول ہونے کے سبب جائز نہیں رہے گا۔[۱]

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: نابالغ کو تراویح کے لیے امام بنانا درست نہیں ہے، البتہ اگر وہ نابالغوں کی امامت کرے تو جائز ہے۔[۲]

بالغ ہوگیا مگر داڑھی نہیں نکلی

اگر وہ خوب صورت ہے اور اس کو نگاہِ شہوت سے لوگوں کے دیکھنے کا احتمال ہے، تب تو اگر وہ حافظ یا طالب علم بھی ہو، تب بھی اس کی امامت مکروہ ہے اور اگر یہ بات نہیں ہے صرف عوام کی ناپسندیدگی ہے تو اگر وہ سب مقتدیوں سے علم وقرآن میں اچھا ہو تو اس کی امامت مکروہ نہیں ہے اور اگر اتنی عمر ہوگئی ہے کہ اب داڑھی بھرنے کی امید نہیں رہی ہے تو وہ امرد نہیں رہا۔[۳]

ایک ماہ کم پندرہ سال کے لڑکے کی امامت

مسئلہ یہ ہے کہ اگر لڑکے میں اور کوئی علامت بلوغ کی مثلاً احتلام وانزال نہ پائی جائے تو پورے پندرہ برس کی عمر ہونے پر شرعاً بالغ سمجھا جاتا ہے، پس جس کی عمر یکم رمضان کو چودہ سال گیارہ ماہ کی ہوئی، اس کی امامت تراویح اور وتر میں درست نہیں ہے، کیوں کہ صحیح مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی ہے کہ نابالغ کی امامت فرائض ونوافل اور واجب میں درست نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی علامت بلوغ کی پائی جائے تو درست ہوگی۔

نیز چودہ برس کی عمر کے لڑکے کے پیچھے فرائض وتراویح درست نہیں، جب تک پورے پندرہ برس کا نہ ہو جائے، البتہ چودہ برس کی عمر میں بلوغت کے آثار پیدا ہو

[۱] امداد الفتاوی، کتاب الصلاۃ، باب الامامت والجماعت: ۲۳۹/۱

[۲] فتاویٰ محمودیہ، باب الامامۃ: ۹۰/۲

[۳] امداد الفتاوی، کتاب الصلاۃ، باب الامامت والجماعت: ۲۳۸/۱

چکے ہوں اور وہ کہے کہ میں بالغ ہو چکا ہوں تو اس کے پیچھے درست ہے۔[1]

کس عمر کا لڑکا تراویح پڑھا سکتا ہے

اگر دوسری علامت بلوغ کی مثلاً احتلام وغیرہ لڑکے میں موجود نہ ہو تو شرعاً پندرہ برس کی عمر پوری ہونے پر بلوغ کا حکم دیا جاتا ہے۔

پس جس لڑکے کو سولہواں سال شروع ہوگیا ہے، اس کے پیچھے تراویح اور فرض نماز سب درست ہے، اگرچہ بے ریش ہو اور ایسی عمر کا لڑکا اگلی صف میں بھی کھڑا ہوسکتا ہے، اور تیرہ چودہ برس کا لڑکا امام نہیں ہوسکتا، لیکن تراویح میں بتلانے (سامع) کی وجہ سے اس کو اگلی صف میں کھڑا کر سکتے ہیں۔[2]

داڑھی منڈے حافظ کی امامت

داڑھی منڈانا حرام ہے اور داڑھی منڈانے والا از روئے شرع فاسق ہے، لہٰذا ایسے حافظ کو تراویح کے لیے امام بنانا جائز نہیں ہے۔ ایسے امام کے پیچھے تراویح پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔[3]

کہنی تک کٹے ہوئے ہاتھ والے کی امامت

ایسے امام کے پیچھے تراویح پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔[4]

فیشن پرست حافظ کی امامت

اگر حافظ اپنی قبیح عادتوں کے چھوڑ دینے کا عہد کرے تو اس کو امام تراویح بنا

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلاۃ، مسائل تراویح: ۲۹۵/٤

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلاۃ، مسائل تراویح: ۲٤۷/٤

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ: ۲۸۹/۳، احسن الفتاوی، فصل فی التراویح: ۵۱۸/۳

[4] فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الصلاۃ، باب الاقامۃ والجماعۃ: ۱۸۷/٤

سکتے ہیں، اگر انکار کرے تو پھر ایسا شخص امامت کے منصب کے لائق نہیں، اسی وجہ سے اگر نمازی اس سے ناراض ہوں تو ان کی ناراضگی حق ہوگی۔

حدیث میں ہے: کہ شرعی سبب سے اگر مصلی (نمازی) امام سے ناراض ہوں تو ایسے امام کے پیچھے نماز مقبول نہیں ہوتی، اگر حافظ اپنے طرزِ زندگی کو بدلنے کے لیے تیار ہو تو ان کو امام بنایا جا سکتا ہے، ورنہ امامت کا مقدس منصب ان کے سپرد نہ کیا جائے۔[1]

طوائف کے لڑکے کے پیچھے تراویح

اگر یہ حافظ صاحب صالح اور نیک اور معاشرت کے لحاظ سے محفوظ ہیں تو ان کے پیچھے نماز جائز ہے۔ ولد الزنا ہونا ایسی صورت میں موجب کراہت نہیں۔[2]

اگر حافظ کی ڈاڑھی ایک مشت سے کم ہو

امداد المفتیین میں ڈاڑھی منڈوانے یا کٹوانے والے کے متعلق ہے کہ وہ شخص فاسق اور سخت گناہ گار ہے، اس کو امام بنانا ناجائز ہے، کیوں کہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور وہ واجب الاہانت ہے اس کو امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے۔ اس لیے اس کو امام بنانا جائز نہیں ہے۔[3]

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

حدیث سے ڈاڑھی کا چھوڑنا اور زیادہ کرنا اور مونچھوں کا کتروانا ثابت ہے اور ڈاڑھی منڈوانا اور کتروانا جب کہ ڈاڑھی ایک مٹھی سے زیادہ نہ ہو تو حرام ہے۔

جو شخص ایک مٹھی سے کم ڈاڑھی کو کترواتا یا منڈاتا ہے، وہ فاسق ہے اور فاسق

---

[1] درمختار مع شامی: ۱/۵۲۲

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ: ۳/۳۱۵، کفایت المفتی، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ: ۳/۱۰۴

[3] امداد المفتیین: ۱/۲۶۱، بحوالہ شامی، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ: ۱/۲۶۶

کی امامت مکروہ تحریمی ہے، جس شخص میں اگر سب باتیں موافق شرع کے ہیں، لیکن ایک بات میں وہ خلاف اور فعل حرام کا مرتکب ہے تو وہ فاسق ہے، اس کو چاہیے کہ وہ فعلِ حرام سے بھی توبہ کرے اور ڈاڑھی نہ منڈائے اور نہ کتروائے۔

البتہ ایک مٹھی سے زیادہ ہو تو اس کو کتروانا فقہا نے جائز لکھا ہے۔[1]

نابینا کی امامت

فقہا کرام نے ایسے نابینا کی امامت کو جو غیر محتاط اور نجاست سے نہ بچتا ہو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، لیکن یہ حکم عام نہیں ہے، بل کہ غیر محتاط کے ساتھ خاص ہے۔

لہٰذا جو نابینا محتاط ہو اور نجاست سے بچنے کا پورا اہتمام کرتا ہو پاک صاف اور ستھرا رہتا ہو، اس کی امامت کو بلا کراہت جائز لکھا ہے۔[2]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں تشریف لے جانے کے موقعے پر حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو نابینا تھے، مسجد نبوی میں نماز پڑھانے کے لیے اپنا قائم مقام بنایا تھا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود نابینا ہونے کے بنی حطمہ کے امام تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں بنی حطمہ کا امام تھا، حالاں کہ میں نابینا تھا۔[3]

ایک آنکھ والے کی امامت جائز ہے، کوئی وجہ کراہت کی نہیں ہے۔[4]

تراویح پڑھانے والا اگر پابندِ شرع نہ ہو تو کیا حکم ہے

خلافِ سنت داڑھی والا شخص، سودی معاملہ کرنے والا اور ناجائز طریقے سے

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ: ۲۸۹/۳

[2] فتاویٰ محمودیہ، کتاب الطہارۃ، باب الامامۃ: ۱۰۲/۲

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ ۱۶۸/۳

[4] کفایت المفتی، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ: ۸۰/۳

تجارت کرنے والا شخص امامت کے قابل نہیں، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔[1] لیکن حاضرین میں کوئی دوسرا شخص ایسا بھی نہ ہو تو تنہا نماز پڑھنے کے بجائے ایسے امام کے پیچھے پڑھ لینی چاہیے۔

تراویح سے متعلق ضروری مسائل

❶ تراویح کی جماعت عشا کی جماعت کے تابع ہے، لہٰذا عشا کی جماعت سے پہلے جائز نہیں اور جس مسجد میں عشا کی جماعت نہیں ہوئی، وہاں پر تراویح کو بھی جماعت سے پڑھنا درست نہیں۔[2]

❷ ایک شخص تراویح پڑھ چکا، امام بن کر یا مقتدی ہو کر، اب اسی شب میں اس کو امام بن کر تراویح پڑھنا درست نہیں، البتہ اگر دوسری مسجد میں تراویح کی جماعت ہو رہی ہے تو وہاں (بہ نیت نفل) شریک ہونا بلا کراہت جائز ہے۔[3]

❸ کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچا کہ تراویح کی جماعت شروع ہو گئی تھی تو اس کو چاہیے کہ پہلے فرض اور سنتیں پڑھے، اس کے بعد تراویح میں شریک ہو اور چھوٹی ہوئی تراویح دو ترویحہ کے درمیان پوری کرے، اگر موقع نہ ملے تو وتروں کے بعد پڑھے اور وتروں یا تراویح کی جماعت چھوڑ کر تنہا نہ پڑھے۔[4]

❹ ایک امام کے پیچھے فرض دوسرے کے پیچھے تراویح اور وتر پڑھنا بھی جائز ہے۔[5]

❺ اگر بعد میں معلوم ہوا کہ کسی وجہ سے عشا کے فرض صحیح نہیں ہوئے، مثلاً امام نے بغیر وضو پڑھائے یا کوئی رکن چھوڑ دیا تو فرضوں کے ساتھ تراویح کا بھی اعادہ کرنا

---

[1] ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الامامة: ۵٦۰/۱

[2] ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۴۴/۲

[3] الحلبي الكبير، فصل في النوافل والتراويح: ۴۰۸

[4] الحلبي الكبير، فصل في النوافل والتراويح: ۴۰۳

[5] فتاوى محمودية، باب التراويح: ۲۸۲/۷

چاہیے۔ اگرچہ یہاں وہ وجہ موجود نہ ہو۔[1]

❻ قیامِ لیلِ رمضان یا تراویح یا سنتِ وقت یا صلوٰۃِ امامت کی نیت کرنے سے تراویح ادا ہو جائے گی۔[2]

❼ اگر امام دوسرا یا تیسرا شفعہ پڑھ رہا ہے اور کسی مقتدی نے اس کے پیچھے پہلے شفعہ کی نیت کی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔[3]

❽ اگر یاد آیا کہ گزشتہ شب کوئی شفعہ تراویح کا فوت ہو گیا یا فاسد ہو گیا تھا تو اس کو بھی جماعت کے ساتھ تراویح کی نیت سے قضا کرنا مکروہ ہے۔[4]

❾ اگر وتر پڑھنے کے بعد یاد آیا کہ ایک شفعہ رہ گیا تھا تو اس کو بھی جماعت کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔[5]

❿ اگر بعد میں یاد آیا کہ ایک مرتبہ صرف ایک ہی رکعت پڑھی گئی اور شفعہ پورا نہیں ہوا اور تراویح کی کل (۱۹) رکعت ہوئیں تو دو رکعات اور پڑھ لی جائیں۔ یعنی صرف شفعہ فاسدہ کا اعادہ ہوگا اور اس کے بعد کی تمام تراویح کا اعادہ نہ ہوگا۔[6]

⓫ جب شفعہ فاسدہ کا اعادہ کیا جائے تو اس میں جس قدر قرآن پڑھا تھا، اس کا بھی اعادہ کرنا چاہیے، تاکہ تمام قرآن صحیح نماز میں ختم ہو۔[7]

⓬ اگر اٹھارہ پڑھ کر امام سمجھا کہ بیس پوری ہوگئیں اور وتروں کی نیت باندھ لی، مگر دو رکعت پڑھ کر یاد آیا کہ ایک شفعہ تراویح کا باقی رہ گیا ہے، جب ہی دو رکعت پر

---

[1] الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل والتراویح: ۴۰۳

[2] الفتاوی العالمگیریۃ، کتاب الصلوم، فصل فی نیۃ التراویح: ۲۳۶/۱

[3] فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیہ، فصل فی نیۃ التراویح: ۲۳۷/۱

[4] فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیۃ، کتاب الصوم، فصل فی وقت التراویح: ۲۳۶/۱

[5] الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل والتراویح: ۴۰۹

[6] الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل والتراویح: ۴۰۹

[7] فتاوی قاضی خان، کتاب الصوم، فصل فی مقدار القرأۃ فی التراویح: ۲۳۸/۱

سلام پھیر دیا تو یہ شفعہ (دو رکعت) تراویح کا شمار نہ ہوگا۔[1]

⑬ اگر امام نے دو رکعت پر قعدہ نہیں کیا، بل کہ چار پڑھ کر قعدہ کیا تو یہ آخر کی دو رکعت شمار ہوں گی۔[2]

⑭ بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے سے تراویح ادا ہو جائے گی، مگر ثواب نصف ملے گا۔[3]

⑮ اگر امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھائے، تب بھی مقتدیوں کو کھڑے ہو کر پڑھنا مستحب ہے۔[4]

⑯ تراویح کو شمار کرتے رہنا مکروہ ہے، کیوں کہ یہ اکتا جانے کی علامت ہے۔[5]

⑰ مستحب یہ ہے کہ رات کا اکثر حصہ تراویح میں خرچ کیا جائے۔[6]

⑱ ایک مرتبہ قرآن مجید ختم کرنا (پڑھ کر یا سن کر) سنت ہے، دوسری مرتبہ فضیلت ہے اور تین مرتبہ افضل ہے، لہٰذا اگر ہر رکعت میں تقریباً دس آیتیں پڑھی جائیں تو ایک مرتبہ بسہولت ختم ہو جائے گا اور مقتدیوں کو بھی گرانی نہ ہوگی۔[7]

⑲ جو لوگ حافظ ہیں، ان کے لیے فضیلت یہ ہے کہ مسجد سے واپس آ کر بیس (۲۰) رکعت اور پڑھا کریں، تاکہ دو مرتبہ ختم کرنے کی فضیلت حاصل ہو جائے۔[8]

⑳ ہر عشرے میں ایک ختم کرنا افضل ہے۔[9]

---

[1] فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمگیریة، کتاب الصوم، فصل فی نیة التراویح: ۱/۲۳۷

[2] الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل والتراویح: ۴۰۸

[3] الفتاوی العالمگیریة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱/۱۱۸

[4] فتاوی قاضی خان، کتاب الصوم، فصل فی اداء التراویح قاعداً: ۱/۲۴۳

[5] فتاوی قاضی خان، کتاب الصوم، فی فی اداء التراویح قاعداً: ۱/۲۴۴

[6] البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۱۹

[7] فتاوی قاضی خان، کتاب الصوم فصل فی مقدار القراءة فی التراویح: ۱/۲۳۷

[8] فتاوی قاضی خان، کتاب الصوم، فصل فی مقدار القرأة فی التراویح: ۱/۲۳۸

[9] البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲۱

(۲۱) اگر مقتدی اس قدر ضعیف اور کاہل ہوں کہ ایک مرتبہ بھی پورا قرآن مجید نہ سن سکیں، بل کہ اس کی وجہ سے جماعت چھوڑیں تو جس قدر سننے پر وہ راضی ہوں، اس قدر پڑھ لیا جائے یا "اَلَمْ تَرَ كَيْفَ" سے پڑھ لیا جائے، لیکن اس صورت میں ختم کی سنت کے ثواب سے محروم رہیں گے۔[1]

(۲۲) اگر کوئی آیت چھوٹ گئی اور کچھ حصہ آگے پڑھ کر یاد آیا کہ فلاں آیت چھوٹ گئی ہے تو اس کے پڑھنے کے بعد آگے پڑھے ہوئے حصے کا اعادہ بھی مستحب ہے۔[2]

(۲۳) کسی چھوٹی ہوئی سورت کا فصل کرنا دو رکعت کے درمیان فرائض میں مکروہ ہے، تراویح میں مکروہ نہیں ہے۔[3]

(۲۴) اگر مقتدی ضعیف اور سست ہوں کہ طویل نماز کا تحمل نہ کر سکتے ہوں تو درود کے بعد دعا چھوڑ دینے میں مضائقہ نہیں، لیکن درود کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔[4]

(۲۵) کوئی شخص ایسے وقت جماعت میں شریک ہوا کہ امام قرات شروع کر چکا تھا تو ثنا نہیں پڑھنا چاہیے۔[5]

(۲۶) مسبوق اپنی نماز تنہا پوری کرنے کے لیے نہ اٹھے، جب تک کہ امام کی نماز ختم ہونے کا یقین نہ ہو جائے[6] کیوں کہ بعض مرتبہ امام سجدہ سہو کے لیے سلام پھیرتا ہے اور مسبوق اس کو ختم کا سلام سمجھ کر اپنی نماز پوری کرنے کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے،

---

[1] البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل ۲/۱۲۱، فتاوى قاضي خان، كتاب الصوم، فصل في مقدار القرأة في التراويح: ۱/۲۳۸

[2] الفتاوى العالمگيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۸

[3] البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲۱

[4] الفتاوى العالمگيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۷

[5] الحلبي الكبير، صفة الصلاة: ۳۰۴

[6] المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في التغني والالحان: ۱/۴۲۸

ایسی صورت میں فوراً لوٹ کر امام کے ساتھ شریک ہو جانا چاہیے۔[1]

۲۷ اگر کوئی شخص ایسے وقت آیا کہ امام رکوع میں تھا، یہ فوراً تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں شریک ہوا، جب ہی امام نے رکوع سے سر اٹھا لیا، پس اگر سیدھا کھڑا ہو کر تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے رکوع میں گیا تھا اور رکوع میں جھکنے سے پہلے اللہ اکبر کہہ چکا تھا اور کمر کو رکوع میں برابر کر لیا تھا، اس کے بعد امام نے رکوع سے سر اٹھایا، تب تو رکعت مل گئی، تسبیح اگرچہ ایک مرتبہ بھی نہ کہی ہو اور اگر امام کے سر اٹھانے سے پہلے رکوع میں کمر کو برابر نہیں کر سکا تو رکعت نہیں ملی اور اگر تکبیر سیدھے کھڑے ہو کر نہیں کہی، بل کہ جھکتے ہوئے کہی اور رکوع میں پہنچ کر ختم کی تو یہ شروع کرنا ہی صحیح نہ ہوگا۔[2]

۲۸ اگر رکوع میں امام کے ساتھ آ کر شریک ہوا اور صرف ایک ہی تکبیر کہی تب بھی نماز صحیح ہو گئی، اگرچہ اس تکبیر سے رکوع کی تکبیر کی نیت اور تکبیر تحریمہ کی نیت نہ کی ہو، اس نیت کا اعتبار نہ ہوگا بشرطیکہ تکبیر کھڑے ہو کر کہی ہو، رکوع میں نہ کہی ہو۔[3]

[1] الفتاوی العالمگیریة، الباب الخامس فی الامامة، الفصل السابع فی المسبوق واللاحق: ۹۲/۱

[2] المحیط البرهانی، کتاب الصلوة، الفصل الثالث والثلاثون فی بیان حکم المسبوق واللاحق: ۳٤۷/۲

[3] فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب ادراك الفریضة: ۳٤۷/۱

کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں

حرام سے بچنے اور حلال کو حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں مختلف مقامات پر مختلف عنوانات سے تاکیدیں فرمائی ہیں، ایک آیت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انسان کے اعمال و اخلاق میں بہت بڑا دخل حلال کھانے کا ہے، اگر اس کا کھانا پینا حلال نہیں تو اس سے اخلاقِ حمیدہ اور اعمالِ صالحہ کا صادر ہونا مشکل ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لیے دعا فرما دیجیے کہ میں جو دعا کروں قبول ہو جایا کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سعد! اپنا کھانا حلال اور پاک بنالو، تمہاری دعائیں قبول ہوں گی، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! بندہ جب اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس روز تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا، جس شخص کا گوشت حرام مال سے بنا ہو، اس گوشت کے لیے تو جہنم کی آگ ہی لائق ہے۔'' [1]

خنزیر حرام ہے

قرآنِ مجید کی رو سے خنزیر کھانا حرام ہے اور خنزیر کا حرام ہونا اس کے گوشت کے ساتھ خاص نہیں، بل کہ اس کے تمام اجزا، گوشت ہڈی، کھال، بال، پٹھے سب ہی حرام ہیں۔ [2]

---

[1] الترغیب، والترھیب، الترغیب فی طلب الحلال: ۲/۳٤٥، کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۱۷، ۱۸

[2] الانعام: ۱٤٥، کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۲۰

خنزیر کے مادہ سے پیدا ہونے والی گائیں

مغربی ممالک کی جو فارمی گائیں ہیں، وہ سب چھوٹے قد کی اور پتلے پتلے پاؤں والی ہیں، ان کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہاں کے لوگوں نے جب خنزیر پر ریسرچ کیا تو پتا لگا کہ مادہ خنزیر بیک وقت دس بارہ بچے جنتی ہے اور سارے بچے دودھ ہی پر پلتے ہیں، تجربہ کیا تو پتا چلا کہ مادہ خنزیر کے تھن میں دودھ بہت زیادہ ہوتا ہے اور وہ کافی دنوں تک خشک بھی نہیں ہوتا، اس لیے انہوں نے تجرباتی طور پر گائے کو خنزیر سے کراس کروادیا، جب بچے پیدا ہوئے تو اسی قدر کاٹھ اور ڈیل ڈھول کے، اور پھر گائے کے تھن بھی اسی طرح بھرے بھرے ہوئے اور دودھ کی مقدار بھی ضرورت سے زیادہ ہونے لگی، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اب پوری دنیا میں وہی دودھ خشک کر کے ڈبوں میں بند کر کے طرح طرح کے ناموں سے بیچا جارہا ہے، اس لیے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ گائے اور اس کا دودھ حلال ہے یا حرام؟

جواب یہ ہے کہ ایسی فارمی گائیں جن کے بارے میں یہ باتیں مشہور ہیں، اس کی صحیح تحقیق معلوم نہیں اور جب تک تحقیق نہ ہو جائے اس وقت تک اس کا گوشت اور دودھ پاک ہے اور حلال ہے۔[1]

غیرِ مسلم ممالک میں مسلمان دکان دار سے گوشت خریدنا

غیرِ مسلم ممالک میں گوشت فروخت کرنے والا مسلمان دکان دار اگر دین دار ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ گوشت حلال جانور کا ہے اور شرعی طریقے کے مطابق اس کو ذبح کیا گیا ہے تو اس کی بات پر اعتماد کر کے اس سے گوشت خریدنا جائز ہے اور اس کا کھانا حلال ہے، اگر غیرِ مسلم ممالک میں غیر دین دار مسلمان دکان دار یہ کہتا ہے کہ یہ گوشت حلال جانور کا ہے اور شرعی طریقے کے مطابق اس کو ذبح کیا گیا ہے تو اس کی

---

[1] بدائع الصنائع، کتاب الذبائح: ٦٩/٥

بات پر اچھی طرح غور کرنا چاہیے اور حالات اور قرائن سے بھرپور اندازہ لگانا چاہیے کہ دکان دار سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ، اگر غالب گمان اس کے سچ کہنے کا ہو تو پھر اس سے گوشت خریدنا جائز ہے اور اس کا کھانا بھی حلال ہے اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ دکان دار گوشت کو حلال بتانے میں سچا نہیں ہے تو پھر اس کی بات شرعاً معتبر نہیں اور اس سے گوشت خریدنا جائز نہیں اور اس کا کھانا بھی حلال نہیں۔[1]

کافر دکان دار سے گوشت خریدنا

اگر دکان دار کافر ہے اور وہ مسلمان خریدار سے کہتا ہے: ''یہ حلال جانور کا گوشت ہے، اور شرعی طریقے سے اس کو ذبح کیا گیا ہے تو اس کی بات شرعاً مسلمان کے حق میں معتبر نہیں، اس لیے اس کافر سے گوشت خریدنا جائز نہیں اور اس کا کھانا مسلمان کے لیے حلال نہیں، البتہ اگر کوئی کافر دکان دار گوشت کے بارے میں کسی ایسی کمپنی کا برانڈ پیش کرے جس کے بارے میں تحقیق سے معلوم ہو چکا ہو کہ وہ واقعی اسلامی ذبیحے کا اہتمام کرتی ہے تو اس برانڈ کی وجہ سے اس سے گوشت خریدنا جائز ہوگا اور اس کا کھانا بھی حلال ہوگا۔''[2]

بند ڈبے کے گوشت کا حکم

غیر مسلم ممالک سے بند ڈبے میں پیک شدہ جو گوشت درآمد کیا جاتا ہے اس کے بارے میں جب تک اچھی طرح یہ تحقیق نہ ہو جائے کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے اس وقت تک اس گوشت کا استعمال کرنا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہوگا، اگرچہ غیر مسلم امپورٹر اس کو حلال کہے یا اس پر حلال ہونا لکھ دے، تب بھی اس کے قول پر اعتماد کر کے یا اس کی تحریر پر اعتماد کر کے اس کو خریدنا اور اس کو استعمال کرنا جائز نہ

[1] درمختار، کتاب الحظر والاباحة: ٣٤٤/٦

[2] عالمگیری، کتاب الکراهية، الباب الرابع عشر فی اهل الذمة: ٣٤٧/٥

ہوگا، کیوں کہ گوشت کے حلال ہونے کے متعلق غیر مسلم کا قول شرعاً معتبر نہیں، البتہ اگر وہ لوگ کسی مسلم کمپنی کا گوشت درآمد کریں جو شرعی طریقے کے مطابق ذبح کرنے کا اہتمام کرتی ہو اور اس کی اپنی تصدیقی مہر گوشت کے ڈبوں پر ثبت ہو یا کسی ایسی غیر مسلم کمپنی کا گوشت درآمد کرے جس کے بارے میں یہ تحقیق ہو جائے کہ وہ مسلمان یا اہلِ کتاب کے ذریعے حلال جانور شرعی طریقے سے ذبح کرنے کا اہتمام کرتی ہے اور کوئی قابلِ بھروسہ مسلمان تنظیم اس کی تصدیق کر کے ڈبوں پر اپنی تصدیقی مہر لگا دے تو ایسے تصدیق شدہ ڈبے خریدنا جائز ہے اور اس کا کھانا بھی حلال ہے، لیکن اگر غیر مسلم کمپنی کے ڈبوں پر مذکورہ بالا طریقے سے کسی قابلِ اعتماد مسلم تنظیم کی تصدیق موجود نہ ہو اور وہ غیر مسلم کمپنی ڈبوں پر اپنی طرف سے یہ لکھ بھی دے کہ یہ گوشت حلال اور اسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا ہے تو ایسا گوشت خریدنا جائز نہ ہوگا اور اس کا کھانا بھی حلال نہ ہوگا، کیوں کہ گوشت کے حلال ہونے کے بارے میں غیر مسلم کی بات شرعاً معتبر نہیں۔[1]

بند ڈبوں میں کٹی ہوئی پیک شدہ مرغیاں

غیر مسلم ممالک سے جو مرغیاں کٹی ہوئی پیک کی ہوئی بند ڈبوں میں آتی ہیں، ان کا کھانا مسلمانوں کے لیے درست نہیں، خواہ ان ڈبوں پر ''اسلامی طریقے سے ذبح کیا ہوا'' لکھا ہوا ہو، کیوں کہ یہ جملہ بھی غیر مسلموں نے لکھا ہے جن کی بات دینی امور میں معتبر نہیں، لہٰذا جب تک مسلمانوں ہی کے ذرائع سے اس بات کی تصدیق نہ ہو جائے کہ ان مرغیوں کو مسلمان یا اہلِ کتاب ''بِسْمِ اللّٰہِ'' پڑھ کر اس طرح ذبح کرتے ہیں کہ چاروں رگیں یا کم سے کم تین رگیں گلے کی کٹ جاتی ہیں

[1] مأخذہ عالمگیری، کتاب الذبائح، الباب الاول: ۵/۲۸۵، ۲۸۶، کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ۳۵

اس وقت تک ان کا کھانا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔[1]

فارمی مرغی حلال ہے

آج کل مرغ وغیرہ کی پرورش کے لیے لوگ ڈیری فارم بناتے ہیں، جہاں مرغوں کی پرورش پاک اور ناپاک غذاؤں سے ہوتی ہے اور شرعی اعتبار سے یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ جانوروں کو بھی ناپاک غذائیں کھلانا جائز نہیں، جو ایسا کرے گا وہ گناہ گار ہوگا، لیکن اگر کوئی شخص مرغی کی غذا میں پاک چیزوں کے ساتھ ناپاک چیزیں بھی شامل کرکے مرغی کو کھلائے تو اس سے مرغی کا گوشت ناپاک نہیں ہوگا، اگرچہ ناپاک غذائیں مرغی کی نشو ونما میں مؤثر کردار ادا کرتی ہوں، کیوں کہ اس میں عموماً ناپاک غذائیں کم ہوتی ہیں اور دیگر پاک اجناس زیادہ ہوتے ہیں، اس لیے ان ناپاک غذائیں کھانے سے مرغی کے گوشت میں کوئی بدبو پیدا نہیں ہوتی، جب کہ ناجائز ہونے کا اصل مدار بدبو پر ہے اور یہاں خوراک کا کم حصہ ناپاک ہوتا ہے، زیادہ اجزا خوراک پاک ہوتے ہیں، اس لیے گوشت میں بدبو ہرگز پیدا نہیں ہوتی، اس لیے فارمی مرغی کھانا بلاشبہ حلال ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ جب مرغی کھانے کے لائق ہو جائے تو اس کے بعد کچھ دن اس کو الگ رکھا جائے اور اس کو ناپاک غذا نہ کھلائی جائے، بل کہ بالکل پاک غذا کھلائی جائے، لیکن اگر کوئی اس طرح احتیاط نہ کرے تب بھی اس میں کوئی مضائقہ نہیں، مرغی بلاشبہ حلال ہے۔[2]

انڈوں کا حکم

جس طرح فارمی مرغی شرعاً حلال ہے اسی طرح اس کا انڈا بھی بلاشبہ حلال

---

[1] فتاوی محمودیہ، کتاب الحظر والاباحۃ، باب الأکل والشرب: ۳۸/۱۸

[2] البحر الرائق، کتاب الکراھیۃ، فصل فی الاکل: ۸/ ۱۸۳، مآخذہ احسن الفتاوی، کتاب الحظر والاباحۃ: ۸/۱۲۵

ہے۔

مرغی یا کسی حلال پرندے کو ذبح کرنے کے بعد اس کے پیٹ سے جو انڈے نکلیں ان کا کھانا حلال ہے۔ اگر انڈے پر خون یا کوئی اور نجاست مثلاً: بیٹ وغیرہ نہ ہو تو وہ پاک ہے، ورنہ پاک نہیں اور جب اس پر نجاست (خون یا بیٹ وغیرہ) نہ ہو تو اس کو بغیر دھوئے ابالنا جائز ہے، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ انڈے کو دھو کر ابالا جائے اور اگر اس پر خون یا بیٹ وغیرہ ہو تو دھو کر ابالنا ضروری ہے۔ مری ہوئی مرغی کے پیٹ سے نکلا ہوا انڈا پاک ہے اور اس کا کھانا حلال ہے۔[1]

ابلتے ہوئے پانی میں مرغی ڈال کر صاف کرنا

مرغی کے گوشت کے جلد پکانے اور تیار کرنے کی غرض سے یہ تدبیر اختیار کی جاتی ہے کہ مرغی کو ذبح کرنے کے بعد اسے چند لمحوں کے لیے کھولتے ہوئے گرم پانی میں ڈالا جاتا ہے تاکہ اس کے پر اور بال آسانی سے صاف کیے جاسکیں، اگر مرغی کا معدہ چیر کر اور آنت کی آلائش نکال کر اسے پانی میں ڈالا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن پیٹ چاک کر کے جسم کی آلائش نکالے بغیر مرغی کو پانی میں ڈالا جائے تو آیا پوری مرغی ناپاک ہو جائے گی؟

اس بارے میں شرعی حکم میں کچھ تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اس بات کی پوری کوشش ہونی چاہیے کہ آلائش نکالنے کے بعد ہی ذبح کی ہوئی مرغی پانی میں ڈالی جائے اور احتیاط اسی میں ہے کہ مرغی کی صفائی کا کام خود اپنے طور پر کیا جائے، اہل پیشہ لوگوں سے صفائی نہ کرائی جائے اور اگر کبھی اہل پیشہ لوگوں سے صفائی کروانے کی ضرورت پیش آجائے تو اپنے سامنے پوری احتیاط کے ساتھ صفائی کا کام کرایا جائے اور ان کو اس بات کا پابند کیا جائے کہ آلائش نکالنے کے بعد ہی مرغی

[1] عالمگیری، کتاب الکراھیة، الباب الحادی عشر: ۳۳۹/۵۔ کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۸

کو گرم پانی میں ڈالا جائے اور اگر ذبح شدہ مرغی کو اس کے اندر کی آلائش سمیت ابلتے ہوئے گرم پانی میں ڈالا جائے اور اتنی دیر تک اس میں مرغی کو رکھا جائے کہ اس کے پیٹ کی نجاست وغلاظت اس کے جسم کے اندر سرایت کر جانے کا غالب گمان ہو اور اس کی وجہ سے مرغی کے گوشت کے مزہ اور بو میں تبدیلی پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ مرغی ناپاک ہو جائے گی اور اس کا کھانا حلال نہیں ہوگا اور اس کو پاک کرنے کا کوئی اور طریقہ بھی نہیں ہے اور اگر گرم پانی صرف گرم ہو، ابلتا ہوا نہ ہو اور مرغی کو اس میں بہت دیر تک نہ رکھا جائے یا ابلتے ہوئے گرم پانی میں ڈال کر فوراً نکال لیا جائے کہ نجاست اس کے جسم میں سرایت نہ کر سکے اور اس کے گوشت کے مزہ اور بو میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں وہ مرغی ناپاک نہیں ہوگی، بل کہ پاک رہے گی اور اس کا کھانا حلال ہوگا۔

بعض دفعہ مرغی ذبح کی جاتی ہے اور گرم پانی میں ڈالنے کے بجائے اسے آگ پر جھلسا کر بال وغیرہ صاف کیے جاتے ہیں، اس کا بھی تفصیلی شرعی حکم وہی ہے جو گرم پانی میں ڈالنے کا ہے، اس لیے پہلے جسم کی آلائش کو نکال دینا چاہیے پھر جھلسانا چاہیے۔[1]

حلال جانور میں سات چیزوں کے نہ کھانے کا حکم

حلال جانور میں بہتا ہوا خون، شرم گاہ، خصیتین، غدود، مثانہ، پتہ اور آلہ تناسل کھانا حرام ہے۔

حلال جانور کے کپورے کھانا جائز نہیں، مکروہ تحریمی ہے۔[2]

---

[1] ردالمحتار، کتاب الطهارة، مطلب فی تطهير الدهن والعسل: ۳۳۴/۱

[2] بدائع الصنائع، کتاب الذبائح، فصل واما بيان ما يحرم اكله من اجزاء الحيوان الماكول: ۶۱/۵

حرام مغز، گردے اوجھڑی، تلی، نلی کھانے کا حکم

ان مذکورہ سات چیزوں کے علاوہ حرام مغز میں احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے کھانے سے پرہیز کیا جائے۔

حلال جانور کے گردے، اوجھڑی، تلی اور نلی جس میں گودا ہوتا ہے کھانا بلاشبہ حلال ہے۔[1]

جھینگا، مچھلی کھانے کا حکم

جھینگا کھانا جائز ہے بہتر نہیں۔

مچھلی کی تمام اقسام مثلاً وہیل، مچھلی، منگرہ، بام مچھلی، مچھلی کے پیٹ سے نکلنے والی مچھلی، کٹ فش، جریث، بندوق سے شکار کی ہوئی مچھلی، گندے پانی کی مچھلی، گرمی سے مرنے والی مچھلی، دوا سے مری ہوئی مچھلی کا کھانا حلال ہے۔

جو مچھلی پانی کے اندر اپنی طبعی موت سے مر جائے تو اس کا کھانا جائز نہیں، اس کی خرید وفروخت بھی درست نہیں۔ طبعی موت مرنے کی علامت عام طور پر یہ ہے کہ مچھلی مر کر پانی کی سطح پر آجائے اور الٹی بہنے لگے۔[2]

پنیر کے استعمال کا حکم

حلال جانور جو شرعی طریقے کے مطابق ذبح کیا گیا ہو اس کے پیٹ سے نکالا ہوا رینٹ تو بالاتفاق پاک اور حلال ہے اور ذبح نہ کیا ہوا حلال جانور کے پیٹ سے جو رینٹ نکالا جاتا ہے اس کے کھانے کی گنجائش ہے۔

غیر اسلامی ممالک میں جو پنیر تیار ہوتا ہے اگر وہ ذبح نہ کیے ہوئے حلال جانور کے پیٹ سے نکالے ہوئے رینٹ سے بنتا ہے تو اس کے کھانے کی گنجائش ہے،

---

[1] فتاویٰ رحیمیه، کتاب الذبائح، باب ما یجوز اکله ۸۱/۱۰

[2] ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۳۰۶/۶

البتہ نہ کھانا زیادہ بہتر ہے، لیکن یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو پنیر خنزیر کے پیٹ سے نکالے ہوئے مادہ سے تیار ہوتا ہے وہ بہرحال حرام اور ناپاک ہے اور اس سلسلہ میں اگر یقین یا غالب گمان ہو کہ اس پنیر میں خنزیر کا کوئی جز شامل نہیں تو ایسی صورت میں اس کا کھانا جائز ہے محض احتمال کی بنیاد پر حرام نہیں کہا جائے گا۔[1]

جیلٹین کے استعمال کا حکم

جیلٹین اگر ذبح نہ کیے ہوئے جانور کی کھال سے لی گئی ہو تب بھی اس کے پاک ہونے میں شبہ نہ ہونا چاہیے، البتہ جو جیلٹین خنزیر کی کھال یا ہڈی سے بنائی گئی ہو اس کا حکم اس بات پر موقوف ہے کہ جیلٹین بنانے کے عمل سے ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے یا نہیں۔ اگر واقعہ کسی کیمیاوی عمل کے ذریعے ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے تو اس کا استعمال جائز ہوگا ورنہ جائز نہیں ہوگا۔[2]

یورپی چیزوں کے کھانے کا حکم

امریکا اور یورپ کے دیگر ممالک سے کھانے پینے کی چیزیں آتی ہیں مثلاً: چاکلیٹ، پنیر، بسکٹ، ڈبل روٹی وغیرہ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں مردار یا خنزیر کی چربی اور دیگر اجزا مثلاً: جیلٹین اور پیپسن وغیرہ شامل ہوتے ہیں، ان چیزوں کے استعمال کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ جب تک یقین سے یا غالب گمان سے معلوم نہ ہو کہ ان میں خنزیر کے اجزا شامل ہیں یا نہیں اور ان کی ماہیت کسی کیمیاوی عمل کے ذریعے تبدیل کی گئی ہے یا نہیں، اس وقت تک ان میں سے کسی چیز کے بارے میں متعین کر کے جائز یا ناجائز ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، البتہ احتیاط بچنے میں ہے۔

[1] احسن الفتاوی، کتاب الحظر والاباحۃ: ۸/۱۱۷، کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ۸۱، ۸۲

[2] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۸۲، ۸۳

اگر ان چیزوں میں یا ان کے علاوہ دوسری چیزوں میں کسی پودے یا شرعی طریقے سے ذبح کیے ہوئے حلال جانور سے حاصل شدہ اجزا شامل کیے جاتے ہوں تب تو ان کا کھانا پینا بلاشبہ جائز ہے۔[۱]

غیر ملکی پیکٹ شدہ چیزوں کا حکم

جن چیزوں کے بارے میں یقین سے معلوم ہو جائے کہ ان میں خنزیر یا مردار کی چربی ملی ہوئی ہے ان چیزوں کا کھانا جائز نہیں اور اگر ڈبوں کے اوپر اجزائے ترکیبی میں کچھ ایسی چیزیں لکھی ہوئی ہوں جو کیمیاوی نوعیت کی ہیں اور ان کے بارے میں یہ تحقیق نہیں ہے کہ وہ کیا ہیں تو جس شخص کو تحقیق نہ ہو اور معمولی تفتیش سے پتا بھی نہ چلے اور یہ غالب گمان بھی نہ ہو کہ وہ کوئی حرام چیز ہوگی تو اس کے لیے کھانا جائز ہے۔ ہاں اگر کسی کو تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ اس میں کوئی حرام اجزا مثلاً: مردار کی چربی شامل ہے تو اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ وہ کیمیاوی عمل کے نتیجے میں چربی نہیں رہی، بل کہ کوئی اور چیز بن گئی ہے تب بھی اس کا کھانا جائز ہے، لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ اس حرام کی چیز کی ماہیت نہیں بدلی یا یہ پتا نہ چل سکے کہ ماہیت بدلی ہے یا نہیں تو ان دونوں صورتوں میں اس کا کھانا جائز نہیں۔

جن پیکٹوں پر اجزائے ترکیبی لکھے ہوئے نہیں ہوتے، ان میں اگر غالب گمان یہ ہو جائے کہ اس میں کوئی ناجائز چیز شامل ہے تو اس کو استعمال نہیں کرنا چاہیے اور جب تک کسی ناجائز چیز کے شامل ہونے کا غالب گمان نہ ہو، اس وقت تک اس کے استعمال کو ناجائز نہیں کہا جائے گا بشرطیکہ وہ چیز اپنی اصل سے حلال ہو۔[۲]

پیپسی کولا وغیرہ کا حکم

پیپسی کولا اور دیگر مشروبات میں پیپسین ملایا جاتا ہے اس کے حلال و حرام

---

[۱] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۸۳، ۸۴

[۲] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۸۵

ہونے کے بارے میں اصولی طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ اگر ان چیزوں کے متعلق یقینی طور پر معلوم نہ ہو یا غالب گمان نہ ہو کہ ان میں خنزیر یا مردا کا پیپسین بغیر ماہیت بدلے شامل کیا گیا ہے تو ان چیزوں کے استعمال کی گنجائش ہے، البتہ اگر کوئی احتیاط پر عمل کرتے ہوئے ہر ایسی چیز سے پرہیز کرے تو یہ بہت اچھا ہے۔[1]

تمباکو، پان، حقہ، سگریٹ اور نسوار کا حکم

حقہ پینا، سگریٹ پینا، تمباکو کھانا اور نسوار کھانا جائز ہے، البتہ منہ سے بدبو صاف کر لینا چاہیے، خصوصاً تلاوت اور نماز کے وقت منہ سے بدبو صاف کر لینا ضروری ہے، پان کھانا جائز ہے۔[2]

چرس اور افیون پینا

افیون اور چرس کا استعمال نشہ کی غرض سے جائز نہیں، تاہم اگر کوئی ماہر ڈاکٹر کسی بیماری کے علاج کے طور پر بطورِ دوا تجویز کرے اور اس کے علاوہ اس مرض کے لیے کوئی دوسری دوا فائدہ مند نہ ہو تو بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت علاج کی غرض سے ان کا استعمال جائز ہے۔[3]

کھڑے ہو کر اور بائیں ہاتھ سے کھانا پینا

کھڑے ہو کر کھانا پینا اور بائیں ہاتھ سے کھانا پینا سنت کے خلاف ہے۔[4]

میز کرسی پر کھانا

میز کرسی پر کھانا سنت نہیں ہے، جائز ہے مگر اس سے سنت کا ثواب نہیں ملے گا،

---

[1] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۸۵، ۸٦

[2] فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحظر والاباحۃ، باب السکرات: ۱۰/۲۱۱، ۲۱٤، کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۸٦، ۸۷

[3] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ۸٦، ۸۷

[4] شرح مسلم للنووی، باب فی الشرب قائما ۲/۱۷۳

اس لیے میز کرسی پر کھانا کھانے کا معمول نہیں بنانا چاہیے۔[1]

چمچے سے کھانا

چمچے سے کھانا سنت نہیں ہے، لیکن جائز ہے البتہ چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول ہاتھ سے کھانا کھانے کا تھا اس لیے اس نیت سے بغیر چمچے کے کھانا ''اِنْ شَاءَ اللّٰہُ'' باعث ثواب ہوگا۔[2]

رات دیر تک رہنے والی دعوت میں جانا

جس دعوت میں رات دیر تک رہنے کی وجہ سے فجر کی نماز قضا ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی دعوت میں جانا درست نہیں۔[3]

کھانے سے پہلے یا بعد میں پانی پینا

کھانے کے دوران یا کھانے سے پہلے یا کھانے کے بعد پانی پینے کا ایسا کوئی خاص وقت نہیں کہ اس وقت پانی پینے کو سنت کہا جائے اور دوسرے وقت پینے کو سنت کے خلاف کہا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد پانی نوش نہ فرماتے، اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی نیت سے کھانے کے بعد فوراً پانی نہ پیے، بل کہ درمیان یا شروع میں پی لے تو اس نیت سے ایسا کرنا باعثِ ثواب ہوگا اور اگر ایسا نہ کرے تو کوئی گناہ بھی نہیں۔[4]

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحظر والاباحۃ: ۱۰/۱۴۱

[2] حاشیہ ابن عابدین، کتاب الحظر والاباحۃ: ۶/۳۴۲

[3] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۸۹

[4] مدارج النبوۃ، باب یازدھم، پانی پینا: ۱/۷۴۹

جس دعوت میں خلافِ شرع کام ہوں وہاں جانے کا حکم

جس دعوت میں خلافِ شرع امور ہوں مثلاً: ناچ گانے، ڈھول باجے، ویڈیو فلم، تصویر کشی، بے پردہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط یا بیروں کا عورتوں کی جگہ میں جانا اور پہلے سے معلوم بھی ہو کہ وہاں یہ سب کچھ ہوگا تو وہاں جانا درست نہیں اور اگر پہلے سے معلوم نہ ہو کہ وہاں یہ خلافِ شرع چیزیں ہوں گی، پہنچنے کے بعد معلوم ہوا تو ایسی صورت میں ان ناجائز امور سے بچنے کی پوری کوشش کرے اور جلد کھانا کھا کر واپس آ جائے اور اگر وہ شخص عالم دین ہے یا ایسا شخص ہے کہ جس کے عمل کو خاص طور پر رہنمائی حاصل کرنے کے لیے دیکھا جاتا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ میزبان کو خلافِ شرع چیزیں بند کرنے کے لیے کہے، اگر میزبان بات مان لے تب تو ٹھیک ہے ورنہ پھر اس کو چاہیے کہ وہ ایسی دعوت سے واپس آ جائے۔[1]

اسی طرح جس ہوٹل میں گانا بج رہا ہو، وہاں بغیر کسی سخت مجبوری کے بیٹھنا جائز نہیں اور اگر سخت مجبوری میں وہاں کھانے کی ضرورت پیش آ جائے تو جلد سے جلد کھانے سے فارغ ہو کر وہاں سے نکل جائے اور استغفار بھی کرے۔[2]

ولیمے کی دعوت

لڑکے کے نکاح کے بعد لڑکے یا اس کے گھر والوں کی طرف سے جو دعوت کی جاتی ہے اسے ولیمہ کہا جاتا ہے، اپنی حیثیت کے مطابق ولیمہ کرنا سنت ہے اور ولیمے کی دعوت قبول کرنا بھی سنت ہے۔ ولیمے کے وقت میں کافی گنجائش ہے، نکاح کے وقت، نکاح کے بعد، رخصتی کے وقت، رخصتی کے بعد ولیمہ کرنا جائز ہے اور ہر طرح

---

[1] البحر الرائق، کتاب الکراھیة: ۱۸۸/۸، عالمگیری: ۳۴۳/۵، کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۹۰

[2] البحر الرائق، کتاب الکراھیة: ۱۸۸/۸، عالمگیری: ۳۴۳/۵، کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۱۱۷

سنت ادا ہو جاتی ہے البتہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے شبِ زفاف کے بعد ولیمہ کرنا ثابت ہے، اس لیے اسی پر عمل کرنا چاہیے۔[1]

لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کی دعوت کا حکم

لڑکی والوں کی طرف سے نکاح کے موقعے پر جو عام دعوت کی جاتی ہے، اگر اس دعوت کو ولیمے کی طرح سنت سمجھ کر کیا جائے یا اس دعوت کو سنت سمجھ کر نہ کیا جائے لیکن تمام برادری کو دعوت دینا اور تمام احباب کو مدعو کرنا اور نہ کرنے کو معیوب سمجھنا، استطاعت نہ ہو تب بھی قرض وغیرہ لے کر ضرور کرنا اور نہ کرنے کی صورت میں لوگوں کا اس پر لعن طعن کرنا تو یہ ناجائز ہے اور اس کا چھوڑنا واجب ہے اور ایسی دعوت میں شریک ہونا بھی درست نہیں، البتہ نکاح کے وقت لڑکی والوں کے یہاں ان کے جو قریب ترین رشتہ دار اور خصوصی احباب جمع ہوں، ان کے لیے کھانا تیار کرانا اور کھلانا درست ہے، کیوں کہ یہ مہمانی میں داخل ہے۔

بارات میں آنے والے مہمانوں کی ضیافت کے بارے میں شرعی حکم وہی ہے جس کی تفصیل ابھی گزری۔[2]

عقیقے کی دعوت کا حکم

عقیقہ کرنا مستحب ہے اور اس کی دعوت بھی جائز ہے، افضل یہی ہے کہ پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے، البتہ اگر ساتویں دن نہیں کیا تو بعد میں کرنے سے بھی عقیقہ ہو جائے گا اور ساتویں دن سے پہلے کرے تب بھی جائز ہے، مگر مستحب کے خلاف ہے اور اگر ساتویں دن کے بعد کرے تو اس میں ساتویں دن کا لحاظ رکھنا مستحب ہے، اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جس دن بچے کی پیدائش ہوئی تھی اس

---

[1] عالمگیری، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر: ۳۴۳/۵

[2] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۹۴

سے ایک دن پہلے کیا جائے مثلاً: بچے کی پیدائش جمعرات کو ہوئی تو بدھ کے دن عقیقہ کرنا چاہیے۔[1]

عقیقے میں لڑکے کے لیے دو بکرے اور لڑکی کے لیے ایک بکرا افضل ہے، اگر لڑکے کے لیے دو بکرے کی گنجائش نہ ہو تو ایک بکرا کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، جائز ہے اور اگر گائے میں عقیقے کا حصہ ڈالے تو لڑکی کے لیے ایک حصہ اور لڑکے کے لیے دو حصے ہوں گے اور اگر گنجائش نہ ہو تو لڑکے کے لیے ایک حصہ ڈالنا بھی جائز ہے۔

اگر کسی کا عقیقہ بچپن میں نہ کیا گیا ہو تو اب بڑے ہونے کے بعد اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر عقیقہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں، اگر کرے گا تو امید ہے کہ ''اِنْ شَاءَ اللّٰهُ'' عقیقے کا ثواب ملے گا۔[2]

غیر مسلم کا پکایا ہوا کھانا کھانا

غیر مسلم خواہ عیسائی ہو یا یہودی یا کوئی اور ان کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا کھانا جائز ہے، مگر عیسائی اور یہودی کے علاوہ کسی بھی غیر مسلم کے ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت کھانا جائز نہیں، البتہ عیسائی اور یہودی اگر شرعی طریقے کے مطابق ذبح کریں تو اس کا گوشت کھانا حلال ہے۔[3]

غیر مسلموں کے برتنوں کا استعمال

غیر مسلموں کے برتنوں کے استعمال کے بارے میں اگر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ پاک ہیں ناپاک تو ایسی صورت میں ان کو دھوئے بغیر استعمال کرنا مکروہ ہے اور اگر معلوم ہو جائے کہ ان کے گھر کا فلاں برتن ناپاک ہے تو ایسی صورت میں اس برتن کو

[1] ردالمحتار، کتاب الاضحیة: ۳۲۲/۶

[2] ردالمحتار، کتاب الاضحیة: ۳۲۶/۶، کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۹۷

[3] التفسیر المظھری، ۴۰/۳، المائدہ: ۵

پاک کیے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

جس برتن میں کسی کافر نے کھانا کھایا ہو اس میں مسلمان کے لیے کھانا کھانا جائز ہے، البتہ اس کو پہلے اچھی طرح دھو لینا بہتر ہے، لیکن اگر مسلمان یا غیر مسلم کے منہ میں نجاست لگی ہوئی ہو تو اس کا جھوٹا ناپاک ہے۔[1]

مخلوط آمدنی والے کی دعوت کھانا

حرام آمدنی یا حرام وحلال سے مخلوط آمدنی والے کی دعوت کھانے کے بارے میں کئی صورتیں ہوسکتی ہیں:

1. آمدنی خالص حرام ہو اور وہ اپنی اس متعین حرام آمدنی سے دعوت کھلائے، یہ ناجائز ہے۔
2. آمدنی حلال وحرام سے مخلوط ہو، لیکن بیش تر آمدنی حرام کی ہو اور وہ اس سے دعوت کھلائے یہ بھی ناجائز ہے۔
3. آمدنی حلال وحرام کی ہو اور دونوں اس طرح مخلوط ہوں کہ ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہوں، البتہ حلال آمدنی زیادہ اور حرام آمدنی کم ہو اور وہ اس سے دعوت کھلائے یہ صورت جائز ہے، لیکن اگر بچا جائے تو احتیاطاً بہتر ہے۔
4. آمدنی خالص حرام ہو، لیکن وہ حرام آمدنی سے دعوت کھلانے کے بجائے کسی دوسرے شخص سے حلال رقم قرض لے کر دعوت کھلائے، یہ جائز ہے۔[2]

یہی چاروں صورتیں ہدیہ، تحفہ لینے میں بھی ہوسکتی ہیں، لہٰذا سوائے چوتھی صورت کے ایسے شخص سے ہدیہ تحفہ لینا اور اسے استعمال کرنا جائز نہیں اور تیسری صورت میں بچنا بہتر ہے۔[3]

---

[1] عالمگیری، کتاب الکراهية، الباب الرابع عشر فی اهل الذمة: ۳۴۷/۵

[2] درمختار، کتاب الحظر والاباحة: ۲۶۵/۵

[3] عالمگیری، کتاب الکراهية، الباب الثانی، فی الهدایا والضیافات: ۳۴۲/۵

حرام آمدنی سے بیوی بچوں کو کھلانا

جن شوہروں کی آمدنی حرام ہے ان کی بیویوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے شوہروں سے ناجائز کاروبار وغیرہ چھڑانے کی پوری کوشش کریں، لیکن اس کوشش کے باوجود اگر وہ ناجائز کاروبار وغیرہ کو نہ چھوڑیں تو پھر اگر ان بیویوں کے لیے جائز طریقے سے اپنے اخراجات برداشت کرنا ممکن ہو تو ان کے لیے اپنے شوہروں کے مال میں سے کھانا جائز نہیں، لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو ان کے لیے اپنے شوہروں کے مال سے کھانا جائز ہے اور حرام کھانے کا گناہ ان کے شوہروں پر ہوگا۔ نابالغ بچوں کا بھی یہی حکم ہے، حرام کھلانے کا گناہ باپ پر ہوگا، البتہ بالغ اور بڑی اولاد خود کما کر کھائے، باپ کے مال سے نہ کھائیں۔[۱]

جہاز کے کھانے کے زائد سامان کا حکم

مسافروں کے منزل پر پہنچنے کے بعد کھانے پینے کا جو سامان بچ جاتا ہے اس کے متعلق شرعی حکم جہاز کمپنی کے قواعد وضوابط پر مبنی ہے، قواعد کے مطابق اور اس زائد سامان کو محفوظ رکھنے کا حکم ہے تو اس کو محفوظ رکھنا ضروری ہے، کسی افسر مجاز کی اجازت کے بغیر ملازمین کے لیے اس کا استعمال درست نہیں اور اگر اس زائد سامان کو محفوظ رکھنے کا حکم نہیں ہے، بل کہ ضائع کرنے کا آرڈر ہے تو چوں کہ حلال چیزوں کو اس طرح ضائع کرنا جائز نہیں، اس لیے اس صورت میں ملازمین کے لیے اس زائد سامان کا کھانے پینے وغیرہ میں استعمال کرنا درست ہے۔[۲]

غیر مسلم کمپنیوں کی مصنوعات استعمال کرنا

اگر غیر مسلم کمپنیاں اپنی مصنوعات کی آمدنی کا بڑا حصہ خاص مشن کے تحت

---

[۱] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۱۰۱

[۲] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۱۰۲

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صرف کرتی ہوں تو ان کی مصنوعات کی خرید وفروخت اور استعمال مسلمانوں کے لیے جائز نہیں، ورنہ جائز ہے۔[1]

کفار کے ساتھ کھانا

غیر مسلم کے ساتھ کبھی کبھار اتفاقیہ طور پر کھانا کھانے کی اگر ضرورت پیش آجائے یا کسی مجبوری کے تحت ایک دو دفعہ کھانا کھانے کی نوبت آجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن ان کے ساتھ کھانے پینے کو معمول بنالینا اور ان سے اختلاط رکھنا جائز نہیں۔[2]

پلیٹ میں پانی ڈال کر پینا

کھانے کے بعد جب پلیٹ صاف کرلی جائے تو پلیٹ میں پانی ڈال کر اس پانی کے پینے کو سنت یا مستحب سمجھ کر پینا درست نہیں، اگر کوئی یوں ہی بطورِ عادت پی لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔[3]

طبیعت پر جبر کر کے کھانا

اگر کسی کے سامنے کھانے کی ایسی کوئی چیز ہے جو اس کی طبیعت کے خلاف ہے اور نہ کھانے کی صورت میں وہ چیز ضائع ہوجائے گی تو اس بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر اس کھانے کو محفوظ رکھا جاسکتا ہو تو محفوظ کرلیا جائے، ورنہ اگر کسی فقیر کو دینا ممکن ہو یا آس پاس میں کوئی کھانے والا ہو تو اسے دے دیا جائے، ورنہ کسی جانور کو کھلا دیا جائے، اگر مذکورہ صورتوں میں سے کوئی صورت بھی ممکن نہ ہو تو طبیعت پر جبر

[1] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۱۰۵، ۱۰٦

[2] البحر الرائق، کتاب الکراهیة، فصل فی الاکل: ۸/۱۸٤

[3] فتاوی محمودیه، کتاب الحظر والاباحة، باب الاکل والشرب: ۱۸/۷۳، کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۱۰۹

کر کے کھانے کی ضرورت نہیں۔[1]

مرد کے لیے عورت کا جھوٹا کھانا

مردوں کے لیے نامحرم عورتوں کے جھوٹا کھانے پینے میں اگر فتنے کا اندیشہ ہو تو مکروہ ہے۔ یہی حکم عورتوں کے لیے بھی ہے، البتہ شوہر اور محرم مردوں کا یا بیوی اور محرم عورتوں کا جھوٹا کھانا پینا ایک دوسرے کے لیے مکروہ نہیں۔[2]

صدقۂ نافلہ کا کھانا

صدقۂ نافلہ کا کھانا خواہ ایصالِ ثواب کے لیے ہو یا کسی اور مقصد کے لیے ہو ہر شخص کے لیے جائز ہے، خواہ کھانے والا غریب ہو یا امیر، اسی طرح میت کا وارث جس نے کھانا پکوایا ہے اس کو بھی اس کھانے میں شریک ہونا جائز ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ صدقۂ نافلہ کا کھانا وغیرہ فقراء و مساکین کو ہی دیا جائے، کیوں کہ ان کو کھلانے میں ثواب زیادہ ہے۔[3]

میت کو دفنانے کے بعد دعوت کھانا

میت کو دفنانے کے بعد سنت طریقہ یہ ہے کہ جنازے میں شرکت کرنے والے تجہیز و تکفین اور تدفین سے فارغ ہو کر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جائیں اور میت کے گھر والے بھی اپنے کام میں مصروف ہو جائیں، البتہ بغیر رواج اور اہتمام کے اور بغیر بلائے اتفاقاً کچھ آدمی میت کے گھر والوں کی تسلی اور تشفی کے لیے ان کے ساتھ کھانا کھالیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن قبرستان سے واپس آ کر تمام لوگوں کا لازمی طور پر میت کے گھر جمع ہونا اور جانے والے کو آواز دے کر بلانا اور

---

[1] عالمگیری، کتاب الکراھیۃ، الباب الحادی عشر ...: ۳۳۶/۵، ۳۳۷

[2] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۱۱۰

[3] البحر الرائق، کتاب الزکاۃ، باب المصرف: ۲۶۳/۲، کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ۱۱۰

کھانے میں شریک کرنا اور پھر اجتماعی طور پر کھانا کھلانا اور اسی طرح دو یا تین دن تک میت کے گھر والوں کے یہاں جمع رہنا بالخصوص کھانے کے وقت جمع ہو کر اجتماعی کھانے کا اہتمام کرنا جائز نہیں، سراسر بدعت ہے، اس غلط رسم کو چھوڑنا واجب ہے۔[1]

کھانے کے بعد میٹھی چیز کھانا

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی چیز اور شہد پسند فرماتے تھے۔[2]

لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی نیت سے میٹھی چیز کا کھانا پینا باعث ثواب ہے لیکن کھانا کھانے سے پہلے یا کھانا کھانے کے بعد میٹھا کھانے کو سنت کہنا یا سمجھنا درست نہیں۔[3]

کھانے کی تعریف کرنا

اگر کھانے کی تعریف سے دوسرے کی دل جوئی اور شکر کا اظہار مقصود ہو یا محض اس چیز کے خواص اور عمدگی بیان کرنا مقصود ہو تو یہ تعریف سنت ہے اور اگر کھانے کی تعریف ندیدے پن اور حرص وہوس کی وجہ سے ہو تو یہ تعریف خلاف سنت ہے۔[4]

الکحل ملی ہوئی دواؤں کا حکم

انگور اور کھجور کے علاوہ دوسری چیزوں سے بنائی ہوئی شراب کو بطور دوا کے یا طاقت حاصل کرنے کے لیے اتنی مقدار میں استعمال کرنا جائز ہے جس مقدار سے

---

[1] ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ: ۲/۲۴۰، کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۱۱۲

[2] جامع الترمذی، ابواب الاطعمۃ، باب ماجاء فی حب النبی: ۲/۵

[3] فتاویٰ محمودیہ، کتاب الحظر والاباحۃ، باب الأکل والشرب: ۱۸/۷۴

[4] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۱۱۸

نشہ پیدا نہ ہوتا ہو، اگر وہ الکحل انگور اور کھجور ہی سے حاصل کیا گیا ہے تو پھر اس دوا کا استعمال جائز نہیں، البتہ اگر ماہر ڈاکٹر یہ کہے کہ اس مرض کی اس کے علاوہ کوئی اور دوا نہیں ہے تو اس صورت میں اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔ اسی طرح اگر الکحل کو دواؤں میں ملانے کے بعد کیمیاوی عمل کے ذریعے وہ الکحل نہ رہتا ہو بلکہ دوسری چیز میں تبدیل ہو جاتا ہو تو بھی اس کا استعمال جائز ہے۔[1]

کھانے کے شروع میں "بِسْمِ اللّٰهِ یَا بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی بَرَکَةِ اللّٰهِ" زور سے پڑھنا۔

اگر شروع میں بھول جائے تو یوں پڑھے "بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ"۔

داہنے ہاتھ سے کھانا۔

کھانا ایک قسم کا ہو تو اپنے سامنے سے کھانا، اگر مختلف قسم کے پھل میوے وغیرہ ہوں تو مختلف جگہوں سے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔[2]

کھانا کھانے کے لیے بیٹھنے کی مختلف نشستیں علما نے بیان فرمائی ہیں:

۱. سرین زمین پر ٹیکے اور دونوں گھٹنوں کو کھڑا رکھ کر دونوں ہاتھوں کو زمین پر بچھا دے۔
۲. دونوں پاؤں کی انگلیوں کو زمین پر ٹیک کر ایڑیوں پر بیٹھے اور دونوں گھٹنے زمین پر ٹیک کر دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر ٹیک دے۔
۳. جس طرح خواتین التحیات میں بیٹھتی ہیں اس طرح بیٹھے۔
۴. داہنے گھٹنے کو کھڑا کر کے بائیں کو بچھا کر اس پر بیٹھے۔
۵. پاؤں کی پشت زمین پر ہو اور پاؤں کے تلووں پر بیٹھے۔

---

[1] فتاوی رحیمیہ، کتاب الحظر والاباحة: ۱۰/۱۷۲، کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۱۳۰، ۱۳۱

[2] عالمگیری، کتاب الکراهیة، الباب الحادی عشر: ۵/۳۳۷

ٹیک لگا کر کھانا اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو ناجائز ہے اور اگر کسی عذر کی وجہ سے ہو تو بلا کراہت جائز ہے اور اگر آرام طلبی یا زیادہ کھانے کی غرض سے ہو تو بہتر نہیں۔

چار زانو یعنی چوکڑی کی ہیئت میں بیٹھ کر کھانا جائز ہے، کوئی حرج نہیں بشرطیکہ تکبر کی وجہ سے نہ ہو۔[1]

اگر کوئی عذر ہو تو پھر جس طرح ممکن ہو کھانا کھا لینا جائز ہے۔ کھڑے ہو کر کھانا ناپسندیدہ اور خلافِ سنت ہے۔[2]

اگر کوئی خالص گندم استعمال کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس میں کچھ جَو بھی ملا لے چاہے تھوڑی ہی مقدار میں ہو، تاکہ سنت پر عمل کا ثواب حاصل ہو جائے۔[3]

گوشت کھانا سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دنیا و آخرت میں کھانوں کا سردار گوشت ہے۔

کھانے پینے کی چیز پر پھونک نہ ماری جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے کی چیز میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔[4]

کھانے کی چوٹی اور بیچ سے نہ کھایا جائے۔ کناروں سے کھایا جائے، تین انگلیوں سے کھایا جائے۔ ضرورت کی صورت میں تین سے زیادہ انگلیوں سے بھی کھایا جا سکتا ہے۔[5]

دائیں ہاتھ سے چھوٹے چھوٹے لقمے بنا کر منہ میں رکھے، لقمے کو خوب چبا کر نگلے۔

---

[1] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۱۴۰، ۱۴۱

[2] صحیح مسلم، باب فی الشرب قائمًا: ۲/۱۷۳

[3] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ۱۳۸

[4] سنن ابن ماجه، الأطعمة، باب النفخ فی الطعام، الرقم: ۳۲۸۸

[5] مآخذه جامع الترمذی، ابواب الأطعمة، باب ماجاء فی کراهیة الاکل: ۲/۳

سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا منع ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جو شخص سونے یا چاندی کے برتن میں کھاتا یا پیتا ہے تو وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھرتا ہے۔'' [1]

غریبوں کے ساتھ کھانے کو ترجیح دے۔ [2]

نابینا کے ساتھ کھانے کی صورت میں رکھے ہوئے کھانے کی اسے اطلاع دے۔

اگر کھانے کی کوئی چیز گر پڑے اور وہ خشک ہو تو اسے اٹھا کر کھالیا جائے۔

کھانے کے درمیان کوئی شخص آجائے تو اس سے کھانے کے لیے پوچھ لینا چاہیے۔

منہ کا نوالہ باہر نہ نکالے، اگر نوالہ حلق میں پھنس جائے جس سے پھندا لگ جائے یا گرم ہونے کی وجہ سے منہ، حلق وغیرہ میں تکلیف ہونے لگے تو نوالہ باہر نکال لینا جائز ہے۔ منہ سے نکال کر کوئی چیز کھانے کے برتن میں لوٹانا مکروہ ہے، اس سے طبیعت میں کراہت پیدا ہوتی ہے۔ [3]

کھاتے وقت چھینک آجائے تو منہ پر کوئی چیز رکھ کر خوب ڈھانک لے یا پشت کی طرف منہ گھما کر چھینکے۔

کوئی خدمت گار وغیرہ کھڑا ہو تو سامنے بیٹھنے کی اجازت دے دے، وہ نہ مانے تو کھانے میں سے کچھ اس کو دے دے۔ اس حدیث کا یہی مفہوم ہے:

''فَإِنْ أَبٰى فَلْيَأْخُذْ لُقْمَةً'' [4]

---

[1] جامع الترمذی، ابواب الاشربة، باب ماجاء فی کراهية الشرب: ۱۰/۲

[2] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۱۴۷

[3] عالمگیری، کتاب الكراهية، الباب الحادی عشر: ۳۴۲/۵، کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۱۴۸

[4] جامع الترمذی، ابواب الاطعمة، باب ماجاء فی الاكل مع المملوك: ۶/۲

کھانے کے دوران ساتھیوں کے ساتھ مناسب حال اور پاکیزہ باتیں کرنا مستحب ہے۔ بالکل خاموش رہنا مکروہ ہے، لیکن غم وفکر اور مرض کی بات نہ کرے۔[1]

کھانے والوں کے چہروں کو زیادہ نہ دیکھے، یہ تہذیب کے خلاف ہے، اس سے ان کو شرمندگی ہوتی ہے۔

دسترخوان پر بیٹھے ہوئے خلال کرنا ناپسندیدہ ہے، دوسروں کو اس سے کراہت محسوس ہوتی ہے۔ خلال کرنے کے بعد جو کچھ دانت سے نکلے وہ نہ کھایا جائے۔[2]

اگر مکھی کھانے میں گر جائے تو اس کو اچھی طرح غوطہ دے دیں تاکہ دونوں بازو ڈوب جائیں، پھر اس کو نکال کر پھینک دیں کھانا پاک رہے گا۔ ایسا کھانا کھایا جا سکتا ہے۔

کھانے کے درمیان پانی بہت زیادہ نہ پئیں، مگر جب لقمہ گلے میں پھنسنے لگے یا شدید پیاس محسوس ہو تو پی لیں۔

پانی کا پیالہ یا گلاس دائیں ہاتھ سے لے کر ''بِسْمِ اللّٰہِ'' پڑھ کر گھونٹ گھونٹ چوس کر پئیں، غٹ غٹ تیزی سے نہ پئیں۔[3]

ہاتھ دھونے سے پہلے اچھی طرح انگلیوں کو چاٹ لینا چاہیے، انگلیوں کے چاٹنے کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے بیچ کی انگلی پھر اس کے پاس کی انگلی پھر انگوٹھے کو چاٹے۔[4]

---

[1] عالمگیری، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر الهدایا والضیافات: ۳۴۵/۵

[2] عالمگیری، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر: ۳۴۵/۵

[3] زاد المعاد، فصل فی النفس اثناء الشرب: ۱۸۴/۴

[4] جامع الترمذی، ابواب الاطعمة، باب ماجاء فی لعق الاصابع: ۲/۲

دستر خوان پہلے اٹھا لیا جائے، اس کے بعد کھانے والے اٹھیں۔ دستر خوان اٹھانے کی دعا یہ ہے:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا.'' [1]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کا بہت شکر ہے جو پاکیزہ بابرکت ہیں، نہ اس کے کھانے سے کفایت کی جاسکتی ہے نہ اس کو خیر باد کہا جاسکتا ہے نہ اس سے بے نیاز ہوا جاسکتا ہے، اے ہمارے رب! تو اس شکر نعمت کو قبول فرمالے۔''

کھانے کے بعد کی دعا یہ ہے:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ'' [2]

ترجمہ: ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمانوں میں سے بنایا۔''

برتن صاف کر لینا چاہیے، اگر برتن میں جھوٹا کھانا رہ گیا تو اس کو صاف کر لینا چاہیے اور کھانے کے ریزے اٹھا لینے چاہئیں۔

روٹی سے ہاتھ صاف نہ کریں، ایسا کرنے سے روٹی خراب ہوتی ہے۔[3]

کھانے کے بعد فوراً پانی نہ پیا جائے، یہ ہاضمہ کے لیے نقصان دہ ہے، اطبا (ڈاکٹر) گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد پانی پینے کو مفید بتاتے ہیں۔[4]

اپنے مسلمان بھائی کی دعوت قبول کرنا سنت ہے، البتہ اگر غالب آمدنی سود یا رشوت کی ہو یا وہ بدکاری میں مبتلا ہو، اس کی دعوت قبول نہیں کرنا چاہیے، بے

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الأطعمة، باب ما یقول إذا فرغ من طعامه، رقم: ٥٤٥٨

[2] سنن ابی داود، کتاب الاطعمة، باب ما یقول الرجل اذا طعم، رقم الحدیث: ٣٨٥٠

[3] عالمگیری، کتاب الکراهیة، الباب الحادی عشر: ٣٣٧/٥

[4] کھانے پینے کی حلال وحرام چیزیں: ١٤٩

نمازی کی دعوت قبول کرنا جائز ہے، البتہ اگر کوئی بڑا آدمی یا عالمِ دین اس غرض سے اس کی دعوت کھانے سے انکار کر دے تاکہ وہ اس سے متاثر ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دے تو بہتر ہے۔[1]

ولیمہ کی دعوت قبول کرنا واجب ہے، دعوت میں جانے کے بعد کھانا ضروری نہیں، صرف دعا کر کے بھی واپسی ہو سکتی ہے۔[2]

جو بغیر بلائے کھانا کھانے جاتا ہے وہ چور ہو کر داخل ہوتا ہے اور لٹیرا بن کر واپس آتا ہے، بن بلائے شرکت کرنا حرام ہے۔[3]

دعوتِ ختنہ مستحب نہیں ہے، نہ اس کی دعوت قبول کرنا مسنون ہے۔

ایسی دعوت مکروہ ہے جس میں ضرورت مندوں اور غریبوں کو روکا گیا ہو اور صرف مال داروں کو دعوت دی گئی ہو۔

اپنی مرضی کا کھانا صاحبِ خانہ سے نہ طلب کریں، بل کہ جو کچھ صاحبِ خانہ پیش کرے اس پر قناعت کریں، ہاں اگر صاحبِ خانہ مرضی دریافت کرے تو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں۔[4]

دوسرے کے گھر کھانا کھایا جائے تو اس کے لیے یہ دعا کی جائے:

''اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ.''[5]

تَرجَمَہ: ''اے اللہ! ان کی روزی میں برکت عطا فرما اور ان کی مغفرت فرما اور ان پر رحم فرما۔''

سرکہ استعمال کرنا سنت ہے، جس گھر میں سرکہ موجود ہو وہ گھر سالن سے خالی

[1] کھانے پینے کی حلال وحرام چیزیں: ۱۴۹

[2] عالمگیری، کتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: ۵/۳۴۳

[3] مرقاة المفاتيح، باب الوليمة، الفصل الأول: ۶/۳۷۲، ۳۷۳

[4] بستان العارفين، الباب الخامس والخمسون في آداب الضيافة: ۴۶

[5] جامع الترمذي، الدعوات، باب في دعاء الضيف، رقم: ۳۵۷۶

نہیں سمجھا جا سکتا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔

"فَمَا أَقْفَرَ بَيْتٌ مِنْ أُدْمٍ فِيهِ خَلٌّ." [1]

پینے کی سنتیں

❶ داہنے ہاتھ سے پینے کا برتن پکڑنا۔[2]

❷ بیٹھ کر پینا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے کو منع فرمایا ہے۔[3]

❸ "بِسْمِ اللّٰهِ" کہہ کر پینا اور پی کر "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہنا۔

❹ تین سانس میں پینا اور سانس لیتے وقت برتن کو منہ سے الگ کرنا۔[4]

❺ برتن کے ٹوٹے ہوئے کنارے کی طرف سے نہ پینا۔[5]

❻ کسی ایسے برتن سے منہ لگا کر نہ پینا جس برتن سے دفعتہ پانی زیادہ آ جانے کا خطرہ ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ اس میں کوئی سانپ یا بچھو ہو گا مثلاً: مشکیزہ۔

❼ صرف پانی پینے کے بعد یہ دعا پڑھنا بھی سنت ہے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ سَقَانَا عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ يَجْعَلْهُ مِلْحًا أُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا." [6]

ترجمہ: "تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اپنے فضل سے پیاس بجھانے والا میٹھا پانی پلایا اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے اس پانی کو نمکین کڑوا نہیں بنایا۔"

❽ پانی پی کر اگر دوسروں کو دینا ہے تو پہلے داہنے والے کو دیں اور پھر اسی ترتیب

---

[1] جامع الترمذی، ابواب الاطعمة، باب ماجاء فی الخل: ٦/٢

[2] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ١٤٢

[3] زاد المعاد، فصل فی الشرب قاعداً او قائمًا: ١٨٤/٤

[4] سنن ابن ماجه، الاشربة، باب التنفس فی الإناء، الرقم: ٣٤٣٧

[5] احسن الفتاوی، کتاب الحظر والاباحة، کھانے پینے کی حلال...... : ١٢٧/٨

[6] کنز العمال، الرابع، الشمائل: ٤٢/٧، رقم: ١٨٢٢٢

سے دور ختم ہو، اسی طرح چائے یا شربت بھی پیش کریں۔[1]

❾ دودھ پینے کے بعد یہ دعا پڑھیں:

"اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ." [2]

ترجمہ: "اے اللہ! ہمارے لیے اس دودھ میں برکت دیں اور ہمیں مزید عطا فرمائیں۔"

❿ پلانے والا آخر میں پیئے۔[3]

⓫ آبِ زمزم بھی بیٹھ کر پئیں۔ بعض علما کا قول ہے کہ آبِ زمزم اور وضو کا پانی کھڑے ہوکر پینا درست ہے۔[4]

⓬ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہوکر پئیں، اس میں بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: "میں نے بارہا اپنی بیماریوں میں اس کا تجربہ کیا ہے اور شفا پائی ہے۔"

⓭ جہاں پانی کی سبیل لگی ہو وہاں بھی پانی بیٹھ کر پئیں، البتہ اگر بیٹھنے کی جگہ نہ ہو یا جگہ صاف نہ ہو یا بھیڑ ہو تو کھڑے ہوکر پیا جاسکتا ہے۔[5]

جانور ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ

ذبیحہ حلال ہونے کی تین شرطیں ہیں:

پہلی شرط: ذبح کرنے والا شخص مسلمان ہو یا اہلِ کتاب میں سے ہو۔

اہلِ کتاب کے ذبیحہ حلال ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں:

---

[1] جامع الترمذی، ابواب الدعوات، باب ما یقول اذا اکل: ۱۸۳/۲

[2] جامع الترمذی، ابواب الدعوات، باب ما یقول اذا اکل: ۱۸۳/۲

[3] جامع الترمذی، ابواب الاشربۃ: ۱۱/۲

[4] مدارج النبوۃ، باب یازدھم: ۷۵۰/۱

[5] ردالمحتار، کتاب الطهارة، مطلب فی مباحث الشرب قائما: ۱۳۰/۱

❶ ذبح کے لیے طریقہ وہی اختیار کریں جو اسلام نے بتایا ہے۔

❷ ذبح کے وقت واقعی اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے اس وقت ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لینا نہ سنا گیا ہو، لیکن اگر ذبح کے وقت کوئی موجود نہ ہو یا یہ معلوم نہ ہو کہ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیا گیا ہے تو ایسا ذبیحہ حلال ہوگا۔

❸ وہ واقعی اہل کتاب میں سے ہو، اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی اور تورات و انجیل کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانتے ہیں اگر چہ انہوں نے اپنے دین کو بدل دیا ہے اور تورات و انجیل میں تحریف کر ڈالی۔ آج کل یورپ میں جو لوگ اہل کتاب کہلاتے ہیں عموماً ان کے ذبیحے حلال نہیں ہوتے ایک تو اس وجہ سے کہ ان میں اکثریت الحاد اور دہریت کی شکار ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھی ان کے ہاں چھوٹا ہوا ہے اور جو لوگ مذہبی قسم کے ہیں وہ چوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ ہونے کے قائل ہیں، اس لیے اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ وہ ذبح کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام بھی لیتے ہوں۔

ہاں اگر کوئی عیسائی یا یہودی خود خبر دے کہ ہم نے اس کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر شرعی طریقے پر ذبح کیا ہے تو اب اس کا کھانا حلال اور درست ہوگا۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ براہِ راست وہی اطلاع دے، کوئی دوسرا غیر مسلم بھی اس طرح کی خبر دے اور اس کو جھٹلانے کے لیے کوئی واضح وجہ موجود نہ ہو تو اس کی خبر پر عمل کر لینا درست ہے۔ بہر حال موجودہ حالات میں اہل یورپ اور بالخصوص عیسائیوں کے ذبیحے سے بچنے میں ہی احتیاط ہے۔

دوسری شرط: جانور کو ذبح کرنے کے وقت اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے، البتہ اگر کوئی شخص ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول گیا تو ایسا ذبیحہ حلال ہوگا۔ دو بکریاں ایک دوسرے پر لٹائیں اور ''بِسْمِ اللّٰہِ'' پڑھ کر ایک مرتبہ دونوں

کے گلے پر چھری پھیری تو دونوں جانور حلال ہیں اور اگر ”بِسْمِ اللّٰہِ“ پڑھ کے پہلے ایک بکری ذبح کی تو پھر دوبارہ ”بِسْمِ اللّٰہِ“ پڑھے بغیر دوسری بکری ذبح کی تو دوسری بکری حلال نہ ہوگی۔[1]

اگر دو آدمیوں نے مل کر چھری پکڑ کر چلائی تو دونوں کے لیے ”بِسْمِ اللّٰہِ“ پڑھنا ضروری ہے۔ البتہ اگر ایک نے چھری چلائی اور دوسرے نے جانور کی ٹانگوں کو پکڑے رکھا، چھری چلانے میں ہاتھ نہ لگایا تو صرف چھری چلانے والے کے لیے ”بِسْمِ اللّٰہِ“ کا پڑھنا ضروری ہوگا، دوسرے کے لیے ضروری نہیں۔[2]

ٹیپ ریکارڈ سے ذبح کرنے کا حکم

ذبح کرتے وقت ”بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ.“ کے الفاظ ذبح کرنے والے شخص کی زبان سے ادا ہونا ضروری ہیں۔ ”بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ.“ کی ادائیگی کے لیے ٹیپ ریکارڈ یا دیگر مشینی ذرائع استعمال کرنا جائز نہیں اور اگر اس طرح جانور کو ذبح کر دیا گیا تو وہ حلال نہیں ہوگا حرام ہوا۔[3]

تیسری شرط: کسی تیز دھار والے آلے سے خوراک کی نالی سانس کی نالی اور خون کی دو نالیاں کاٹ دی جائیں ان میں سے کم از کم تین نالیوں کو کاٹنا ضروری ہے۔[4]

اوزار کا دھاری دار ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اپنی دھار کے ساتھ جانور کی رگوں کو کاٹیں، اوزار کسی بھی دھات سے بنے ہوئے ہوں ہڈی سے یا کسی اور چیز سے ان سے ذبح کرنا درست ہے۔[5]

---

[1] مسائل بہشتی زیور، باب: ۳۵، ذبح کا بیان: ۲۳۴/۲
[2] مسائل بہشتی زیور، باب: ۳۵، ذبح کا بیان: ۲۳۴/۲
[3] آپ کے مسائل اور ان کا حل، غیر مسلم کے ذبیحے کا حکم: ۲۱۷/٤
[4] امداد الاحکام، کتاب الصید والذبائح ...... : ۲۵۲/٤
[5] مسائل عیدین وقربانی، کس چیز سے ذبح کیا جائے: ۱۷۵/۱۷

ذبح کرنے میں مندرجہ ذیل باتوں کی رعایت کی جائے

''اس بات کا پورا اہتمام کرنا چاہیے کہ جانور کو تکلیف کم سے کم ہو، اس لیے چھری کو تیز کر لیا جائے، ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ کیا جائے، جانور کے سامنے چھری تیز نہ کی جائے، جانور کو لٹانے کے بعد چھری تیز کرنا مکروہ ہے۔ گردن کو پورا کاٹ کر الگ نہ کیا جائے، بل کہ حرام مغز تک بھی نہ کاٹا جائے۔[1]''

اگر حلق کی جانب سے ذبح کرتے وقت جانور کا سر کٹ کر الگ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، جان کر ایسا کرنا مکروہ ہے اور اگر جانور کو گدی یعنی پشت کی طرف سے ذبح کیا جائے تو وہ کسی حال میں حلال نہیں، چاہے سر کٹ جائے یا نہ کٹے، دونوں حالتوں میں ناجائز ہے۔[2]

ذبح کرتے ہوئے قبلہ رخ نہ کرنا مکروہ ہے کیوں کہ یہ سنت مؤکدہ کے خلاف ہے۔ جانور کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کا سر کاٹنا یا کھال اتارنا مکروہ ہے۔[3]

مشینی ذبیحے کا حکم

مشین استعمال کرنے کے کئی معروف طریقے ہیں:

1. ایک طریقہ تو یہ ہے کہ مشین کا کام صرف جانور کو قابو کرنے کا ہوتا ہے اور ذبح کوئی انسان اپنی چھری سے کرتا ہے پھر کھال، بال، ہڈی وغیرہ صاف کرنے کا کام سب مشین کرتی ہے ایسی صورت میں اگر ذبح کرنے والا مسلمان یا صحیح اہل کتاب ہو اور ضروری رگیں کٹ جائیں اور بوقت ذبح اس پر اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا گیا ہو تو وہ ذبیحہ حلال ہوگا۔

2. دوسرا طریقہ یہ ہے کہ چاقو، چھری کے ذریعے کسی مسلمان یا اہلِ کتاب کے ذبح

---

[1] مسائل عیدین وقربانی، ذبح کرنے کے احکام: ۱۶۷

[2] جواهر الفقه، اسلامی ذبیحہ، ذبح کرنے کے احکام وآداب: ۲/ ۳۷۷

[3] مسائل بہشتی زیور، ذبح کرنے کا بیان: ۲/ ۲۳۵

کرنے کے بجائے ایک مشین استعمال ہوتی ہے، جس پر دو، تین تیز دھار بلیڈ لگے ہوتے ہیں، یہ بلیڈ وہی کام کرتے ہیں جو چاقو چھری کے ذریعے دستی ہوسکتا ہے، مشین کا بٹن دبانے پر جانور باری باری تیز بلیڈ کے سامنے آتے ہیں، ایسی صورت میں اگر کسی مسلمان یا صحیح اہل کتاب نے "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ." پڑھ کر مشین کا بٹن دبایا تو جو جانور پہلے ذبح ہوگا وہ حلال ہوگا، اس کے بعد اس بٹن کے دبانے سے جو جانور ذبح ہوگا وہ حرام ہوگا کیوں کہ ایسی صورت میں ہر جانور کے ذبح سے پہلے "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ." پڑھنا ضروری ہے، صرف مشین کے قریب کھڑے ہوکر تکبیر کہتے رہنا، اسی طرح مشین پر صرف ہاتھ رکھ دینا ذبیحہ کے حلال ہونے کے لیے کافی نہیں البتہ اگر ہر جانور پر الگ الگ "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ." پڑھ کر الگ الگ کر کے بٹن دبا کر پوری احتیاط کے ساتھ ذبح کرے تو ذبیحہ حلال ہوگا۔

۳ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی مسلمان یا کتابی کی پڑھی ہوئی "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ." ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ کر کے مشین میں فٹ کر دیتے ہیں یا الگ ٹیپ ریکارڈ مشین کے قریب رکھا جاتا ہے پھر ذبح کرنے والی مشین چالو کر کے ٹیپ ریکارڈ کھول دیا جاتا ہے اس طرح مشین جانور کاٹتی رہتی ہے اور ٹیپ ریکارڈ سے "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ." کی آواز گونجتی رہتی ہے اس طرح جو جانور ذبح ہوگا وہ حلال نہیں ہوگا۔[1]

مچھلی کا شکار

مچھلی اور ٹڈی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد دونوں میں اتنا فرق ہے کہ ٹڈی خواہ کسی ظاہری سبب سے مرے یا اس کے بغیر مرے اس کو کھانا جائز ہے

[1] کھانے پینے کی حلال وحرام چیزیں: ۶۱ تا ۶۳

جب کہ مچھلی اگر کسی ظاہری سبب سے مری ہو تو اس کو کھا سکتے ہیں اور اگر اپنی طبعی موت مری ہو تو اس کو نہیں کھا سکتے۔

اگر مچھلی کو پکڑ کر پانی کے مٹکے میں رکھا جہاں وہ مر گئی تو اس کو کھا سکتے ہیں، کیوں کہ وہ جگہ کی تنگی کے سبب سے مری ہے، اسی طرح اگر اس کو پکڑ کر اور باندھ کر پانی میں چھوڑا اس سے وہ مر گئی تو اس کو کھا سکتے ہیں، کیوں کہ وہ جگہ کے محدود ہونے کی وجہ سے مری ہے۔

جال پانی میں ہو اور مچھلی جال ہی میں مر جائے تو اگر جال کی یہ حالت ہو کہ وہ مچھلی اس میں سے نکل سکتی تھی تو کھانا جائز نہیں اور اگر نہیں نکل سکتی تھی تو کھانا جائز ہے۔

پانی جم گیا اور ان کے نیچے مچھلیاں مر گئیں تو ان کو کھا سکتے ہیں، جو مچھلی سمندر یا دریا کی موج نے ساحل پر پھینک دی ہو اور وہ مر گئی ہو اس کو بھی کھا سکتے ہیں۔ ایک مچھلی جس کا کچھ حصہ پانی میں ہے اور کچھ خشکی پر ہے اور وہ مر چکی ہے۔ اس کا سر خشکی پر ہے تو حلال ہے اور اگر سر پانی میں ہو تو دیکھیں گے اگر آدھا یا اس سے کم خشکی میں ہو تو حلال نہیں ہے اور اگر آدھے سے زائد خشکی میں ہو تو حلال ہے۔ پانی میں دھماکہ کرنے سے جو مچھلیاں مر جائیں ان کو کھا سکتے ہیں۔[1]

بندوق کے شکار کا حکم

بندوق کے ذریعے جو جانور یا پرندہ شکار کیا جاتا ہے اس کے شرعی حکم میں کچھ تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ گولی کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم وہ گولی ہے جو دھاری دار اور نوک دار نہ ہو جیسے پستول کی گولی یا گول چھرے والا کارتوس اس سے کیا ہوا شکار حلال نہیں لہٰذا ایسے شکار کو اگر شرعی طریقے کے مطابق ذبح نہ کیا جا سکے اور شکاری کے پہنچنے سے پہلے وہ مر جائے تو اس کے

[1] مسائل بہشتی زیور، باب شکار کرنے کا بیان: ۲/۲۳۹

کھانے سے بچنا چاہیے۔

دوسری قسم وہ گولی ہے جو دھاری دار اور نوک دار ہو، جیسے بعض صورتوں میں کلاشنکوف، جی تھری اور تھری ناٹ تھری وغیرہ کی گولی یا نوک دار چھرہ والا کارتوس اس سے کیا ہوا شکار حلال ہوگا یعنی اگر ''بِسْمِ اللّٰهِ'' پڑھ کر گولی چھوڑی جائے اور شکاری کے پہنچنے سے پہلے شکار اس کے زخم کی وجہ سے مر جائے تو وہ شکار حلال ہوگا۔[1]

حلال وحرام کے اصول

شریعت میں کسی چیز کے حرام ہونے کی چار وجوہات میں سے کوئی ایک وجہ ضرور ہوتی ہے:

❶ ناپاک ہونا جیسے پیشاب، پاخانہ، مردار۔

❷ نقصان دہ ہونا جیسے سنکھیا (زہر)۔

❸ طبیعت سلیمہ کا اس سے گھن کرنا جیسے کیڑے مکوڑے۔

❹ نشہ آور ہونا جیسے شراب۔[2]

جمادات

جمادات سب پاک وحلال ہیں مگر یہ کہ مضر ہو یا نشہ آور ہو۔

اور اگر مضر چیز کا نقصان کسی طرح جاتا رہے یا نشہ آور چیز میں نشہ نہ رہے تو ممانعت بھی نہ رہے گی، اس سے معلوم ہوا کہ مٹی کھانا اگر نقصان کرے تو اس کا کھانا جائز نہیں اور اگر نقصان نہ ہو تو جائز ہے جیسے حالت حمل میں تھوڑی سی صاف مٹی یا ملتانی مٹی کھالینا کہ عورت طبعاً اس پر مجبور ہوتی ہے جائز ہے، ہاں اتنی نہ کھائے جس

---

[1] جواهر الفقه، اسلامی ذبیحه: ۳۶۹/۲، ۳۸۶، درمختار مع رد المحتار، كتاب الصيد: ۴۱۷/۵

[2] مسائل بہشتی زیور، متفرق مسائل: ۶۰۵/۱

سے نقصان ہو۔ پان میں چونہ زیادہ کھانا جو دانتوں کو خراب کرے یا کوئی اور نقصان کرے جائز نہیں، تھوڑی مقدار میں جائز ہے۔[1]

نباتات

نباتات سب پاک اور حلال ہیں مگر یہ کہ مضر ہو یا نشہ آور ہو۔ مضر میں ممانعت کی وجہ ضرر ہے جب ضرر نہ رہے تو اس کے استعمال میں کچھ حرج بھی نہیں ہے جیسے جمال گوٹہ کچلا وغیرہ کہ ماہر طبیعت کی رائے سے ان کا استعمال بلا تکلف جائز ہے۔[2]

حیوانات

جن جانوروں کا حرام ہونا قرآنِ کریم اور احادیث سے ثابت ہے جیسے خنزیر، گدھا، وغیرہ وہ بلاشبہ حرام ہیں۔[3]

جن جانوروں میں خون بالکل نہیں، جیسے مچھر، مکھی، بھڑ، مکڑی، بچھو، چیونٹی وغیرہ وہ سب حرام ہیں، البتہ ٹڈی بغیر ذبح کے بھی حلال ہے۔[4]

جو جانور حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کی قبیل سے ہیں جیسے چوہا، چھچھوندر، نیولہ وغیرہ وہ سب حرام ہیں۔

جو جانور پانی میں پیدا ہوتے ہیں اور وہیں زندگی بسر کرتے ہیں جیسے مینڈک، مگرمچھ، کچھوا اور دیگر پانی کے جانور مچھلی کو چھوڑ کر باقی سب حرام ہیں اور مچھلی اپنی تمام اقسام سمیت حلال ہے۔

جن جانوروں میں بہتا ہوا خون ہوتا ہے اور وہ گھاس پتے وغیرہ کھاتے ہیں اور اپنے دانتوں سے زخم اور شکار نہیں کرتے، جیسے اونٹ، بیل، بھینس، ہرن،

---

[1] بہشتی زیور، متفرق مسائل: ۶۰۵/۱

[2] مسائل بہشتی زیور، متفرق مسائل: ۶۰۵/۱

[3] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۴۴، ۴۵

[4] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ۴۵

بکرا سب حلال ہیں، البتہ گھوڑا حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہے۔

وہ تمام پرندے جو پنجے سے زخم لگاتے ہیں اور شکار نہیں کرتے صرف دانہ چگتے ہیں جیسے کبوتر، فاختہ، بٹیر، چڑیا مرغ وغیرہ یہ سب حلال ہیں۔

جو پرندے شکار کر کے کھاتے ہیں ان کا کھانا جائز نہیں جیسے باز، شکرہ، چیل وغیرہ یہ سب حرام ہیں۔

جو درندے دانتوں سے زخم لگاتے ہیں اور شکار کرتے ہیں جیسے شیر، چیتا، لومڑی، کتا وغیرہ یہ سب حرام ہیں۔[1]

جو پرندے صرف مردار کھاتے ہیں اور یہی ان کی غذا ہے جیسے گدھ وغیرہ وہ حرام ہیں اور جو پرندے کبھی مردار بھی کھاتے ہیں مگر ان کی عمومی غذا غلہ اور دانہ وغیرہ ہے وہ حلال ہیں جیسے مرغی اور کھیتی کا کوا وغیرہ۔[2]

کھانا کھانے کے پانچ درجے ہیں:

❶ پہلا درجہ فرض ہے یعنی اتنی مقدار کھانا فرض ہے کہ آدمی ہلاکت سے بچ جائے اور فرض نماز کھڑے ہو کر پڑھ سکے اور روزہ رکھ سکے۔

❷ دوسرا درجہ مستحب ہے یعنی فرض کی مقدار سے اس قدر زیادہ کھائے جس سے نوافل اور علم دین سیکھنے میں سہولت ہو۔

تنبیہ: مذکورہ بالا دونوں درجوں کے مطابق کھانا کھانے میں ثواب ملتا ہے۔

❸ تیسرا درجہ مباح ہے یعنی اس سے بھی زیادہ سیر ہونے تک کھائے اس غرض سے کہ بدن کی قوت میں اضافہ ہو۔ اس میں نہ ثواب ہے اور نہ گناہ ہے اور اتنی مقدار تک اخروی حساب آسان ہوگا بشرطیکہ کھانا حلال ہو۔

---

[1] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۴۵

[2] کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں: ص ۴۶

❹ چوتھا درجہ مکروہ ہے یعنی سیر ہونے کے بعد کچھ زائد کھانا جس سے نقصان کا اندیشہ ہو اور اگر یہ اس غرض سے ہو کہ کل کے روزے میں تقویت رہے گی یا اس کے ہاتھ روک لینے سے مہمان کھانے میں شرم محسوس کرے گا اور وہ بھی ہاتھ کھینچ لے گا تو پھر مکروہ نہیں۔

❺ پانچواں درجہ حرام ہے یعنی سیر ہونے کے بعد بھی اتنا زیادہ کھائے کہ بدہضمی ہونے کا اندیشہ ہو۔[1]

کوئی ایسا ذی وجاہت شخص ہو جس کے بھوک ہڑتال کرنے سے جائز مطالبہ پر اثر پڑے گا تو وہ مستحب اور مباح درجے کو چھوڑ سکتا ہے لیکن ایسی بھوک ہڑتال کہ جس میں فرض نماز پڑھنے کی قوت ختم ہو جائے یا موت کا اندیشہ ہو جائے جائز نہیں۔[2]

اشیا خوردنی میں کیڑے پیدا ہو جائیں یا گولر میں بھنگے پیدا ہو جائیں تو ان کیڑوں کا کھانا جائز نہیں ہے۔ کیڑے ہٹا کر استعمال کرنا چاہیے۔[3]

گوشت کا یا کوئی اور کیڑا شوربے میں گر گیا تو شوربا نجس نہ ہوگا۔ کیڑے کو ہٹا کر شوربے کو استعمال کر سکتے ہیں لیکن اگر کیڑا پھٹ کر شوربے میں ریزہ ریزہ ہو گیا تو پھر اس شوربے کا استعمال جائز نہیں۔[4]

گیارہویں اور محرم کے موقعے پر جو کچھ تقسیم کیا جاتا ہے اگر وہ غیر اللہ کے لیے نامزد ہو اور اس کے نام کی نذر ہو تو حرام ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے نام کا صدقہ ہو جس کا ثواب بزرگ کو پہنچایا گیا ہو تو وہ حرام نہیں مباح ہے لیکن چوں کہ دن کی تخصیص کی وجہ سے بدعت ہے اور بہت سے لوگ عقائد میں پختہ نہیں اس لیے ایسی چیزوں سے

---

[1] عالمگیری، کتاب الکراھیۃ، الباب الحادی عشر: ۵/۳۳۶

[2] مسائل بہشتی زیور، باب کھانے پینے کے احکام: ۲/۲۵۴

[3] مسائل بہشتی زیور، باب کھانے پینے کے احکام: ۲/۲۵۸

[4] مسائل بہشتی زیور، باب کھانے پینے کے احکام: ۲/۲۵۸

پرہیز کرنا چاہیے۔[1]

بارہ ربیع الاول، شب برات اور اسی طرح کے دیگر موقعوں پر جو بہت سے صحیح عقیدے والے بھی کچھ پکا کر تقسیم کرتے ہیں تو اگرچہ وہ چیز حرام نہیں ہوتی، لیکن دن کی تخصیص کے باعثِ بدعت ہونے کی وجہ سے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے۔[2]

تصویر کے احکام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کا مفہوم ہے: ''سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے دن تصویر بنانے والے ہوں گے۔''[3]

تصویر سے متعلق دو قسم کی چیزیں ہیں، ایک تصویر کشی دوسری تصویر کا استعمال۔

تصویر کشی یعنی تصویر بنانا

تصویر کشی صرف اسی کا نام نہیں کہ قلم یا پنسل سے تصویر بنائی جائے یا پتھر وغیرہ کا بت تراشا جائے، بل کہ وہ تمام صورتیں تصویر کشی میں داخل ہیں جن کے ذریعے تصویریں بنتی ہیں، خواہ وہ آلاتِ قدیمہ کے ذریعے ہوں یا آلاتِ جدیدہ فوٹو گرافی اور طباعت اور ویڈیو وغیرہ سے ہوں، ویڈیو (Video) کے بارے میں بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ تصویر نہیں، کیوں کہ اس کی ٹیپ میں تو صرف لہریں محفوظ ہوتی ہیں تصویر بذاتِ خود نہیں ہوتی اور جب اس کو آلہ یعنی (Player) سے چلاتے ہیں تو ٹی وی کی سکرین پر عکس آتا ہے جو گزر جاتا ہے، ان لوگوں کی یہ بات غلط ہے، کیوں کہ کسی چیز کا عکس (مثلاً آئینہ میں) وہ ہوتا ہے کہ جب وہ چیز سامنے سے ہٹ جائے تو وہ عکس جاتا رہتا ہے، محفوظ نہیں رہتا، جب کہ ویڈیو میں عکس کو لہروں کی شکل میں

---

[1] مسائل بہشتی زیور، کھانے پینے کے احکام: ۲/۲۵۹

[2] مسائل بہشتی زیور، کھانے پینے کے احکام: ۲/۲۵۹

[3] صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب عذاب المصورین: ۲/۸۸۰

محفوظ کرلیا جاتا ہے اور جتنی دیر کے لیے چاہا جائے اس کی تصویر سامنے لائی جاسکتی ہے، حالاں کہ وہ چیز جس کی تصویر ہے، وہ سامنے موجود بھی نہیں ہوتی، لہٰذا ویڈیو بنانے پر تصویر کشی کے احکام جاری ہوں گے۔ جیسے قلم سے تصویر بنانا ناجائز ہے ایسے ہی فوٹو سے تصویر بنانا پریس پر چھاپنا یا سانچہ اور مشین وغیرہ میں ڈھالنا اور ویڈیو بنانا یہ بھی ناجائز ہے۔[1]

تصویر کشی میں جان دار اور غیر جان دار کا فرق

غیر جان دار کی تصاویر بنانا جائز ہے البتہ جو تصاویر پوجی جاتی ہیں، ان کی تصویر بنانا جائز نہیں، اگرچہ وہ جان دار نہ ہوں، مثلاً صلیب کی تصویر پوجی جاتی ہے، اس لیے اس کی تصویر بنانا اور پاس رکھنا جائز نہیں ہے۔[2]

تصویر کشی کا حکم

کبھی کسی مکان یا باغ کا فوٹو لینا ہے اور وہاں پر کثرت آمد و رفت کی بنا پر انسانوں اور جانوروں کو علاحدہ کرنا اختیار میں نہیں ہوتا تو مکان یا باغ کی تصویر کے ذیل میں کچھ انسانوں اور جانوروں کی تصویر بھی آجاتی ہے یا کسی نے احتیاط بھی کی اور سب کو علاحدہ بھی کردیا یا ایسے وقت فوٹو لیا جب کہ کوئی جان دار سامنے نہ تھا، لیکن فوٹو لیتے وقت کوئی انسان یا جانور سامنے آگیا تو ان صورتوں میں جان دار کی تصویر کشی کا گناہ تو نہ ہوگا لیکن ایسی تصویر کو باقی رکھنا بھی جائز نہ ہوگا۔

جانور کی شکل کے کھلونے اور گڑیاں بنانا بھی ناجائز ہے۔[3]

ناقص تصویر بنانا

وہ ناقص تصویر جس میں سر نہ ہو اور بقیہ جسم کسی فحاشی اور عریانی کی دعوت نہ دیتا

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحظر والاباحۃ: ۱۰/ ۱۴۷، ۱۵۱

[2] مسائل بہشتی زیور، باب تصویر و مجسمہ کے احکام: ۲/ ۲۴۴

[3] فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحظر والاباحۃ: ۱۰/ ۱۵۲، ۱۵۳

ہو تصویر کے حکم میں نہیں رہتی، بل کہ نقوش اور بیل بوٹوں کے حکم میں ہو جاتی ہے۔ ایسی تصویر بنانا جائز ہے۔

جان داروں کے وہ اعضا جس پر زندگی کا مدار نہ ہو، مثلاً: ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک وغیرہ ان کی تصویر بنانا بھی جائز ہے۔ صرف چہرہ یا جسم کے آدھے بالائی حصہ کی تصویر کشی بھی ناجائز ہے۔[1]

پاسپورٹ اور شناختی کارڈ وغیرہ کے لیے تصویر بنوانا

حکومتی پابندی کی وجہ سے اس غرض سے تصویر بنوانے کی گنجائش ہے لیکن خود حکومت کے لیے ایسی پابندی اور قانون لاگو کرنا جائز نہیں ہے۔[2]

تصاویر کا استعمال

جان دار کی تصویروں میں مندرجہ ذیل تفصیل ہے:

بہت چھوٹی تصویریں

جو تصویریں اس قدر چھوٹی ہوں کہ اگر وہ زمین پر رکھی ہوں اور کوئی درمیانی بینائی والا آدمی کھڑا ہو کر دیکھے تو تصویر کے اعضا کی تفصیل دکھائی نہ دے، ایسی تصویر کا گھر میں رکھنا اور استعمال کرنا جائز ہے، اگر چہ بنانا اس کا بھی ناجائز ہے۔[3]

پامال تصویریں

جو تصاویر کسی ایسی چیز پر یا ایسی جگہ میں بنی ہوئی ہوں کہ وہ عادتاً پامال اور ذلیل وحقیر سمجھی جاتی ہیں، مثلاً: پامال دری یا چاندنی یا بستر ے میں یا بیٹھنے کے گدے تکیے و

---

[1] حلبی کبیر، مکروھات الصلوۃ، عالمگیری، الباب السابع فی ما یفسد الصلاۃ ……: ۱۰۷/۱

[2] فتاویٰ محمودیہ، کتاب الحظر والاباحۃ: ۳۶۶/۱۷

[3] مسائل بہشتی زیور، باب تصویر ومجسمہ کے احکام: ۲۴۵/۲

کرسی وغیرہ میں یا جوتے کے تلے میں یا برتنوں کے نچلے حصہ میں تو ان کا گھر میں رکھنا اور استعمال کرنا جائز ہے، اگر چہ بنانا اس کا بھی ناجائز ہے، لیکن جو بچھانے کی چیز گھٹیا نہ ہو، مثلاً: جائے نماز وغیرہ تو اس میں تصویر برقرار رکھنا جائز نہیں۔

اگر تکیئے بڑے بڑے ہوں، جن پر بنی ہوئی تصویر کھڑے ہوئے نظر آئے تو ان کا استعمال بھی ناجائز ہے۔ برتنوں میں جو تصویریں تلے کے سوا کسی اور جگہ ہوں تو ان برتنوں کا استعمال بھی جائز نہیں۔[1]

بچوں کی گڑیاں

مٹی یا کسی اور چیز کی بنی ہوئی تصویروں اور مورتیوں کو رکھنا بھی جائز نہیں۔ مٹھائی وغیرہ کے جو کھلونے بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں یہ بھی بنانا منع ہیں اور ان کو خریدنے سے پرہیز کرنا چاہیے، البتہ اگر ان کو خرید لیا ہو تو توڑ کر کھا سکتے ہیں۔[2]

وہ تصویریں جو کسی چیز میں پوشیدہ ہوں

تصویریں اگر کسی غلاف یا تھیلی وغیرہ میں پوشیدہ ہوں یا کسی ڈبہ وغیرہ میں بند ہوں تو اس تھیلی یا ڈبہ وغیرہ کا گھر میں رکھنا جائز ہے، اگر چہ بنانا اور خریدنا ان کا بھی ناجائز ہے۔

جس شخص کے بدن پر کوئی تصویر گدی ہوئی ہو مگر کپڑوں میں چھپی ہوئی ہو تو اس کی امامت جائز ہے۔[3]

تصویر سازی اور فوٹو گرافی وغیرہ کی اجرت

جان دار کی تصویر بنانے اور فوٹو لینے کی اجرت لینا اور دینا دونوں ناجائز ہیں۔

---

[1] مسائل بہشتی زیور، باب تصویر و مجسمہ کے احکام: ۲/ ۲۴۶

[2] مسائل بہشتی زیور، باب تصویر و مجسمہ کے احکام: ۲/ ۲۴۶

[3] مسائل بہشتی زیور، باب تصویر و مجسمہ کے احکام: ۲/ ۲۴۷

اور جس پریس میں جان داروں کی تصویریں چھپتی ہوں اس کی ملازمت بھی طباعت کے کام میں جائز نہیں۔ جن تصاویر کے بنانے کی اجازت اوپر ذکر ہوئی ان کے بنانے کی اجرت لینا اور دینا جائز ہے۔[1]

تصاویر کی تجارت

خرید و فروخت میں اگر تصاویر خود مقصود نہ ہوں، بل کہ دوسری چیزوں کے تابع ہوکر آجائیں جیسے اکثر کپڑوں میں تصویریں بنی ہوتی ہیں یا برتنوں اور دوسری مصنوعات جدیدہ میں اس کا رواج عام ہے تو اس کی خرید و فروخت جائز ہے۔

جب خود تصاویر ہی کی خرید و فروخت مقصود ہو تو خریدنا اور فروخت کرنا دونوں ناجائز ہیں اور اگر مورتی مٹی کی بنی ہوئی ہو تو شرعاً اس کی کوئی قیمت کسی کے ذمہ واجب نہیں ہوتی، البتہ اگر کسی دھات یا لکڑی وغیرہ کی ہو تو اتنی قیمت واجب ہوتی ہے جس قدر اس لکڑی یا دھات کی قیمت تصویر سے الگ کرکے ہوسکتی ہے۔[2]

تصاویر کے دیکھنے کا حکم

جن تصاویر کا بنانا اور گھر میں رکھنا ناجائز ہے ان کا ارادہ کرکے دیکھنا بھی ناجائز ہے، البتہ بلا ارادہ نظر پڑ جائے تو مضائقہ نہیں جیسے کوئی کتاب یا اخبار ہو جس میں تصویریں ہوں، مقصود اس کا مضمون دیکھنا ہو بلا ارادہ تصویر بھی سامنے آجاتی ہو تو اس کا مضائقہ نہیں۔[3]

تصویر والے کپڑے یا مکان میں نماز پڑھنا

جان دار کی تصویر والے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ بہت

---

[1] مسائل بہشتی زیور، باب تصویر و مجسمہ کے احکام: ۲۴۷/۲

[2] مسائل بہشتی زیور، باب تصویر و مجسمہ کے احکام: ۲۴۷/۲، ۲۴۸

[3] مسائل بہشتی زیور، باب تصویر و مجسمہ کے احکام: ۲۴۸/۲

چھوٹی تصویر کا مضائقہ نہیں اور جس مکان میں ممنوعہ تصویریں لگی ہوں اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر تصویریں قدموں کے نیچے ہوں تو اگر سجدہ تصویر پر نہ کیا گیا تو بعض حضرات کے نزدیک جائز ہے اور بعض اس کو بھی مکروہ فرماتے ہیں۔

تصویر کے قدموں کے نیچے ہونے کے علاوہ سب صورتوں میں نماز مکروہ ہے لیکن کراہت کے درجے مختلف ہیں۔ سب سے زیادہ کراہت اس تصویر میں ہے جو نمازی کے سامنے قبلہ کی جانب میں ہو۔ پھر وہ جو نمازی کے سر کے اوپر لٹکی ہوئی ہو پھر وہ جو اس کے دائیں جانب لگی ہو پھر وہ جو بائیں جانب لگی ہو اور سب سے کم کراہت اس میں ہے جو نمازی کی پشت کی طرف لگی ہو۔

فلم اور ویڈیو فلم کے ذریعے حج اور دیگر عبادات کی انسانی تصویر کے ساتھ تعلیم دینا ناجائز ہے اسی طرح کسی کے درس کی ویڈیو فلم بنانا اور دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔[1]

لباس کے احکام

لباس کے بارے میں شریعت نے کسی مخصوص لباس کی تعیین نہیں کی اور نہ اس کی مخصوص ہیئت بتا کر یہ کہا کہ ہر شخص کے لیے ایسا لباس پہننا ضروری ہے، البتہ کچھ اہم اور بنیادی اصول آداب لباس کے سلسلے میں بتائے ہیں:[2]

1. مرد شلوار، تہبند اور پائجامہ وغیرہ ٹخنوں سے اوپر رکھے۔ ٹخنے پورے یا ان کا کچھ حصہ بھی ان میں چھپنا نہیں چاہیے۔ (عورت اپنے ٹخنے اور پشت قدم کو چھپائے)
2. لباس اتنا چھوٹا، باریک یا چست نہ ہو کہ وہ اعضا ظاہر ہو جائیں جن کا چھپانا

---

[1] احسن الفتاوی، کتاب الحظر والاباحة، تصویر کے شرعی احکام: ۸/۴۱۷، ۴۴۳، مسائل بہشتی زیور، باب تصویر و مجسمہ کے احکام: ۲/۲۴۸، ۲۴۹

[2] تکملة فتح الملھم، کتاب اللباس: ۴/۸۷

واجب ہے۔

۳ لباس میں کافروں اور فاسقوں کی نقالی اور مشابہت اختیار نہ کریں۔[۱]

۴ مرد زنانہ لباس اور عورتیں مردانہ لباس نہ پہنیں۔

۵ مال دار شخص اتنا گھٹیا لباس نہ پہنے کہ دیکھنے والے اسے مفلس سمجھیں۔

۶ فخر ونمائش اور تکلف سے اجتناب کریں۔[۲]

۷ لباس صاف ستھرا ہونا چاہیے۔

۸ مردوں کے لیے سفید لباس زیادہ پسند کیا گیا ہے۔[۳]

۹ اپنی آسائش اور زیبائش کی خاطر اور اپنا دل خوش کرنے کے لیے اسراف اور نمائش سے بچتے ہوئے قیمتی لباس پہننا بھی جائز ہے۔[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس

جبہ، کرتہ، قمیص، عمامہ، ٹوپی اور لنگی پہننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ شلوار کا خریدنا بھی احادیث سے ثابت ہے بعض احادیث میں پہننا بھی آتا ہے۔[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قمیص بہت پسند تھی اس کے چند اوصاف درج ذیل ہیں:

سوتی اور تنگ دامن وآستین والی ہوتی تھی اور آپ کی قمیص مبارک میں گھنڈیا لگی ہوتی تھیں اور سینے کے مقام پر گریبان تھا۔ آپ کی قمیص ٹخنوں سے اونچی ہوتی تھی۔[۶]

---

[۱] مرقاة المفاتيح، الفصل الثاني: ۸/۱۵۵، الرقم: ۴۳۴۷

[۲] مسائل بہشتی زیور، باب لباس کے احکام: ۲/۲۶۰

[۳] آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۷/۱۴۷

[۴] مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۴/۱۹۱

[۵] مجمع الزوائد، كتاب اللباس، باب في السراويل: ۵/۱۴۹، رقم: ۸۵۱۰

[۶] جمع الوسائل، باب ماجاء في لباس رسول الله صلى الله عليه وسلم: ۱/۱۰۷

پینٹ شرٹ پہننا

پینٹ شرٹ صالحین کا لباس نہیں ہے بل کہ کافروں کا چلایا ہوا لباس ہے اور اس کے پہننے سے انگریزوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت ہو جاتی ہے اس لیے اس کا پہننا ناپسندیدہ ہے لیکن حرام نہیں۔[1]

اگر کسی کو تعلیم یا ملازمت وغیرہ کی مجبوری کی وجہ سے اس کو پہننا پڑے اور دل میں اس کو اچھا نہ جانے تو اس وقت بوجہ مجبوری اس کے پہننے کی گنجائش ہے۔ واضح رہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ وہ پینٹ ڈھیلی ڈھالی ہو اگر وہ پینٹ اتنی چست ہو کہ مخصوص اعضا کی ساخت نمایاں ہوتی ہو یا پینٹ کے پائنچے ٹخنوں سے نیچے لٹکے ہوئے ہوں تو پھر اس کا پہننا ناجائز ہے اور اس صورت میں نماز مکروہ ہوتی ہے۔[2]

ٹائی پہننے کا حکم

ٹائی کا پہننا بہت ناپسندیدہ ہے، اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ ٹائی صلیب کی علامت ہے اور ان کی مذہبی شعار ہے، ٹائی باندھنا کفار سے مشابہت کے مترادف ہے تو ایسی صورت میں ان سے مشابہت کی وجہ سے ٹائی پہننا بالکل ناجائز ہوگا۔ حدیث میں غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کی ممانعت آئی ہے۔[3]

کرتا اور گول دامن قمیص پہننا

پوری آستین والی ڈھیلی ڈھالی گول دامن قمیص یا بغیر دامن کرتا پہننا بلاشبہ جائز ہے۔[4]

---

[1] فتاوی محمودیه، کتاب الحظر والاباحة، باب اللباس: ۲۸۹/۱۹

[2] فتاوی محمودیه، کتاب الحظر والاباحة، باب اللباس، الفصل الثانی: ۲۸۰/۱۹، ۲۸٤

[3] سنن ابی داود، کتاب اللباس: ۲۱٦/۲

[4] فتاوی محمودیه، الصلاة، باب الامامة: ٥۳/٦

کالراور کف والی قمیص پہننا

کالر والی قمیص پہننا حرام نہیں، البتہ علما وصلحا کا لباس بھی نہیں، اس لیے ایسے کالر سے بچنا چاہیے اور شیروانی کالر بلاشبہ جائز ہے اور کف والی قمیص پہننا بھی بلاشبہ جائز ہے۔[۱]

مردوں کے لیے اصلی ریشم کے استعمال میں تفصیل

❶ وہ ریشمی کپڑا جس کا تانا اور بانا دونوں ریشم کا ہوں مردوں کے لیے حرام ہے۔

❷ اگر بانا ریشم کا ہو اور تانا ریشم کا نہ ہو تو یہ بھی ناجائز ہے۔

❸ اگر تانا ریشم کا ہو اور بانا ریشم کا نہ ہو مثلاً سوت کا ہو، ریشم دکھائی دیتا ہو، تو یہ بھی ناجائز ہے۔ البتہ اگر ریشم نظر نہ آتا ہو تو وہ کپڑا جائز ہے۔

❹ کپڑے پر چار انگل چوڑائی تک ریشم کا گوٹہ کناری لگا ہو تو جائز ہے۔ اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔[۲]

❺ مردوں کو ریشم کا لحاف اوڑھنا جائز نہیں۔

❻ ریشم کی مچھر دانی استعمال کرنا جائز ہے۔

مصنوعی ریشم کے جو کپڑے تیار کیے جاتے ہیں یہ ریشم نہیں، اس لیے مردوں کو اس کا پہننا اور استعمال کرنا درست ہے۔ اگر کسی مخمل کا رواں ریشم کا نہ ہو تو وہ بھی مردوں کے لیے جائز ہے۔ خالص سرخ لباس پہننا مردوں کے لیے مکروہ ہے۔ کسی اور رنگ کی آمیزش ہو یا دھاری دار ہو (یعنی سرخ اور کسی دوسرے رنگ کی دھاریاں ہوں) تو مضائقہ نہیں۔[۳]

---

[۱] مردوں کے لباس اور بالوں کے شرعی احکام: ٤٦

[۲] عالمگیری، کتاب الکراھیة، الباب التاسع: ٥/ ٣٣٠، ٣٣١

[۳] احسن الفتاوی، کتاب الحظر والاباحة: ٨/ ٦٦، مسائل بہشتی زیور، لباس کے احکام: ٢/ ٢٦٠

مردوں کے لیے جو ریشم پہننا منع ہے اس سے مراد کیڑوں سے نکلنے والا ریشم ہے۔

جمعہ اور عید یا کسی سے ملنے یا باہر جاتے وقت عمدہ کپڑے پہننا افضل ہے۔

تہ بند باندھنا

اگر کوئی شخص اتباعِ سنت کی نیت سے تہ بند باندھے تو بلاشبہ باعث ثواب ہے۔[1]

کندھے پر رومال رکھنا

اگر حالتِ نماز میں نہ ہو اور عام حالات میں بھی فساق و فجور کے طریقے پر نہ ہو تو کندھے پر رومال رکھنا یا سر پر رومال ڈالنا جائز ہے۔[2]

سونے کا بٹن استعمال کرنا

مردوں کے لیے خالص سونے کا بٹن استعمال کرنا جائز نہیں۔[3]

بٹن کھلا رکھنا

گرمی یا کسی اور وجہ سے کبھی کبھار کھلے رکھے تو یہ بھی درست ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔[4]

گریبان ایک طرف رکھنا

گریبان گلے کے نیچے سینے کے درمیان میں رکھنا چاہیے اس سے ہٹ کر سینے

---

[1] شمائل الترمذی، باب ماجاء فی صفة ازار ...... ص ۸

[2] مردوں کے لباس اور بالوں کے شرعی احکام: ۴۹

[3] احسن الفتاوی، کتاب الحظر والاباحة: ۷۰/۸

[4] فتاوی محمودیه، باب اللباس، گریبان کھلا رکھنا: ۳۲۷/۹

کے ایک طرف رکھنا خلافِ سنت ہے۔[1]

ٹوپی اور پگڑی

پگڑی اور ٹوپی پہننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس کا پہننا مستحب ہے اور یہ لباس سنت ہے۔

ننگے سر رہنا پسندیدہ نہیں۔ سر پر ٹوپی یا عمامہ استعمال کرنا اسلامی لباس کا شعار ہے۔[2]

ٹوپی کے بغیر نماز پڑھنا

سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا افضل ہے، تاہم اگر کوئی شخص کبھی اتفاق سے بغیر ٹوپی نماز پڑھ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن ننگے سر نماز پڑھنے کی عادت بنانا مکروہ تنزیہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر ننگے سر نماز پڑھنا ثابت نہیں، بل کہ ننگے سر نماز پڑھنا نصاریٰ کی عادت ہے۔[3]

پلاسٹک یا چٹائی کی ٹوپی کا حکم

پلاسٹک یا چٹائی کی ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے، مسجد کی انتظامیہ کو چاہیے کہ وہ ایسی ٹوپیاں مسجد میں نہ رکھے اور نہ ایسی ٹوپیاں رکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرے، اگر رکھنا چاہے تو کپڑے کی صاف ستھری ٹوپیاں رکھی جائیں اور سلیقے کے ساتھ رکھی جائیں، اگر کبھی اتفاق سے کسی نمازی کے پاس اپنی ٹوپی نہ ہو اور سر ڈھکنے کے لیے کوئی بڑا رومال وغیرہ بھی نہ ہو، تو ایسی مجبوری کے وقت ننگے سر نماز پڑھنے سے بہتر یہ ہے کہ مسجد میں موجود ٹوپی پہن کر نماز پڑھ لے، لیکن اس کی عادت

---

[1] فتاویٰ محمودیہ، الصلاۃ، باب الامامۃ: ۶/ ۵۴، ۵۵

[2] جمع الوسائل شرح شمائل: ۱/ ۳۰۴

[3] درمختار، الصلاۃ، مکروہات الصلاۃ مطلب فی الخشوع: ۱/ ۶۰۰

نہیں بنانی چاہیے۔[1]

ٹوپی کی کون سی قسم سنت ہے؟

حدیث کے الفاظ کے مطابق ٹوپی گول ہونی چاہیے بعض روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین طرح کی ٹوپیاں ہوتی تھیں:

1. سر کے ساتھ چپکی ہوئی۔
2. سر سے کسی قدر اونچی۔
3. ان دونوں سے نسبتاً زیادہ بڑی اور کشادہ کہ کان بھی اس سے ڈھک جاتے تھے، ہمارے یہاں جو ٹوپیاں پہنی جاتی ہیں ان سب سے سنت ادا ہو جاتی ہے۔[2]

قراقلی کی ٹوپی کی جتنی قسمیں ہمارے یہاں رائج ہیں ان سب کا استعمال جائز ہے اور ان سے ٹوپی پہننے کی سنت ادا ہو جاتی ہے۔[3]

عمامہ

عمامہ لباس کی سنت ہے، اتباع سنت کی نیت سے عمامہ باندھنا باعثِ ثواب ہے، نہ باندھنے پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

پگڑی باندھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کو سر پر گول پیچ دار باندھے اور پورے سر کو اس سے ڈھانپے، صرف سر کے ارد گرد عمامہ لپیٹنا اور سر کے درمیان کو ننگا چھوڑنا مکروہ ہے، البتہ ٹوپی کا اوپر پگڑی باندھنے کی صورت میں سر کے درمیان کا پگڑی سے ڈھانپنا ضروری نہیں اور نہ ہی مکروہ ہے۔

بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنا بھی جائز ہے، البتہ ٹوپی کے اوپر عمامہ باندھنا افضل

---

[1] مردوں کے لباس اور بالوں کے شرعی احکام: ص ۵۴

[2] مأخذہ جمع الوسائل: باب ماجاء فی عمامة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ۲۰۴/۱

[3] مردوں کے لیے لباس اور بالوں کے شرعی احکام: ص ۵۵

ہے۔

پیشانی پر محراب بنا کر باندھنا سنت تو نہیں ہے لیکن اگر بنا لیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے[1]

روایات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کی مقدار سات ہاتھ اور بعض اوقات بارہ ہاتھ ثابت ہے، اس لیے ہر شخص اپنی حیثیت سے جتنا مناسب سمجھے عمامہ باندھ سکتا ہے، البتہ نہ زیادہ لمبا ہونا چاہیے اور نہ ہی زیادہ چھوٹا بل کہ درمیانہ عمامہ ہونا چاہیے۔[2]

رومال سے عمامہ باندھنے سے بھی عمامہ کی سنت ادا ہو جائے گی۔

پگڑی کا شملہ کم سے کم چار انگلی کے برابر اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ تک ہونا چاہیے، شملہ کا اتنا لمبا ہونا کہ بیٹھنے کی حالت میں کمر سے متجاوز ہو درست نہیں۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شملہ کے مختلف طریقے ثابت ہیں، علما نے لکھا ہے کہ پگڑی کا شملہ پیٹھ کی جانب دونوں مونڈھوں کے درمیان چھوڑنا افضل ہے اور دائیں طرف رکھنا بھی جائز ہے، البتہ بائیں طرف رکھنے اور نہ رکھنے میں علما کا اختلاف ہے، بعض نے جائز کہا ہے اور بعض نے ناجائز اور بدعت کہا ہے، تاہم اگر کوئی اگر اپنی عادت یا سہولت کی وجہ سے سنت سمجھے بغیر شملہ بائیں جانب چھوڑ دے تو یہ بہر حال ناجائز نہ ہوگا۔

پگڑی میں ایک شملہ رکھنا بھی درست ہے اور دو شملے رکھنا بھی درست ہے۔[4]

عمامہ میں کسی خاص رنگ کی پابندی شرعاً ضروری نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کالا عمامہ اور سفید عمامہ باندھنا ثابت ہے، بعض علما فرماتے ہیں کہ چوں کہ

---

[1] مردوں کے لباس اور بالوں کے شرعی احکام: ص ۵۸

[2] جمع الوسائل: ۲۰۷/۱

[3] فتاویٰ حقانیہ، کتاب الکراهية، باب اللباس: ۴۳۱/۲

[4] مردوں کے لباس اور بالوں کے شرعی احکام: ۶۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید لباس محبوب تھا اس لیے سفید عمامہ باندھنا افضل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیلے اور سبز عمامہ باندھنے کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔

جن علاقوں میں عمامہ کے بغیر لباس کو نامکمل سمجھا جاتا ہے اور بغیر عمامہ گھر سے باہر نکلنا اور بڑوں کے مجمع میں جانا معیوب سمجھا جاتا ہے وہاں بغیر عمامہ کے نماز پڑھنا مکروہ ہے، یہ بات درست نہیں کہ عمامہ کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کا ثواب بغیر عمامہ کے پڑھی جانے والی نماز سے زیادہ ہے۔[1]

کسم اور زعفران میں رنگا ہوا کپڑا مرد کو پہننا جائز نہیں۔ مردوں کا عام طور سے ننگے سر رہنا خلاف ادب ہے۔ کسی کی موت پر کالے کپڑے پہننا جائز نہیں۔[2]

بالوں کے متعلق احکام

پورے سر پر بال رکھنا آدھے کان تک یا کان کی لو تک یا کندھوں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔[3] قینچی سے چھوٹے کرانا یا مونڈوانا سنت نہیں جائز ہے۔

اگر بال مونڈوائیں تو پورے سر کے مونڈوائیں، کچھ حصے کے مونڈوانا اور کچھ کے نہ مونڈوانا منع ہے۔[4]

بالوں کی وضع میں کافروں اور فاسقوں کی نقالی اور مشابہت اختیار نہ کی جائے۔ مرد عورتوں کی وضع کے اور عورتیں مردوں کی وضع کے بال نہ رکھیں۔

---

[1] فتاویٰ محمودیہ، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ: ٤٢/٦

[2] عالمگیری، کتاب الکراھیۃ، الباب التاسع فی اللبس: ٣٣٠/٥، ٣٣٤، مسائل بہشتی زیور، لباس کے احکام: ص ٢٦٠، ٢٦١

[3] جمع الوسائل فی شرح الشمائل، باب شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ٩٠/١، ٩٢

[4] مسائل بہشتی زیور حصہ دوم: ص ٢٦٦

بال بڑے رکھنے ہوں تو ان کو صاف ستھرا رکھیں، تیل لگایا کریں اور حسبِ ضرورت کنگھا بھی کیا کرے، بال بکھرے ہوئے نہ ہوں، مگر بالوں کو ایسا مشغلہ بھی نہ بنائیں کہ وہ تکلف میں داخل ہو جائیں۔[1]

سر کے بالوں کے بیچ میں مانگ نکالنا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عمل سے ثابت ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مانگ نکالنے کا اہتمام نہیں فرماتے تھے، اگر سہولت سے مانگ نکل آئی تو نکال لیتے تھے اور اگر کسی وجہ سے سہولت کے ساتھ مانگ نہ نکلتی تو اس وقت تک نہ نکالتے، کسی دوسرے وقت جب کنگھی وغیرہ موجود ہوتی نکال لیتے۔[2]

اگر بال بہت بڑھا لیے تو عورت کی طرح جوڑا بنانا درست نہیں۔[3]

کانوں کے بال کاٹنا

کانوں کے بالوں کا رکھنا اور منڈوانا دونوں درست ہیں۔

مونچھوں کے بارے میں حکم

مونچھوں کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ ان کو اس قدر کتروانا کہ ہونٹ کے اوپر کا حصہ ظاہر ہو جائے اور لب کے برابر ہو جائے سنت ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق اس سے زیادہ کتروا کر باریک کرنا اور زیادہ بہتر ہے، مونڈوانے میں اختلاف ہے، بعض جائز کہتے ہیں اور بعض بدعت کہتے ہیں۔

لہٰذا نہ مونڈوانے میں احتیاط ہے۔[4]

---

[1] مردوں کے لباس اور بالوں کے شرعی احکام: ص ۷۱

[2] مأخذہ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب صفة شعر ......: ۲/۲۵۷

[3] فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحظر والاباحة، بالوں کے احکام: ۱۰/۱۱۴، احسن الفتاوی، کتاب الحظر والاباحة: ۸/۸۰

[4] الطحطاوی، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ص ۴۳۰

مونچھوں کے وہ بال جو منہ کے دونوں طرف سے ڈاڑھی کے ساتھ جا کر ملتے ہیں ان کو کاٹنا جائز ہے اور ملا کر رکھنا بھی جائز ہے۔

ریش بچہ کا حکم

ہونٹ کے بالکل نیچے جو بال ہوتے ہیں جن کو ریش بچہ کہتے ہیں، اکثر حضرات کے نزدیک ان کا کاٹنا جائز نہیں۔[1]

ڈاڑھی کے احکام

ڈاڑھی منڈوانا کتروانا حرام ہے، البتہ تھوڑی سے نیچے ایک مشت سے جو زائد ہو اس کا کترانا درست ہے، اسی طرح چاروں طرف سے تھوڑا تھوڑا لے لینا کہ سڈول اور برابر ہو جائے تو درست ہے۔[2]

مٹھی سے زائد ڈاڑھی کاٹنا

ایک مٹھی کی مقدار ڈاڑھی رکھنا تو واجب ہے، مٹھی سے زائد ڈاڑھی کے بارے میں اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک کاٹنا نہ کاٹنا دونوں جائز ہیں، بعض کے نزدیک نہ کاٹنا افضل ہے، بعض کے نزدیک کاٹنا افضل ہے۔[3]

رخسار اور حلق کے بال کاٹنا

جبڑے کی ہڈی پر جو بال ہوتے ہیں وہ ڈاڑھی میں شامل ہیں، ان کو چھوڑ کر جبڑے کی ہڈی کے اوپر جہاں رخسار شروع ہوتے ہیں ان رخساروں پر جو بال

---

[1] ردالمحتار، الحظر والاباحة، فصل فی البیع: ٦/٤٠٧

[2] عالمگیری، کتاب الکراهیة، الباب التاسع عشر ..... : ٥/٣٥٨

[3] فتاویٰ رحیمیه، کتاب الحظر والاباحة، بالوں کے احکام: ١٠/١٠٥، ١١٣، طحطاوی کتاب الصلاة، باب الجمعة: ص ٤٢٩، ٤٣٢

ڈاڑھی کی حدود سے آگے نکل آتے ہیں، ان کو برابر کر دینا یعنی خط بنوانا درست ہے، ضروری نہیں۔ اسی طرح جبڑے کی ہڈی کے نیچے حلق (ابھری ہوئی ہڈی) اور گلے پر جو بال نکل آتے ہیں ان کے کاٹنے میں اختلاف ہے، حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے کاٹنے میں کوئی حرج نہیں۔

گدی کے بال بنوانے کو فقہا نے بدعت لکھا ہے۔[1]

ڈاڑھی اور بالوں میں خضاب لگانا

مردوں کے لیے اپنے سر کے یا ڈاڑھی مونچھ کے بالوں کو کالا کرنے یا بالوں کو خوب صورت بنانے کی غرض سے خضاب یا دیگر کیمیاوی مرکبات مثلاً: کالا کولا، کالی مہندی لگانے کے بارے میں شرعی حکم میں کچھ تفصیل ہے:

اور وہ یہ ہے کہ خالص سیاہ رنگ کے علاوہ دوسرے رنگوں کا خضاب لگانا مرد کے لیے بلاشبہ درست ہے، سرخ خضاب خالص حنا (مہندی) کا یا کچھ سیاہی مائل جس میں کتم (کالا رنگ) شامل کیا جاتا ہے، مرد کے لیے مسنون ہے اور جہاں تک خالص سیاہ رنگ کے خضاب کا تعلق ہے تو اس سے کم عمر اور جوان ظاہر کر کے کسی کو دھوکا دینا مقصود ہو تو یہ ناجائز اور حرام ہے اور اگر اس سے کسی کو دھوکا دینا مقصود نہ ہو، بل کہ محض اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے سیاہ خضاب لگائے تو اس میں فقہا کا اختلاف ہے، جمہور فقہا اس کو مکروہ فرماتے ہیں اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور بعض مشائخ جائز فرماتے ہیں، لہٰذا شدید ضرورت کے وقت حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر بعض مشائخ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔[2]

---

[1] فتاوی هندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر: ٥/٣٥٨

[2] عالمگيري، كتاب الكراهية، الباب العشرون في الزينة: ٥/٣٥٩

ڈاڑھی منڈوانے یا کتروانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا[1]

ڈاڑھی منڈوانا یا کتروانا فسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس لیے ایسے شخص کو اپنے اختیار سے امام بنانا جائز نہیں، لیکن اگر کوئی ایسا شخص امام بن جائے یا مسجد کی انتظامیہ نے امام بنا دیا ہو تو کسی دوسری مسجد میں جا کر کسی صالح امام کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہیے، البتہ اگر کسی دوسری جگہ صالح امام نہ ملے یا جماعت کا وقت ہو جائے اور دور جانے سے جماعت نکل جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں گھر یا مسجد میں تنہا نماز پڑھنے کے بجائے اس کے پیچھے جماعت سے نماز ادا کرنا بہتر ہے۔

یہی حکم تراویح پڑھانے والے حافظ کے بارے میں بھی ہے، اگر شرعی طریقے کے مطابق ڈاڑھی رکھنے والا کوئی حافظ نہ ملے تو کسی صالح امام کے پیچھے ''اَلَمْ تَرَ کَیْفَ'' سے تراویح پڑھنی چاہیے۔[2]

متفرق مسائل

بغرضِ زینت سفید بال چننا ممنوع ہے، البتہ مجاہد کو دشمن پر رعب و ہیبت ڈالنے کے لیے دور کرنا بہتر ہے۔[3]

ناک کے بال اکھیڑنا نہ چاہیے، قینچی سے کتر ڈالنا چاہیے۔

سینہ اور پشت کے بال کا بنانا جائز ہے، مگر بہتر نہیں۔

زیرِ ناف بالوں کو مرد کے لیے استرے سے دور کرنا بہتر ہے، مونڈنے کی ابتدا ناف کے نیچے سے ہے اور انتہا خصیتین کے پیچھے تک ہے۔ مرد اگر ہڑتال وغیرہ کوئی

---

[1] ڈاڑھی منڈوانے یا ایک مشت سے کم کرنے کا حکم جاننے کے لیے بیت العلم ٹرسٹ کی کتاب ''ڈاڑھی کی شرعی حیثیت'' کا مطالعہ ضرور فرمائیں، ان شاء اللہ بڑا فائدہ ہوگا۔

[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلاۃ، باب امامت و جماعت: ۲۸۹/۳

[3] احسن الفتاوی، متفرقات الحظر والاباحۃ: ۱۸۳/۸

دوا لگا کر بال دور کرے تو یہ بھی جائز ہے۔

عورت کے لیے سنت یہ ہے کہ چٹکی یا چمٹی سے دور کرے، استرہ نہ لگے، لیکن اگر اس کے بجائے کوئی بال صفا کریم یا پوڈر استعمال کرے تو وہ بھی جائز ہے[1] اس کے علاوہ اور تمام بدن کے بالوں کا مونڈنا اور رکھنا دونوں درست ہے۔

ناخن کاٹنا

ناخن کاٹنے میں مسنون عمل یہ ہے کہ ہر ہفتے میں ایک مرتبہ ناخن کاٹے جائیں اس سے تاخیر ہو جائے تو پندرہ (۱۵) دن کے اندر اندر کاٹنے چاہئیں اور اگر اس سے بھی تاخیر ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ چالیس (۴۰) دن تک تاخیر کی گنجائش ہے، یہی حکم زیر ناف بالوں کی صفائی اور بغل کے بالوں کی صفائی کا بھی ہے، اس سے زیادہ تاخیر کرنا اور لمبے لمبے ناخن رکھنا اور صفائی نہ کرنا جائز نہیں[2]

ہاتھ کے ناخن اس ترتیب سے کاٹنا بہتر ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی سے شروع کرے اور دائیں چھنگلیا تک بالترتیب کاٹ کر بائیں چھنگلیا سے بالترتیب کاٹے اور دائیں انگوٹھے پر ختم کرے اور پیر کی انگلیوں میں دائیں چھنگلیا سے شروع کر کے بائیں چھنگلیا پر ختم کرے۔

یہ ترتیب اصول و قواعد کے اعتبار سے بہتر ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

جمعہ کے دن جمعہ سے پہلے ناخن کاٹنا افضل ہے۔ رات کو بھی ناخن کاٹنا جائز ہے[3]

ناخن کاٹنے کے بعد اسے بیت الخلا اور غسل خانے کے علاوہ دوسری جگہ پھینکنا

---

[1] عالمگیری، کتاب الکراھیۃ: ۳۵۷/۵

[2] عالمگیری، کتاب الکراھیۃ، الباب التاسع عشر ...... : ۳۵۸/۵

[3] الھندیۃ، کتاب الکراھیۃ، الباب التاسع عشر ......: ۳۵۸/۵

جائز ہے، البتہ دفن کر دینا زیادہ بہتر ہے۔[1]

ناپاک یا گندی جگہ نہ ڈالے، اس سے بیمار ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ ناخن کا دانت سے کاٹنا مکروہ ہے، اس سے برص کی بیماری ہوجاتی ہے، حالتِ جنابت میں بال بنانا، ناخن کاٹنا، زیرِ ناف بال دور کرنا مکروہ ہے۔

بغل کے بالوں کو ہاتھ سے اکھیڑ کر صاف کرنا بہتر ہے اور بلیڈ وغیرہ کا استعمال بھی جائز ہے۔

اپنے سر میں گنجے پن کو یا ہلکے بالوں کو چھپانے کے لیے کسی دوسرے شخص کے انسانی بالوں کا استعمال ناجائز اور حرام ہے۔[2]

خوش بو استعمال کرنا

مردوں کے لیے خوش بو استعمال کرنا سنت ہے، مرد ایسی خوش بو لگائیں جس سے کپڑے پر رنگ نہ لگے یا ہلکا سا رنگ لگ جائے، مگر خوش بو تیز ہو جو دوسروں تک پہنچ رہی ہو، مثلاً: عطر، گلاب، مشک، عنبر، عود کافور وغیرہ۔[3]

پرفیوم استعمال کرنے کا حکم

بیرون ممالک کے بعض مختلف قسم کے بنے ہوئے ''پرفیوم'' سینٹ اور عطر وغیرہ آتے ہیں، جن میں الکحل بھی شامل ہوتا ہے، الکحل اگر کھجور، یا انگور کی شراب سے بنا ہو تو وہ ناپاک ہے، اس کا استعمال ناجائز ہے اور اگر وہ کھجور یا انگور کے علاوہ کسی اور پاک چیز کی شراب سے بنا ہوا ہو تو وہ پاک ہے اور اس کا خارجی استعمال شرعاً جائز ہے۔

---

[1] مسائل بہشتی زیور، حصہ دوم: ص ۲٦۸

[2] عالمگیری، کتاب الکراھیة، الباب التاسع عشر: ۳۵۷/۵، ۳۵۸، طحطاوی، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ص ٤۲۹، ٤۳۱

[3] مردوں کے لباس اور بالوں کے شرعی احکام: ص ۸۳

آج کل پرفیوم عموماً کھجور یا انگور کی شراب سے بنا ہوا نہیں ہوتا، بل کہ دوسری مختلف قسم کی چیزوں، مثلاً: مکئی، جوار، گندم، بیر، آلو، چاول، پٹرول وغیرہ سے بنا ہوا ہوتا ہے، لہٰذا ایسا پرفیوم شرعاً ناپاک نہیں اور اس کے لگانے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، اس لیے اس کا استعمال جائز ہے۔[1]

لباس سے متعلق نماز کے چند مسائل

عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے۔[2]

میلے کچیلے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

آستین چڑھا کر نماز پڑھنا کہ کہنیاں یا کلائیاں کھلی رہیں، مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر نماز سے پہلے کسی کام کے لیے یا وضو کے لیے آستین چڑھائی تھی اور اسی حالت میں نماز شروع کر دی تو بہتر یہ ہے کہ دوران نماز عمل قلیل (یعنی ایک ہاتھ) کے ذریعے دونوں آستین کھول دی جائیں اور کہنی سے نیچے اور گٹے سے اوپر آستین موڑ کر نماز پڑھنا بہتر نہیں۔[3]

آدھی آستین والا کرتا یا جبہ یا بنیان پہن کر نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہیں، کیوں کہ اس طرح لباس کو عام مجلس میں پہننا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ آداب نماز کا تقاضہ یہ ہے کہ آستین اتار کر وقار اور تہذیب کے ساتھ نماز پڑھے۔[4]

گریبان کے بٹن کھول کر نماز پڑھنا مکروہ تو نہیں، مگر بہتر یہ ہے کہ بٹن بند کر کے نماز پڑھے۔

واسکٹ کے بٹن اور سوئیٹر کی چین کھول کر نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں،

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحظر والاباحۃ: ۱۰/۱۵۷

[2] فتاویٰ محمودیہ، الصلاۃ، باب الامامۃ: ۶/۴۲

[3] عالمگیری، الباب السابع، الفصل الثانی: ۱/۱۰۶

[4] فتاویٰ محمودیہ، الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ: ۵/۶۵۲

البتہ شیروانی کے بٹن بلا عذر کھلے رکھ کر نماز پڑھنے میں کراہت معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ یہ لوگوں کی عام عادت کے خلاف ہے۔

سجدہ میں جاتے ہوئے دونوں ہاتھ سے قمیص درست کرنا عملِ کثیر نہیں، ایسا کرنے سے نماز نہیں ٹوٹے گی، البتہ بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی ضرورت ہو جیسے بعض اوقات رکوع یا سجدہ کی حالت میں کپڑے بدن سے چپک جاتے ہیں جس سے اعضائے خاص کی ہیئت ظاہر ہوتی ہے جو برا معلوم ہوتا ہے یا کپڑا پھٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے تو ایسی صورت میں رکوع سے یا سجدہ سے اٹھ کر یا سجدہ کی طرف جاتے ہوئے، کپڑا درست کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ دورانِ نماز اگر ٹوپی گر جائے تو اس کو ایک ہاتھ سے اٹھا کر سر پر رکھ لینا افضل ہے، لیکن اگر عملِ کثیر کی ضرورت پڑے، مثلاً: دونوں ہاتھ لگانے پڑے یا الٹنا پلٹنا پڑے تو پھر اس کو نہیں اٹھانا چاہیے۔[1]

زیورات اور سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال کے احکام

عورتوں کے زیور پہننے کے چند مسائل

عورتوں کو کان چھدوانا اور اس کا زیور پہننا جائز ہے۔[2]

عورتوں کو ناک چھدوانے اور اس میں لونگ یعنی ناک کی کیل کے استعمال میں اختلاف ہے، استعمال کی گنجائش ہے، البتہ احتیاط بہتر ہے۔

[1] عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب السابع ...... الفصل الثانی: ۱/۱۰۵، ۱۰۸

[2] مسائل بہشتی زیور، حصہ دوم: ص ۲۶۲۔

عورتوں کے مخصوص مسائل کو سیکھنے کے لیے بیت العلم ٹرسٹ کی کتاب ''خواتین کے فقہی مسائل'' کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

ایسا زیور جس میں گھنگرو ہو، یعنی بجنے والا زیور عورت کو پہننا جائز نہیں۔

عورتوں کے لیے لوہے، تانبے، پیتل اور رانگ کا بنا ہوا زیور انگوٹھی کے علاوہ جائز ہے اور دیگر دھاتوں اور چیزوں، مثلاً: ہڈی، شیشہ وغیرہ کے بنے ہوئے تمام زیورات کا استعمال انگوٹھی سمیت جائز ہے۔

لوہے وغیرہ کی انگوٹھی پر اگر چاندی کا ملمع کیا گیا ہو کہ لوہا بالکل نظر نہ آتا ہو تو ایسی انگوٹھی کا استعمال مرد اور عورت دونوں کے لیے جائز ہے۔[1]

مردوں کو سونا چاندی کا زیور پہننا

مردوں کے لیے صرف چاندی کی انگوٹھی اس وقت جائز ہے، جب کہ وہ ساڑھے چار ماشہ سے کم وزن کی ہو اور مردانہ ڈیزائن کی ہو، اگر زنانہ ڈیزائن میں بنی ہو تو مردوں کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں۔[2]

بہتر یہ ہے کہ چاندی کی انگوٹھی بھی صرف وہ مرد استعمال کریں جن کو اسے مہر کے طور پر استعمال کرنا ہو، جن کو مہر کی ضرورت نہ ہو ان کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ چاندی کی انگوٹھی بھی استعمال نہ کریں۔[3]

سونے چاندی کے برتنوں اور اشیا کا استعمال

سونے چاندی کے برتنوں اور اشیا کا استعمال مردوں، عورتوں، بچوں سب کے لیے ناجائز ہے۔

برتن، قلم، گھڑی کسی اور دھات کی ہو اور اس پر صرف سونے یا چاندی کا پانی چڑھایا گیا ہو تو اس کا استعمال جائز ہے، لیکن بچنا بہتر ہے۔

---

[1] عالمگیری، کتاب الکراھیۃ، الباب العاشر: ۵/ ۳۳۴، ۳۳۶

[2] مسائل بہشتی زیور، حصہ دوم، ص ۲۶۲

[3] عالمگیری، کتاب الکراھیۃ، الباب العاشر: ۵/ ۳۳۵

گھڑی میں ایک دو پرزے چاندی کے یا سونے کے ہوں اور باقی دوسری دھات کے ہوں تو کچھ حرج نہیں ہے۔ اگر گھڑی کے کیس میں سونا چاندی ڈالا گیا ہو، لیکن کم ہو تو اس کا استعمال جائز ہے۔

سونے چاندی کی کیلوں میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ ان پر ہاتھ نہ لگے، مثلاً: دروازہ میں لگی ہونے کی صورت میں ان پر ہاتھ نہ لگے۔ سونے چاندی کی ایسی چیزیں جو محض سجاوٹ کے لیے ہوتی ہیں، استعمال کے لیے نہیں ہوتیں، ان کو رکھنا جائز ہے۔[1]

سونے چاندی کے اعضا کی پیوندکاری

دانت ہلتا ہو تو اس کو سونے چاندی کے تار سے باندھنا یا اس پر سونے چاندی کا خول چڑھانا جائز ہے، اگر کسی اور چیز کے بنے ہوئے دانت خراب ہو جاتے ہوں تو سونے چاندی کے دانت بنوانا جائز ہے۔[2]

حجاب وستر کے مسائل

مرد کو ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک بدن ڈھانپنا فرض ہے، مردوں سے بھی اور عورتوں سے بھی۔ اپنی بیوی سے کوئی عضو ڈھانکنا ضروری نہیں، گو بلا ضرورت بدن دکھانا بہتر نہیں۔[3]

علما نے فسادِ زمانہ کو دیکھ کر بعض محرموں کو مثل نامحرموں کے قرار دیا ہے بوجہ انتظام و احتیاط کے، جیسے جوان خسر اور جوان عورت کا داماد اور شوہر کا بیٹا اور اس کی دوسری بیوی اور دودھ شریک بھائی وغیرہ۔[4]

[1] الهندية، كتاب الكراهية، الباب العاشر: ٣٣٤/٥، ٣٣٦

[2] البحر الرائق، كتاب الكراهية: ١٩١/٨، مسائل بہشتی زیور، حصہ دوم: ص ٢٦٥

[3] عالمگیری، الكراهية، الباب الثامن ٣٢٧/٥

[4] مسائل بهشتی زیور، حصه دوم: ص ٢٦٩، ٢٧٠

جس عضو کا ظاہر کرنا جائز نہیں، اس کو دیکھنا بھی حرام ہے، اگر چہ بغیر شہوت کے ہو۔ جس عضو کا ظاہر کرنا جائز ہے اس کو دیکھنے کی گنجائش اس وقت ہے، جب کہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو اور اگر شہوت کا ذرا شک بھی ہو تو دیکھنا حرام ہے۔

لہٰذا بہت بوڑھی عورت جس کی طرف بالکل رغبت نہ ہو، اس کا چہرہ تو دیکھنا جائز ہوگا، مگر سر اور بازو وغیرہ دیکھنا، جائز نہ ہوگا۔

جس عضو کا دیکھنا حرام ہے، اگر معالجہ کی ضرورت سے دیکھا جائے تو جائز ہے، بشرط یہ کہ نظر اس عضو کے علاوہ کسی اور جگہ نہ ڈالے۔[1]

جو شخص شرعاً نامحرم ہو، اس کا اور عورت کا تنہا مکان میں ہونا حرام ہے، البتہ اگر اس عورت کا کوئی محرم یا شوہر اس مرد کی کوئی محرم عورت یا بیوی بھی اس مکان میں ہو تو مضائقہ نہیں۔[2]

جس عضو کا دیکھنا جائز ہے اور چھونے میں اندیشہ شہوت کا ہے تو دیکھنا جائز ہوگا اور چھونا حرام ہوگا، البتہ علاج معالجہ کی ضرورت مستثنیٰ ہے، لیکن بھرپور کوشش کرے کہ اپنے خیال کو ادھر اُدھر منتشر کر دے، دل میں خیال فاسد نہ آنے دے۔[3]

بعض لوگ کافر مرد ڈاکٹروں سے بچے جنواتے ہیں، بلا مجبوری ایسا کرنا حرام ہے۔ اول مسلمان عورت کو اختیار کیا جائے، وہ نہ ہو تو کافر عورت کو اختیار کیا جائے، اگر کسی مرد ڈاکٹر کی ضرورت آ ہی پڑے تو مسلمان ڈاکٹر کو اختیار کیا جائے، اس کے بعد کافر کی طرف رجوع کیا جائے۔

نامحرم مرد عورت کا ایک دوسرے سے بلا ضرورت بات کرنا منع ہے اور ضرورت کے وقت بھی فضول باتیں نہ کرے، نہ ہنسے، نہ مذاق کی کوئی بات کرے، نہ اپنے لہجے

---

[1] الهندية، الكراهية، الباب الثامن: ۵/۳۲۸، ۳۲۹

[2] ردالمحتار، الصلاة: ۱/۳۶۸

[3] عالمگیری، الكراهية، الباب الثامن ۵/۳۲۹

کو نرم کرے۔[1]

مرد کے گانے کی آواز عورت کو اور عورت کے گانے کی آواز مرد کو سننا منع ہے۔

مرد کا جھوٹا کھانا پینا نامحرم عورت کو اور عورت کا جھوٹا نامحرم مرد کو جب کہ احتمال لذت حاصل کرنے کا ہو، مکروہ ہے۔

اگر نامحرم کا لباس وغیرہ دیکھ کر طبیعت میں میلان پیدا ہوتا ہے تو اس کو بھی دیکھنا حرام ہے۔[2]

جو لڑکی نابالغ ہو، مگر اس کی طرف مرد کو رغبت ہوتی ہو، اس کا حکم بھی بالغ عورت کی طرح ہے۔

جس طرح بری نیت سے نامحرم کی طرف نظر کرنا، اس کی آواز سننا، اس سے بولنا، اس کو چھونا حرام ہے، اسی طرح اس کا خیال دل میں جمانا اور اس سے لذت لینا بھی حرام ہے اور دل کا زنا ہے۔[3]

اسی طرح نامحرم کا ذکر کرنا یا ذکر سننا یا اس کا فوٹو دیکھنا یا اس سے خط و کتابت کرنا، غرض جس ذریعے سے بھی برے خیالات پیدا ہوتے ہوں، یہ سب حرام ہے۔

جس طرح مرد کو اجازت نہیں کہ نامحرم عورت کو بلا ضرورت دیکھے، اسی طرح عورت کو بھی اجازت نہیں کہ بلا ضرورت نامحرم کو جھانکے۔

بجتا ہوا زیور جس کی آواز نامحرم کے کان میں جائے یا ایسی خوش بو جس کی مہک غیر محرم کے دماغ تک پہنچے استعمال کرنا، عورتوں کو جائز نہیں، یہ بھی بے پردگی میں داخل ہے اور جو زیور خود نہ بجتا ہو، مگر دوسری چیز سے لگ کر آواز آتا ہو، ایسے زیور میں یہ احتیاط واجب ہے کہ پاؤں زمین پر آہستہ رکھے کہ زیور کا پتا نہ چلے۔ چھوٹی

---

[1] فتاویٰ محمودیہ، الحظر والاباحۃ، باب الحجاب: ۲۲۹/۱۹

[2] مسائل بہشتی زیور، حصہ دوم: ص ۲۷۲

[3] صحیح مسلم، باب قدر علی ابن آدم حظہ: ۳۳٦/۲

لڑکی کو بھی بجتا ہوا زیور نہ پہنانا چاہیے۔

جس عضو کو زندگی میں دیکھنا جائز نہیں، مرنے کے بعد بھی جائز نہیں اور اسی طرح بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی جائز نہیں، اسی طرح زیر ناف بالوں کو یا عورت کے سر کے بالوں کو بھی اترنے یا ٹوٹنے کے بعد دیکھنا مرد کو جائز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتیں جو کنگھی کرکے بالوں کو ویسے ہی پھینک دیتی ہیں کہ عام طور سے سب کی نگاہ سے گزرتے ہیں، یہ جائز نہیں۔

بے ریش لڑکے کو بوقتِ اندیشہ شہوت کے دیکھنا یا اس سے مصافحہ، معانقہ کرنا، اس کے پاس تنہائی میں بیٹھنا، اس کا گانا سننا، یا اس کے موجود ہوتے ہوئے گانا سننا یا اس سے بدن دبوانا اور اس سے پیار کی باتیں کرنا حرام ہے۔[1]

علاج معالجے کے احکام

تکلیف وضرر کو دور کرنے کے اسباب تین قسم کے ہیں:

① قطعی اور یقینی

جیسے پیاس کی تکلیف دور کرنے کے لیے پانی، بھوک کی تکلیف دور کرنے لیے روٹی اور سردی کے اثرات دور کرنے کے لیے گرم کپڑے وغیرہ، ان اسباب کو استعمال نہ کرنا توکّل نہیں، بل کہ اگر موت کا خوف ہو تو ان کو ترک کرنا حرام ہے۔

② ظنی

مثلاً: طب میں علاج معالجے کے لیے اختیار کیے جانے والے ظاہری اسباب جن کے استعمال سے زیادہ امید شفا ملنے کی ہوتی ہے، ان کو اختیار کرنا توکّل کے خلاف نہیں، لیکن ان اسباب کو اختیار نہ کرنا بھی جائز ہے، بل کہ بعض لوگوں کے حق

---

[1] درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، مطلب فی ستر العورۃ: ۱/۴۰۴، ۴۱۱، فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحظر والاباحۃ، باب الحجاب: ۱۰/۸۳، ۱۰۳

میں بعض حالات میں ان کا چھوڑنا افضل ہوتا ہے۔

❸ وہمی

مثلاً: بیماری میں داغنا اور مختلف قسم کے کڑے، منکے اور پتھر استعمال کرنا جن سے شفا حاصل ہونے کا گمان غالب نہیں ہوتا، بل کہ صرف وہم کے درجے میں خیال ہوتا ہے کہ شاید شفا حاصل ہو، توکّل کے لیے ان کا ترک کرنا شرط ہے۔[1]

علاج معالجے کے مسائل

کوئی شخص بیمار ہوا اور اس نے علاج نہیں کیا، یہاں تک کہ مر گیا تو گناہ گار نہ ہوگا۔

کسی حرام چیز کو بطور دوا صرف اسی صورت میں استعمال کرنے کی گنجائش ہے جب کوئی ماہر پرہیزگار مسلمان طبیب (ڈاکٹر) بتائے کہ بیماری کا علاج صرف اسی حرام چیز سے ممکن ہے اور متبادل حلال کوئی دوسری دوا موجود نہیں ہے۔[2]

بچوں کو کسی بیماری کی وجہ سے داغ لگایا جائے تو جائز ہے۔

زخم پر گوندھا ہوا آٹا رکھا تو اگر یہ علم ہے کہ اس سے فائدہ ہوتا ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کھانے کی چیز کو اس طرح بطور دوا استعمال کرنا جائز ہے۔

جس میں پیدائشی یا حادثاتی سبب سے کوئی عیب پیدا ہو گیا ہو تو اس کو دور کرنے کے لیے پلاسٹک سرجری کرانا جائز ہے، لیکن بڑھاپے کو چھپانے کے لیے یا قدرتی طور پر پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو چھپانے کے لیے پلاسٹک سرجی کرانا جائز نہیں۔

زہریلی ادویات کی اتنی قلیل مقدار جو مضر نہ ہو، اس کا استعمال علاج کے طور پر

---

[1] مسائل بہشتی زیور، حصہ دوم، ص ۲۷۴

[2] مسائل بہشتی زیور، حصہ دوم، ص ۲۷۵

جائز ہے، لیکن مضر مقدار کا استعمال حرام ہے۔[1]

عملیات اور تعویذ کا بیان

تعویذ اور عمل میں یہ تفصیل ہے:

❶ اگر ان میں شیاطین سے مدد لی جاتی ہو تو ہر حال میں حرام ہے، خواہ مقصود اچھا ہو یا برا ہو۔

❷ اگر ان میں اسمائے الٰہیہ سے مدد لی جاتی ہو اور مقصود بھی جائز ہو جیسے حلال نوکری کے ملنے کے لیے پڑھے یا کوئی مقروض ہو، وہ ادائے قرض کے لیے عمل پڑھے تو جائز ہے اور اگر مقصود ناجائز ہے، مثلاً: کسی اجنبی عورت کو مسخر کرنے کے لیے پڑھا تو حرام ہے، کیوں کہ اگر بلا نکاح ہی مسخر کرنا مقصود ہے، تب تو حرام ہے ہی اور اگر نکاح کے لیے مسخر کرنا ہے تو چوں کہ اس شخص سے نکاح اس عورت کے ذمہ واجب نہیں ہوتا تو یہ بھی جائز نہیں۔[2]

اگر کسی کی بیوی نافرمان ہو، اس کو مسخر کرنے کے لیے عمل پڑھے تو جائز ہے، اسی طرح اگر کسی عورت کا شوہر ظالم ہو، اس لیے عمل پڑھنا بھی جائز ہے۔

علوی عملیات میں بھی اس بات کا بہت لحاظ رکھنا چاہیے کہ الفاظ جائز ہوں اور قرآن مجید کے الفاظ کو بگاڑا نہ گیا ہو۔

تعویذ پانی میں گھول کر پلانا جائز ہے۔ جس پانی میں کوئی تعویذ ڈالا گیا ہو یا کچھ آیات پڑھ کر دم کیا گیا ہو، اس پانی کو اپنے جسم پر بہانا جائز ہے، البتہ یہ خیال رکھا جائے کہ وہ پانی عام نالیوں اور گٹر میں نہ جائے، بل کہ کسی پاک جگہ میں ڈال دیا جائے۔

---

[1] عالمگیری، کتاب الکراهیة، الباب الثامن فی التداوی: ۳۵۴/۵، ۳۵۷

[2] مسائل بہشتی زیور حصہ دوم: ص ۲۷۸

کپڑے میں لپٹا ہوا تعویذ اگر گلے میں ہو تو بیت الخلا میں داخل ہوتے ہوئے، اس کا اتارنا ضروری نہیں۔[1]

عمل اور تعویذ میں اگر ایسے الفاظ ہوں جن کا مطلب معلوم نہ ہو تو اس کو پڑھنا اور استعمال کرنا جائز نہیں۔

جو عملیات دنیا کے لیے ہوتے ہیں، ان پر ثواب نہیں ہوتا، ان میں ثواب کا اعتقاد رکھنا بدعت ہے، ایسے عملیات کو مسجد میں بیٹھ کر نہیں پڑھنا چاہیے۔

تعویذ لکھنے پر اجرت لینا جائز ہے، لیکن ایسا تعویذ مسجد میں بیٹھ کر نہ لکھنا چاہیے۔

سونے چاندی کے تعویذ کا استعمال نہ مردوں کے لیے جائز ہے اور نہ عورتوں اور لڑکیوں کے لیے، کیوں کہ تعویذ کا خول برتن کے حکم میں ہے۔

جن اگر کسی تدبیر سے پیچھا نہ چھوڑے تو اس کو جلا کر مار ڈالنا جائز ہے۔[2]

رشوت لینے دینے کا بیان

اس کی مختلف صورتیں ہیں:

وہ مال جو لینے اور دینے والوں دونوں کے حق میں رشوت ہو

❶ کسی سرکاری منصب کو حاصل کرنے کے لیے دیا جانے والا مال۔

❷ قاضی کو فیصلہ کرنے کے لیے دیا جانے والا مال، اگرچہ وہ فیصلہ حق کے مطابق ہی کرے۔ (قاضی کا کوئی وکیل نمائندہ یا اس کا کاتب یا اس کا کوئی مددگار رشوت لے تو اگر قاضی کے حکم یا رضامندی سے لے تو یہ ایسا ہے کہ جیسے قاضی

---

[1] مسائل بہشتی زیور حصہ دوم: ص ۱۷۵

[2] احسن الفتاوی، متفرقات الحظر والاباحۃ: ۸/۲۵۵، ۲۵۸

نے خود رشوت لی) [1]

۳ محض زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے لیے یا اپنے کاروبار کو ضرورت سے زائد بڑھانے کے لیے متعلقہ سرکاری ملازموں کو دیا جانے والا مال۔

یہ اس صورت میں ہے جب وہ فائدہ جائز ہو اور اگر وہ ناجائز اور حرام ہو، مثلاً: بجلی کے میٹر پیچھے کروانا یا ٹیلی فون کی کالیں کسی دوسرے کے نام پر ڈالنا تو اس میں رشوت کے علاوہ اور خرابی بھی ہوئی۔

۴ کسی ادارے یا حکومت کے ملازم کا کسی سودے میں کمیشن وصول کرنا۔

۵ کسی ادارے یا حکومت کے کسی بھی ملازم کو ہدیہ کے طور پر کسی چیز کا ملنا، جب کہ دینے والے کے ساتھ پہلے سے آپس میں ہدیہ کا لین دین نہ ہو، اگر کسی کے ساتھ پہلے سے ہدیہ کا لین دین ہو تو اب ملازمت کے بعد اس سے زیادہ مقدار کا ہدیہ لینا بھی رشوت ہوگا۔ [2]

وہ مال جو لینے والے کے حق میں رشوت ہو، دینے والے کے حق میں رشوت نہ ہو

۱ اپنے حق کو حاصل کرنے کے لیے یا اپنے سے ظلم وزیادتی دور کرنے کے لیے مال دینا۔

۲ کرایہ دار کا مکان خالی کرنے کے مطالبہ پر مالک مکان کو مجبور کر کے اس سے کچھ رقم لے کر مکان خالی کرنا۔

۳ متعلقہ محکمہ والوں کا جائز ضرورت کے کام میں ناحق مال لینا (مثلاً: بجلی کا میٹر لگوانے کے لیے متعلقہ محکمہ والوں کو جو مال دیا جائے وہ ان کے حق میں

---

[1] مأخذه ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة: ٣٦٢/٥

[2] مأخذه هداية اخرين، كتاب ادب القاضي: ١١٩/٣، صحيح البخاري، كتاب الاحكام، باب هدايا العمال: ١٠٦٤/٢

رشوت ہے، دینے والے کے حق میں نہیں۔[1]

رشوت کے مال کا حکم

آدمی رشوت کے مال کا مالک نہیں بنتا، لہٰذا اس پر لازم ہے کہ وہ مال مالک کو واپس کرے۔[2]

جوئے کا بیان

ہر وہ معاملہ جو نفع اور نقصان کے درمیان دائر ہو (یعنی یا تو کچھ مال مل جائے یا اپنا مال بھی اصل سے جائے) اور مبہم ہو، شریعت کی اصطلاح میں اس کو قمار اور میسر کہتے ہیں اور اردو زبان میں اس کو جوا کہا جاتا ہے، مثلاً: دو شخص آپس میں بازی لگائیں کہ تم آگے بڑھ گئے تو میں تم کو ایک ہزار روپیہ دوں گا اور میں بڑھ گیا تو تمہیں ایک ہزار دینے پڑیں گے یا اس طرح کہ اگر آج بارش ہوگئی تو تم ایک ہزار روپیہ مجھے دے دینا اور اگر نہ ہوئی تو میں تم کو دوں گا یا بند ڈبے ایک مقررہ قیمت پر مثلاً: ایک روپیہ فی ڈبہ کے حساب سے فروخت کیے جائیں، کسی ڈبہ میں پانچ روپیہ کی چیزیں ہوں اور کسی میں پچاس پیسے کی تو اس ابہام اور نفع وضرر کے مابین دائر صورت میں اس کی خریداری قمار (جوا) ہے۔

جوئے کی چند صورتیں

1. تاش اور شطرنج میں جو رقم یا کسی مال پر جو بازی لگائی جاتی ہے، وہ جوا ہے اور ویسے کھیل بھی حرام ہے۔
2. اخباری معمے، حل معمہ کے عنوان سے اخباروں اور رسالوں میں مثلاً: یہ اشتہار دیا جاتا ہے کہ جو شخص اس کا کوئی حل کر کے بھیجے اور اس کے ساتھ اتنی فیس مثلاً:

---

[1] ردالمحتار، کتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوۃ: ۳٦۲/۵

[2] ردالمحتار، کتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوۃ: ۳٦۲/۵

دو روپیہ فیس بھیجے گا تو جن لوگوں کے حل صحیح ہوں گے، ان میں سے انعام اس شخص کو دیا جائے گا جس کا نام لاٹری یا قرعہ اندازی کے ذریعے نکل آئے۔ یہ کھلا ہوا قمار اور جوا ہے کہ ایک شخص اپنی فیس کے دو روپے اس موہوم طریقے پر ڈالتا ہے کہ یا تو روپے بھی گئے یا ہزاروں کا انعام حاصل کر لیا۔

۳ بعض لوگ پتنگ بازی اور کبوتر بازی پر روپیہ کی ہار جیت کھیلتے ہیں، یہ کھیل خود بھی ناجائز ہیں اور ان پر روپیہ کی ہار جیت جوا ہے۔

۴ آج کل مختلف کھیلوں کے مقابلے پر لوگ روپے کی بازی لگاتے ہیں، یہ کھلا جوا ہے۔

۵ بعض اوقات لڑکے اور نوجوان مثلاً: کرکٹ کا مقابلہ رکھتے ہیں، دونوں ٹیموں کے کھلاڑی ایک مقررہ رقم دیتے ہیں، جس سے وہ کپ خریدتے ہیں، جو ٹیم جیت جاتی ہے اس کو وہ کپ مل جاتا ہے، یہ بھی جوئے کی صورت ہے۔

۶ سٹہ کا سارا کاروبار جوا ہے۔

۷ انعامی بانڈ کی خرید و فروخت کا سارا کام جوا ہے۔

۸ بیمہ کی تمام مروجہ صورتیں قمار اور جوئے سے خالی نہیں، اس لیے وہ سب حرام ہیں۔

۹ انعامی بانڈ جب موہوم انعام کی لالچ سے لیے جائیں تو یہ بھی جوا ہے اور انعام جو ملے وہ نرا (خالص) سود ہے۔

۱۰ بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ چند آدمی مل کر قرعہ اندازی کرتے ہیں جس کے نام کا قرعہ نکلتا ہے تو وہ باقی لوگوں کو چائے پلاتا ہے یا کھانا کھلاتا ہے تو یہ بھی جوا ہے۔

انعامی اسکیم

ایک شخص نے ایسی ہی کوئی چیز خریدی اور اس میں انعامی پرچی نکل آئی، جب

کہ اس کو انعامی پرچی اسکیم کا علم نہیں تھا یعنی اس نے انعام کی لالچ میں وہ شے نہیں خریدی تھی، بل کہ محض اپنی ضرورت سے خریدی تھی، اس صورت میں اس شخص کو اس پرچی پر انعام لینا جائز ہے۔

گھوڑ دوڑ، اونٹوں کی دوڑ، پیادہ کی دوڑ، نشانہ بازی اور کھیل وغیرہ میں شرط لگانا

ان تمام امور کی تمام جائز صورتوں میں دو شرطیں لازم ہیں۔

1. اس کا مقصد محض کھیل تماشہ نہ ہو، بل کہ قوت جہاد اور جسمانی ورزش ہو۔
2. جو انعام مقرر کیا جائے، وہ معلوم و متعین ہو، مجہول یا غیر متعین نہ ہو۔

دوڑ اور نشانہ بازی کی ناجائز صورتیں

1. دوڑ وغیرہ کی بازی محض کھیل تماشہ یا روپیہ کی طمع کے لیے ہو اور جہاد کی نیت نہ ہو۔
2. ریس کی مروجہ شکل کہ دوڑ کسی کمپنی اور کلب کی طرف سے ہوتی ہے۔ دوڑ والے جانور کمپنی کی ملک اور سوار بھی کمپنی کے ملازم ہوتے ہیں اور دوسرے لوگ ان جانوروں کے نمبروں پر اپنا داؤ لگاتے ہیں جس کی فیس ان کو داخل کرنی ہوتی ہے جس نمبر کا جانور آگے بڑھ جائے اس پر داؤ لگانے والے کو انعامی رقم مل جاتی ہے، باقی سب لوگوں کی فیس ضبط ہو جاتی ہے۔

یہ صورت جوا ہے اور حرام ہے، پھر اس میں قوت جہاد یا جسمانی ورزش سے کوئی واسطہ نہیں، کیوں کہ بازی لگانے والے نہ گھوڑے رکھتے ہیں، نہ سواری کی مشق سے ان کو کچھ تعلق ہے۔[1]

---

[1] ماخذهم جواهر الفقه، احكام القمار: ۲/۳۴۲، ۳۵۱

سلام ومصافحہ

کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے گھر والے سے اجازت لینا ضروری ہے، اجازت ملنے کے بعد جب گھر میں داخل ہوں تو پہلے سلام کریں، البتہ اگر باہر کھڑے ہوکر سلام کرنے کی آواز گھر والوں تک پہنچتی ہو تو پہلے سلام کریں، پھر اندر آنے کی اجازت طلب کریں۔ احادیث میں بھی اسی طرح سلام کرنے اور اجازت طلب کرنے کا حکم ہے۔[1]

سلام کرنے والا ایک کو بھی سلام کرے تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہے، اسی طرح سلام کا جواب دینے والا ایک کو بھی جواب دے تو وَعَلَیْکُمُ السَّلَامْ کہے۔

سلام کرنے والے کے لیے ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهٗ'' کہنا افضل ہے اور جواب دینے والے کے لیے ''وَعَلَیْکُمُ السَّلَامْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهٗ'' کہنا بہتر ہے، اسی طرح حدیث میں مذکور ہے۔[2]

اگر جماعت کے کسی ایک فرد نے مجمع کو سلام کیا تو یہ سلام سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا، لیکن اگر سب نے سلام کیا تو یہ افضل ہے۔ سلام کا جواب اگر کسی ایک نے بھی دے دیا تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا اور اگر سب نے سلام کا جواب دیا تو یہ افضل ہے۔

سائل یعنی بھکاری نے اگر سلام کیا تو اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں، کیوں کہ اس کا مقصد سلامتی کی دعا دینا نہیں ہوتا، بل کہ سوال کرنا ہوتا ہے۔[3]

سلام میں پہل کرنے والا افضل ہے اور اگر دونوں نے ایک ساتھ ہی سلام کیا تو ہر ایک جواب دے۔

---

[1] کنز العمال، الخامس، کتاب الصحبة: ۹/۹۲، رقم: ۲۵۷۰۲

[2] مشکاة المصابیح، الأدب، باب السلام: ۲/۳۹۸

[3] الهندیة، الکراهیة، الباب السابع فی السلام ۵/۳۲۵

جو شخص اپنے گھر میں داخل ہو تو اسے اپنے گھر والوں کو سلام کرنا چاہیے اور اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو یوں کہے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ۔[1]

جو لوگ مسجد میں تلاوتِ قرآن، تسبیح، ذکر میں مشغول ہوں یا نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوں، انہیں سلام نہ کیا جائے اور اگر کوئی سلام کرے تو ان کے لیے جواب دینا واجب نہیں۔[2]

کوئی شخص ایک مجمع کے پاس پہنچا جس میں کافر لوگ بھی ہیں تو اسے مسلمانوں کی نیت کر کے ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ'' کہنے کا اختیار ہے اور اگر چاہے تو یوں کہے:

اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔[3]

کسی کافر کو سلام کرنا پڑے تو یوں کہے: اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی اور اگر وہ سلام کرے تو جواب میں صرف وَعَلَیْکُمْ کہے۔[4]

سلام کا جواب دینا اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ سلام سنا جائے اور سلام کا جواب دینا اتنی آواز سے ضروری ہے کہ سلام کرنے والا اسے سن لے۔[5]

اگر اجنبی بوڑھی عورت نے کسی مرد کو سلام کیا تو یہ مرد اس کو اتنی آواز سے جواب دے کہ وہ عورت سن لے اور اگر عورت جوان ہو تو دل سے اس کا جواب دے اور اگر اجنبی مرد نے کسی عورت کو سلام کیا تو وہ صرف دل میں جواب دے۔[6]

غیر محرم مرد کے لیے جوان یا درمیانی عمر کی عورت کو سلام کرنا ممنوع ہے، اسی

---

[1] عالمگیری، الکراھیة، الباب السابع ۳۲۵/۵

[2] ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب المواضع التی لا یجب ۶۱۸/۱

[3] الھندیة، الکراھیة، الباب السابع فی السلام: ۳۲۵/۵

[4] مشکاة المصابیح، کتاب الأدب، باب السلام، الفصل الاول: ۳۹۸/۲

[5] عالمگیری، الکراھیة، الباب السابع فی السلام: ۳۲۶/۵

[6] مسائل بہشتی زیور حصہ دوم: ص ۲۹۷

طرح خطوں میں لکھ کر بھیجنا کسی کے ذریعے سے کہلا کر بھیجنا اور اسی طرح نامحرم عورتوں کے لیے مردوں کو سلام کرنا بھی ممنوع ہے، اس لیے کہ ان صورتوں میں سخت فتنہ کا اندیشہ ہے اور فتنہ کا سبب بھی فتنہ ہوتا ہے۔ ہاں، اگر کسی بوڑھی عورت کو یا بوڑھے مرد کو سلام کیا جائے تو مضائقہ نہیں۔[1]

جو شخص پاخانہ یا پیشاب کر رہا ہو تو اس کو سلام کرنا حرام ہے اور اس حالت میں اس کا جواب دینا بھی جائز نہیں۔[2]

اگر کوئی شخص چند لوگوں میں کسی کا نام لے کر اس کو سلام کرے، مثلاً: یوں کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اے زید! تو اگر زید کے علاوہ کوئی اور جواب دے تو وہ جواب نہ سمجھا جائے گا اور زید کے ذمے فرض باقی رہے گا، اگر جواب نہ دے گا تو گناہ گار ہوگا، لیکن اس طرح سلام کرنا خلافِ سنت ہے۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ پوری جماعت کی نیت سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہے۔[3]

سوار پیدل چلنے والے کو، کھڑا ہوا بیٹھے ہوئے کو، چھوٹا بڑے کو اور تھوڑے لوگ بہت سے لوگوں کو سلام کریں، ایسا کرنا افضل ہے ضروری نہیں۔[4]

جو لوگ مسائل پر گفتگو کرتے ہوں، پڑھتے پڑھاتے ہوں یا ان میں سے ایک علمی گفتگو کر رہا ہو اور باقی سن رہے ہوں تو ان کو سلام نہ کرے، اگر کرے گا تو گناہ گار ہوگا، اسی طرح تکبیر اور اذان کے وقت بھی مؤذن یا غیر مؤذن کو سلام کرنا مکروہ ہے اور ان صورتوں میں سلام کرنے والے کو جواب نہ دیا جائے۔[5]

---

[1] عالمگیری، الکراھیة، الباب السابع ۳۲۶/۵

[2] ردالمحتار، الصلاة، مطلب المواضع التی لا یجب ۶۱۸/۱

[3] عالمگیری، الکراھیة، الباب السابع فی السلام: ۳۲۵/۵

[4] فتاویٰ رحیمیه، کتاب الحظر والاباحة: ۱۲۱/۱۰ تا ۱۲۳

[5] بہشتی زیور، حصہ دوم: ص ۲۹۷، ۲۹۸، عالمگیری، کتاب الکراھیة، الباب السابع: ۳۲۵/۵

مصافحہ، معانقہ یعنی گلے ملنے اور بوسہ دینے کا بیان

کسی کو بوسہ دینا مختلف اسباب سے ہوتا ہے یعنی ''نفسانی شہوت'' کے ساتھ، ''بزرگانہ شفقت'' سے اور ''تعظیم وتکریم'' سے۔

معانقہ اور بوسہ دینا اگر شہوت کے ساتھ ہو، وہ باتفاقِ امت اپنی بیوی یا زرخرید باندی کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں۔ اسی طرح جب اپنے نفس میں یا دوسری جانب میں شہوت پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو، اس کا بھی یہی حکم ہے۔[1]

جو معانقہ یا بوسہ چھوٹوں پر شفقت یا بزرگوں کی تعظیم واکرام کے لیے ہو، وہ باتفاق جائز اور سنت سے ثابت ہے، بشرطیکہ ان کے ساتھ کوئی ناجائز کام شامل نہ ہو جائے۔

کسی بزرگ کی تعظیم کے طور پر اس کے ہاتھ چومنا جائز ہے، لیکن جس شخص کو ان باتوں سے اپنے نفس میں تکبر، خود پسندی پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو، اس کو درست نہیں کہ دوسرے لوگوں کو دست بوسی وغیرہ کا موقع دے۔[2]

چھوٹوں پر شفقت کے طور پر ہاتھ، سر یا پیشانی پر بوسہ دینا جائز ہے، خواہ وہ چھوٹا مرد ہو یا اپنی محرم عورت ہو۔

معانقہ صرف ایک مرتبہ کافی ہے، تین مرتبہ کرنا ثابت نہیں۔

مصافحہ دو ہاتھوں سے کرنا چاہیے، عذر ہو تو ایک ہاتھ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔[3]

کھیل اور تفریح کا بیان

کھیل اور تفریح کی تین قسمیں ہیں:

[1] مسائل بہشتی زیور، حصہ دوم

[2] عالمگیری، الکراهية، الباب الثامن والعشرون ... ۳۶۹/۵

[3] درمختار مع ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحة: ۳۳۶/۵، مجالس الابرار: ص ۲۹۸، احسن الفتاوی، کتاب الحظر والاباحة: ۳۹۷/۸، ۴۱۳

پہلی قسم

وہ کھیل جائز ہیں جن سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ مقصود ہو۔

چند دینی یا دنیوی فوائد یہ ہیں:

❶ ذہنی وجسمانی سکون حاصل کرنے کے لیے بیوی سے ہنسی کھیل۔

❷ جہاد کی تیاری کے لیے تیراندازی، نیزہ بازی، گھوڑ دوڑ، بندوق کی نشانہ بازی وغیرہ۔

❸ بدنی صحت وفائدہ کے لیے ورزش کرنا، دوڑ لگانا، چہل قدمی کرنا، کشتی لڑنا، فٹ بال کھیلنا، بیڈمنٹن کھیلنا۔

❹ طبیعت کی تھکان دور کرنے کے لیے اشعار سننا سنانا اور ہلکی پھلکی مباح ادبی تحریں پڑھنا، باغ کی سیر کرنا۔

❺ علمی فائدہ کے لیے کوئی تعلیمی کھیل کھیلنا۔

لیکن یہ کھیل بھی مندرجہ ذیل صورتوں میں حرام اور ممنوع ہو جاتے ہیں:

❶ اگر مقصد محض کھیل برائے کھیل یا وقت گزاری ہو تو یہ جائز کھیل بھی جائز نہیں۔ چناں چہ اگر کوئی شخص کشتی، تیراکی، دوڑ، نشانہ بازی، محض لہو ولعب کی نیت سے کرے تو یہ بھی مکروہ ہوں گے۔

❷ ان ہی کو مشغلہ اور پیشہ بنا لیا جائے۔

❸ جب یہ کھیل کسی گناہ پر مشتمل ہوں تو اس گناہ کی وجہ سے یہ کھیل ناجائز ہوں گے، مثلاً: کھیل کے دوران ستر کھلا ہوا ہو، جیسے فٹ بال اور ہاکی گھٹنوں سے اونچی نیکر پہن کر کھیلے جائیں یا صرف جانگیہ پہن کر کشتی لڑی جائے یا اس کھیل میں جو کھیلا جا رہا ہو یا اس میں مرد وزن کا مخلوط اجتماع ہو یا اس میں موسیقی کا اہتمام کیا گیا ہو یا اس میں فرائض وواجبات کو ترک کیا جا رہا ہو یا وہ کھیل کسی

خاص کافر قوم کا مخصوص کھیل سمجھا جاتا ہو۔

دوسری قسم

وہ کھیل جس کو شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے، مثلاً: شطرنج اور چوسر وغیرہ۔

تیسری قسم

وہ کھیل ناجائز ہیں جن میں دینی یا دنیوی کچھ فائدہ نہ ہو، مثلاً: کانچ کی گولیاں کھیلنا کہ ان میں فائدہ کچھ نہیں، البتہ وقت کا ضیاع ہے کبوتر بازی، جانوروں کو لڑانا اور پتنگ بازی وغیرہ کہ ان میں وقت کے ضیاع کے علاوہ اور بہت سی کراہتیں ہیں۔

تَنْبِیْہ ①: کرکٹ کے کھیل میں اگرچہ کچھ ورزش ہوتی ہے، لیکن اس کھیل میں فائدہ کے مقابلے میں نقصان زیادہ ہے، مثلاً: دو کھیلنے والوں کے لیے باقی پوری ٹیم بیٹھی رہتی ہے اور چوں کہ یہ کھیل زیادہ لمبا ہوتا ہے، اس لیے وقت بھی زیادہ ضائع ہوتا ہے، اسی طرح بہت سے فیلڈر بھی گھنٹوں کھڑے رہتے ہیں۔ اسی طرح کرکٹ میچ کا مقابلہ دیکھنے والے بھی بے حساب وقت ضائع کرتے ہیں۔

تَنْبِیْہ ②: ہر قسم کے کھیل کی کمنٹری (رواں تبصرہ) سننا ایک بے کار کام ہے جو صرف وقت کا ضیاع ہے۔[1]

ملازمت اور اس کی جائز و ناجائز صورتوں کے احکام

کسی بھی ادارے اور محکمے میں ملازمت جائز ہونے اور جائز نہ ہونے کا مدار بنیادی طور پر دو باتوں پر ہے، ان دونوں باتوں کا لحاظ رکھنا ہر حال میں ضروری ہے:

پہلی بات یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ وہ کام شرعی نقطۂ نگاہ سے جائز ہے یا جائز

---

[1] ماخذہم البحر الرائق، کتاب الکراھیة: ۱۸۹/۸، احسن الفتاوی، کتاب الحظر والاباحة: ۲۴۱/۸، ۲۴۳، جواھر الفقه، گھوڑ دوڑ کے شرعی احکام: ۳۵۲/۲، ۳۵۸

نہیں؟

اگر وہ کام شرعی اعتبار سے ناجائز ہے، جیسے سود کے حساب کتاب اور لکھت پڑھت کا کام کرنا تو چوں کہ یہ کام بذاتِ خود حرام ہیں، اس لیے اس کام کے کرنے پر نوکری کرنا حرام ہے اور اس کام پر ملنے والی اجرت بھی حرام ہے، اگر ملازم کو اجرت حلال مال سے دی جائے، تب بھی یہ اجرت حرام ہے، کیوں کہ حرام کام پر حلال مال سے اجرت لینا بھی جائز نہیں۔[1]

دوسری بات یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ جائز خدمت کے عوض ملازم کو جو اجرت دی جاتی ہے، وہ اجرت حلال مال سے ملنا ضروری ہے، کیوں کہ جائز کام پر بھی حرام مال سے اجرت لینا جائز نہیں اور وہ اجرت ملازم کے لیے حلال نہیں ہوگی، لہٰذا جو ادارہ، محکمہ یا شخص اپنے ملازم کو حرام مال سے اجرت دیتا ہو، اس کے ہاں نوکری کرنا جائز نہیں۔

اسی طرح جو ادارہ، محکمہ یا شخص جائز خدمت انجام دینے والے ملازم کو ایسے مال سے اجرت دیتا ہو جس میں کچھ حرام ہو اور کچھ حلال اور دونوں کو ایک دوسرے سے علاحدہ نہ کیا جا سکتا ہو تو اس کے ہاں نوکری کر کے اجرت لینے کے بارے میں کچھ تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ حلال و حرام سے مخلوط غیر ممتاز مال میں اگر غالب حلال ہو تو وہاں نوکری کرنا اور اس پر تنخواہ لینا جائز ہے اور اگر غالب حرام ہو تو وہاں نوکری کرنا اور اس پر تنخواہ لینا جائز نہیں۔[2]

ملازم کی تنخواہ کا معیار کیا ہونا چاہیے

فریقین کی باہمی رضامندی سے جو اجرت بھی طے کر لی جائے وہ جائز ہے، بشرطیکہ اس میں کسی ایک فریق کی منظوری زبردستی سے حاصل نہ کی گئی ہو۔ اجرت

---

[1] مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۳/۵۳۳

[2] عالمگیری، الكراهية، الباب الثاني عشر ......: ۵/۳۴۲، ۳۴۳

قابلیت کی بنیاد پر طے ہو یا کام کی نوعیت یا قربانی کی بنا پر ضروریات اور اخراجات کی بنا پر سب جائز ہے۔ ہر ادارے کو خواہ وہ سرکاری ہو یا پرائیویٹ، اپنے ملازمین کی تنخواہ مقرر کرتے وقت تنگ دلی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے اور موجودہ حالات کا لحاظ بہرحال رکھنا چاہیے۔[1]

شریعت میں محنت کش کے لیے کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ کوئی تنخواہ مقرر نہیں، بل کہ مزدور اور مالک دونوں کی باہمی رضامندی سے جو اجرت طے ہو، وہی تنخواہ کہلائے گی اور مالک کے ذمہ اس کا ادا کرنا لازم ہوگا، اس سے کم دینا یا جبراً زیادہ کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہوگا، البتہ اجرت طے کرتے وقت دونوں فریق کو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اجرت وقت کے تقاضے کے مطابق ہو، یعنی اس سے مزدور اپنی ضروریات پوری کر سکے اور ایک دوسرے کی مجبوری سے غلط فائدہ نہ اٹھایا جائے، مثلاً: اگر مزدور مجبور ہے کہ اس کو مزدوری نہیں مل رہی تو مزدور رکھنے والے کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کو کم اجرت پر مزدور رکھ لے یا کوئی مزدور رکھنے والے کو مزدور نہیں مل رہا ہو تو اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مزدور کو یہ نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اس کو زیادہ مزدوری دینے پر مجبور کرے۔[2]

اگر مزدور رکھنے والا ادارہ یا شخص مزدور کو طے شدہ مزدوری نہ دے تو مزدور کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حکومت کے پاس اس کا مقدمہ دائر کرکے اپنا حق وصول کرے۔[3]

بینک ملازمت کا شرعی حکم

بینک کی ایسی ملازمت جس کا تعلق براہِ راست سودی معاملات سے ہے جیسے

---

[1] بہشتی زیور حصہ دوم: ۱۵، ۱۶

[2] مسائل بہشتی زیور، حصہ دوم: ص ۱۹

[3] مسائل بہشتی زیور، حصہ دوم: ۲۰

منیجر اور کیشیئر وغیرہ کی ملازمت ایسی ملازمت بالکل حرام ہے، لیکن بینک کی وہ ملازمت جس کا تعلق براہ راست سودی معاملات سے نہیں، نہ اس کا تعلق سود کے لکھنے سے ہے، نہ سود پر گواہ بننے سے اور نہ سودی معاملات میں کسی قسم کی شرکت ہوتی ہے جیسے چوکی دار کی ملازمت ایسی ملازمت اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کے متعلق علمائے کرام کی دو رائیں ہیں:

ایک رائے یہ ہے کہ بینک کی ایسی ملازمت جس کا سودی معاملات سے کسی قسم کا تعلق نہیں یہ بھی جائز نہیں، کیوں کہ ایسے ملازمین کا اگر چہ سودی معاملات میں کوئی عمل دخل نہیں، لیکن انہیں جو تنخواہ دی جاتی ہے، وہ ان رقوم کے مجموعے سے دی جاتی ہے جو بینک میں موجود ہوتی ہیں اور اس میں سود بھی شامل ہوتا ہے اس لیے ایسی ملازمت بھی جائز نہیں۔

دوسری رائے یہ ہے کہ بینک کی صرف ایسی ملازمت جس کا سودی معاملات سے کسی قسم کا تعلق نہیں، یہ جائز ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ملازمین کو جو تنخواہ دی جاتی ہے، وہ اگر چہ ان رقوم کے مجموعے سے دی جاتی ہے جو بینک میں موجود ہوتی ہیں، لیکن بینک میں موجود رقوم ساری کی ساری سودی نہیں ہوتیں، بل کہ اس میں کئی قسم کی رقمیں مخلوط ہوتی ہیں، یعنی وہ رقوم بھی ہوتی ہیں جو لوگوں نے اپنے کھاتوں میں جمع کروائی ہوئی ہیں، یعنی بینک نے اسے قرض کے طور پر لیا ہوا ہے اور وہ رقوم بھی ہوتی ہیں جو بینک کے مالکان کا اصل سرمایہ ہیں اور وہ رقوم بھی ہوتی ہیں جو بطور سود کے حاصل کی گئی ہیں، لیکن بینک میں جمع شدہ ان مخلوط رقوم میں اکثر پہلی دو قسم کی ہوتی ہیں اور آخری قسم کی رقم ان کی بنسبت کم ہوتی ہے۔ اس لیے بینک میں موجود رقوم میں اکثر رقوم حلال ہوتی ہیں، لہٰذا اگر اس مجموعی مخلوط رقم سے ایسے ملازم کو تنخواہ دی جاتی ہے جس کا سودی معاملات سے کسی قسم کا تعلق نہیں تو اس کے لیے ایسی ملازمت اور اس سے حاصل ہونے والی تنخواہ حرام نہیں، البتہ بہتر یہی ہے کہ بینک کی

ایسی ملازمت بھی اختیار نہ کی جائے۔[1]

اس دوسری رائے کے مطابق جس صورت میں بینک کی ملازمت جائز ہے اور تنخواہ بھی حلال ہے، اس صورت میں بینک ملازم کے پاس اجرت پر کام کرنا اور اجرت لینا جائز ہے اور جس صورت میں بینک ملازمت ناجائز ہے اور تنخواہ بھی حرام ہے، اس صورت میں اگر بینک کا ملازم اپنے بینک کی تنخواہ سے اپنے ذاتی ملازم کو اجرت دیتا ہے تو بینک ملازم کے پاس کام کرکے اس ناجائز رقم سے تنخواہ لینا جائز نہیں، البتہ اگر بینک ملازم دوسرے حلال ذرائع سے حاصل کردہ آمدنی سے اجرت دیتا ہے تو اس کے پاس جائز کام کرنا درست ہے اور جائز آمدنی سے اجرت لینا بھی درست ہے۔[2]

چناں چہ اگر بینک ملازم اپنے بچوں کے استاذ کو حلال مال سے اجرت دینے کا اطمینان دلائے اور حلال مال سے اجرت بھی ادا کرے تو اس کے پاس ملازمت کرنا جائز ہے اور اس پر اجرت لینا بھی درست ہے اور اگر بینک کا ملازم اپنے بچوں کے استاذ کو بینک کی حرام تنخواہ سے اجرت دیتا ہے یا اس کی کوئی حلال آمدنی بھی ہے، لیکن وہ بینک کی آمدنی کے مقابلہ میں کم ہے تو ایسی صورت میں بینک ملازم کے پاس ملازمت کرنا بھی جائز نہیں اور اجرت بھی حلال نہیں اور اگر بینک کی تنخواہ سے استاذ نے اجرت لے لی ہے تو اب اسے بینک ملازم کو واپس کرنا ضروری ہے اور بینک کے ملازم کے ذمہ واجب ہے کہ استاذ نے جتنے دنوں تک اس کے بچوں کو پڑھایا ہے اتنے دنوں کی اجرت کسی حلال مال سے ادا کرے، خواہ وہ کہیں سے قرض لے کر ادا کرے۔[3]

---

[1] ملازمت اور اس کی جائز و ناجائز صورتوں کے شرعی احکام: ص ۲۰ تا ۲۲

[2] ملازمت اور اس کی جائز و ناجائز صورتوں کے شرعی احکام: ص ۲۲، ۲۳

[3] ملازمت اور اس کی جائز و ناجائز صورتوں کے شرعی احکام: ص ۲۸، ۲۹

اس دوسری رائے کے مطابق بینک کی مسجد میں امامت کرنا جائز ہے اور بینک کی طرف سے اس پر ملنے والی تنخواہ بھی امام کے لیے حلال ہے، اسی طرح مؤذن اور خادم وغیرہ کے لیے خدمات انجام دینا جائز ہے اور تنخواہ بھی حلال ہے۔[1]

بینک کے ذریعے تنخواہ لینے کا حکم

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح بینک کی ملازمت ناجائز ہے اسی طرح حکومت کے دوسرے اداروں میں ملازمت بھی ناجائز ہے، کیوں کہ سب ملازموں کی تنخواہ بینک سے دی جاتی ہے، لہٰذا سب کی تنخواہ حرام ہے، یہ بات درست نہیں، کیوں کہ بینک میں صرف رقم رکھنے کی وجہ سے رقم حرام نہیں ہوتی، رقم صرف حفاظت کے لیے بینک میں رکھی جاتی ہے اور دوسری جائز ملازمتوں کو بینک کی ملازمت پر قیاس کرنا بھی درست نہیں، کیوں کہ بینک کی ملازمت دو وجہ سے حرام ہے:

ایک وجہ یہ ہے کہ بینک میں سود کی لکھت پڑھت کا کام انجام دیا جاتا ہے جو کہ حرام ہے اور کسی حرام کام کی ملازمت بھی حرام ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بینک کی حرام آمدنی سے بینک کے ملازموں کو تنخواہیں دی جاتی ہیں، یہ بھی حرام ہے۔

بینک کے علاوہ دوسری جائز ملازمتوں میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں، لہٰذا دوسری جائز ملازمتوں کی تنخواہ محض اس بنا پر کہ وہ بینک کے توسط سے آتی ہے، ناجائز کہنا درست نہیں، کیوں کہ یہ تنخواہیں بینک کی آمدنی سے نہیں دی جاتیں، بل کہ حکومت کے مختلف شعبوں اور قدرتی وسائل کی آمدنی سرکاری خزانہ میں جمع ہوتی ہے جن میں اکثریت حلال کی ہوتی ہے، پھر حکومت کے خزانہ سے تنخواہیں بینکوں میں آتی ہیں اور سرکاری ملازموں کو دی جاتی ہیں، بینک کی آمدنی سے ان کی تنخواہ

[1] ملازمت اور اس کی جائز و ناجائز صورتوں کے شرعی احکام: ص ۲۹

نہیں دی جاتی، لہٰذا دوسری جائز ملازمتوں کی تنخواہیں محض بینک میں رکھنے کی وجہ سے حرام نہیں ہوتیں۔[1]

انشورنس کی ملازمت کا حکم

جو انشورنس کمپنیاں ہر قسم کا انشورنس کرتی ہیں، ان میں ملازمت کرنا اور تنخواہ لینا جائز نہیں، کیوں کہ انشورنس کمپنی میں جب لوگ انشورنس کرواتے ہیں اس میں پریمیئم کی رقم جمع کراتے ہیں تو وہ رقم کمپنی میں جمع ہوتے ہی کمپنی کی ملک ہو جاتی ہے اور کمپنی کی ملکیت چوں کہ حرام طریقہ سے آتی ہے جو سود اور جوئے کے معاہدہ پر مبنی ہے، اس لیے کمپنی کی مقبوضہ رقم کمپنی کے لیے حرام ہے، اسے بطورِ تنخواہ لینا جائز نہیں۔[2]

اور جو انشورنس کمپنیاں ہر قسم کا انشورنس نہیں کرتیں، بل کہ صرف لائف انشورنس کرتی ہیں، ان میں چوں کہ پریمیئم کی رقم جمع کرنے سے وہ کمپنی کی ملک نہیں ہوتی، بل کہ کمپنی کے پاس بطور امانت رہتی ہے، اس کی حیثیت وہی ہوتی ہے جو بینک ڈیپازٹ کی ہوتی ہے، اس لیے ایسی کمپنی میں ملازمت کرکے اس سے تنخواہ لینا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے:

1. کمپنی صرف لائف انشورنس کرتی ہو۔
2. ملازمت ایسی ہو جس میں براہِ راست انشورنس میں معاونت نہ کرنی پڑتی ہو جیسے ڈرائیوری، چوکیداری الیکٹرک وغیرہ کا کام۔
3. کمپنی ملازمین کو اپنی آمدنی سے تنخواہ نہ دیتی ہو بل کہ اپنے ادا شدہ سرمایہ اور پریمیئم کی رقم سے تنخواہ دیتی ہو اور اگر اس کا ادا شدہ سرمایہ، پریمیئم کی رقم اور آمدنی مخلوط ہو اور وہ اس مخلوط رقم سے ملازمین کو تنخواہ دیتی ہو تو اس صورت میں

---

[1] ملازمت اور اس کی جائز و ناجائز صورتوں کے شرعی احکام: ص ۳۲، ۲۴

[2] ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع: ۴۰۳/۶

مجموعی رقم میں حلال رقم غالب ہونی چاہیے۔ ورنہ اگر وہ اپنی خالص آمدنی سے تنخواہ دیتی ہے یا مخلوط رقم سے تنخواہ دیتی ہے اور اس میں حرام غالب ہو تو اس صورت میں تنخواہ وصول کرنا جائز نہیں ہے۔[1]

اشتہار بازی کی کمپنیوں میں ملازمت

اشتہار بازی کی کمپنی جس میں مختلف اداروں، ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اور رسائل کے لیے اشتہار بنائے جاتے ہیں، اشتہار کے لیے ویڈیو فلمیں بنائی جاتی ہیں جن میں جان دار کی تصاویر بھی ہوتی ہیں، ایسی کمپنیوں میں ملازمت کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ ایسی ملازمت کرنا جس میں بذات خود ملازم کو ناجائز کام کرنے پڑتے ہوں، ایسی صورت میں ملازمت بہر حال ناجائز ہے۔[2]

دوسری صورت یہ ہے کہ کمپنی میں یہ ناجائز کام ہوتے ہیں، لیکن کوئی شخص اس کمپنی میں ایسے کاموں میں ملازمت اختیار کرے جن میں کوئی ناجائز کام کرنا اس کے ذمہ میں شامل نہ ہو، یعنی بذاتِ خود کوئی ناجائز کام کرنا نہ پڑے تو ایسی صورت میں اگرچہ ملازمت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن کراہت سے پھر بھی خالی نہیں، ایک تو اس لیے کہ اس میں ایک گونہ معصیت میں شرکت اور اعانت ہے اور دوسرے اس لیے کہ ایسے ادارے کی مشتبہ آمدنی سے تنخواہ لینا بھی درست نہیں، اس لیے اس سے بچنا ہی چاہیے۔[3]

ٹی وی اسٹیشن میں ملازمت

اگر ٹی وی اسٹیشن میں ملازم کا کام ایسا ہو جس کا تعلق ٹی وی پروگرام کرنے سے

---

[1] عالمگیری، الکراهية، الباب الثانی عشر فی الهدايا ...... : ۳۴۲/۵، ملازمت اور اس کی جائز و ناجائز صورتوں کے شرعی احکام: ۲۴، ۲۵

[2] مجمع الأنهر، کتاب الاجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۳۳/۲

[3] ملازمت اور اس کی جائز و ناجائز صورتوں کے شرعی احکام: ص ۴۵

ہو تو چوں کہ ٹی وی کا غالب استعمال گناہ کے کام میں ہو رہا ہے، اس لیے اس کی ملازمت جائز نہیں اور گناہ کی اعانت میں داخل ہے۔

انکم ٹیکس کی وکالت

انکم ٹیکس کی وکالت میں چوں کہ قدم قدم پر جھوٹ، غلط بیانی اور رشوت کا لین دین کرنا پڑتا ہے اور یہ دونوں چیزیں شریعت میں ناجائز ہیں، اس لیے ان گناہوں کے ساتھ یہ وکالت درست نہیں اور اس پر ملنے والی اجرت بھی حلال نہیں،[1] البتہ اگر ان گناہوں کے بغیر اور دوسرے ناجائز کاموں سے بچتے ہوئے یہ وکالت ممکن ہو تو اس کو اختیار کرنا درست ہوگا اور اس کی اجرت بھی حلال ہوگی۔[2]

سٹیلائٹ ٹی وی میں ملازمت

آج کل سٹیلائٹ ٹی وی کا غالب استعمال چوں کہ ناجائز اور حرام چیزوں میں ہوتا ہے، اس لیے ایسا کام کرنا جس کا براہ راست تعلق سیٹیلائٹ پروگرام کے نشر کرنے سے ہو یا اس کی فروخت یا اس کے دیکھنے والوں کے لیے مہیا کرنے سے ہو، تو یہ کام جائز نہیں اور اس کی اجرت بھی حلال نہیں، البتہ اگر کام ایسا ہو کہ براہِ راست اس کے نشر کرنے، بیچنے یا مہیا کرنے سے متعلق نہ ہو، تو اس کو صاف لفظوں میں حرام تو نہیں کہہ سکتے، البتہ مکروہ تحریمی سے کم نہیں، کیوں کہ یہ ایک واسطہ سے اس کو مہیا کرنے کا ذریعہ ہے۔[3]

محکمہ خاندانی منصوبہ بندی میں ملازمت

خاندانی منصوبہ بندی کی دو صورتیں سامنے آئی ہیں:

---

[1] ردالمحتار، کتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوة: ٤٤١/٦

[2] الفقه الإسلامی وأدلته، البحث الاول تعریف الوكالة. الوكال... ...: ٧٤/٥

[3] مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٥٣٣/٢

ایک صورت یہ ہے کہ ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے ہمیشہ کے لیے مرد یا عورت اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ رہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی ایسی صورت اختیار کرنا یا دوائی استعمال کرنا جس کی وجہ سے حمل ٹھہرنے نہ پائے۔

پہلی صورت ناجائز اور حرام ہے، البتہ سخت مجبوری کی حالت میں اس کی گنجائش ہے، مثلاً: عورت کی ہلاکت کا قوی امکان ہے یا سخت بیماری کا اندیشہ ہے۔

دوسری صورت کی خاص خاص حالات میں وقتی طور پر گنجائش ہے، مثلاً: عورت اتنی کم زور ہے کہ حمل کا تحمل نہ کرسکتی ہو یا اس کا حاملہ ہونا اس کے لیے یا اس کی اولاد کے لیے مضر ہو یا وہ کسی ایسے مقام میں ہو جہاں قیام کا امکان نہیں یا کوئی خطرہ لاحق ہے وغیرہ وغیرہ تو ان حالات میں خاندانی منصوبہ بندی کی ان صورتوں میں تدابیر بتانا اور دوائی وغیرہ دینا اس کی گنجائش ہے اور اس پر اجرت لینا بھی درست ہے۔

لیکن اگر خاندانی منصوبہ بندی کا طریقہ اختیار کرنے کی وجہ فقر و افلاس یا اقتصادی بدحالی کا خوف ہو یا اور کوئی غیر اسلامی نظریہ کارفرما ہو تو یہ فعل ناجائز اور حرام ہے، اسی طرح اجتماعی طور پر خاندانی منصوبہ بندی کی ترویج و ترقی کی کوششیں بھی شرعاً درست نہیں۔

لہٰذا ان ناجائز صورتوں میں ان کے متعلق تدابیر بتلانا اور دوائی وغیرہ دینا جائز نہیں اور اس پر اجرت لینا بھی درست نہیں۔[1]

انکم ٹیکس کے ادارے میں ملازمت

حکومت کے جائز مصارف اگر جزیہ، خراج اور مال غنیمت وغیرہ سے پورے ہو جاتے ہوں تو حکومت کے لیے عوام پر کسی بھی قسم کا ٹیکس لگانا جائز نہیں ہے اور اگر

[1] احسن الفتاوی، کتاب الحظر والاباحة: ۱۹۶/۸، فتاویٰ رحیمیه، کتاب الحظر والاباحة: ۱۸۲/۱۰

جائز مصارف ان مذکورہ چیزوں سے پورے نہیں ہوتے تو حکومت کے لیے ٹیکس لگانا جائز ہے اور عوام کے لیے اس کی پابندی لازم ہوگی، بشرطیکہ یہ ٹیکس بقدر ضرورت اور عوام کے لیے قابل برداشت ہو اور ٹیکس وصول کرنے کا جو طریقہ ہے وہ لوگوں کے لیے ایذا رسانی کا باعث نہ بنتا ہو، اگر ان شرائط کا لحاظ رکھا جائے تو یہ کام جائز ہے اور اس میں ملازمت بھی جائز ہوگی اور تنخواہ بھی حلال ہوگی اور اگر ٹیکس لگانے کی مذکورہ شرائط کا لحاظ نہ رکھا جائے اور غیر شرعی طور پر ٹیکس وصول کیا جائے اور اس پر سود بھی لگایا جائے تو یہ ٹیکس شرعاً ناجائز ہوں گے اور اس محکمہ کی ملازمت میں یہ کام کرنے بھی درست نہیں ہوں گے اور اس کام پر تنخواہ بھی حلال نہ ہوگی۔[۱]

محکمہ کسٹم میں ملازمت

محکمہ کسٹم میں اگر رشوت اور دیگر غیر شرعی کام سے بچ کر کام کرے تو اس میں ملازمت جائز ہے اور اس کے عوض جو تنخواہ ملتی ہے، وہ بھی حلال ہے، جب کہ یہ تنخواہ حکومت کے عام خزانے سے دی جاتی ہو، خاص کسٹم ڈیوٹی سے حاصل شدہ ناجائز آمدنی سے نہ دی جاتی ہو۔

محکمہ پولیس میں ملازمت

محکمہ پولیس میں ملازمت اختیار کرنا اصل کے اعتبار سے جائز ہے، نیز اگر یہ نیت ہو کہ مظلوم کی دادرسی کروں گا اور ظالم کو ظلم سے روکوں گا تو یہ ملازمت بہت بڑے اجر کا ذریعہ بھی ہے، بشرطیکہ رشوت اور دوسرے گناہوں اور ناجائز کاموں سے پرہیز کرے۔

محکمہ چنگی میں ملازمت

بعض مقامات پر چنگی کے نام سے سڑک کا کرایہ لیا جاتا ہے، وہاں ملازمت

[۱] مآخذہ فتاوی حقانیہ، کتاب السیاسۃ: ۳۳۵/۲، ۳۳۶

جائز ہے اور تنخواہ بھی حلال ہے اور بعض مقامات پر چنگی کے نام سے ٹیکس لیا جاتا ہے جو حکومت کے لیے بقدر ضرورت اتنی مقدار میں لگانے کی گنجائش ہے جو لوگوں کے لیے قابل برداشت ہو اور اس کی وصولی کا طریقۂ کار بھی آسان ہو تو ایسی صورت میں اس محکمہ میں ملازمت جائز ہے اور تنخواہ بھی حلال ہے، لیکن اگر چنگی بقدرِ ضرورت نہ ہو، بل کہ ظالمانہ ہو اور اس کے وصول کرنے کا طریقہ بھی ایذا رسانی کا باعث بنتا ہو تو اسے وصول کرنا اور اس محکمہ میں ملازمت کرنا جائز نہیں اور تنخواہ بھی حلال نہیں۔[1]

سودی نظام پڑھانے کی ملازمت

سودی حسابات کی تعلیم دینے میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ سود کا عمل اور سود کا علم دونوں بالکل جداگانہ چیزیں ہیں، سود کے لیے حساب کے جو فارمولے اختیار کیے جاتے ہیں، وہ بذاتِ خود جائز ہیں، اس لیے ان کی تعلیم بھی جائز ہی ہوگی، بل کہ ممکن ہے کہ سودی کاروبار پر تنقید کے لیے کبھی اس کی ضرورت بھی ہو جائے۔ پڑھانے والے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ طلبہ پر واضح کر دیں کہ یہ نظام شریعت کے خلاف ہے اور حرام ہے، ایسی صورت میں یہ پڑھانے کی اجرت حلال ہے اور سودی نظام کا اس نیت سے پڑھنا اور پڑھانا کہ اس پر عمل کروں گا یا سودی اداروں میں ملازمت کروں گا، جائز نہیں، ایسی صورت میں اس کو پڑھا کر اجرت لینا بھی حرام ہے۔[2]

فٹ بال کلب میں ملازمت اور اس کے شیئرز خریدنا

فٹ بال کلب کی کمپنی ہو یا کسی اور کھیل کی کمپنی ہو یا کھیل کے علاوہ کوئی اور کمپنی ہو، کسی بھی کمپنی کے شیئرز کی خرید و فروخت کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

---

[1] فتاوی محمودیہ، باب الحظر والاباحۃ: ۲/ ۳۴۷

[2] مأخذہ، امداد الفتاوی، کتاب الربوا: ۳/ ۱۶۷، ۱۶۸

❶ کمپنی کا اصل کاروبار حرام نہ ہو جیسے کوئی کمپنی شراب کا کام کرتی ہو یا کمپنی کا اصل کاروبار ہی سود پر ہو جیسے بینک وغیرہ۔

❷ جن کمپنیوں کا اصل کاروبار تو حلال ہے، لیکن ساتھ ہی سود میں ملوث ہے جیسا کہ آج کل بہت سی کمپنیاں زائد رقم بینکوں میں رکھوا کر اس پر سود لیتی ہیں تو ان کمپنیوں کے شیئرز کو خریدنا اس شرط کے ساتھ جائز ہوگا کہ شیئر ہولڈر اس پر آواز اٹھائے کہ میں سودی کاروبار پر راضی نہیں ہوں، اگرچہ اس کی اس آواز پر عمل نہ ہو، مگر اس کے آواز اٹھانے سے ان کے اس فعل کی نسبت اس کی طرف نہ ہوگی۔

❸ کمپنی کی آمدنی میں سود اگر شامل ہو تو تناسب معلوم کر کے نفع میں سے اتنی مقدار فقرا و غربا میں تقسیم کر دے، باقی نفع بلاشبہ حلال ہوگا۔

❹ شیئرز کو کم و بیش خرید و فروخت کے جواز کی ایک شرط یہ ہے کہ کمپنی کے اثاثے صرف نقد اور دیون (قرضوں) کی شکل میں نہ ہوں، بل کہ اس کے پاس جامد اثاثے بھی موجود ہوں، مثلاً: بلڈنگ، مشینری وغیرہ۔[1]

اس تفصیل کے بعد واضح رہے کہ کھیل خواہ کسی قسم کا ہو اس کا کھیلنا بذات خود کوئی ایسی نفع کی چیز نہیں ہے کہ جس کی ملازمت اختیار کرنا شرعاً صحیح ہو، کھیل پر تنخواہ وصول کرنا یا معاوضہ معروف طریقہ پر یا طے کر کے لینا دینا اور اسے مستقل کاروبار بنانا جائز نہیں، اس کے علاوہ رائج الوقت کھیلوں میں متعدد خرابیاں پائی جاتی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

❶ ہوٹنگ، ڈانس، موسیقی اور دیگر ناشائستہ امور کھلے عام ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اب ایسے اجتماعات میں کسی شریف آدمی کا جانا اپنی بے عزتی کو دعوت دینا ہے۔

---

[1] ماخذہ فقہی مقالات، شیئرز کی خرید و فروخت: ۱۴۴/۱

❷ بعض اوقات جوا بھی کھیلا جاتا ہے اور لاکھوں بل کہ کروڑوں روپے کی رقوم ان میں ہاری اور جیتی جاتی ہیں۔[1]

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ فٹ بال کلب کی ملازمت اختیار کرنا اور اس کو کاروبار کا حصہ بنانا جائز نہیں، نیز اس میں کئی طرح سے گناہ کے کام اور خرابیاں پائی جاتی ہیں، لہٰذا فٹ بال کلب کے شیئرز کی خرید وفروخت بھی جائز نہیں۔[2]

فلم انڈسٹری میں ملازمت

فلم انڈسٹری میں کام کرنا جائز نہیں اور اس میں کام کر کے جو آمدنی حاصل ہوگی وہ حرام ہوگی اور اس حرام مال کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں، بل کہ یہ مال وہاں واپس کرنا ضروری ہے جہاں سے ملا ہے یا اصل مالک کی طرف سے بغیر نیت ثواب صدقہ کرنا واجب ہے۔[3]

بیوٹی پارلر میں ملازمت

بیوٹی پارلر کے نام سے عورتوں کے بناؤ سنگھار کے جو ادارے قائم ہیں ان میں بعض کام جائز کیے جاتے ہیں اور بعض ناجائز، ان میں جو کام ناجائز ہیں، مثلاً: خواتین کے بال کاٹ کر مردوں کے بالوں کی مشابہت اختیار کرنا اور ابرو کے بال نچوا کر باریک سی لکیر بنا کر ہیجڑے کی مشابہت اختیار کرنا یہ دونوں عمل ناجائز ہیں، ان سے بچنا ضروری ہے، اور ان کاموں میں ملازمت ناجائز ہے اور اجرت بھی حلال نہیں، لہٰذا بیوٹی پارلر کھولنے والی عورت کے لیے ضروری ہے کہ یہ دونوں کام ہرگز نہ کرے، البتہ جو کام جائز ہے مثلاً: شرعی حدود میں رہتے ہوئے چہرہ وغیرہ کا میک اپ کرنا، بالوں کو بلیچ یا رنگ رنگنا، مہندی لگانا داڑھی مونچھ جو نکل آئی ہو تو اس کو

---

[1] ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی البیع: ۴۰۳/۶

[2] ملازمت اور اس کی جائز وناجائز صورتوں کے شرعی احکام: ص ۳۶ تا ۳۸

[3] البحر الرائق، کتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة: ۲۰/۸

صاف کرنا، اس کے علاوہ عورتوں کی خوب صورتی کے لیے شرعی حدود میں رہتے ہوئے جو کچھ شامل کیا جا سکتا ہے کرنا، یہ امور جائز ہیں اور اس پر طے کرکے اجرت لینا بھی درست ہے۔[1]

خواتین کے لیے ملازمت کا حکم

عورت کی ملازمت کرنے کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ ہے کہ اس کو اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے ملازمت کی واقعی ضرورت ہے، مثلاً: کوئی عورت ایسی ہے کہ اس کی اخراجات کی ذمہ داری برداشت کرنے والا کوئی نہیں ہے اور وہ اپنے نان ونفقہ کی غرض سے گھر سے باہر نکل کر کام کاج کرتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اسے اس قسم کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بل کہ اس کے نام ونفقہ کا انتظام ہے، اس کے باوجود باہر نکل کر ملازمت کرتی ہے۔

پہلی صورت میں تو گھر سے نکل کر ملازمت کرنا درست ہے، بشرط یہ کہ وہ مندرجہ ذیل آداب وشرائط کی پابندی کرے:

❶ مکمل شرعی پردے کے ساتھ باہر نکلے، نیز اس کی ملازمت عورتوں یا کم سن بچوں کے شعبہ میں ہو اور بالغ اجنبی مردوں سے اختلاط نہ ہو۔
❷ بناؤ سنگھار نہ کرے اور خوش بو استعمال نہ کرے۔
❸ راستے میں آتے جاتے ہوئے اور دورانِ ملازمت غیر محارم سے اختلاط نہ ہو۔
❹ گھر پر رہتے ہوئے کوئی ذریعہ معاش نہ ہو۔
❺ اس کی ملازمت جائز اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہو۔
❻ اگر ولی موجود ہو تو ملازمت اس کی اجازت سے ہو اور اگر شادی شدہ ہے تو

[1] ملازمت اور اس کی جز وناجائز صورتوں کے شرعی احکام: ص ۴۱

شوہر کی اجازت سے ہو، کیوں کہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا ہی جائز نہیں۔

دوسری صورت میں بھی اگرچہ مذکورہ بالا شرائط کی پابندی کے ساتھ ملازمت کی گنجائش ہے، تاہم ایسی صورت میں ملازمت نہ کرنے میں احتیاط ہے۔[1]

خاتون کو دکان میں ملازم رکھنا

مغربی ممالک میں بعض مسلمان تاجر بھی عیسائی لڑکیوں کو دکان میں ملازم رکھ لیتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ خریداری کے لیے زیادہ تر عورتیں آتی ہیں، اس لیے ان عورتوں سے عورتوں کا معاملہ کرنا اچھا ہوتا ہے۔

اس بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ کسی عورت کو ملازم کے طور پر رکھنے کی صورت میں کئی مفاسد ہیں، اس عورت سے میل جول بڑھ سکتا ہے، اس کے ساتھ تنہائی کی نوبت آسکتی ہے جو کہ گناہ کبیرہ کا سبب بن سکتی ہے، لہٰذا کسی خاتون کو ملازم رکھنے سے پرہیز کرنا چاہیے اور اگر ایسا کرنے میں نفع میں کچھ کمی آتی ہے تو اسے برداشت کر لینا چاہیے، کیوں کہ معمولی نفع کے مقابلے میں گناہ کا پہلو زیادہ ہے، لیکن اگر وہاں خریداری کرنے والوں میں اکثریت خواتین کی ہے تو پھر مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ کسی عیسائی خاتون کی ملازم رکھنے کی گنجائش ہے، وہ شرائط یہ ہیں:

1. خاتون ملازمہ کو پابند بنایا جائے کہ وہ ایسا لباس پہن کر آئے کہ جس سے سر سے لے کر پاؤں تک پورا جسم چھپا ہوا ہو اور اسے اسکرٹ وغیرہ پہن کر آنے سے منع کیا جائے۔
2. مردوں کے سامنے حتی الامکان نظریں نیچی رکھی جائیں اور مرد بھی ضروری بات کرتے وقت اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

---

[1] ملازمت اور اس کی جائز و ناجائز صورتوں کے شرعی احکام: ص ۴۲، ۴۳

❸ تنہائی کا موقع بالکل نہ آنے دیا جائے، مالک کے ساتھ اور نہ گاہک کے ساتھ۔

❹ ملازم خاتون کے ساتھ کسی بھی ایسے تعلق سے بالکلیہ پرہیز کیا جائے جو تہمت کا سبب بن سکتا ہو۔[1]

غیر مسلم کے پاس نوکری کرنا

غیر مسلم کے یہاں مسلمان کے لیے ملازمت کرنا جائز ہے، بشرط یہ کہ کسی جائز کام کی ملازمت ہو، ناجائز اور حرام کام کی ملازمت نہ ہو، جیسے شراب اور خنزیر فروخت کرنے کی ملازمت، کیوں کہ مسلمان کے لیے ان چیزوں کی خرید وفروخت جائز نہیں، نیز جائز کام کی ملازمت ایسی ہو کہ جس سے مسلمان کی تذلیل نہ ہوتی ہو، مثلاً: کافروں کی خدمت کرنا یا کافر کے گھر میں اس کے کپڑے وغیرہ دھونا اور اس کے گھر کی صفائی وغیرہ کرنا، ایسی ملازمت اگرچہ جائز ہے، لیکن مسلمان کے لیے ذلتِ نفس ہونے کی وجہ سے مکروہ اور قابلِ ترک ہے۔

غیر مسلم کے یہاں ملازمت کرنے میں مندرجہ ذیل باتیں بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہیں:

❶ وہ غیر مسلم جو اپنے غیر مسلم ہونے کا اعتراف کیے بغیر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے، اس کا معاملہ دوسرے غیر مسلموں سے زیادہ شدید ہے، اس کے ساتھ مستقل نوعیت کے تعلقات قائم کرنا درست نہیں۔

❷ اگر غیر مسلم کے یہاں ملازمت اختیار کرنے کی صورت میں اس کے اپنے عقائد کی نشر واشاعت مقصود ہو، تاکہ ضرورت مند مسلمان اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے اس غیر مسلم مذہب کی طرف مائل ہوں تو ایسے غیر مسلم کے

---

[1] ملازمت کی جائز وناجائز صورتوں کے شرعی احکام: ص ۵۴، ۵۵

ہاں نوکری کرنا جائز نہیں، بالخصوص جب کہ وہ اپنے کو مسلمان ظاہر کرتا ہو، کیوں کہ اس سے بات کا خطرہ اور زیادہ بڑھ جاتا ہے کہ اس کے عقائد کو ناواقف مسلمان اسلام کا حصہ سمجھنے لگیں۔[۱]

رہائشی ہوٹل میں ملازمت کرنا

رہائشی ہوٹل کی نوکری میں اگر ملازم کے ذمہ شراب پیش کرنا نہ ہو اور دوسرا کوئی حرام اور ناجائز کام یا اس میں تعاون نہ ہو تو ایسے رہائشی ہوٹل میں نوکری کرنا جائز ہے اور اس کی تنخواہ بھی حلال ہے، ورنہ نوکری کرنا درست نہیں اور آمدنی بھی حلال نہیں۔[۲]

عمرے کے لیے جا کر سعودیہ میں نوکری کرنا

عمرے کے ویزے کی مدت ختم ہونے کے بعد غیر قانونی قیام نہیں کرنا چاہیے، اگر کسی نے اس طرح کیا ہے تو اس کو گناہ ہوگا تاہم اس دوران وہ جو کچھ حلال ذرائع سے یعنی نوکری اور تجارت وغیرہ سے کمائے گا وہ اس کے لیے حلال ہوگا۔[۳]

اپنی جگہ دوسرے کو کم تنخواہ پر رکھنا

امام صاحب کا چھٹیوں پر جانے کے وقت اپنے طور سے کسی کو نائب مقرر کرنا اور اسے اپنے سے کم تنخواہ دینے کا وعدہ کرنا اور خود حکومت یا مسجد کے مالکان سے مکمل تنخواہ لینا اور اپنے نائب کو حسبِ وعدہ جو اجرت پہلے اس سے طے کی تھی دینا بھی جائز ہے بالخصوص جب کہ ان مساجد کی انتظامیہ کی طرف سے اس کی ممانعت نہ ہو۔[۴]

---

[۱] بدائع الصنائع، کتاب الاجارة، فصل واما شرائط الرکن: ۱۸۹/٤

[۲] بدائع الصنائع، کتاب الجارة، فصل واما شرائط الرکن: ۱۹۰/٤

[۳] ملازمت اور اس کی جائز و ناجائز صورتوں کے شرعی احکام: ص ۵۷، ۵۸

[۴] احسن الفتاوی، کتاب الاجارة: ۲۸۵/۷

اپنی ڈیوٹی پر دوسرے کو بھیجنا

کسی بھی ادارے میں متعین ملازم کے لیے شرعاً اور قانوناً یہ ضروری ہے کہ وہ خود اپنی ذمہ داری اور فرائض ادا کرے، لہٰذا اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی جگہ دوسرے شخص کو ڈیوٹی پر بھیج کر خود اپنے آپ کو فارغ کر لے اور تنخواہ دونوں آپس میں تقسیم کرلیں، البتہ سرکاری قانون کی رو سے اس ملازم کے لیے اجازت ہو کہ وہ کسی اور شخص اپنی جگہ مقرر کرسکتا ہے تو پھر ایسا کرنا درست ہے اور نائب شخص سے جس طرح طے ہو، اس کو اجرت دے کر باقی تنخواہ خود لے سکتا ہے۔[1]

ڈیوٹی صحیح طرح ادا کرنا ضروری ہے

ملازم کو ٹھیک ٹھیک طریقے سے اپنے فرائض انجام دینا ضروری ہے، اس سلسلے میں اگر وہ کوتاہی کرتا ہے اور تنخواہ پوری لیتا ہے تو ایسا کرنا جائز نہیں اور کوتاہی کے بقدر تنخواہ لینا بھی حلال نہیں، البتہ حکومت کے ضابطے کے مطابق جتنی تعطیلات (چھٹیاں) معاوضے کے ساتھ مقرر ہیں، اگر اس مقدار کے اندر اندر چھٹی کرتا ہے اور تنخواہ نہیں کٹواتا اور حسب ضابطہ ان رخصتوں کو منظور کروا لیتا ہے تو یہ جائز ہے، لیکن اگر ان مقررہ تعطیلات کے علاوہ چھٹی کرتا ہے تو اس کی تنخواہ کٹوانا ضروری ہے، الا یہ کہ کسی افسر مجاز سے رخصت معاوضے کے ساتھ منظور کروا لے تو پھر اس کی تنخواہ لینا جائز ہے۔[2]

نقل کر کے یا جعلی ڈگری لے کر نوکری کرنا

نقل کر کے ڈگری حاصل کرنا یا جعلی ڈگری حاصل کرنا بلاشبہ حرام ہے جس سے بچنا واجب ہے، لیکن اگر نقل کے ذریعے یا جعلی طور پر کسی نے اس قسم کی ڈگری حاصل

---

[1] البحر الرائق، کتاب الاجارۃ: ۸/۸

[2] ایضاً

کر لی اور اس سے ملازمت اختیار کر لی تو اگر اس شخص میں اس کام کی مطلوبہ صلاحیت موجود ہے اور وہ پوری ذمہ داری کے ساتھ وہ کام انجام دیتا ہے تو ایسی صورت میں اس ملازمت سے حاصل شدہ کمائی حلال ہوگی اور اگر اس میں مطلوبہ صلاحیت ہی نہیں یا پوری ذمہ داری کے ساتھ اس کام کو ادا نہیں کرتا تو اس صورت میں اس سے حاصل شدہ کمائی حرام ہوگی۔[1]

ہنڈی اور کرنسی کے کاروبار کرنے والے ادارے میں ملازمت

ہنڈی اور کرنسی نوٹوں کے کاروبار کرنے والے ادارے میں ملازمت کا حکم اس کاروبار کے جائز ہونے اور جائز نہ ہونے پر مبنی ہے۔

ہنڈی اور کرنسی نوٹوں کا کاروبار اور ان کے آپس میں تبادلے کا معاملہ تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

❶ جس مجلس میں یہ معاملہ کیا جا رہا ہو، اسی مجلس میں دونوں فریق میں سے کوئی ایک شخص اپنی رقم پر قبضہ کر لے۔

❷ مختلف جنس کی کرنسی اگر ادھار پر بیچی جائے تو اس میں سود کا حیلہ نہ بنایا جائے، چناں چہ اس کی قیمت بازار میں رائج قیمت سے زیادہ نہ ہو۔

❸ اس کاروبار کی حکومت کی طرف سے قانوناً اجازت ہو۔

اگر مذکورہ شرائط میں پہلی دو شرطوں کا لحاظ نہ کیا گیا تو یہ کاروبار بالکل ناجائز ہے، اگر تیسری شرط کا لحاظ نہ کیا گیا تو ملکی قانون کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔

جس صورت میں یہ کاروبار جائز ہے اس صورت میں اس میں نوکری بھی جائز ہے اور جس صورت میں یہ کاروبار جائز نہیں اس صورت میں وہاں نوکری بھی جائز نہیں۔[2]

---

[1] فتاویٰ حقانیہ، کتاب الاجارۃ: ۶/ ۲۴۷

[2] ملازمت اور اس کی جائز اور ناجائز صورتوں کے شرعی احکام، ص ۷۳، ۷۴

ملازمت کے جائز یا ناجائز ہونے کے بارے میں ایک اصولی بات

اگر ادارے کی طرف سے ملازم کے ذمے کئی کام ہیں، جن میں اکثر اگر جائز ہوں تو مجموعی اعتبار سے ایسی ملازمت جائز ہے، البتہ جتنا کام جائز ہوگا، اس کے بقدر تنخواہ لینا بھی حلال ہوگا اور جتنا کام ناجائز ہوگا، اس کے بقدر تنخواہ بھی حرام ہوگی، لیکن ادارے کی طرف سے ملازم کے ذمے صرف ناجائز کام ہو یا اکثر ناجائز ہو تو ایسی ملازمت ناجائز ہے اور اس کی تنخواہ حرام ہے۔

ملازمت کے لیے ستر کھول کر ٹیسٹ کروانا

سرکاری ملازمت کے لیے یا ملازمت میں مزید ترقی کے لیے ستر کھول کر دکھلانا جائز نہیں۔[1]

جعلی سرٹیفکیٹ سے ریٹائرمنٹ حاصل کرنا

واقعی بیماری کے بغیر پینشن کے لیے رشوت دے کر جعلی سرٹیفکیٹ حاصل کرنا اور اس کے ذریعے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لینا جائز نہیں۔[2]

آفیسر کو کار الاؤنس کے نام سے ملنے والی رقم کا حکم

کمپنی جو رقم کار الاؤنس کے نام سے دیتی ہے، اگر وہ ماہانہ یک مشت متعین طور پر نہیں دیتی، بل کہ تمام ماہ پٹرول اور کار وغیرہ کے بل اور رسیدیں جمع کرانے کے بعد ان کے مطابق رقم دیتی ہے تو اس صورت میں اگر کوئی آفیسر جھوٹے بل اور رسیدیں دکھا کر وہ رقم لے لے اور خود بسوں وغیرہ میں سفر کرتا رہے تو ایسا کرنا حرام ہے اور اس میں جھوٹ کا گناہ ہے اور رقم بھی حرام ہے۔

اگر کمپنی کار الاؤنس کی رقم ماہانہ یک مشت دیتی ہے اور بل اور رسیدیں وغیرہ

---

[1] فتاویٰ محمودیہ، الحظر والاباحۃ، باب الحجاب: ۱۹/۲۴۴

[2] ملازمت اور اس کی جائز و ناجائز صورتوں کے شرعی احکام

جمع کرانی نہیں پڑتیں اور یہ بات ملازمت کی شرائط میں بھی داخل ہے کہ جو رقم کار الاؤنس کے نام سے دی جائے اس سے گاڑی خریدنا یا گاڑی کے ہوتے ہوئے اس سے پٹرول ڈلوانا ضروری اور لازمی ہے تو اس صورت میں بھی اگر کوئی آفیسر وہ رقم لیتا رہے، لیکن خود بسوں اور کسی کی نجی گاڑیوں میں لفٹ لے کر سفر کرتا رہے اور کمپنی کی بدنامی کا باعث بنے، اس کے لیے بھی یہ رقم لینا جائز نہیں ہے۔

اگر کمپنی یہ رقم ماہانہ یک مشت تو دیتی ہے، لیکن یہ بات ملازمت کی شرائط میں داخل نہیں ہے کہ یہ رقم ضرور کار یا پٹرول ہی کے لیے استعمال کی جائے گی، بل کہ وہ رقم ملازمت کی ملکیت کر دی جاتی ہے اور اس کو اس رقم کے استعمال کے لیے ہر طرح کا اختیار دیا جائے تو اس صورت میں اگر کوئی آفیسر اس رقم کو لیتا رہے لیکن اس کو گاڑی کی خریداری یا پٹرول وغیرہ پر خرچ نہ کرے، بل کہ دوسرے مصارف میں خرچ کرے یا جمع کر کے رکھے تو اس کے لیے یہ رقم حرام تو نہ ہوگی، لیکن چوں کہ کمپنی کا مقصد یہ ہے کہ ملازم باوقار طریقے سے سفر کرے وہ پورا نہیں ہو رہا ہے اس لیے اس میں کراہت ضرور ہوگی۔[1]

بعض اسلامی مہینوں سے متعلق احکام و فضائل[2]

ماہِ محرم کا بیان

فضائل

ماہِ محرم کی شرافت اور فضیلت اس سے معلوم ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

[1] ملازمت اور اس کے جائز و ناجائز صورتوں کے شرعی احکام: ص ۸۹، ۹۰

[2] اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی انگریزی میں کتاب "Islamic Months" بہت مفید ہے۔ انگریزی داں حضرات اس میں مزید تفصیلات ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

وسلم نے فرمایا جس کا مفہوم ہے: ''محرم اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے: ''محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنا رمضان کے علاوہ تمام مہینوں کے روزوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔''[2]

احکام

❶ محرم کی دسویں تاریخ کے روزے کے ساتھ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا روزہ بھی رکھا جائے صرف ایک روزہ مکروہ تنزیہی ہے۔

❷ دسویں تاریخ کو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے میں فراخی کرنے والے پر اللہ رب العزت تمام سال فراخی فرماتے ہیں۔[3]

❸ تعزیہ بنانا، نوحہ کرنا اور مرثیہ پڑھنا سب ناجائز ہے۔

❹ جو بچہ محرم میں پیدا ہو اس کو منحوس سمجھنا اسی طرح کسی بھی مہینے میں شادی کرنے کو برا سمجھنا یا محرم، صفر، ذیقعدہ یا کسی بھی مہینے کو منحوس سمجھنا غلط عقیدہ ہے۔[4]

ماہِ رجب کا بیان

ماہِ رجب ایک مبارک مہینہ ہے، حدیث میں ہے:

''جب رجب کا مہینہ آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے: ''اے اللہ! برکت دے دیجیے ہمارے لیے رجب اور شعبان میں اور ہمیں رمضان تک

[1] جامع الترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی صوم المحرم: ۱/۱۵۷

[2] مشکاۃ، کتاب الصوم، باب صیام التطوع: ۱/۱۷۸

[3] مجمع الزوائد، الزکاۃ، باب التوسعة علی العیال: ۳/۳۳۰، الرقم: ۵۱۳۷

[4] مجالس الابرار، محرم کے روزے کی فضیلت: ص ۲۸۷، ۲۹۵، خلاصة الفتاوی، کتاب الصوم: ۱/۲٦٥، فتاوی عالمگیری، الباب الثالث فی ما یکرہ ...... : ۱/۲۰۲

پہنچا دیجیے۔"[1]

اس مبارک ماہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے معراج کا عظیم الشان رتبہ عطا فرمایا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی پیغمبر کو نہیں ملا۔

اس مہینے میں واقعہ معراج کی نسبت سے جلسے منعقد کیے جاتے ہیں، جن میں فضول خرچی اور بے جا زینت اور چراغاں وغیرہ کیا جاتا ہے، شریعت میں ان امور کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اسی طرح اکثر لوگ رجب کی ستائیس تاریخ کو روزہ رکھنے کا ثواب ایک ہزار روزوں کے برابر سمجھتے ہیں، لیکن یہ فضیلت شرعاً ثابت نہیں۔

ماہِ شعبان کا بیان

فضائل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے:

شعبان کی پندرہویں رات کو اس سال میں پیدا ہونے والے اور اس سال میں مرنے والے لوگ لکھ لیے جاتے ہیں[2] اسی رات میں لوگوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں اور اس سال میں ملنے والا رزق لکھ دیا جاتا ہے۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے: پندرہویں شعبان شب بیداری کرو اور دوسرے دن روزہ رکھو، کیوں کہ اس شب میں اللہ تعالیٰ مغرب کے وقت ہی آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں: "کوئی ہے جو مجھ

---

[1] مسند احمد: ۲۵۹/۱، رقم: ۲۳۴۲

[2] مجمع الزوائد، الزکاۃ، باب الصیام فی الشعبان: ۳۳۴/۳، الرقم: ۵۱۵۶

[3] مأخذہ مسند ابویعلی، الرقم: ۴۸۹۰

سے مغفرت مانگے تاکہ میں اس کی مغفرت کروں، ہے کوئی روزی مانگنے والا میں اسے روزی دوں، ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اس کو عافیت دوں، اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کو نوازنے کے لیے طلوعِ فجر تک دریافت فرماتے رہتے ہیں۔''[1]

اس رات کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمام چھوٹے گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔

احکام

اس ماہ سے متعلق شریعت مقدسہ کے چند احکام ثابت ہیں:

❶ ماہ شعبان کے چاند کو دیکھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

❷ پندرہویں شب کو عبادت کرنا اور پندرہویں تاریخ کو روزہ رکھنا۔

❸ پندرہویں تاریخ کے بعد روزہ رکھنا خلافِ اولیٰ ہے۔

❹ یوم شک یعنی ۲۹، ۳۰، شعبان کا روزہ رکھنا منع ہے۔

❺ پندرہویں شب میں صرف دو باتیں ثابت ہیں:

① عبادت کرنا۔

② قبرستان میں جا کر دعائے مغفرت کرنا، اس کے علاوہ شریعت میں کچھ وارد نہیں ہوا، لہٰذا جو کچھ ہے بعد کی ایجادات ہیں جس سے مفاسد کثیرہ پیدا ہوگئے ہیں حتیٰ کہ اس رات کو ایصالِ ثواب کی بھی کوئی اصل نہیں۔ (یعنی ایصالِ ثواب صرف اس رات کے ساتھ خاص نہیں)

❻ اس رات میں لوگوں کو نفلی عبادت کے لیے جمع کرنے کا اہتمام کرنا خلافِ شریعت ہے۔

❼ خاص خاص راتوں میں ضرورت سے زائد روشنی کا اہتمام کرنا اور آتش بازی اسراف کی وجہ سے حرام ہے۔

---

[1] جامع الترمذي، ابواب الصوم، باب ماجاء في ليلة النصف ...... : ١٥٦/١

ماہِ شوال کا بیان

فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے:
''جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزر رکھے تو ایسا ہے گویا کہ اس نے ہمیشہ (یعنی سال بھر کے) روزے رکھے۔''[1]

حکم

شوال کے چھ روزوں کا عید کے فوراً بعد رکھنا ضروری نہیں، بل کہ مہینہ بھر میں جب چاہے رکھ سکتے ہیں، خواہ مسلسل خواہ چھوڑ چھوڑ کر ہر طرح ثواب ملے گا۔[2]

ماہِ ذی الحجہ کا بیان

فضائل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے: ''کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کو ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں کے نیک اعمال سے زیادہ پسند ہو۔''[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے:
''کوئی دن ایسا نہیں جس میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں میں عبادت کرنے سے زیادہ پسند ہو کہ ان میں سے ایک دن کا روزہ

---

[1] جامع الترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی صیام ستة ایام من شوال: ۱/۱۵۸

[2] ردالمحتار، کتاب الصوم، مطلب فی صوم الست من شوال: ۲/۴۳۵

[3] جامع الترمذی، الصوم، باب ماجاء فی العمل ......، رقم: ۷۵۷

ایک سال روزہ کے رکھنے کے برابر ہے اور ہر رات کا جاگنا شب قدر میں جاگنے کے برابر ہے۔"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے:

"ذی الحجہ کی ۹ تاریخ کا روزہ ایک سال آئندہ اور ایک سال گزشتہ کا کفارہ ہو جاتا ہے، اس دن کا روزہ ہزار روزوں کے برابر ہے۔"[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے: "جو شخص عیدین کی دونوں راتوں میں ثواب کی نیت سے بیدار رہا، اس کا دل اس دن زندہ رہے گا، جس دن سب کے دل مردہ ہو جائیں گے۔"[3]

احکام

1. ذی الحجہ کی پہلی تاریخ سے نویں تاریخ تک روزے رکھنا اور دسویں تاریخ تک شب بیداری کرنا مستحب ہے۔
2. قربانی کرنا۔
3. نماز عید ادا کرنا۔
4. قربانی کے جانور کو خوب کھلا پلا کر موٹا کرنا مستحب ہے، لہٰذا کچھ روز پہلے ہی خرید لینا چاہیے۔
5. جو قربانی کا ارادہ رکھتا ہو، وہ پہلی ذی الحجہ سے قربانی کا جانور ذبح کرنے تک اپنے بال اور ناخن نہ بنوائے، یہ اس کے لیے مستحب ہے۔
6. مستحب ہے کہ ذی الحجہ کی چاند رات ہی سے شب بیداری اور پہلی تاریخ ہی سے روزہ رکھا جائے۔

---

[1] جامع الترمذی، الصوم، باب ما جاء فی العمل فی ایام العشر، رقم: ۷۸۵

[2] جامع الترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی فضل صوم یوم عرفة: ۱/۱۵۷

[3] سنن ابن ماجه، كتاب الصيام، باب فيمن قام ......، رقم: ۱۷۸۲

❼ یوں تو اس تمام عشرے میں تکبیر وتہلیل کی زیادتی پسندیدہ ہے، لیکن نو تاریخ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک ہر نماز کے بعد بلند آواز سے ایک مرتبہ تکبیر کہنا واجب ہے۔[1]

شادی کا بیان

نکاح کی اہمیت اور اس کے فضائل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے: ''جب بندہ نکاح کر لیتا ہے تو آدھا دین مکمل کر لیتا ہے، اب اس کو چاہیے کہ باقی آدھے دین میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے:

''اے جوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شخص خانہ داری (نان نفقہ) کا بار اٹھانے کی قدرت رکھتا ہو، اس کو نکاح کر لینا چاہیے، کیوں کہ نکاح کو نگاہ کے پست ہونے اور شرم گاہ کے محفوظ ہونے میں خاص دخل ہے اور جو شخص قدرت نہ رکھتا ہو، اس کو روزہ رکھنا چاہیے، کیوں کہ وہ روزہ اس کے لیے ڈھال ہے۔''[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے: ''تم میں سے جو شخص نکاح کرنے کی وسعت رکھتا ہو، پھر نکاح نہ کرے، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے:

''محتاج ہے، محتاج ہے وہ مرد جس کی بیوی نہ ہو'' لوگوں نے عرض کیا: ''اگر چہ

---

[1] فتاوی عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب السابع عشر ......: ۱۵۲/۱

[2] مشکاۃ المصابیح، کتاب النکاح، الفصل الثالث: ص ۲٦۸

[3] صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح: ۴۴۹/۱

[4] کنز العمال، کتاب النکاح: ۱۱۹/۱٦، رقم الحدیث: ۴۴۴۵۵

وہ بہت مال والا ہو، تب بھی وہ محتاج ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، اگرچہ بہت مال والا ہو'' پھر فرمایا: ''محتاج ہے، محتاج ہے وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو''، لوگوں نے عرض کیا: ''اگرچہ بہت مال دار ہو تب بھی وہ محتاج ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، اگرچہ مال والی ہو، کیوں کہ مال کا جو مقصود ہے یعنی راحت اور بے فکری نہ اس مرد کو نصیب ہوتی ہے جس کی بیوی نہ ہو اور نہ اس عورت کو نصیب ہوتی ہے جس کا شوہر نہ ہو۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے:

''عورتوں سے نکاح کرو وہ تمہارے لیے مال لائیں گی۔''[2]

مال لانے کا مطلب یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں سمجھ دار اور ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں، کیوں کہ ایسی حالت میں مرد تو یہ سمجھ کر کہ میرے ذمہ خرچ بڑھ گیا ہے، کمانے میں زیادہ کوشش کرے گا اور عورت ایسا انتظام کرے گی، جو مرد نہیں کر سکتا اور اس حالت میں راحت اور بے فکری لازم ہے، مال کا فائدہ یہی بے فکری اور راحت ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عکاف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جس کا مفہوم ہے:

''اے عکاف! کیا تیری بیوی ہے؟''

انہوں نے عرض کیا: ''جی نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تو مال دار اور وسعت والا ہے؟''

عرض کیا: ''جی ہاں، میں مال دار اور وسعت والا ہوں۔''

---

[1] الترغیب والترهیب، کتاب النکاح، الترغیب فی النکاح: ۲۷/۳

[2] جامع الصغیر: ۱۹۷/۱، الرقم: ۳۲۸٤

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو اس حالت میں تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہے، اگر تو نصاریٰ میں سے ہوتا تو ان کا راہب ہوتا، بلاشبہ نکاح کرنا ہمارا طریقہ ہے، تم میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو بے نکاح ہیں اور مرنے والوں میں سب سے بدتر وہ ہیں جو بے نکاح ہیں، کیا تم شیطان سے لگاؤ رکھتے ہو؟ شیطان کے پاس عورتوں سے برا کوئی ہتھیار نہیں، جو دین داروں کے لیے کارگر ہو (یعنی مال دار عورتوں کے ذریعے فتنے میں مبتلا کرتا ہے) مگر جو لوگ نکاح کیے ہوئے ہیں، یہ لوگ بالکل پاکیزہ اور فحاشی سے بری ہیں اے عکاف! تیرا برا ہو، نکاح کرلے، ورنہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگا۔[1]''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے:

''چار چیزیں انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی سنتوں میں سے ہیں:

① نکاح کرنا ② ختنہ کرنا ③ مسواک کرنا ④ خوش بو لگانا۔'' [2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے: ''نکاح کرنا میری سنت ہے۔[3]''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے:

''جب شوہر بیوی کی طرف محبت سے دیکھتا ہے اور بیوی شوہر کی طرف محبت سے دیکھتی ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔'' [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا مفہوم ہے:

''ایسی عورت سے نکاح کرو جو شوہر سے بہت محبت کرنے والی ہو اور جو بہت بچے جننے والی ہو، کیوں کہ میں قیامت کے دن تمہاری کثرت پر پچھلی امتوں پر

---

[1] کنز العمال، کتاب النکاح: ١٦/٢٠٥، رقم الحدیث: ٤٥٥٩٤

[2] جامع الترمذی، ابواب النکاح: ١/٢٠٦

[3] ابن ماجه، ابواب النکاح، باب ماجاء فی فضل النکاح، الرقم: ١٨٤٦

[4] کنز العمال، کتاب النکاح: ١٦/١١٧، رقم: ٤٤٤٣

فخر کروں گا۔'' [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے:

''ایک شخص آخرت میں پہنچے گا تو اپنے لیے غیر معمولی اجر وثواب اور درجات دیکھے گا، وہ حیران ہوگا کہ میں نے تو اتنے نیک کام نہیں کیے تھے، میرے لیے یہ کہاں سے اتنے درجات اور اتنی نیکیاں آگئیں اور خلافِ توقع اتنے انعامات کہاں سے آگئے! اس کو بتایا جائے گا کہ تمہارے انتقال کے بعد تمہاری اولاد تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتی تھی، اس کی بدولت یہ سب کچھ تمہیں ملا ہے۔'' [2]

نکاح کا مسنون طریقہ

جس طرح نماز ایک عبادت ہے اور روزہ ایک عبات ہے، حج اور زکاۃ ایک عبادت ہے، ایسے ہی مسلمان مرد اور عورت کا نکاح کرنا ایک عبادت ہے۔ جس طرح نماز روزہ حج زکاۃ کا ایک طریقہ ہے جو شریعت سے ثابت ہے، اسی طرح سے نکاح کرنے کا بھی ایک طریقہ ہے جو شریعت سے ثابت ہے۔

جو نکاح شریعت کے مطابق ہوگا، سنت کے موافق ہوگا وہ نکاح عبادت ہوگا اور باعثِ اجر وثواب ہوگا اور خیر وبرکت سے بھرپور ہوگا اور جو نکاح اور جو شادی بیاہ شریعت سے ہٹ کر ہوگا، سنت کے خلاف ہوگا تو چاہے نکاح منعقد ہو جائے، لیکن نکاح کی جو برکتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس میں دنیا وآخرت کے جو فائدے رکھے ہیں، وہ نکاح ان سے خالی رہ جائے گا، جیسے خلافِ سنت نماز پڑھنے سے چاہے نماز کا فرض اتر جائے اور خلافِ سنت حج وعمرہ کرنے سے چاہے حج وعمرہ کا واجب ادا ہو جائے، لیکن سنت سے ہٹ کر ادا کرنے کی وجہ سے اور سنت کے خلاف عمل کرنے کی

---

[1] مشکاة المصابیح، کتاب النکاح، الفصل الثانی: ص ۲٦۷

[2] کنز العمال، کتاب النکاح ...... : ٦/١١٦، رقم: ٤٤٤١٦

وجہ سے نماز کی نورانیت اور مقبولیت ختم ہو جاتی ہے، حج اور عمرہ مقبول نہیں ہوتا، ایسے ہی وہ نکاح بھی خیر و برکت سے محروم ہو جاتا ہے۔

اس لیے ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہیے کہ جب ان کے ہاں نکاح کی تقریب ہو تو اپنے اس نکاح کو شریعت و سنت کے مطابق کرنے کی کوشش کریں، جیسا کہ نماز ہمیں سنت کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، حج و عمرہ اور ہماری دیگر عبادتیں سنت کے مطابق ہونی چاہئیں، اسی طرح ہمارا نکاح بھی سنت کے مطابق ہونا چاہیے، جیسے نماز کا طریقہ، حج و عمرے کا طریقہ اور دیگر عبادتوں کے طریقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول و ثابت ہیں، اسی طرح نکاح کرنے کا طریقہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول اور ثابت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو جنت میں تمام عورتوں کی سردار ہوں گی، ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کا واقعہ

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب ساڑھے پندرہ سال کی ہوئیں تو سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا، اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے عذر فرما دیا اور معذرت کر لی کہ میری بیٹی کی عمر کم ہے اور تمہاری عمر زیادہ ہے۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی عمر اکیس سال ہو گئی تھی، انہوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نعمت عظمیٰ کے عطا فرمانے کی درخواست کی، ان کی درخواست کو سن کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آیا کہ یہ

رشتہ منظور کرلیا جائے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرما لی اور منگنی ہوگئی۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ''اے انس! جاؤ اور ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور انصار کی ایک جماعت کو بلا کر لاؤ، جب یہ سب لوگ جمع ہوگئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کر دیا اور مہر تقریباً چار سو درہم مقرر فرمایا اور ایک طباق میں تھوڑے سے چھوارے رکھ کر حاضرین کو پہنچائے، اس کے بعد ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ تم فاطمہ کو علی کے گھر پہنچا دو، چناں چہ حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتون جنت کی رخصتی فرما دی، حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پہنچا کر آ گئیں۔ یہ دونوں جہاں کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کی رخصتی ہے جو جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

پانی لاؤ، وہ ایک پیالہ میں پانی لائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اندر لعاب مبارک ڈالا اور فرمایا: ''ذرا سامنے ہو'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اور ان کے سینۂ مبارک پر کچھ پانی چھڑکا، پھر فرمایا: ''پیٹھ میری طرف کرو'' پھر ان کے دونوں شانوں پر پانی چھڑکا اور پھر دعا دی: ''اے اللہ! میں ان کو اور ان کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔'' پھر ان سے فرمایا: ''باقی پانی تم پی لو'' چناں چہ انہوں نے پانی پی لیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ''پانی لاؤ'' وہ گئے اور وہ بھی پانی لے کر آئے اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے پانی کا کٹورا لے کر اس میں لعاب مبارک ڈالا اور ان کے سر اور سینہ پر کچھ پانی چھڑکا، لیکن پشت کی طرف دونوں شانوں کے درمیان نہیں چھڑکا، ان کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پینے کے لیے عطا فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر تشریف لے جانے کے بعد ایک پیالہ میں پانی لیا، اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" پڑھ کر پانی پر دم کیا اور دونوں کے آگے پیچھے چھڑکا اور پینے کے لیے بھی فرمایا اور یہ فرمایا: "تم اس سے وضو کرو۔" اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک اور نصیب دار اولاد ہونے کی دعا دی اور اچھی اچھی پاکیزہ دعائیں عطا فرمائیں اور فرمایا: کہ خیر برکت کے ساتھ اور طہارت کے ساتھ رہو۔[1]

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جہیز

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جہیز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند چیزیں عطا فرمائیں، جن میں چار گدے، دو رضائی، دو چاندی کے بازو بند، ایک چادر، ایک تکیہ، ایک پیالہ، ایک مشکیزہ اور ایک چکی آٹا پینے کے لیے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک پلنگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا، یہ چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے جہیز میں عطا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر تشریف لے جانے کے بعد گھر کے اندر کے کاموں کے انجام دینے کی ذمہ داری مثلاً گھر کی صفائی وستھرائی، کھانا پکانا، آٹا پیسنا، پانی بھرنا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سپرد فرمائی اور گھر سے باہر کے کاموں کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوپر ڈالی کہ گھر

---

[1] صحيح البخاري، كتاب المغازي: ٥٧١/٢، الطبقات الكبرى، ذكر بنات رسول الله صلى الله عليه وسلم: ١٤/٦، ١٧

سے باہر کے کام انجام دینا تمہاری ذمہ داری ہے۔[1]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ولیمہ

نکاح کے بعد دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولیمہ فرمایا، ولیمہ میں یہ چیزیں تھیں چند صاع جَو کی روٹیاں، کچھ کھجوریں، بس اس طریقے سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ولیمہ فرمایا۔[2]

یہ مختصر سا طریقہ ہے اس نکاح کا جس کے کرنے والے دونوں جہاں کے سردار ہیں اور جس کا نکاح ہو رہا ہے وہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور جس کے ساتھ ہو رہا ہے وہ چوتھے خلیفۂ راشد ہیں۔ تو تمام نبیوں کے سردار اپنی بیٹی کا کس سادگی کے ساتھ اور کس اختصار کے ساتھ اور کس سہولت اور آسانی کے ساتھ اور کتنے معمولی مہر پر اپنی بیٹی کا نکاح فرما رہے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس سادگی کے ساتھ ہلکا پھلکا ولیمہ کر رہے ہیں، یہ وہ طریقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

مذکورہ واقعے میں ہمارے لیے چند ہدایات

❶ جب لڑکیاں اور لڑکے بالغ ہو جائیں، نکاح کے قابل ہو جائیں اور مناسب رشتہ مل جائے تو پھر بغیر کسی معتبر عذر کے ان کے نکاح میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، جلد ہی نکاح کر دینا چاہیے، بلا وجہ یا بلا عذر لڑکے یا لڑکی کو بغیر نکاح کے رکھنا مناسب نہیں، البتہ اگر کوئی معتبر عذر ہو تو الگ بات ہے۔

دوسری حدیثوں میں بھی اس کی تاکید و ترغیب ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب ان کا وقت آ جائے تو ان میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، ان میں سے ایک نکاح

---

[1] الطبقات الکبری، ذکر بنات رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ٦/ ١٧، ١٨

[2] ماخذہ بهشتی زیور، حضرت فاطمہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا: ص ٤٩٠

بھی ہے، پھر جب مناسب رشتہ مل جائے تو تاخیر نہ کرو، اگر تاخیر کرو گے تو فساد پھیل جائے گا، معاشرے میں تباہی اور بربادی رونما ہوگی اور اس کے اندر جو دینی اور دنیوی نقصانات ہیں، وہ ہر عاقل و بالغ کے اوپر واضح اور روشن ہیں۔

❷ نکاح کے اندر لڑکے اور لڑکی کی عمروں کے درمیان تناسب ملحوظ رکھنا چاہیے، لڑکے کی عمر لڑکی سے کچھ زیادہ ہونی چاہیے، جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اکیس سال اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر اس وقت ساڑھے پندرہ سال تھی، تقریباً چار پانچ سال کا فرق ہے تو معمولی سا فرق ہو، اس کے برعکس نہیں ہونا چاہیے کہ لڑکی بڑی عمر کی ہو اور لڑکا چھوٹی عمر کا ہو یا بہت زیادہ فرق ہو، یہ مناسب نہیں، اگرچہ کم زیادہ عمر کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے۔

❸ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی بیٹی کے نکاح کرنے کا وعدہ اور ان کی درخواست کس سادگی کے ساتھ قبول فرمائی، نہ خاندان جمع ہوا نہ برادری آئی، نہ قوم آئی اور نہ کوئی لینا دینا اور کرنا دھرنا ہوا، کس سادگی اور کس اختصار کے ساتھ ذرا سی دیر میں یہ مسئلہ طے ہوگیا۔

❹ منگنی کی حقیقت اصل میں اتنی ہی ہے کہ لڑکے والے لڑکی والوں سے درخواست کرتے ہیں اور لڑکی والے اپنے اطمینان کے بعد درخواست قبول کر لیتے ہیں، منگنی اسی کا نام ہے، اس حد تک اگر کوئی منگنی کرے تو اس کے اندر کوئی خرچہ ہی نہیں، یہ بات ٹیلی فون اور خط و کتابت سے بھی طے ہوسکتی ہے، اگر دونوں گھرانے قریب ہیں تو آ کر اور بیٹھ کر بھی طے کر سکتے ہیں، اس کے سوا دوسرے لوازمات کچھ بھی نہیں۔

❺ نکاح کا پیغام لڑکے والوں کو دینا مناسب ہے کہ لڑکے والے لڑکی والوں کو پیغام دیں اور لڑکی والے اس کو قبول کریں، اگرچہ اس کے برعکس بھی جائز ہے کہ لڑکی والے لڑکے والوں کو پیغام دیں۔

❻ نکاح کے موقعے پر اپنے بہت ہی قریبی اور خاص خاص احباب کو بلانا چاہیے اور ان کے بلانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اب وہ خاص چاہے رشتے کے اعتبار سے ہوں یا پڑوس کی وجہ سے ہوں یا محبت اور تعلق کی وجہ سے ہوں یا دوست واحباب ہوں۔ اس میں بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس نکاح کا اعلان ہو جائے اور ان سب کے علم میں آ جائے کہ فلاں کا نکاح فلاں کے ساتھ ہو گیا ہے، یہ اس کا مقصود اصلی ہے۔ یہ نہیں کہ یہ اتنا بڑا اور اتنا اہم خوشی کا موقع ہے کہ اگر ہم اس میں دوسروں کو نہیں بلائیں گے تو انہیں گلہ شکوہ ہوگا اور وہ روٹھیں گے اور ان کو منانا پڑے گا، لہٰذا اس موقعے پر ان کو بلانا ضروری ہے، ان کے بغیر تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا، یہ کوئی تصور نہیں، بل کہ صحیح تصور اور تعلیم تو یہ ہے کہ یہ موقع تو نکاح کے اعلان کا ہے اور اس اعلان کی زیادہ ضرورت تو خاص خاص لوگوں کو ہے، جو ہر دم کے ساتھی اور ہر وقت ان کی ضرورت رہتی ہے اور ملتے جلتے رہتے ہیں، تا کہ ان کے علم میں آ جائے کہ کس لڑکی کا نکاح کس لڑکے کے ساتھ ہوا ہے۔ اس لیے مسجد کے اندر نکاح کرنا مستحب ہے کہ مسجد کے اندر اعلان زیادہ ہوتا ہے، لہٰذا اپنے اپنے خاص خاص احباب کو بلانے میں جن کے آنے میں پریشانی نہ ہو، کوئی تکلیف نہ ہو، دشواری نہ ہو بس وہی کافی ہیں۔

❼ ایجاب وقبول سے پہلے خطبہ دیا جائے، اس خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جائے اور قرآن مجید کی کچھ تلاوت کی جائے۔

❽ اگر حاضرین میں کچھ چھوہارے تقسیم کر دیے جائیں تو اچھا ہے، اس سے خوشی کا اظہار ہوتا ہے، نکاح کے وقت چھوہارے لٹانا جائز ہے۔

❾ بیٹی کی شادی کی دعوت، ولیمہ کی طرح سنت سمجھ کر کرنا اور یہ سمجھنا کہ یہ ضروری ہے اور اس کے بغیر ہم اپنی بیٹی کو رخصت کر ہی نہیں سکتے یہ غلط اور ناجائز ہے چاہے

دھوم دھام سے دعوت کرنے کی حیثیت ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں غلط ہے۔

⓾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”سُوْرَۃُ الْفَلَق“ اور ”سُوْرَۃُ النَّاس“ پڑھنے کا عمل فرمایا، لہٰذا کسی کی بیٹی کی شادی ہوئی ہو اور اس سے پہلے داماد سے بے تکلف ہوں، جیسے بھائی کا بیٹا اور بیٹی ہوتے ہیں تو یہ لوگ محرم بھی ہوتے ہیں اور بے تکلفی بھی ہوتی ہے تو اس موقعے پر یہ سنت بھی ادا کردینی چاہیے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فرمایا، یہ خیر و برکت کا عمل ہے اور سراسر سعادت مندی کی بات ہے، اگر کسی کے ماں باپ نہ کرسکیں تو میاں بیوی یہ عمل خود بھی کرسکتے ہیں، ”سُوْرَۃُ الْفَلَق“ اور ”سُوْرَۃُ النَّاس“ پانی پر دم کرکے دونوں پی لیں اور جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی چھڑکا، اسی طریقے سے وہ بھی چھڑک لیں۔

مہر سے متعلق چند باتیں

مہر کی دو قسمیں مشہور ہیں: ”مہر معجّل“ اور ”مہر مؤجل“۔

مہر معجّل اس مہر کو کہتے ہیں جو نکاح ہوتے ہی شوہر کے ذمے لازم ہوجاتا ہے اور یہ اس کا فرض ہے کہ یا تو نکاح کے وقت ہی ادا کردے یا اس کے بعد جتنی جلد ممکن ہو، عورت کو بھی ہر وقت یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے اس کا مطالبہ کر لے۔

مہر مؤجل اس مہر کو کہا جاتا ہے جس کی ادائیگی کے لیے فریقین نے آئندہ کی کوئی تاریخ متعین کرلی ہو، جو تاریخ اس طرح متعین کرلی جائے، اس سے پہلے اس کی ادائیگی شوہر کے ذمے لازم نہیں ہوتی، نہ بیوی اس سے پہلے مطالبہ کرسکتی ہے۔[1]

شریعت نے کم سے کم مہر کی مقدار پونے تین تولہ چاندی مقرر کی ہے[2] لہٰذا آج کل جو مہر شرعی ساڑھے بتیس روپے مشہور ہے، بالکل غلط ہے۔

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب النکاح، ساتواں باب: ۲۱۶/۸

[2] عالمگیری، الباب السابع فی المھر: ۳۰۲/۱

شریعت نے جو مہر کی کم سے کم مقدار پونے تین تولہ چاندی مقرر کی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اتنا مہر رکھنا شرعاً پسندیدہ ہے، بل کہ مطلب یہ ہے کہ اس سے کم مہر پر اگر خود عورت بھی راضی ہو جائے تو شریعت راضی نہیں ہے، کیوں کہ اس سے مہر کا مقصد، یعنی عورت کا اعزاز و اکرام پورا نہیں ہوتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں اور صاحب زادیوں کا مہر بارہ اور تیرہ اوقیہ چاندی سے زیادہ مقرر نہیں فرمایا۔ ایک روایت میں ساڑھے بارہ اوقیہ بھی ہیں، ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی کے پانچ سو درہم بنتے ہیں، درہم چاندی کا ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً ساڑھے تین ماشہ کے برابر ہوتا ہے، اس طرح پانچ سو درہم کا حساب تولہ ماشہ کے اعتبار سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی بنتی ہے۔ یہ وزن مہرِ مسنون ہے اور اسے مہرِ فاطمی بھی کہتے ہیں۔[1]

بعض حضرات مہرِ فاطمی ہی کو مہر شرعی کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں اور غالباً ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شرعی اعتبار سے اس سے کم یا زیادہ مہر مقرر کرنا پسندیدہ نہیں، یہ تصور بھی صحیح نہیں ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر فریقین مہرِ فاطمی کے برابر مہر مقرر کریں اور نیت یہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کی ہوئی مقدار بابرکت اور معتدل ہوگی، نیز یہ کہ اس سے اتباعِ سنت کا اجر ملنے کی توقع ہے تو یقیناً یہ جذبہ بہت مبارک اور مستحسن ہے، لیکن یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ یہ مقدار اس معنی میں مہرِ شرعی ہے کہ اس سے کم یا زیادہ مقرر کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہے، بل کہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے کم یا زیادہ مہر مقرر کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، ہاں یہ اصول مدِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ مہر اتنا ہو، جس سے بیوی کا اعزاز و اکرام بھی ہو اور وہ شوہر کی استطاعت سے باہر بھی نہ

---

[1] مشكاة، باب الصداق، الفصل الاول: ۱۲۳۵/۳، رقم الحديث: ۳۲۳۰، جواهر الفقه، اوزان شرعیہ، چاندی سونے کا صحیح نصاب: ۴۲۴/۱

ہو، چناں چہ اگر دکھاوا مقصود نہ ہو اور ادائیگی کی نیت بھی ہو اور استطاعت بھی ہو تو زیادہ مہر مقرر کرنا بھی جائز ہے، البتہ ان میں سے کوئی بات نہ ہو تو ناجائز ہے۔[1]

ادائیگی میں اختیار ہے جس طرح چاہیں کرلیں، چاہیں تو چاندی کا وزن دے دیں، یعنی چاہیں تو اتنی مقدار چاندی مہر میں دے دیں یا جو ادائیگی کا وقت مقرر ہو، اس وقت چاندی کی جو قیمت بنتی ہو، وہ ادا کردیں۔

مہر کی ادائیگی میں نیت شرط ہے، بعد میں نیت کرنے کا اعتبار نہیں، چناں چہ اگر کسی نے بیوی کو مہر دیا، لیکن دیتے وقت مہر ادا کرنے کی نیت نہ کی تو مہر ادا نہ ہوگا۔

اکثر لوگ مہر دینے کا ارادہ ہی دل میں نہیں رکھتے، پھر خواہ بیوی بھی وصول کرنے کا ارادہ نہ کرے اور خواہ طلاق یا موت کے بعد اس کے ورثا وصول کرنے کی کوشش کریں یا نہ کریں، لیکن ہر حال میں شوہر کی نیت ادا کی نہیں ہوتی، لوگوں کی نگاہ میں یہ نہایت سرسری معاملہ ہے، حتیٰ کہ مہر کی کمی زیادتی میں گفتگو کے وقت بے دھڑک کہہ دیتے ہیں: ''میاں! کون لیتا ہے، کون دیتا ہے'' یہ لوگ صریح اقرار کرتے ہیں کہ مہر محض نام ہی کرنے کو ہوتا ہے، دینے لینے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اس (مہر) کو سرسری سمجھنا اور ادا کی نیت نہ رکھنا، اتنی بڑی سخت بات ہے کہ حدیث میں اس پر بہت سخت وعید آئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے: ''کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کا کچھ مہر ٹھہرائے، پھر یہ نیت رکھے کہ اس کے مہر میں سے کچھ اس کو نہ دے گا یا اس کو پورا نہ دے گا تو وہ زانی ہو کر مرے گا اور اللہ تعالیٰ

[1] فتاوی محمودیہ، کتاب النکاح، باب المہر: ۱۲/۴۶

سے زانی ہوکر ملے گا۔'' [1]

مہر چوں کہ ایک طرح سے قرض ہے، اس لیے ایک حدیث کی رو سے مہر کی ادائیگی کی نیت نہ رکھنے والا خائن اور چور بھی ہے۔ [2]

شوہر کو چاہیے کہ مہر کی ادائیگی کی پکی نیت رکھے اور یہ اس وقت ممکن ہے کہ مہر کی مقدار اپنی حیثیت سے زیادہ مقرر نہ کی جائے، یعنی اتنا مہر مقرر کریں کہ جو آسانی سے ادا ہو سکے، چناں چہ احادیث میں مہر زیادہ مقرر کرنے کی کراہت اور کم کی ترغیب آئی ہے:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبے میں فرمایا: ''مہر میں زیادتی مت کرو، کیوں کہ اگر یہ دنیا میں عزت کی بات یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کی بات ہوتی تو سب سے زیادہ اس کے مستحق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی کا اور اسی طرح کسی صاحب زادی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ نہیں ہوا، ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ [3]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورت کا مبارک ہونا یہ بھی ہے کہ اس کا مہر آسان ہو۔''

حدیث میں ہے: ''مہر میں آسانی اختیار کرو۔'' [4]

ایک حدیث میں ہے: ''اچھا مہر وہ ہے جو آسان اور کم ہو۔'' [5]

عورت سے مہر معاف کروانا اچھی بات نہیں ہے، اگر چہ عورت کا معاف کر دینا مباح ہے، لیکن باوجود مباح ہونے کے ناپسندیدہ ہے، کیوں کہ یہ غیرت کے

---

[1] مسند احمد: ٤٣٥/٥، الرقم: ١٨٤٥٣٧

[2] كنز العمال، كتاب النكاح، الفصل الثالث فى الصداق: ١٣٧/١٦، الرقم: ٤٤٧١٧

[3] جامع الترمذى، كتاب النكاح، باب ماجاء فى مهور النساء: ٢١١/١

[4] كنز العمال، كتاب النكاح، الفصل الثالث ١٣٧/١٦

[5] كنز العمال، كتاب النكاح، الفصل الثالث فى الصداق: ١٣٦/١٦، رقم: ٤٤٧٠٠

خلاف ہے۔ غیرت کا تقاضہ یہی ہے کہ عورت کی مہر کی معافی کو قبول نہ کرو، بل کہ تم خود اس کے ساتھ احسان کرو، اگر عورت معاف بھی کر دے، پھر بھی ادا کر دینا چاہیے، کیوں کہ غیرت کی بات ہے، بلا ضرورت عورت کا احسان نہ لے۔

اگر شوہر کے کہنے پر بے دلی سے یا اس کے ڈرانے دھمکانے کی وجہ سے یا اس کے دھوکے میں آ کر عورت نے مہر معاف کر دیا تو ایسی معافی عنداللہ ہرگز معتبر اور مقبول نہیں، اس صورت میں یہ عنداللہ بدستور ذمہ داری کے بوجھ تلے رہے گا۔

مہر لڑکی کا حق ہے، اس کا معافی کا تعلق لڑکی ہی سے ہے، بالغ ہونے پر خود لڑکی اور اس کی اجازت سے اس کا باپ بھی معاف کر سکتا ہے، بغیر لڑکی کی اجازت کے اور رضامندی کے باپ کو معاف کرنے کا حق نہیں ہے۔

بعض لوگ ایسے ہی طلاق دینے کے وقت نابالغ بیوی سے مہر معاف کرا لیتے ہیں، یہ معتبر نہیں، نابالغہ کا معاف کرنا باطل ہے، اسی طرح نابالغہ کے باپ یا چچا کو مہر معاف کرنے کی اجازت دینا بھی غیر معتبر ہے، لہٰذا باپ یا چچا کے منظور کرنے سے بھی نابالغہ بیوی کا مہر معاف نہیں ہو سکتا۔[1]

اگر عورت اپنا مہر نہ لیتی ہے، نہ معاف کرتی ہے، ایسی صورت میں شوہر مہر کا مال بیوی کے سامنے اس طرح رکھ دے کہ اگر وہ اٹھانا چاہے تو اٹھا سکے اور رکھ کر یہ کہہ دے کہ یہ تمہارا مہر ہے اور یہ کہہ کر اس مجلس سے ہٹ جائے تو مہر ادا ہو گیا، مرد سبک دوش ہو جائے گا، پھر اگر وہ عورت نہ اٹھائے گی کوئی اور اٹھائے گا تو اس عورت کا روپیہ ضائع ہوگا، شوہر سبک دوش ہو جائے گا اور اگر ضائع ہونے کے خیال سے پھر شوہر نے اٹھا لیا تو وہ شوہر کے پاس امانت

---

[1] الدر المختار مع ردالمحتار، باب المہر، مطلب فی حط المہر ۱۱۳/۳

ہوگا، شوہر کی ملک نہ ہوگا، اس میں شوہر کو تصرف کرنا جائز نہ ہوگا۔[1]

شوہر کے مرض الموت میں عورت مہر معاف کر دیتی ہے، اگر خوشی سے معاف کر دے تو معاف ہو جاتا ہے اور اگر عورتوں کی زبردستی سے معاف کرے تو معاف نہیں ہوتا اور بڑوں بوڑھوں کو چاہیے کہ وہ عورت کو مہر معاف کرنے پر اس طرح مجبور نہ کریں۔[2]

شوہر کے انتقال کے بعد ورثا کے کہنے پر عورت کو مہر معاف کرنا بظاہر تو بہتر معلوم ہوتا ہے، لیکن نظر غائر سے معلوم ہوتا ہے کہ لینا افضل ہے، کیوں کہ شوہر کے ورثا کے معافی چاہنے کی بنیاد حرص پر ہے جو کہ مذموم ہے اور معاف کرنا اس مذموم کی اعانت ہے۔

شوہر کے انتقال کے بعد بذاتِ خود عورت کو مہر معاف کرنے نہ کرنے میں اختیار ہے، البتہ اگر میراث میں ملنے والا حصہ گزراوقات کے لیے کافی نہ ہو اور ورثا سے اخراجات برداشت کرنے کی امید نہ ہو تو معاف نہ کرنا بہتر ہے۔

اگر بیوی کا انتقال ہو جائے اور شوہر نے اس کا مہر ادا نہ کیا ہو تو اس مہر کی شرعی حیثیت مال وراثت کی ہوگی اور چوں کہ شوہر بھی زوجیت کی بنا پر وارث ہے، اس لیے مہر میں اس کا بھی چوتھائی حق ہوگا، بشرط یہ کہ اولاد موجود ہو، اولاد موجود نہ ہونے کی صورت میں نصف کا حق دار ہوگا۔

بیوی اگر اپنے انتقال کے وقت مہر معاف کر دے تو شوہر کے لیے مہر میں سے وہی حصہ معاف ہوگا جو عورت کی وراثت سے اس کو ملنے والا ہے، باقی اس کے ذمہ دوسرے ورثا کے لیے واجب الادا رہے گا۔[3]

---

[1] ردالمحتار، کتاب العتق، باب العتق علی جعل: ٦٧٦/٣

[2] البحر الرائق، کتاب النکاح، باب المهر: ٣/ ٢٦٣، ٢٦٤

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب النکاح، ساتواں باب مسائل و احکامِ مہر: ٨/ ٢٢٣

⓴ میاں بیوی میں تنہائی یعنی صحبت نہیں ہوئی تھی کہ طلاق کی نوبت آ گئی، اس صورت میں نصف مہر دینا ہوگا۔[1]

شادی سے متعلق دو رسمیں اور ان کا حکم

❶ شادی کی اطلاع کے لیے کارڈ چھپوانے کی بھی ضرورت نہیں، اگر ضروری ہو تو معمولی درجے کا کارڈ چھپوا لیں، شادی کارڈ کے اندر لوگ بہت پیسے خرچ کرتے ہیں، بہت مہنگا بنواتے ہیں، ہزاروں نہیں بل کہ لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں، حالاں کہ اس کا حاصل صرف اطلاع دینا ہے، جس گھر میں دیا، پڑھا اور ایک طرف رکھ دیا، بنانے والے تو یہ سمجھتے ہیں کہ یادگار رہے گا، لیکن ذرا سوچیں کون یاد کرتا ہے، دوسرے دن جب ولیمہ ختم، کارڈ سارے کے سارے ٹوکری میں ڈال دیے اور لاکھوں روپے ضائع ہو گئے۔

❷ نیوتہ یعنی شادی کے موقعے پر پیسے لینے دینے کی رسم بالکل ناجائز ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ دینے والے کی نیت یہ ہوتی ہے کہ ان لینے والوں کی طرف سے کسی موقعے پر جب مجھے پیسے دیے جائیں تو اس سے زیادہ دیے جائیں اور یہ صورت سودی قرض کی ہے جو کہ ناجائز ہے۔

جہیز سے متعلق چند باتیں

جہیز درحقیقت اپنی اولاد کے ساتھ صلہ رحمی ہے، اگر اللہ تعالیٰ کسی کو دے تو اپنی بیٹی کو خوب دینا برا نہیں۔

جہیز میں ایسی چیزیں دی جائیں جس کی بیٹی کو ضرورت ہو، مثلاً: پلنگ، تکیہ، گدے، پیالہ، چادر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ضرورت کی چیزیں جہیز میں عنایت فرمائی تھیں جس کا ذکر گزر چکا ہے۔

---

[1] الهداية، كتاب النكاح، باب المهر: ٣٠٤/٢

حیثیت کے مطابق دینا چاہیے جس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ کہیں ہاتھ نہیں پھیلانا پڑے گا۔ دکھاوے کے لیے جہیز نہ دیا جائے اور نہ ہی اعلان کیا جائے۔

بارات اور لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کا حکم

نکاح کے وقت دولہا کی طرف سے بارات لے کر جانا جائز ہے البتہ سنت نہیں اور نہ ہی شریعت نے نکاح کو اس پر موقوف کیا ہے، البتہ اگر اعتدال کے ساتھ کچھ لوگ لڑکی کے گھر چلے جائیں اور لڑکی کو رخصت کر کے لے آئیں تو جائز ہے۔[1]

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح لڑکے کے لیے نکاح کے بعد ولیمہ کرنا سنت ہے، اسی طرح لڑکی کے والدین کے لیے بھی نکاح کے وقت دعوت کرنا سنت یا کم از کم شرعی طور پر پسندیدہ ہے، حالاں کہ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے، البتہ حسبِ استطاعت خاص خاص عزیز و اقارب کو بلا لینا اور بطور مہمان نوازی کے کھانا وغیرہ کھلا دینا جائز ہے۔[2]

شادی سے متعلق بعض منکرات

اس موقعے پر جو ایک بہت خطرناک اور بہت ہی سنگین گناہ ہوتا ہے، وہ تصویر کشی کا گناہ ہے، عام طور پر منگنی سے اس کا آغاز ہوتا ہے اور ولیمہ پر اس کا اختتام ہوتا ہے، حالاں کہ ہماری شریعت میں جان دار کی تصویر کھینچنا، ناجائز اور گناہ ہے، احادیث میں اس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا مفہوم ہے:

---

[1] تاریخ الخمیس، باب تزوج علی ۳۶۲/۱

[2] عالمگیری، الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات: ۳۴۳/۵، مأخذه فتاوی محمودیه، کتاب النکاح، باب ما یتعلق بالرسوم ۲۲۹/۱۲

''قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔''[1]

دوسرا گناہ جو اس موقعے پر ہوتا ہے، وہ گانا بجانے کا گناہ ہے۔ اس میں تین گناہ ہوتے ہیں، جو ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں: ① گانا بجانا ② گانے بجانے کے آلات کا استعمال کرنا ③ ناچنا۔

یہ گانا بجانا بھی ایسا ہی گناہ ہے، جیسے تصویر کھینچنا گناہ ہے اور اس کے بارے میں بڑی بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔

حدیث میں آتا ہے:

''دو آوازیں ایسی ہیں کہ جن پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے: ایک خوشی کے موقعے پر گانے بجانے کی آواز اور دوسرے غمی کے موقع پر رونے دھونے اور نوحہ کرنے کی آواز۔''[2]

ایک حدیث میں بڑی ہی خوفناک اور ہولناک وعید آئی ہے جس کا مفہوم ہے: جو شخص دنیا کے اندر گانا گائے گا یا سنے گا تو قیامت کے دن جہنم کی آگ میں سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں ڈالا جائے گا۔[3] لہٰذا جس تقریب کے بارے میں پہلے سے معلوم ہو کہ وہاں تصویر کشی اور گانا بجانا ہوگا تو پھر اپنے اختیار سے وہاں نہیں جانا چاہیے اور اگر ان سے کوئی خصوصی تعلق ہے تو آدمی ایک دن پہلے یا ایک دن بعد جا کر شادی کی مبارک باد دے سکتا ہے، اگر کوئی تحفہ دینا چاہے تو تحفہ دے سکتا ہے، لیکن اس گناہ کی موجودگی میں وہاں جانے سے بچنا چاہیے۔

تیسرا گناہ جو عام طور پر شادی بیاہ کے موقعے پر دیکھا جاتا ہے، وہ ان تقریبات کے اندر مخلوط اجتماع ہوتا ہے، ایسی تقریب منعقد کرنا گناہ ہے اور ایسی تقریب

---

[1] صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب عذاب المصورین: ۸۸۰/۲

[2] مجمع الزوائد، الجنائز، باب فی النوح: ۷۵/۳، الرقم: ۴۰۱۷

[3] لسان المیزان: ۳۴۸/۵، رقم: ۱۱۴۳

میں شرکت کرنا بھی گناہ ہے، مخلوط اجتماع شادی بیاہ تو درکنار تعلیم وتعلّم میں بھی جائز نہیں ہے[1]

احکامِ مباشرت

شادی کی پہلی رات دو رکعت نفل سنت سمجھ کر نہ پڑھی جائیں، البتہ شکرانے کے طور پر پڑھ سکتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے حرام سے بچایا اور حلال عطا فرمایا۔

شادی کی پہلی رات بیوی سے ملاقات کرنے میں سنت یہ ہے کہ پہلے اس کے پیشانی کے بال پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کرے اور "بِسْمِ اللّٰهِ" کہہ کر یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَهَا وَخَیْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَیْهِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَیْهِ."[2]

تَرجَمَۃ: "اے اللہ! آپ سے اس کی خیر و برکت کا اور اس کی پیدائشی خصلت کی خیر و برکت کا جس پر آپ نے اس کو پیدا کیا سوال کرتا ہوں اور اے اللہ! میں آپ سے اس کی شرارت سے اور جس شرارت پر یہ پیدا ہوئی پناہ مانگتا ہوں۔"

اور جس وقت صحبت کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھے:

"بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّیْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا."[3]

تَرجَمَۃ: "شروع اللہ کے نام سے، اے اللہ! شیطان کو ہم دونوں سے دور کر دے اور اس ملاپ سے آپ نے جو ہمارے لیے اولاد لکھ دی ہے

---

[1] مأخذه الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی اللبس: ٣٤٩/٦

[2] سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی جامع النکاح: ٢٩٣/١

[3] بخاری، کتاب النکاح، باب ما یقول الرجل اذا اتی ... : ٧٧٦/٢

ان کو بھی شیطان سے دور کر دے۔“

پہلی دعا کی برکت یہ ہے کہ بیوی ہمیشہ تابع رہے گی، دوسری دعا کی برکت یہ ہے کہ اگر اولاد ہوگی تو صالح ہوگی اور شیطان کے ضرر سے محفوظ رہے گی۔[1]

نکاح سے نیت اگر پاک دامنی، یکسوئی کے ساتھ عبادت کرنا اور نیک اولاد ہو تو یہ نکاح اور بیوی کے پاس جانا عبادت ہے۔

شوہر بیوی کا آپس میں کسی جگہ کا پردہ نہیں ہے، دونوں کا ایک دوسرے کے سامنے سارا بدن کھولنا درست ہے، مگر بے ضرورت ایسا کرنا اچھا نہیں ہے۔

ہم بستری کے وقت زبان سے ذکر کرنے کی ممانعت ہے، البتہ ذکر قلبی کی کسی حال میں بھی ممانعت نہیں۔

نگاہ کے بہک جانے سے اگر کوئی وسوسوں کا شکار ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اپنی بیوی سے ضرورت پوری کر لے۔

دوسری بیوی کے دیکھتے ہوئے صحبت کرنا بے حیائی ہے اور دوسری عورت کا دل دکھانا ہے، ایک عورت کو دوسری عورت کا ستر دیکھنا بھی گناہ ہے، لہٰذا یہ طریقہ ناجائز ہے۔

دعوتِ ولیمہ

ولیمے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ بلا تکلف اختصار کے ساتھ جس قدر میسر ہو جائے اپنے خاص لوگوں کو کھلا دے۔

ولیمہ اسی حد تک مسنون ہے جس کو اسلام نے متعین کر دیا ہے جس میں غربا بھی ہوں اور اپنی حیثیت کے مطابق ہو، سودی قرض سے نہ کیا گیا ہو، دکھلاوے اور شہرت کے لیے نہ ہو، تکلفات سے پاک ہو اور خالصاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو۔

---

[1] فتاویٰ رحیمیہ، کتاب النکاح، متفرقات نکاح: ۸/۲۴۴، ۲۴۷

اس سنت کی ادائیگی کے لیے شرعاً نہ مہمانوں کی کوئی تعداد مقرر ہے، نہ کھانے کا کوئی معیار، بل کہ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق کر سکتا ہے۔ اس کے لیے قرض ادھار لینا شرعاً ناپسندیدہ ہے، البتہ اگر استطاعت ہو تو زیادہ مہمان بلانے اور اچھے کھانے کا اہتمام کرنے میں بھی کچھ حرج نہیں۔

ولیمہ نکاح کے وقت سے لے کر رخصتی کے بعد تک کسی بھی وقت ہوسکتا ہے، البتہ مستحب یہ ہے کہ رخصتی کے بعد ہو، لہٰذا اگر میاں بیوی ہم بستری نہ کر پائے ہوں، تب بھی ولیمہ کی سنت ادا ہو جائے گی، ہم بستری نہ ہونے سے ولیمہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

نکاح سے متعلق شرعی احکام

اللہ تعالیٰ نے نکاح کے رشتے کو بہت آسان بنایا ہے کہ صرف مرد و عورت موجود ہوں اور دو گواہ موجود ہوں اور وہ مرد و عورت ان گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرلیں، بس نکاح ہوگیا، حتیٰ کہ خطبۂ نکاح پڑھنا بھی ضروری نہیں، البتہ خطبہ پڑھنا سنت ہے۔

ہمارے ہاں شادیاں عموماً اس طرح ہوتی ہیں کہ دلہن خود نکاح کی محفل میں موجود نہیں ہوتی، بل کہ دلہن کے گھر والوں میں سے کوئی نکاح سے پہلے اس سے اجازت لے لیتا ہے جو دلہن کی طرف سے وکیل کی حیثیت رکھتا ہے اور نکاح نامہ میں بھی اس کا نام وکیل کے خانے میں درج ہوتا ہے، جب یہ وکیل لڑکی سے اجازت لینے جاتا ہے تو نکاح کا ایجاب وقبول نہیں ہوتا، بل کہ محض لڑکی سے نکاح کی اجازت لی جاتی ہے۔ اس میں اجازت لینے والے کو لڑکی سے یہ کہنا چاہیے: ''کہ میں تمہارا نکاح فلاں ولد فلاں سے اتنے مہر پر کرنا چاہتا ہوں، کیا تمہیں یہ منظور ہے؟''

اگر لڑکی کنواری ہے تو اس کا زبان سے ''منظور ہے'' کہنا ضروری نہیں، بل کہ اتنا بھی کافی ہے کہ وہ انکار نہ کرے، البتہ زبان سے منظوری کا اظہار کر دے تو اور اچھا ہے اور اگر صرف نکاح نامہ پر دستخط کر دے تو بھی اجازت ہو جاتی ہے، البتہ اگر کوئی عورت پہلے شادی شدہ رہ چکی ہے اور اب یہ اس کی دوسری شادی ہے تو اس کا زبان سے منظوری کا اظہار ضروری ہے، بصورت دیگر اسے منظوری نہیں سمجھا جائے گا۔

جب لڑکی سے اس طرح اجازت لے لی جائے تو جس شخص نے اجازت لی ہے، وہ بحیثیتِ وکیل نکاح کرنے کا اختیار نکاح خواں کو دے دیتا ہے اور پھر نکاح خواں جو الفاظ دولہا سے کہتا ہے، وہ نکاح کا ''ایجاب'' ہے اور دولہا جو جواب دیتا ہے، وہ ''قبول'' ہے اور ان دونوں کلمات سے نکاح کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

جب نفس میں تقاضہ ہو اور وسعت بھی ہو تو نکاح کرنا واجب ہے اور نکاح نہ کرنے سے گناہ گار ہوگا۔

اگر وسعت کے ساتھ بہت زیادہ تقاضا ہے کہ بغیر نکاح کیے ہوئے حرام فعل میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے تو نکاح کرنا فرض ہے، البتہ اگر اندیشہ ہے کہ بیوی کے حقوق ادا نہ کر سکے گا، خواہ جان سے یا مال سے تو ایسے شخص کے لیے نکاح کرنا ممنوع ہے۔

اگر ضرورت ہو اور وسعت نہ ہو تو بعض علما کے نزدیک نکاح نہ کرے اور شہوت کو ختم کرنے لیے روزے رکھے اور بعض علما کے نزدیک بہتر صورت یہ ہے کہ نکاح کر لے اور وسعت کا تدارک محنت مزدوری یا قرض سے کر لے جس کی ادائیگی کی پکی نیت رکھے اور ادا کی کوشش بھی کرے اور اگر اس پر بھی ادا نہ ہو سکا تو امید ہے کہ حق تعالیٰ اس کے قرض خواہ کو راضی فرما دیں گے، کیوں کہ

اس نے دین کی حفاظت کے لیے نکاح کیا تھا، اس میں مقروض ہو گیا تھا، مگر فضولیات کے لیے یہ قرض جائز نہیں، بل کہ نان نفقہ کے لیے یا مہر کے لیے جہاں مہر فوراً لیا جاتا ہو۔

اگر کسی جگہ ایک شخص نکاح کا پیغام بھیج چکا ہے تو جب تک اس کو جواب نہ مل جائے یا وہ خود چھوڑ نہ دے، دوسرے کو پیغام نکاح نہیں دینا چاہیے۔

اگر کوئی شخص اپنا دوسرا نکاح کرنا چاہے تو اس عورت کو یا اس کے ورثا (اولیا) کو مناسب نہیں کہ شوہر سے شرط ٹھہرا لے کہ پہلی منکوحہ (بیوی) کو طلاق دے دے، جب نکاح کیا جائے گا، حدیث میں اس کی صریح ممانعت آئی ہے، اپنی تقدیر پر قناعت کرنا چاہیے۔

میاں بیوی کے باہمی معاملات، خلوت (خصوصی تعلقات) کو دوست احباب سے یا ساتھیوں یا سہیلیوں سے ذکر کرنا، اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے، اکثر لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے۔

اگر نکاح کے بارے میں کوئی مشورہ کرے تو خیر خواہی کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی خرابی معلوم ہو تو ظاہر کر دی جائے، یہ غیبت حرام نہیں ہے، خیر خواہی کی ضرورت سے اس کا عیب بیان کرنا پڑے تو شرعاً اس کی اجازت ہے، بل کہ بعض جگہ واجب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے رو سے لڑکے کے لیے لڑکی کو دیکھنا ثابت ہے نہ کہ لڑکی کو دکھلانا یعنی حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ لڑکی والے اس لڑکے کو خود لڑکی دکھلا دیں، بل کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لڑکے کو اجازت ہے کہ موقع مل جائے تو دیکھ لے۔

بہت چھوٹی عمر میں شادی کر دینے میں بہت سے نقصان ہیں، بہتر تو یہی ہے کہ لڑکا جب کمانے کا اور لڑکی جب گھر چلانے کا بوجھ اٹھا سکے، اس وقت

شادی کی جائے۔

نکاح میں ایجاب وقبول جو تین مرتبہ کہلایا جاتا ہے، نہ تو یہ واجب ہے نہ سنت مؤکدہ اور نہ ہی مستحب، اسی طرح نکاح میں آمین پڑھوانا بالکل لغو ہے۔

کفاءت (برابری) کا حکم

شریعت نے برابری میں چند اوصاف کا اعتبار کیا ہے ان میں نسب، اسلام، آزادی، ذاتی شرافت (خواہ دینی ہو خواہ دنیاوی) مال اور پیشہ شامل ہیں۔[1]

بہتر یہی ہے کہ عورت اپنے ہی کفو کی لائے، کیوں کہ غیر کفو کے اخلاق و عادات اکثر اپنے موافق نہیں ہوتے جس کی وجہ سے ہمیشہ آپس میں ناچاقی رہتی ہے۔

کفاءتِ نسب میں ماں کا اعتبار نہیں، باپ کا اعتبار ہے، چناں چہ ماں کے نسب میں کم درجہ ہونے سے، اولاد کا کم درجہ ہونا لازم نہیں آتا۔[2]

کفو کی رعایت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اگر کفو میں کوئی رشتہ نہ ملے تو یہ قسم کھالی جائے کہ اب زندگی بھر شادی ہی نہیں ہو سکے گی، دوسرے کفو کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خاص اپنی برادری ہی میں رشتہ کیا جائے اور برادری کے باہر سے جو بھی رشتے آئیں، انہیں غیر کفو قرار دیا جائے، اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہئیں، جنہیں نظر انداز کرنے سے ہمارے معاشرے میں بڑی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں:

1. ہر وہ شخص کسی لڑکی کا کفو ہے جو اپنے خاندانی حسب ونسب، دین داری اور پیشے کے لحاظ سے لڑکی اور اس کے خاندان کا ہم پلہ ہو، یعنی کفو میں ہونے کے لیے اپنی برادری کا فرد ہونا ضروری نہیں، بل کہ اگر کوئی شخص کسی اور برادری کا

---

[1] الدر المختار، کتاب النکاح، باب الکفاءۃ: ۸۶/۳ تا ۹۰

[2] عالمگیری، کتاب النکاح، الباب الخامس فی الاکفاء: ۲۹۰/۱

ہے، لیکن اس کی برادری بھی لڑکی کی برادری کے ہم پلہ سمجھی جاتی ہے تو وہ بھی لڑکی کا کفو ہے، کفو سے باہر نہیں ہے، مثلاً: سید، صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی بل کہ تمام قریشی برادریاں آپس میں ایک دوسرے کے لیے کفو ہیں، اسی طرح جو مختلف عجمی برادریاں ہمارے ملک میں پائی جاتی ہیں، مثلاً: راجپوت، خان وغیرہ وہ بھی اکثر ایک دوسری کے ہم پلہ سمجھی جاتی ہیں اور ایک دوسری کے لیے کفو ہیں۔[1]

۲ بعض احادیث وروایات میں یہ ترغیب ضرور دی گئی ہے کہ نکاح کفو میں کرنے کی کوشش کی جائے، تاکہ دونوں خاندانوں کے مزاج آپس میں میل کھا سکیں، لیکن یہ سمجھنا غلط ہے کہ کفو سے باہر نکاح کرنا شرعاً بالکل ناجائز ہے حقیقت یہ ہے کہ اگر لڑکی اور اس کے اولیا کفو سے باہر نکاح کرنے پر راضی ہوں تو کفو سے باہر کیا ہوا نکاح بھی شرعاً منعقد ہو جاتا ہے اور اس میں نہ کوئی گناہ ہے، نہ کوئی ناجائز بات۔[2]

لہٰذا اگر کسی لڑکی کا رشتہ کفو میں میسر نہ آرہا ہو تو اور کفو سے باہر کوئی مناسب رشتہ مل جائے تو وہاں شادی کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، کفو میں رشتہ نہ ملنے کی وجہ سے لڑکی کو عمر بھر بغیر شادی کے بٹھائے رکھنا کسی طرح جائز نہیں۔

۳ شریعت نے یہ ہدایت ضرور دی ہے کہ لڑکی کو نکاح بغیر ولی کے نہیں کرنا چاہیے (خاص طور سے اگر کفو سے باہر نکاح کرنا ہو تو ایسا نکاح اکثر فقہا کے نزدیک بغیر ولی کے درست نہیں ہوتا) لیکن ولی کو بھی یہ چاہیے کہ وہ کفو کی شرط پر اتنا زور نہ دے جس کے نتیجے میں لڑکی عمر بھر شادی سے محروم ہو جائے اور برادری کی شرط پر اتنا زور دینا تو اور بھی زیادہ بے بنیاد اور لغو حرکت ہے جس کا کوئی

---

[1] مأخذہ ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الکفاءۃ: ۳/۸۹

[2] ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الکفاءۃ: ۳/۸٦

جواز نہیں ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کا مفہوم ہے:

''جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص رشتہ لے کر آئے جس کی دین داری اور اخلاق تمہیں پسند ہوں تو اس سے (اپنی لڑکی کا) نکاح کر دو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ وفساد برپا ہوگا۔''[1]

۴ اسی ضمن میں یہ غلط فہمی بھی بہت سے لوگوں میں عام ہے کہ سیّد لڑکی کا نکاح غیر سیّد گھرانے میں نہیں ہوسکتا، یہ بات بھی شرعی اعتبار سے درست نہیں ہے، ہمارے عرف میں ''سید'' ان حضرات کو کہتے ہیں جن کا نسب بنی ہاشم سے جا ملتا ہو، چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی ہاشم سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے بلاشبہ اس خاندان سے نسبی وابستگی ایک بہت بڑا اعزاز ہے، لیکن شریعت نے ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی کہ اس خاندان کی کسی لڑکی کا نکاح باہر نہیں ہوسکتا، بل کہ نہ صرف شیوخ بل کہ تمام قریشی نسب کے لوگ بھی شرعی اعتبار سے سادات کے کفو ہیں اور ان کے درمیان نکاح کا رشتہ قائم کرنے میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے،[2] بل کہ قریش سے باہر کے خاندانوں میں بھی باہمی رضا مندی کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے۔

۵ اگر داماد یا بہنوئی بنانے میں برابری کے اعتبار سے دشواری ہو کہ بعض دین کے اعتبار سے تو بہتر ہیں، لیکن دوسری بعض صفات کے اعتبار سے موزوں نہیں اور بعض دنیاوی اعتبار سے تو بہتر ہیں، لیکن ان کے اندر ظاہری طور پر دین داری نہیں تو ایسی صورت میں چند باتوں کو دیکھ لیا جائے اور رشتہ قبول کر لیا جائے:

(۱) اسلامی عقائد میں شک وشبہ نہ ہو۔

---

[1] جامع الترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء فی من ترضون: ۲۰۷/۱

[2] فتاویٰ عالمگیری، کتاب النکاح، الباب الخامس فی الاکفاء: ۲۹۰/۱

(۲) اہلِ علم اور بزرگوں کا ادب کرتا ہو۔

(۳) نرم مزاج ہو۔

(۴) اپنے متعلقین کے حقوق ادا کرنے کی اس سے توقع ہو۔

(۵) بقدرِ ضرورت مالی گنجائش ہونا تو ضروری ہی ہے۔

جس لڑکے میں ایسے اوصاف پائے جائیں تو ایسے لڑکے کو گوارہ کر لیا جائے پھر جب آمد و رفت اور میل جول اور مناسبت ہوگی تو ایسے شخص سے بعید نہیں کہ دین کے معاملے میں بھی اس کی اصلاح ہو جائے۔

میاں بیوی کے آپس کے معاملات سے متعلق حکم

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کی ادائیگی کی طرف توجہ دے، چناں چہ میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریقہ اختیار کیا کہ دونوں کو ان کے فرائض بتا دیے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں کوئی بھی بات اتنی ناپسند نہیں، جتنے میاں بیوی کے جھگڑے ناپسند ہیں۔ درحقیقت زندگی کی گاڑی اسی طرح چلتی ہے کہ دونوں اپنے فرائض کا احساس کریں اور دوسرے کے حقوق کا لحاظ کریں، اپنے حقوق حاصل کرنے کی اتنی فکر نہ ہو جتنی دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی فکر ہو، اگر یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو پھر زندگی استوار ہو جاتی ہے۔

بیوی کے حقوق

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار اس دنیا کو جو آسمانی ہدایت سے بے خبر تھی، خواتین کے حقوق کا احساس دلایا کہ خواتین کے ساتھ حسن سلوک کرو، ان کے ساتھ اچھی معاشرت برتو، ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا مفہوم ہے:

''تم میں سے سب سے بہترین وہ لوگ ہیں، جو اپنی خواتین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔''[1]

سارے جھگڑوں کی جڑ یہ ہے کہ شوہر چاہتا ہے کہ جیسے میں خود ہوں، میری بیوی بھی ایسی بن جائے اور یہ ناممکن سی بات ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ اوصاف مردوں کے لیے مقرر کیے ہیں اور کچھ عورتوں کے لیے، چناں چہ بعض چیزیں جو مردوں کے لیے عیب ہیں، ان کو عورتوں کے لیے خوبی بنا دیا اور بعض چیزیں جو عورتوں کے لیے عیب ہیں، ان کو مردوں کے لیے خوبی بنا دیا، جیسا کہ دنیا کے معاملات سے غفلت مردوں کے لیے عیب ہے، جب کہ عورتوں کے لیے خوبی ہے کہ ان کو صرف اپنے فرائض کی حد تک معلوم ہو، اس کے علاوہ نہیں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو ٹیڑھی پسلی سے تشبیہ دی، یہ درحقیقت عورت کے لیے عیب کی بات نہیں کہ جس طرح پسلی سے فائدہ اس کے ٹیڑھا رہنے کی حالت ہی سے ممکن ہے، اس لیے عورت کی سرشت کو سیدھا کرنے کی کوشش کرنے میں نقصان تو ہے فائدہ کوئی نہیں[2] البتہ جو چیز عورت کی فطرت اور سرشت کے اعتبار سے واقعی عیب ہیں، ان کی اصلاح کی ذمہ داری شوہر پر ہے۔

مرد کو اس بات کا مکلّف بنایا گیا ہے کہ اگر وہ بیوی میں کوئی بات قابلِ اصلاح یا بے حیائی کی دیکھے تو اس کی اصلاح کی فکر کرے، سب سے پہلے تو نرمی، خوش اخلاقی اور محبت سے نصیحت کی جائے، یہ اصلاح کا پہلا درجہ ہے، اگر وعظ و نصیحت کا اثر نہ ہو تو پھر اصلاح کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ بستر الگ کرلیا جائے، اگر اصلاح کا یہ درجہ بھی کارگر (مفید) ثابت نہ ہو تو پھر تیسرا درجہ اختیار کیا

---

[1] جامع الترمذی، ابواب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجها: ۲۱۹/۱

[2] مأخذہ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیة بالنساء: ۴۷۵/۱

جائے، وہ ہے مارنا، لیکن اس مار سے تکلیف دینا مقصود نہ ہو، بل کہ اصلاح مقصود ہو، اُس لیے تکلیف دینے والی ایسی مار جائز نہیں جس سے نشان پڑ جائے۔

شوہر کے والدین کی خدمت عورت کے ذمہ نہیں، لہٰذا شوہر اپنی بیوی کو اپنے والدین کی خدمت پر مجبور نہیں کرسکتا، البتہ عورت کے لیے سعادت کی بات ہے کہ وہ شوہر کے والدین کی خدمت کرے اور شوہر کے والدین کو بھی چاہیے کہ اس کی خدمت کو حسنِ سلوک سمجھتے ہوئے قدر کریں اور بدلہ دینے کی کوشش کریں۔

عورت کا نان نفقہ مرد کے ذمے ہے، نفقہ صرف یہ نہیں کہ کھانے اور کپڑوں کا انتظام کردیا جائے، بل کہ شوہر کے لیے ضروری ہے کہ اس کے علاوہ بھی کچھ رقم بطور جیب خرچ بیوی کو دے دیا کرے۔[1]

[1] شوہر اور بیوی کے لیے بیت العلم ٹرسٹ کی دو کتابیں ''تحفۂ دولہا'' اور ''تحفۂ دلہن'' کے نام سے چھپ چکی ہیں۔ ان کتابوں میں میاں بیوی کے آپس کے حقوق کے متعلق تفصیلی مضامین موجود ہیں ازدواجی زندگی کو سنت کے مطابق اور خوش گوار بنانے کے لیے ضروری ہے کہ میاں بیوی ان کتابوں کا مطالعہ کریں ان شاء اللہ تعالیٰ ان کتابوں کا مطالعہ آپس کے حقوق کی ادائیگی میں مدد و معاون ثابت ہوگا۔

اصلاح معاشرہ اور نوجوان نسل کے لیے چند مفید کتب

(۱) درسی بہشتی زیور (للبنات)

☆ خواتین کے لیے انمول تحفہ ہی نہیں، بل کہ ایک مربی استاذ کی حیثیت والی کتاب اب ایک نئی ترتیب پر جس مین فقہی ابواب اور ہر مضمون کے بعد تمرین کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب ثانویہ عامہ اور میٹرک کی طالبات کے نصاب میں شامل کرنے کے لیے ایک ضروری اور مفید کتاب ہے۔ اگر ابتداء ہی میں درساً بہشتی زیور پڑھائی جائے تو بقیہ فقہ کی کتب کا پڑھنا، سمجھنا آسان ہوجائے گا اور ان شاء اللہ تعالیٰ عمر بھر فقہ کے بنیادی مسائل یاد رہیں گے۔

(۲) درسی بہشتی زیور (مردوں کے لئے، مفید و سہل مشقوں کے ساتھ):

اب نئے انداز میں مردوں اور طلبہ کے لئے تیار کی گئی ہے:

جس میں مؤنث کے صیغوں کو مذکر کے صیغوں میں تبدیل کرنے کے ساتھ ساتھ

☆ فقہی ابواب اور ہر مضمون کے بعد تمرین کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

☆ اس طرح یہ کتاب درجہ اولی اور میٹرک کے طلبہ کے نصاب میں شامل کرنے کے لئے ایک ضروری اور مفید کتاب ہے

☆ قدوری پڑھانے سے پہلے درجہ اولی میں درساً بہشتی زیور پڑھائی جائے تو قدوری پڑھنا سمجھنا آسان ہوجائے گا

☆ ان شاء اللہ تعالیٰ عمر بھر فقہ کے بنیادی مسائل یاد رہیں گے۔

☆ اور مادری زبان میں طلبہ کو مسائل سمجھ آ گئے تو بقیہ فقہ کی کتب کا پڑھنا آسان ہوجائے گا۔

⑤ رہن سہن کے آداب

☆ اس کتاب میں گھر کے اور گھر سے باہر کے اسلامی آداب کو جمع کیا گیا ہے۔ مثلاً: سلام کے آداب ... کلام کے آداب ... مجلس کے آداب ... خدمت کے آداب ... سفارش کے آداب ... ہدیہ کے آداب ... بچوں کی تربیت کے آداب ... خط و کتابت کے آداب ... مسجد کے آداب ... وعدے کے آداب ... کھانے پینے کے آداب ... اور اس کے علاوہ دیگر رہن سہن کے ضروری آداب، دل چسپ انداز میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ ہر خاص و عام فرد کے لیے مفید ہے۔

⑥ رشتہ داری کا خیال رکھیے

☆ حضور اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ میں "صلہ رحمی" کی بہت تاکید آئی ہے۔ صلہ رحمی کے فضائل، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک پر اجر و ثواب ... قطع رحمی کے نقصانات اور اس کا وبال ... قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کے علاوہ بزرگوں کے نصیحت آموز واقعات کی روشنی میں تیار کی گئی کتاب ... والدین، بھائی، بہن، چچا، ماموں غرض تمام رشتہ داروں کے لیے ایک بیش بہا قیمتی تحفہ ہے جس کے پڑھنے سے دلوں میں رشتہ داری کی اہمیت بڑھے گی ... دوسروں کا دکھ درد اپنا سمجھے گا ... دل میں ہر ایک کے ساتھ اچھے سلوک کا جذبہ بیدار رہے گا ... دوسروں کو تکلیف دینے سے بچتا رہے گا ... ان شاء اللہ تعالیٰ یہ تمام خوبیاں پیدا ہوں گی جب اس کتاب کا مطالعہ کریں گے۔

(۳) قرآنی آیات میں مطابقت المعروف بہ "تطبیق الآیات"

☆ قرآنی آیات کا آپس میں باہمی ربط و تعلق......

☆ نہایت ہی آسان اور عام فہم انداز میں......

☆ کیا قرآنی آیات میں اختلاف ہے......؟

☆ اس سوال کا جواب ایک دل چسپ، انوکھے انداز میں......

☆ ہر بات اکابر علماء کی کتابوں سے مستند اور باحوالہ......

☆ تمام علوم قرآن سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے، خصوصاً علماء کرام اور طلبہ کے لیے یکساں مفید۔

(۴) موبائل فون کا غلط استعمال

☆ یہ کتابچہ حضرت مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری مدظلہ استاذ و مفتی مدرسہ شاہی مراد آباد انڈیا و نواسہ حضرت حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا تالیف کردہ ہے جو موبائل فون سے متعلق چھبیس سوالات کے جوابات اور بیت العلم ٹرسٹ کی طرف سے ضمیمے پر مشتمل ہے،

☆ جس میں فوٹوگرامی، فلم بینی۔

☆ مِس کال کرنا، رنگ ٹون پر آیاتِ قرآنی یا اذان محفوظ کرنا۔

☆ نماز میں موبائل فون بند کرنا، موبائل فون سے گیم کھیلنا۔

☆ کیمرے والا موبائل فون خریدنا اور موبائل فون میں قرآن آیات محفوظ کرنا۔

☆ اس طرح موبائل فون سے متعلق دیگر اہم سوالات کے جوابات کا ایک بہترین مجموعہ جس کا مطالعہ موجودہ دور کے ہر مرد و عورت کے لیے انتہائی ضروری اور مفید ہے تاکہ موبائل فون کے غلط استعمال سے بچا جا سکے۔

آیئے ہم ایک دوسرے کے مددگار بنیں

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہ،

اُمید ہے کہ مزاج بخیر وعافیت ہوں گے..... گرامی قدر محترم جناب

آپ اور آپ کی آراء ہمارے لئے بہت اہم ہیں۔ بہت خوشی ہوگی کہ آپ ہمیں اس کتاب سے متعلق اپنی کوئی قیمتی رائے..... اصلاحی تجویز..... اور مفید بات بتائیں۔

یقیناً آپ اس سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون فرما کر ان شاء اللہ تعالیٰ ادارے کی کتب کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے میں مددگار بنیں گے۔

اُمید ہے جس جذبہ سے یہ گزارش کی گئی ہے اسی جذبہ کے تحت اس کا عملی استقبال بھی کیا جائے گا اور آپ ضرور ہمیں جواب لکھیں گے۔

◎ ٹرسٹ کی کس کس کتاب کا آپ نے مطالعہ فرمایا مثلاً ☆ تحفہ دلہن..... ☆ تحفہ دلہا..... ☆ مثالی ماں..... ☆ مثالی باپ..... ☆ طریقہ وصیت..... ☆ اسمائے حسنیٰ..... ☆ مثالی اُستاذ ☆ کسی کو تکلیف نہ دیجیے وغیرہ؟ ____________

◎ کتاب کا تعارف کیسے ہوا؟ ____________

◎ کیا آپ نے اپنے محلّہ کی مسجد..... لائبریری..... یا مدرسہ/اسکول..... میں اس کتاب کو وقف کر کے یا کسی رشتہ دار وغیرہ کو تحفہ میں دے کر علم پھیلانے میں حصہ لیا؟ ________ اگر نہیں تو آج ہی یہ نیک کام شروع فرمائیں۔

◎ کتاب پڑھ کر آپ نے کیا فائدہ محسوس کیا؟ ____________

◎ کتاب کی کمپوزنگ، جلد اور کاغذ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

معمولی ہے ☐ بہتر ہے ☐ اعلیٰ ہے ☐

◎ کتاب کی قیمت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

سستی ہے ☐ مناسب ہے ☐ مہنگی ہے ☐

◎ کتاب کی تیاری میں مدد کرنے والے ناشر اور پڑھنے والوں کے لئے دعائیں تو کرتے ہوں گے.....

کتاب میں اگر کوئی غلطی آپ کی نظر سے گزری ہو تو مندرجہ ذیل چارٹ میں تحریر فرمادیں تو عنایت ہوگی۔

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلطی کی نوعیت

◎ ڈاک پتہ

تاریخ: ____________

نام: ____________ پتہ: ____________

____

اس پتے پر خط پوسٹ فرما کر آپ بھی نیکی اور علم کے پھیلانے میں معاون بن سکتے ہیں۔

ہمت کیجیے اور اپنے مفید مشورہ اور دعا سے ادارہ کا تعاون کیجیے۔

Bait-ul-Ilm

St-9E, Block 8, Gulshan e Iqbal, Karachi.

Ph: 021-4976339, Fax: 021-4972636

E-Mail. writers_panel@yahoo.com

بیت العلم

ST-9E متصل محمد مسجد

بلاک 8 گلشن اقبال کراچی